اوم

دنیا کے نو مذہبی رہنما

جس میں

(۱) مہاتما کنفوشش (۲) حکیم فیثاغورث (۳) مہاتما زرتشت
(۴) حضرت موسیٰ (۵) بھگوان بدھ (۶) سوامی شنکر آچاریہ
(۷) حضرت مسیح (۸) حضرت محمدؐ اور (۹) مہرشی دیانند
کے جیون اور قربانیوں کے دردناک حالات نہایت
ہی مؤثر پیرایہ میں تحریر کئے گئے ہیں

مصنفہ
لالہ شام لال جی ستیارتھی ایڈیٹر اخبار بلیٹن لاہور

تعداد اشاعت ۱۵۰۰
قیمت فی جلد ۹،

اوم

دُنیا کے نو مذہبی ریفارمر

جس میں

(۱) مہاتما کنفوشش (۲) حکیم فیثا غورث (۳) مہاتما زراشٹر
(۴) حضرت موسےٰ (۵) بھگوان بدھ (۶) سوامی شنکر آچاریہ
(۷) حضرت مسیح (۸) حضرت محمدؐ اور (۹) مہرشی دیانند

کی معروف زندگی اور قربانیوں کے دردناک حالات
نہائت ہی موثر پیرایہ میں تحریر کئے گئے ہیں

مصنفہ

لالہ شام لال جی ستیارتھی ایڈیٹر اخبار بلیٹن لاہور

مینیجر ودیا ساگر پستکالیہ لاہور نے
مطبع سلیم پریس لاہور
میں چھپوا کر شائع کیا

بار اول | ۱۹۱۶ | تعداد اشاعت ۱۰۰۰ | قیمت فی جلد ۹ر

گذارشِ حال

اپنی تصنیف دُنیا کی ۹ مہادیویوں کی تیاری کے لئے مختلف ممالک کی تواریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے کئی اُن بزرگوں اور مہاتماؤں کے حالات مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ کہ جنہوں نے اپنی عمریں اہلِ دُنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت سدھارنے میں صرف کر دیں۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اِن بزرگوں کی قربانیوں کے حالات بھی احاطہ تحریر میں لائے جاویں۔ چنانچہ اُس وقت تو مَیں نے ضروری نوٹ کر لیے۔ مگر بعد ازاں جب مجھے فرصت ملی تو مَیں نے اِن واقعات کو قلمبند کر دیا۔ دُنیا میں اور بھی بہت سے ایسے اصحاب ہو گذرے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں مذہبی اور سوشل سدھار کا کام کیا۔ مگر مَیں نے اُن میں سے فی الحال صرف ۹ کے حالات زندگی شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔ اگر موقع ملا تو میرا ارادہ ہے کہ باقی ماندہ اصحاب کے حالات زندگی کو بھی پبلک کے سامنے ایک کتاب کی صورت میں پیش کروں۔ میرا پہلے ارادہ تھا کہ اس کتاب میں مختلف مذہبی ریفارمروں کے حالاتِ زندگی شائع کرنے کے ساتھ ہی اُن کی مذہبی تعلیم کا بھی مقابلہ کروں۔ مگر اس سے کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے مَیں نے اس کام کو کسی دُوسرے وقت کے لئے ملتوی کر دیا۔ مَیں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ مَیں نے یہ کتاب ایک آزاد اور بے تعصب شخص کی حیثیت سے لکھی ہے۔ مگر مَیں نے اِس کتاب کو تحریر کرتے ہوئے ہر وقت اِس بات کا خیال رکھا ہے کہ واقعات کی صحت میں فرق نہ آئے۔ کتاب اب ناظرین کے سامنے ہے اور وہ اِس پر رائے زنی کا پورا حق رکھتے ہیں۔

لاہور کوچہ بیلی رام
مورخہ یکم مارچ ۱۹۲۶ء

شام لال ستیارتھی

دُنیا کے نو مذہبی ریفارمر

کنفیوشش

۱

چین دُنیا کا نہایت ہی گنجان آباد مُلک ہے۔ اس مُلک کی آبادی رُوئے زمین کی آبادی کے ایک تہائی کے برابر ہے۔ یہ ایک نہایت ہی پُرانا مُلک ہے۔ اور بہت ہی پُرانی روایات رکھتا ہے چین میں آج کل بُدھ کا نام ہر ایک چینی جانتا ہے۔ بلکہ چین میں اس وقت بُدھ مت ہی رائج ہے۔ لیکن بُدھ کے قریب قریب زمانہ میں خود چین نے ایک بڑے دھرماتما اور نیک مزاج شخص کو پیدا کیا تھا۔ جو آج چین میں بُدھ کی طرح ہی پوجا جاتا ہے۔ اور بُدھ کی طرح ہی اُس کی شہرت ہے۔ یہ نیک شخص حکیم کنفوشش ہے۔ جو مسیح سے ساڑھے پانچ سو سال پہلے سرزمین چین میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی عُمر کا ایک بڑا حصہ چین کی مُلکی و اخلاقی حالت سدھارنے کے ارپن کیا۔ اُسے اپنے مشن میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ یہ ایک دوسرا سوال ہے۔ مگر اُس نے اپنی عُمر کا بہترین استعمال کیا۔ اور جہاں تک اس سے ہو سکا۔ اُس نے چین کے بچوں کو چین اور چینی قوم کے لئے بلکہ ہر ایک انسان کو انسانیت کے لئے زندہ رہنا سکھایا۔ آج کنفوشش دُنیا کے بڑے اشخاص میں سے سمجھا جاتا ہے۔ اور ہر شخص جو اس کی زندگی کے حالات مطالعہ کرتا ہے۔ اس کا نام عزت اور بزرگی سے لیتا ہے۔ لیکن یہ پدوی حاصل کرنے کے لئے اُسے بڑی بڑی قربانیاں کرنی پڑی ہیں۔ بڑی بڑی

تکالیف سہنی پڑی ہیں۔ اور بڑے بڑے مشکل پیش پڑے ہیں۔ اُس کی جان کئی دفعہ خطرات کا شکار ہونے کو تھی۔ لیکن اُس نے اپنا قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ بلکہ مضبوطی کے ساتھ اپنے مقصد کے لئے ہمت اور کوشش کرتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اُس نے اپنا قدم آگے بڑھا لیا۔

کنفوشش کا خاندان چین میں بڑا معزز بتایا جاتا ہے۔ اس کا باپ سی لنگ ہی ٹلک چین کی ایک خود مختار ریاست شنگ کا بڑا معزز عہدہ دار تھا۔ بعض مورخ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ شخص فغفور لو کا وزیر اعظم تھا۔ اس کی ماتا خاندان فغفور لو میں سے تھی۔ اور اس نیک دیوی کا نام شنک لٹ بائی تھی۔ یہ دیوی بڑی نیک اور شریف تھی۔ اپنے پتی کے ساتھ اسکو بڑی محبت تھی۔ اور اپنی عقل۔ دانائی اور پارسائی کی وجہ سے اُس نے اپنا گھر سورگ دھام کی مانند بنا رکھا تھا۔ کوئی بات ہو۔ یہ اپنے پتی کی مرضی کے بغیر نہ کرتی تھی۔ اور ہر طرح سے اُس کی خوشی کو منظور نظر رکھنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ کنفوشش کا باپ بھی اپنی عادات میں بڑا نیک اور شریف تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ گھر کے اندر یا گھر کے باہر یہ شریف الشان ہمیشہ دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے پر آمادہ رہتا تھا۔ اس کی معزز اور شریف بیوی اسے اور اسکے دوستوں کو خوش رکھنے میں اپنی تمام طاقت صرف کر دیتی تھی۔ اور یہ عام طور پر مشہور تھا کہ جو شخص اُس کے مکان پر کسی بھی حاجت کو لے کر جاتا ہے۔ وہ پوری کر دی جاتی ہے۔

ایسے ماتا پتا کے گھر میں پیدا ہو کر کنفوشش اگر دیوتاؤں کی طرح نیک نہ ہو جاتا۔ تو واقعی یہ ایک حیرانی کی بات ہوتی۔ مگر اتہاس بتاتا ہے کہ اُس نے اپنی تمام زندگی دیوتاؤں کی طرح دوسروں کی بھلائی اور بہبودی میں صرف کی۔ اس کی پیدائش پر خوشی محض ہی لنگ ہی تک محدود نہ رہی۔ بلکہ تمام علاقہ میں خوشی منائی گئی۔

اور خوب جشن کیے گئے۔
کئی روز تک گانے بجانے کا بازار گرم رہا۔ ماتا نے بچّے کی پرورش کا خاص خیال رکھا۔ کوئی بات ایسی نہ ہونے دی۔ جس سے بچّے کے دل پر بُرے سنسکار پڑ سکیں۔ بلکہ اس امر کی بڑی کوشش کی کہ بچہ بہتر سے بہتر حالات میں رہے۔ جو دائیاں اس کی پرورش کے لئے مقرر تھیں۔ انہیں بڑی سخت ہدایت تھی کہ وہ اسے کسی ایسے مقام پر نہ لے جاویں جہاں کی آب و ہوا خراب ہو۔ یا جہاں کا نظارہ دلکش نہ ہو۔
ایک امیر والدین کے گھر میں پیدا ہونے سے ایک بچّہ کو جو سہولتیں حاصل ہو سکتی ہیں وہ کنفوشش کو سب حاصل تھیں۔ اور اس کے بچپن کے ایّام نہایت ہی مسرت سے گذرے۔ اُس وقت کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شخص اپنے زمانہ کا ایک بڑا حکیم ہوگا۔ اس لئے کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس کے پیدائش و بچپن کے حالات قلمبند کرے۔ اور آج اگرچہ کنفوشش کی عزت دُنیا کے ہر ایک حصہ میں کی جاتی ہے مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس کا بچپن کس طرح بسر ہوا۔ البتہ لوگ اس قدر جانتے ہیں کہ ابھی اس کی عمر مشکل سے پانچ سال کے قریب تھی۔ کہ قدرت نے اسے سخت ترین آزمائش میں ڈالا۔ یعنی اس کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ اور یہ اوائل عمر میں یتیم بن گیا۔
دیوی ٹنگ لٹ پائی کے دل پر خاوند کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا۔ وہ اس صدمہ سے پاگل سی بن گئی۔ اُسے نہ تو اپنے گھر کی خبر رہی نہ بچّے کی پرورش کی۔ پتی کی موت نے اُس کے صبر اور آرام سب کا خاتمہ کر دیا۔ وہ دیوی جو چند روز پیشتر ایک بڑے عہدہ دار کی عورت تھی۔ اب وارث بن گئی۔ اور وہ بچہ جو ایک ریاست کے وزیر کا لڑکا تھا۔ ایک یتیم بن گیا۔ کنفوشش کی ماتا بہت دنوں تک اپنے پیارے پتی کے ماتم میں مصروف رہی۔ اس کی صحت رنج اور غم کی وجہ سے بہت خراب ہو گئی۔ اس کے کھانے اور سونے کا وقت خراب ہو گیا۔ اکثر رات کے وقت وہ سوتی سوتی چلا اُٹھتی تھی۔ او پیارے پتی! آپ اس اندھیری رات میں مجھے چھوڑ کر

کہاں چلے گئے؟ کیا آپ کو میرا اور بچہ کا کچھ خیال نہیں آتا۔ آؤ میری آزمائش نہ کرو۔ آپ کے بغیر یہ گھر مجھے کاٹنے کو آتا ہے۔ اور آپ کے بغیر میں پاگل سی بن گئی ہوں۔ آؤ! کیونکہ آپ کے آنے سے میری تسلی ہو گی۔" اکثر راتیں یہ جاگ کر کاٹا کرتی تھی۔

لیکن غم اور رنج کی بھی مدت ہوتی ہے۔ اسے بھی اس سے فرصت ہوئی۔ کنفوشش دن بدن بڑا ہوتا جاتا تھا۔ اس کا باپ اگر زندہ ہوتا تو نہ معلوم اس کی تعلیم کا کیا انتظام کرتا اب اس کی تربیت وغیرہ کا انتظام اس کی ماتا کے ہاتھ میں تھا۔ اگرچہ خاوند کی موت نے اس دیوی کی کمر ہمت توڑ دی تھی۔ مگر اس نے کنفوشش کی تعلیم کی طرف سے ذرا لاپروائی نہ کی۔ مناسب عمر میں اس نے اسے سکول میں بھیجا۔ اور اپنی نیک نصیحتوں سے اسے تمام نشیب و فراز سمجھانے شروع کئے۔ کنفوشش نیک باپ کا بیٹا تھا۔ اس کے دل میں اپنی ماتا کے لئے بڑی عزت تھی۔ اور جسطرح وہ اسے ہدایت کرتی تھی۔ اسی طرح ہی وہ چلتا تھا۔ اس نے کبھی یہ جرأت نہ کی کہ ایک دفعہ بھی اپنی ماتا کا کہا نہ مانے۔ اس گستاخی سے وہ ہمیشہ بچا رہا۔ اور ماتا کو اس کی عادتوں کی شکایت کبھی نہ کرنی پڑی۔

اپنے ہمعصر طالبعلموں میں کنفوشش بڑا ہوشیار تھا۔ جو اُستاد اسے پڑھاتے تھے۔ انہیں کبھی یہ ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ اس کی شکایت کریں۔ وہ اپنے کام میں بڑا چالاک تھا۔ اور ذرا سی محنت سے اسباق کو ازبر یاد کر لیتا تھا۔ ایشور نے اُسے ذہن بھی ایسا عجیب دیا تھا کہ جو بات اس نے ایک دفعہ اُستاد کی زبان سے سُن لی اُسے تمام عمر کبھی نہ بھولا اُستاد اُس کی فراست کو دیکھ کر حیران تھے۔ اور اس ہی وجہ سے اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ کنفوشش کے سر پہ باپ کا سایہ نہ تھا۔ فلک کجرفتار نے جو ہمیشہ سے بھلے لوگوں کی مخالفت کرتا آیا ہے۔ اس کے باپ کو تو اس سے چھین لیا۔ اور اس کے آرام میں خلل ڈال دیا۔ لیکن یہ ظالم بھی اس کی ذہانت اور ذکاوت میں رخنہ نہ ڈال سکا۔ اور جو کچھ کنفوشش جو باپ کی موجودگی میں کر سکتا تھا۔ وہ بغیر باپ کے اپنی رسائی طبع کی بدولت

بڑی آسانی سے کر لیا کرتا تھا۔
اس کی ماتا نے اس کے سامنے ہمیشہ یہ اصُول پیش رکھا کہ وہ ایک بڑے باپ کا لڑکا ہے۔ اور اُسے دُنیا میں بڑا بننا ہے۔ وہ اتہاسک کہانیاں سُنا کر اُس کے حوصلہ کو بڑھایا کرتی تھی۔ اور اُس کے دل کو باپ کی جُدائی محسُوس کرنے کے خیال سے ہمیشہ پاک رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ اسے خراب کتابیں پڑھنے یا فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے سے روکتی رہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا باپ ایک بڑی ریاست کا وزیر تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ اُس کا بیٹا بھی مناسب عمر حاصل کر کے اُسی رُتبہ کو پہنچے۔ اس کیلئے اُس نے کنفوشش کی تعلیم کا بہترین انتظام کیا۔ اُسے اُس وقت کے اعلےٰ سے اعلےٰ اُستادوں کی خدمت میں بھیجا۔ اور تعلیم دلوائی۔ وہ جب کبھی دیکھتی کہ اُس کا لختِ جگر اداس ہے۔ اُس کی تسلّی کے لئے اُسے اپنے پاس بُلاتی یا خود اس کے پاس چلی جاتی۔ اور اِس قسم کی باتیں کرتی کہ وہ اپنے رنج و غم کو بھُول جاتا۔ بعض اوقات یہ اُس وقت تک اُس سے جُدا نہ ہوتی جب تک کہ اُس کی طبیعت کو قطعی خوش و بشاش نہ بنا لیتی۔
کنفوشش نے اپنے وقت کا بہترین استعمال کیا۔ اُس نے اپنا ایک ایک منٹ سیکھنے اور علم حاصل کرنے میں صرف کیا۔ اور اپنے ایک ایک لمحہ کو اِس قدر بیش قیمت سمجھا کہ اُسے کسی حالت میں بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ اُس کے سامنے خود اس کے باپ کی مثال تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اُس نے اپنے باپ کے عہدہ پر پہنچنا ہے۔ اور اپنے خاندان کی عزّت کو زیادہ کرنا ہے۔ چنانچہ اُس نے ۱۸-۱۹ سال کی عمر میں ہی وہ تمام علم حاصل کر لیا۔ جو اُس کے لئے اپنے باپ کے عہدہ پر پہنچنے کے لئے ضروری تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب یہ اپنی ماتا کے پاس آیا۔ اس کے دل میں بڑی تسلّی تھی۔ یہ اس وقت اس قسم کی فلسفیانہ گفتگو کرتا تھا کہ اس کے ہمعصر دیکھ کر اسے فلاسفر کا خطاب دیتے تھے۔ اُس نے کوشش کی۔ مگر باپ کا عہدہ اسے نہ ملا۔ اِس سے اس کے دل کو صدمہ تو پہنچا۔ مگر اُس نے ہمّت نہ

ہاری۔ اور اپنی توجہ کو اپنے مُلک کی بہتری کی طرف مبذول کرنا شروع کیا۔

اس وقت چین میں عجیب حالات تھے۔ چاروں طرف بدامنی اور شرارت کے آثار نظر آتے تھے لوگوں کا کیرکٹر گر رہا تھا۔ لوگ حرص اور طمع کے غلام بنے ہوئے ایک دُوسرے کی تباہی میں مشغول تھے۔ اور ذرا ذرا سی بات پر لڑکر خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے۔ بددیانتی کا لوگوں میں بڑا پرچار تھا۔ چالاک آدمی کسی کو بددیانتی سے ٹھگ کر بڑے خوش ہوتے تھے۔ اور جب اپنے دوستوں میں بیٹھتے تھے۔ تو اپنی حرکات کا بڑے فخر سے ذکر کرتے تھے بلکہ اس فن میں ایک دُوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی حال عورتوں کا تھا۔ شراب اور دیگر برائیاں چینی قوم کو گھُن کی طرح کھا رہی تھیں۔ ریفارمر لوگ ان خرابیوں کو دیکھ رہے تھے۔ اور ان کے دُور کرنے کے لیئے بھی بہُت کچھ اپائے کرتے تھے۔ مگر یہ خرابیاں اس قدر بڑھ چکی تھیں کہ جب تک کوئی خاص شکتی ان کو دُور کرنے کے لیئے آگے نہ بڑھے۔ ان کا انسداد ہونا مشکل تھا۔

کنفوشش نے یہ حال دیکھ کر چاہا کہ نوکری کی خواہش کرنے کی بجائے اپنے اہل وطن کی خدمت کرے۔ چنانچہ اُس نے لوگوں کو برائیوں سے بچنے کی تعلیم دینی شروع کی۔ اِس کے لیئے اُس نے اپنے ہی شہر سے لیکچر دینا شروع کیا۔ وہ اکثر محلوں۔ بازاروں اور چوکوں میں کھڑا ہو کر برائیوں کے برخلاف تقریریں کرتا تھا۔ اور لوگوں کو سمجھاتا تھا کہ وُہ ان برائیوں میں پڑکر اپنے قیمتی جیون کا ناش نہ کریں۔ مگر بہُت کم لوگ تھے۔ جو اس کی باتوں کو سُنتے تھے۔ اُس نے بڑے زور سے اپنے اہل شہر کو سمجھایا کہ جن خرابیوں میں وہ پڑے ہوئے ہیں۔ وہ اُن کا بہُت جلد خاتمہ کر دینگی۔ لیکن کسی نے اُس کی آواز نہ سُنی۔ یہاں تک کہ کنفوشش اُن کی طرف سے مایُوس ہو گیا۔ اور اُس نے چاہا کہ ایسے بیوقوف لوگوں کو چھوڑ کر چلا جاوے۔ جو اُس کی نیک ہدایات کو سُننے تک کے لیئے بھی تیار نہیں۔

یہ سوچ کر کنفوشش نے اِرد گرد کے شہروں میں اپنا کام جاری کرنا چاہا۔ اُس نے مختلف

مقامات میں جا کر لیکچر دیئے۔ اور لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا۔ لیکن یہاں بھی یہی حال
تھا۔ چند منٹ کے لئے لوگ اس کے لیکچروں میں جمع ہو جاتے تھے۔ مگر پھر جنگلی کبوتروں
کی طرح ذرا سی دیر میں اُڑ جاتے تھے۔ کنفوشس کو یہ فائدہ تھا کہ ایک اچھے خاندان
سے ہونے کی وجہ سے وہ جہاں چاہتا تھا پہنچ سکتا تھا۔ لیکن جب یہ اپنی باتیں
لوگوں کو سناتا اور اُن سے اُن پر کاربند ہونے کے لئے کہتا تو وہ اس کے منہ کی طرف
دیکھنے لگتے کہ یہ کیا کہتا ہے۔ اور اکثر اسے صاف کہہ دیتے کہ وہ اس کی باتوں کو ایک
پاگل کی بڑ سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ لوگوں میں بری عادتوں کا اس قدر پرچار ہو گیا
تھا کہ وہ ان ہی میں اپنے تئیں آنند سمجھتے تھے۔ اور انہیں چھوڑنا اُن کے لئے بڑا دکھ
دینے والا نظارہ تھا۔ تین چار سال تک کنفوشس نے یہ کام کیا۔ مگر اُس نے دیکھا
کہ اس میں کچھ خاص کامیابی نہ ہوئی۔ وہ اپنے وقت کے بڑے بڑے لائق پنڈتوں
اور فلاسفروں سے ملتا رہتا تھا۔ اور اپنے کام کے بارہ میں اُن سے صلاح مشورہ
بھی لیتا رہتا تھا۔ وہ سب کے سب اس کی تعلیم کے ساتھ اتفاق تو کرتے تھے لیکن
اس کا ساتھ دینے سے وہ بھی کتراتے تھے۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کنفوشس کسی خرابی یا برائی کے برخلاف پرچار کرتا ہوتا
تو کوئی شریر اُس کی باتوں کا مخول اُڑانے کے لئے اس سے بحث کرنے لگ جاتا۔ اور
اس قسم کے بیہودہ سوالات کرتا۔ کہ جن کو سُنکر اسے سوائے دُکھ کے اور کوئی لابھ نہ
پہنچے۔ یہ خوب جانتا تھا کہ کئی لوگ محض اُس کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ لیکن آئندہ
کامیابی کا خیال اُس کی ہمت بندھائے ہوئے تھا۔ اور وہ بے عزتی۔ بدنامی اور مصیبت
کی حالت میں بھی برابر اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ لیکن آخر کب تک؟ جب اُس نے دیکھا
کہ تین چار سال کے مغز پچی کرنے سے کوئی نیک نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ تو اُس نے اس کام
کو چھوڑ کر اپنی طاقتوں کو کسی بہتر طریقہ پر صرف کرنے کا وچار کیا۔ جس سے وہ اپنے

ملک اور قوم کا زیادہ بھلا کر سکے - اور تھوڑے سے غور کے بعد اس نے ایک اعلےٰ اسکیم بنائی -
کنفوشش کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب تک راجیہ کی حالت درست نہ ہو
تب تک ملک کی حالت سدھر نہیں سکتی - چونکہ ریاست کے بڑے بڑے عہدوں پر ایسے
افسر مقرر تھے جو خود بھی خراب تھے اور اپنی سلامتی کے لئے لوگوں کو بھی خراب رکھنا چاہتے
تھے - اس لئے خرابیوں کے برخلاف کوئی تجویز کارگر نہ ہوتی تھی - جب ایک افسر ہی
انصاف کا خون کرنے کو تیار ہو تو ملک سے قانون شکن لوگوں کا خاتمہ نہیں کیا جا
سکتا - اس نے سوچا کہ اگر ملک میں چند ایسے آزاد خیال نوجوان پیدا کر دئے جائیں -
جو اپنی عمر بھر ملک اور قوم کی بہتری میں لگے رہیں تو اہل وطن کا کچھ بھلا ہو سکتا ہے -
چنانچہ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے ایک سکول کی بنیاد ڈالی -
جس میں پالٹیکس - فقہ ادب - فلسفہ - اخلاق - منطق اور ریاضی وغیرہ علوم کی اعلےٰ تعلیم
دی جاتی تھی - اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کے قریب تھی - اس کا خیال تھا کہ سکول
کے ذریعہ وہ زیادہ مفید کام کر سکیگا - اس کے سکول کے قواعد کچھ سخت تھے - مگر
تھے بڑے مفید - اور اس نے اپنی جو سکیم بنائی تھی - اس کے عین مطابق تھے -

وہ اپنے سکول میں کسی ایسے لڑکے کو داخل نہ کرتا تھا - جو اس کے پاس ابتدائی تعلیم
حاصل کرنے کے لئے آوے - ایسے لڑکوں کو اس کا ایک ہی جواب تھا - اور وہ یہ کہ
انہیں ابتدائی تعلیم یا تو ماتا کی گود میں حاصل کرنی چاہیئے یا ابتدائی سکولوں میں -
چنانچہ وہ کہا کرتا تھا کہ میرا سکول بچوں کا سکول نہیں - بلکہ مردوں اور نوجوانوں کا سکول
ہے - اور اس سکول میں وہی شخص داخل ہو سکتے تھے جنہوں نے ابتدائی تعلیم پہلے
حاصل کرلی ہو - اس کے علاوہ وہ کسی ایسے طالب علم کو اپنے سکول میں داخل نہ کرتا
تھا جو اسے اپنی نیک چلنی اور شرافت کا ثبوت نہ دلا دے - وہ کہا کرتا تھا کہ بدچلن
اور شریر طالبعلموں کو تعلیم دینا نہ صرف اپنا وقت ضائع کرنا ہے - بلکہ انسانی سوسائٹی

کے لیئے اُن کو زیادہ نقصان دِہ بنانا ہے۔ اگرچہ بعض آدمیوں کو یہ منطق اُلٹی معلوم ہوگی لیکن کنفوشش اس میں بڑی بہتری خیال کرتا تھا۔ اور جن حالات میں اُسے کام کرنا پڑتا تھا۔ اُن کا خیال کرکے اس کے خیال کے ساتھ اتفاق کرنا پڑتا ہے۔ ایک اور قاعدہ جو اُس کے سکول میں داخل ہونے کے لئے نہائت ہی ضروری تھا۔ وُہ یہ تھا کہ ہر ایک طالب علم کو یہ اقرار کرنا ہوتا تھا کہ وہ علم سیاست بھی ضرور سیکھیگا۔ اور اپنے مُلک کی خدمت کرنے کے لیئے سرکاری ملازمت میں داخل ہوگا۔ اس قاعدہ کی پابندی کنفوشش بڑے زور سے کرتا تھا۔ اور اِسے اُس نے کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا۔

اِسے سکول جاری کئے چند ماہ ہی گذرے تھے کہ مُلک کے مختلف حصّوں سے اعلےٰ اعلےٰ شاگرد اِس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اُس کا سکول ہونہار طلبا سے بھر گیا۔ نوجوانوں کو اِس پر بڑا بھروسہ تھا۔ اور جُونہی اُنہوں نے اِس کے سکول کے بارہ میں سُنا۔ وہ جوق در جوق اِس کے پاس آنے لگے۔ اپنے گرد شاگردوں کا اتنا ہجوم دیکھ کر اس کا دِل باغ باغ ہوگیا۔ اور اُس نے سمجھا کہ اب اُسے اپنے ارادہ میں ضرور کامیابی ہوگی۔ وہ اپنے زمانہ کا سب سے اچھا اُستاد تھا۔ اُس کا پڑھانے کا طریقہ ایسا اچھا تھا کہ شاگرد اُس پر دِل و جان سے عاشق ہوجاتا تھا چنانچہ وُہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسی مروّت۔ نیکی اور خوش خلقی سے پیش آتا تھا کہ وہ اِسے بجائے باپ کے سمجھتے تھے۔ اگرچہ اِس کی عُمر ابھی ۲۲-۲۳ سال کی ہی تھی۔ مگر وہ بڑی ہوشیاری سے کام کرتا تھا۔ اور اپنے تجربہ سے بڑے بڑے اُستادوں کو تعلیم دیتا تھا۔ دراصل اُس نے یہ سکول اِس لیئے جاری کیا تھا کہ وُہ اپنے مُلک کے لئے چند ایسے نوجوان پیدا کرے۔ جو ریاست کا انتظام کرنا جانتے ہوں۔ اور رعایا کے لوگوں میں رہ کر اُن کی ضروریات اور احساسات کو محسوس کرکے کام کریں۔ وُہ پڑھاتے وقت اپنے شاگردونکو ایسے نکتے اور باریکیاں بتاتا تھا۔ جو براہ راست اُن کے دِل پر اثر کرتی تھیں۔ اور اُن کے

دلوں میں اُستاد کی عزّت دوبالا کردیتی تھیں۔

کنفوشش اپنا سارا وقت اِس سکول میں صرف کرتا تھا۔ اس لیئے اپنے گذارہ کے لیئے اس سکول کو ہی ذریعہ بنانا پڑا۔ چنانچہ وہ اپنے شاگردوں سے کچھ فیس بھی لیتا تھا لیکن اس میں یہ خوبی تھی کہ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ ایک نوجوان تعلیم حاصل کرکے مُلک کے لیئے مفید بن سکتا ہے مگر یہ خرچ نہیں کرسکتا۔ تو وہ نہ صرف اُس کی فیس معاف کردیتا تھا۔ بلکہ اور بھی جو مدد وہ کرسکتا۔ کرنے کے لیئے تیار رہتا تھا۔ اُس نے فیس ادا نہ کرنے کے جرم میں کبھی اپنے کسی شاگرد کو سکول سے خارج نہیں کیا۔ اُس کا قاعدہ تھا کہ جو کچھ کسی نے دیدیا۔ لے لیا۔ اس کے دل میں نہ تو طمع تھی اور نہ حرص اور نہ ہی اُس نے ان کو پورا کرنے کے لیئے اپنے سکول کے طلباء پر فیس لگائی تھی۔ اگرچہ اُس کا گذارہ بہت تنگ تھا۔ اور اُسے اپنی ضروریات کے لیئے بعض اوقات مجبور بھی ہونا پڑتا تھا۔ لیکن اس کا دل ذرا بھی تنگ نہ تھا۔ اُس کے دل میں انسان اور انسان کے بچّوں کے لیئے بڑی محبّت تھی۔ اور وہ چاہتا تھا کہ اپنے شاگردوں کو اِس قابل بنادے کہ جو اُس سے تعلیم حاصل کرکے سلطنت کی کرسی پر جلوہ افروز ہو کر انصاف۔ رحم۔ خدا ترسی اور شفقت سے لوگوں کو راہ راست پر لادیں۔ اور مُلک میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کی جڑیں کاٹ دیں۔

کنفوشش کے ارادے نیک تھے۔ کب ممکن ہے کہ اُسے ان میں کامیابی نہ ہوتی۔ چند سال میں ہی اُن شاگردوں کی تعداد جو اِس کے سکول سے تعلیم حاصل کرکے نکلے تین ہزار سے بھی بڑھ گئی۔ یہ تعداد اُن شاگردوں کی ہے۔ جنہوں نے اپنے کاموں سے مُلک میں اعلےٰ ترین نام پایا۔ ان میں وہ طلباء شامل نہیں ہیں۔ جو کسی وجہ سے اپنے آپ کو میدان شہرت میں آگے نہ لاسکے۔ ان میں سے قریباً ۸۰ شاگرد تو اس بلا کے ہوشیار اور لائق تھے کہ کنفوشش اُن پر خود ناز کیا کرتا تھا۔ اور اُسے فخر

تھا کہ اُس نے اپنے مُلک کو چند سالوں کے عرصہ میں اتنے نوجوان دئے ہیں۔ جو ایک بُرائی تو کیا ہزار برائیوں کی جڑ کاٹ کر پھینک سکتے ہیں۔ اُس نے اپنے شاگردوں کے دِلوں میں جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ اگر ڈریں تو بے انصافی سے۔ اگر عزت کریں تو انصاف کی اور اگر قدر کریں تو انصاف کی۔ اِس کے برخلاف جہاں کہیں وہ پاپ۔ شرارت۔ برائی اور ظلم کو دیکھیں وہاں ہی اُس کا مقابلہ کریں۔ خواہ کچھ ہو مقابلہ سے پیچھے نہ ہٹیں۔ بلکہ برائی اور ظلم کو پیچھے ہٹا دیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اپنے شاگردوں میں یہ خصوصیت پیدا کرنے میں اُسے خاص کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اور جہاں کہیں اُس کا ایک بھی شاگرد پہنچ جاتا تھا۔ وہ چھاتی تان کر ظلم اور برائی کا مقابلہ کرتا تھا۔ ملک میں جہاں کہیں انصاف اور ظلم کی لڑائی ہوتی ہو۔ چین میں یہ بات عام طور پر مشہور ہوگئی تھی کہ کنفوسشش کے شاگرد ضرور انصاف کی طرف ہونگے۔

کنفوسشش کے تین ہزار لائق وفائق شاگردوں نے اُس کے نام کا ڈنکا تمام مُلک میں بجادیا۔ اور مُلک کے ہر حصہ و گوشہ سے اُس کے پاس تحفہ تحائف آنے لگے۔ اِس کے بعض شاگرد گورنمنٹ چین نے بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کئے۔ جنہوں نے اپنا کام ایسی ذمہ داری سے کیا کہ نہ صرف اپنا ہی نام روشن کیا۔ بلکہ اُستاد کی عزت میں بھی چار چاند لگا دئے۔ اُنہوں نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دئے کہ سلطنت اور رعایا دونوں کو فائدہ پہنچا۔ اُنہوں نے ظلم اور شرارت کی جڑ کاٹنے کے لئے بہتر سے بہتر اوپائے کئے۔ اور جو کنفوسشش چاہتا تھا۔ اُسے کر دکھایا۔ جس وقت کنفوسشش کا کوئی شاگرد کسی خرابی کا انسداد کرنے میں کامیاب ہوتا تھا۔ وہ اپنے اُستاد کے پاس اُس کی خبر بھیجتا تھا۔ اور اُستاد بڑا خوش ہوتا تھا۔ اس وقت جبکہ اس مہا پُرش کی عزت تمام مُلک میں ہو رہی تھی۔ اسے شادی کا خیال آیا۔ کئی ایک نیک۔ خوبصورت و خوب سیرت دیویوں نے اپنے آپ کو اس مطلب کیلئے پیش کیا۔ آخر اس نے ۲۹ سال

کی عمر میں شنک گھرانے کی ایک نیک اور خوبصورت بیوی کے ساتھ شادی کرلی۔ اور شادی کے پورے ایک سال بعد اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ جس کی پیدائش پر والدین کو بڑی خوشی ہوئی۔ لڑکے کے بعد اس کے پے در پے دو لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں۔

جس نیک بیوی سے کنفوشس کی شادی ہوئی۔ وہ بھی بڑی ہوشیار تھی۔ اور اس کے ارادوں کی تکمیل میں اس کی بہترین ساتھی ثابت ہوئی۔ وہ ہمیشہ اپنے خاوند کی خوشی کا خیال مدِنظر رکھتی تھی۔ اور بچوں کی پرورش و تربیت کا اس قدر خیال تھا کہ ایک منٹ بھی اس طرف سے غافل نہ ہوتی تھی۔ جو خوشی دنیا میں ہو سکتی ہے۔ وہ اس وقت کنفوشس کو حاصل تھی۔ گھر میں نیک بیوی اور بچے اس کی خوشی بڑھانے کے لئے موجود تھے۔ باہر ہزارہا کی تعداد میں اس کے نیک اور بہادر شاگرد اس کی عزت اور خوشی کو دوبالا کرنے کے کاموں میں مشغول تھے۔ مگر کنفوشس اپنے پروگرام کو اب بھی مکمل نہ سمجھتا تھا۔ اور برابر کام میں لگا ہوا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو چند سال کے لئے شاہی ملازمت کے لئے پیش کیا۔ تاکہ وہ اپنے شاگردوں کے سامنے اس امر کا عملی نمونہ پیش کر سکے کہ سرکاری ملازمت میں رہ کر ایک انسان کس قدر بھلا کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے ایامِ ملازمت میں ثابت کر دیا کہ یہ شاہی نوکری صرف خرابیاں کرنے اور لوگوں پر حکومت جتلانے کے لئے ہی نہیں ہے۔ بلکہ رعایا اور سلطنت کے تعلقات کو زیادہ مضبوط۔ زیادہ بہتر اور زیادہ پائیدار بنانا اس کا اولین فرض ہے۔

اس کے بعد اس نے ملک کے مختلف حصوں کا سفر کر کے اپنے اہلِ وطن کی بھلائی کا بیڑا اٹھایا۔ اور جگہ بہ جگہ لیکچر دیتا پھرا۔ یہ جہاں بھی جاتا تھا۔ اس کے شاگرد اس کے استقبال کے لئے موجود ہوتے تھے۔ یہ وہی کنفوشس ہے جس کے لیکچروں میں کوئی شخص آنا اپنا وقت ضائع کرنا خیال کیا کرتا تھا مگر آج اس کی

تقریریں سُننے کے لئے مُلک کے بڑے بڑے انسان گھنٹوں بُت بنے بیٹھے رہتے تھے۔ اور اُس کی ایک ایک بات کو وحی سمجھ کر سُنتے ہیں کنفوشش نے اپنے وقت کا ایک ایک منٹ مُلک سے خرابیاں دُور کرنے کیلئے صرف کیا۔ اور چند سالوں کی کوششوں کا یہ پھل ہُوا کہ جس وقت یہ آرام کرنے کے لئے گھر کو واپس لوٹا۔ مُلک میں امن وامان اور شانتی تھی۔ حسد کی آگ بہت کچھ بجھ گئی تھی۔ بددیانتی کے خیالات سے لوگ نفرت کرتے تھے۔ اور آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہنے کے لئے اُن کے دل میں بڑی خواہش تھی۔

پانچ سال کے عرصہ کے بعد کنفوشش اپنے گھر کو واپس آیا۔ اس وقت اُس کا خیال تھا کہ وُہ آرام کریگا۔ اور گھر پر ہی چند شاگردوں کو تعلیم دیتا دیگا۔ مگر گھر میں آئے اسے چند روز ہی ہوئے تھے کہ اُسے فغفور لو (چین کے ایک علاقہ کا بادشاہ) کا سندیسہ پہنچا کہ وہ آکر اپنے باپ کی جگہ عہدۂ وزارت کا چارج لے۔ یہ وہی عہدہ تھا۔ جو پہلے پہل کنفوشش کو مانگنے پر بھی نہ دیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت فغفور لو نے خود اسے دینا چاہا۔ کنفوشش کے دل میں اب اس عہدہ کی کوئی خواہش باقی نہ رہی تھی۔ بلکہ اب وہ ایک بڑی مصروف زندگی کے بعد آرام کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے شکریہ کے ساتھ فغفور لو کی درخواست نامنظور کردی۔ اور کہلا بھیجا کہ اب وہ آرام کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اب جبکہ چین میں یہ جذبہ عام طور پر پیدا ہو چکا تھا کہ اعلےٰ عہدے اچھے آدمیوں کو ملنے چاہئیں۔ فغفور لو نے اس انکار کو منظور نہ کرکے اسے اپنے ملنے کے لئے بلایا۔ جس وقت یہ بادشاہ سے ملا۔ اُس نے کہا۔

فغفور لو۔ کنفوشش! یہ کیا بات ہے کہ آپ اپنے بھائیوں کی بہتری کے کام سے انکار کرتے ہیں؟

کنفوشش:۔ شاہا! میں اپنے بھائیوں کی خدمت کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہا ہُوں۔ اور اب بھی تیار ہُوں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اب میں عہدۂ وزارت کی ذمہ داریاں

اُٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔ بڑھاپا سر پر آرہا ہے۔ اور میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔
فغفور:۔ اس عہدہ کے قبول کرنے سے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ بلکہ بہت سا آرام ہوگا۔ یہ سب سے بڑا عہدہ ہے۔ جو ایک انسان کو دیا جاسکتا ہے۔ آپ اسے لینے سے انکار نہ کریں۔ ایسے عہدے بار بار نہیں ملا کرتے۔
کنفوشش: میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ جو سرکاری عہدے آرام کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ میں اسے آرام کا ذریعہ نہیں سمجھتا۔ بھلا جس عہدہ پر مقرر ہوکر لاکھوں بندگانِ خدا کے انتظام اور آرام کا خیال ہر وقت رہتا ہو۔ کیا وہ عہدہ بھی کبھی آرام کا باعث ہوسکتا ہے؟ بیشک یہ عہدے بار بار نہیں ملتے۔ لیکن میں تو اپنے آپکو اس کے ناقابل سمجھ کر شکریہ کے ساتھ اس سے انکار کرتا ہوں۔
فغفور:۔ آپ اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کریں۔ ایسا عہدہ دوبارہ نہیں مل سکتا۔
کنفوشش میں بھی گزارش کرتا ہوں کہ فغفور اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کرے۔ وہ اس عہدہ کو کسی دوسرے شخص کے حوالہ کرے۔
کنفوشش نے بہت چاہا کہ وہ اس عہدے پر مقرر نہ ہو۔ لیکن اعلےٰ آدمیوں کا ذمہ داری کے عہدوں پر مقرر ہونے کا جذبہ اُس کا ہی پیدا کیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اُس کی ایک نہ سُنی۔ اور اُسے مجبور کیا کہ وہ ضرور اس عہدہ پر جلوہ افگن ہوکر علاقہ لو کے لوگوں کی خدمت کرے۔ اس حکیم نے جب یہ دیکھا کہ اب شاہ کسی طرح بھی باز نہیں آتا۔ اُس نے بڑی نرمی سے کہا۔
"شاہی نوکری خاصکر عہدہ وزارت ایک بڑی آزمائش ہے۔ جس میں مجھے اس وقت ڈالا جاتا ہے۔ جبکہ میں آرام کرنے کے لئے دُنیا کا کاروبار چھوڑنا چاہتا ہوں۔ میری عمر کا ایک بڑا حصہ بڑی عزت اور امن سے گذر گیا۔ لیکن اب جو تھوڑی سی عمر باقی ہے۔ وہ خستہ حالی اور خرابی میں بسر ہوتی نظر آتی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ میری تمام عمر کا لیگا

اس چند روزہ کام سے خراب نہ ہو جاوے"۔

اس پر بادشاہ نے اُسے یقین دلایا کہ جس طرح وہ چاہیگا۔ کیا جاویگا۔ اور کوئی اُس سے باز پُرس نہ کریگا۔ اُسے سرکاری نوکری میں ضرور آنا چاہیئے۔ بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر کنفوشش نے بھی سوچا کہ اچھا اگر میں ایک دفعہ اور اپنے اہل وطن کی خدمت اس طریقے سے کرسکتا ہوں۔ تو مجھے کیا انکار کرنا چاہیئے۔ اُس نے بادشاہ کی درخواست منظور کرلی۔ اور عوام کے فائدہ کے لئے سنگ تو کا چیف مجسٹریٹ بن گیا۔ اس عہدہ کا چارج ہاتھ میں لیتے ہی اُس نے برائیوں کی جڑوں کو پھر کاٹنا شروع کیا۔ اگرچہ اُس کے ہاتھ کمزور ہو گئے تھے۔ اور اُن میں جوانوں جیسا خون نہیں تھا۔ مگر اس کا جوش ذرا بھی کم نہ ہوا تھا۔ اُس نے ایسے استقلال اور ہمّت سے کام کیا کہ تھوڑے روز بعد اُسے محکمہ فوجداری کا وزیر بنا دیا گیا۔ اُس نے اپنے اختیارات کو ایسی خوبی سے استعمال کیا کہ تمام مُلک میں جرائم کی تعداد میں بڑی کمی واقع ہو گئی۔ بددیانتی، چوری اور ٹھگی کے واقعات تو اس قدر کم ہو گئے کہ ہفتہ میں کبھی ایک آدھ مقدمہ آتا تھا۔ اگرچہ کنفوشش کے حُسنِ انتظام کی تمام مُلک تعریف کر رہا تھا۔ لیکن اُس نے اس عہدہ پر رہ کر اپنے چند دشمن اور مخالف بھی بنا لیئے تھے۔ دُشمنوں میں سے ایک اُس کا ہمعصر افسر تھا۔ جو علاقہ لو کے قریب ہی حکومت کرتا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ کنفوشش لوگوں میں ایک پبلک سپرٹ پیدا کر رہا ہے۔ چونکہ وہ خود کئی طرح سے کمزور تھا۔ اس لیئے اُسے خوف پیدا ہوا۔ کہ کہیں لوگ کنفوشش کی تعلیم سے متاثر ہو کر اُس کی دُرستی پر بھی آمادہ نہ ہو جاویں۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے کنفوشش کو خراب کرنے کی ٹھانی۔ اور کوشش کرنے لگا کہ اُسے بدنام کرا کے موقوف کرا دے۔ اگر بس چلے تو پھانسی سے بھی دریغ نہ کرے۔ یہ افسر دن رات اسی قسم کے خیالات میں غرق رہتا تھا۔ مگر اُسے کوئی مناسب تجویز سمجھ میں نہ آتی

تھی۔ اس نے کئی چالیں چلیں مگر اُس کنفوشس پر جو کنول کے پھول کی مانند پانی میں اُوپر ہی رہتا تھا۔ اور اپنے آپ کو کسی قسم کی آلائش سے خراب نہ کرتا تھا۔ اُسے ہر بار مُنہ کی کھانی پڑی۔

آخر اُس نے اپنے شریر اور بد صلاحکاروں کے ساتھ مشورہ کر کے یہ تجویز کی کہ اگر ہو سکے تو فغفور کو ہی بدھو بنانا چاہیئے۔ اِس کے لیئے اُس نے کئی خوبصورت عورتیں جمع کیں۔ اور اُنہیں یہ سکھلایا کہ جہاں تک ہو سکے وہ بادشاہ کو اپنے ساتھ ہی شراب وغیرہ پینے میں مشغول رکھیں۔ سب کچھ سکھانے پڑھانے کے بعد اُس نے ان کو بطور تحفہ کے بادشاہ کے پاس روانہ کر دیا۔ عورتیں خوبصورت اور نازک بدن تھیں۔ آتے ہی اُنہوں نے شاہ کے دل پر ایسا قبضہ جمایا کہ اُس نے محل سے نکل کر دربار میں جانا ہی بند کر دیا۔ اور ان کے پھندوں میں ایسا پھنسا کہ سلطنت کا تمام کاروبار بھول گیا۔ کنفوشس چونکا اور اُسے سمجھانے لگا کہ وہ اپنے آپ کو خرابی سے بچا دے۔ ورنہ اس کی بُری مثال سے تمام رعایا خراب ہو جاوےگی۔ مگر اب یہاں نصیحت کون سُنتا تھا۔ کنفوشس کہہ چھوڑتا تھا فغفور سُن لیتا تھا اور بس۔

جب ان رنڈیوں نے دیکھا کہ اب شاہ بالکل ان کے قبضہ میں ہے۔ اور جو وہ چاہتی ہیں وُہی کرتا ہے۔ تو اُنہوں نے کنفوشس کے انتظام میں گڑبڑ ڈالنی شروع کی۔ اب تو حکیم گھبرایا۔ اُس نے فغفور کے کانوں میں یہ بات ڈالنی چاہی کہ انتظام کا تمام شیرازہ بکھر رہا ہے۔ اگر چندے اور یہی حال رہا۔ تو معاملہ بہت نازک ہو جاویگا۔ اور اس کی تمام ذمہ واری اُس پر ہوگی۔ پہلے پہل تو بادشاہ اپنی عادات کو سنوارنے کا وعدہ کرتا رہا۔ مگر جب اُسے ان رنڈیوں نے کنفوشس کی طرف سے بھی بدظن کر دیا۔ تو وُہ اس کی عزت تو ایک طرف بر سر دربار بےعزتی کرنے لگا

جس کا حکیم کنفوشش کو بڑا صدمہ ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ تمام عمر کی کمائی اب یہاں برباد ہوئی۔ اور نیکنامی جو بڑی مشکلوں سے حاصل ہوئی ہے۔ اب بدنامی میں بدل جاویگی۔ اُس نے بڑی کوشش کی کہ شاہ اپنے خیالات کو بدلے۔ مگر اُسے ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی۔ ایک روز اُس نے تنگ ہو کر فغفور سے کہا:۔

"آہ! جو میں کہتا تھا۔ وہی اب میرے آگے آرہا ہے۔ میں کہتا تھا کہ یہ عہدہ میری بدنامی کا باعث ہوگا۔ اور میری عزّت کو خاک میں ملا دیگا۔ میں اسے ہاتھ میں لینے سے کتراتا تھا مگر بدقسمتی اسے میرے سر پر ڈالا گیا۔ آج شاہ تو اپنے محلوں میں رنگ رلیاں کر رہا ہے میں کہاں جاؤں۔ ریاست کا انتظام خراب ہو رہا ہے۔ قانون کی وقعت لوگوں کی نظروں سے مٹ رہی ہے۔ اور قانون شکن لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ اے فغفور! تم کو کیا ہوگیا ہے۔ سمجھو اور اپنی ذمّہ واری کو محسوس کرو۔ جو کچھ آج کل آپ کر رہے ہیں۔ وہ آپ کی شان کے مطابق نہیں۔ یاد رکھو کہ اس قسم کی حرکات سے علاقہ تباہ ہو جاویگا۔"

کنفوشش نے بڑے زور سے بادشاہ کو ہوشیار کرنا چاہا۔ لیکن اس کا دل ہاتھ سے جا چکا تھا۔ وہ زنڈیوں کے دام میں پھنس کر اپنی عقل و خرد کو جواب دے چکا تھا۔ اُس نے اس نیک حکیم کی ایک بات نہ سُنی۔ اور اپنی حرکات میں مستغرق رہا۔ یہاں سے گھر واپس آکر کنفوشش سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیئے؟ کئی خیالات دل میں آئے۔ لیکن مایوسی بڑھتی گئی۔ اور اس کا اُسے ایسا صدمہ ہوا کہ فکر میں ہی بیمار ہو گیا۔ جب تندرست ہوا تو اُس نے وزارت کے عہدے سے استعفا دیدیا۔ اور کام چھوڑ کر گھر چلا آیا۔ یہاں آتے ہی اُس نے پھر شاگردوں کو پڑھانا شروع کیا۔ اور چند ہی روز میں مختلف صوبوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس بیشمار شاگرد آگئے۔ مگر اس دفعہ اُس نے اپنے شاگردوں کو صرف نیکی اور مذہب کی تعلیم دینا ہی اپنے لئے مناسب خیال کیا۔ اس وقت اُس کی عمر ۶۹ سال کی ہو چکی تھی۔ اور بڑھاپا آگیا تھا۔ لیکن پھر بھی مذہب کے پرچار کیا

نوجوانوں کی طرح لگا رہا۔

یہ وقت اُس کے لیئے کامل آرام کا تھا۔ لیکن صدموں نے اُس کی کمر توڑنی شروع کی۔ سب سے پہلے اُس کی نیک بیوی نے اُسے داغ مفارقت دیا۔ بڑھاپے کی عمر میں نیک بیوی کی موت کا اُسے بڑا صدمہ ہوا۔ اس کے بعد اس کی لڑکیاں فوت ہوگئیں۔ اور آخر کا جو ایک لڑکا تھا۔ وہ بھی لقمہ اجل ہوگیا۔ بیٹے کی موت نے اُس کے رہے سہے ہوش بھی گنوا دیے۔ اُس کی زندگی کا خزانہ اُس کی زندگی کا آرام سب کچھ برباد ہوچکا تھا۔ اگر ان صدموں کا دائرہ یہاں تک ہی محدود رہتا تو بھی شاید اُسے کچھ شانتی رہتی۔ لیکن ظالم موت کو اب بھی صبر نہ آیا۔ اور اس نے اس کے دیکھتے دیکھتے اس کے کئی ہوشیار اور لائق شاگردوں کو ہمیشہ کے لئے جُدا کر دیا۔ نوجوان شاگردوں کی موت نے اُس کی آنکھوں میں دُنیا اندھیر کر دی۔ جب وہ اپنے کسی لائق شاگرد کی موت کا خیال کیا کرتا۔ تو اکثر اُس کے مُنہ سے یہ الفاظ نکل جایا کرتے تھے:۔

"یہ ضروری ہے کہ بڑے سے بڑا ستون شق ہو جاوے۔ یہ ضروری ہے کہ مضبوط سے مضبوط لٹھ ایک دن ٹوٹ جاوے۔ جو پھول کھلا ہے۔ وہ ایک دن مُرجھا جاویگا۔ جو شے اس دُنیا میں بنی ہے وہ ایک دن ضرور ناش ہو جاویگی۔ ہرے بھرے کھیت ایک دن کاٹ لیئے جاتے ہیں۔ سرسبز درخت ایک دن سوکھ کر کانٹا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح عقلمند آدمی بھی موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسانی حیات ایک پھول کی مانند ہے۔ جس طرح کھلا ہوا پھول مُرجھا جاتا ہے۔ اُسی طرح انسانی حیات کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ انسانی زندگی ایک جلتے ہوئے چراغ کی مانند ہے۔ جس طرح ہوا کا ایک جھونکا چراغ کو بُجھا دیتا ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ موت! تُو بڑی زبردست ہے۔ تُو نے بہت سے جوانمردوں کو

خاک میں ملایا ہے۔ بہت سے داناؤں کا خاتمہ کیا ہے۔ بہت سے عقلمندوں
کا خون پیا ہے۔ پھر بھی تیرا پیٹ نہ بھرا۔ واقعی تیرا پیٹ سب سے بڑا ہے"
پے درپے صدموں نے کنفوشش کی صحت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اگرچہ اس کے بہت سے
شاگرد ہر وقت اس کی خدمت کرنے کے لیئے اس کے ارد گرد موجود رہتے تھے۔ اور اس
کے ایک اشارے پر اپنے تمام جسم کو جھکا دیتے تھے۔ اور اس کی بڑی عزت کرتے تھے لیکن کنفوشش
کو آرام حاصل نہ تھا۔ وہ جب کبھی اپنی آوائل عمر کا خیال کرتا تو اس کی آنکھوں میں آنسو
بھر آتے اور اس کی زبان سے نکل جاتا :۔

"میری موت اب میرے عین سر پر ہے۔ موت نے میرا بہت سا حصہ کھا لیا ہے۔
اپنی صحت میں موت کی نذر کر چکا ہوں۔ میرا بچپن۔ میری جوانی سب موت نے
ہڑپ کر لی ہے۔ آہ! میرا وقت یونہی ضائع چلا گیا۔ میں بہت سی باتیں جانتا
تھا۔ مگر کسی نے اُن سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی مجھے چاہیئے تھا
کہ میں اپنا وقت اچھے کاموں میں لگاتا۔ اب موت آیا چاہتی ہے۔ اچھا اے
موت! آ اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔ میرا خاتمہ کر دے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ پے درپے صدمات نے کنفوشش کے دماغ کو اس قدر کمزور کر دیا تھا
کہ وہ اپنے دل کو کسی بات سے بھی تسلّی نہیں دے سکتا تھا۔ اور آخر اسی غم کی حالت میں
وہ بیمار پڑ گیا۔ سات روز تک دُنیا کا یہ بڑا حکیم مدبّر اور مذہبی ریفارمر جس نے مُلک چین
سے خرابیوں کی جڑ ایک دفعہ کاٹ دی تھی۔ جس نے جرائم کو نابود کر کے جرائم پیشہ اقوام
کو نیک بنا دیا تھا۔ بیمار رہا۔ اس کی بیماری کی حالت میں اس کے بہت سے شاگرد اس کے
پاس تھے۔ اور بڑی تن دہی سے اس کے علاج میں مشغول رہے۔ انہوں نے بہتیرا
علاج کیا۔ مگر موت کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ موت کا یقین کنفوشش کو بھی ہو گیا۔
ایک روز جبکہ اس کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ تو اس نے اپنے شاگردوں

کر وصیّت کی کہ وہ اُس کے بعد بھی وُہ برابر نیکی کا پرچار کرتے رہیں۔ اور مُلک چین میں خرابیوں کی کثرت نہ ہونے دیں"۔ اِس کے بعد اُس نے ایک شاگرد سے کہا کہ "میرا بدن چادر سے ڈھانپ دو۔ تاکہ میرے شاگرد میری رُوح کو تجھ سے جُدا ہوتا نہ دیکھیں"۔ ایسا ہی کیا گیا۔ چند منٹ کے بعد اس کی آواز بند ہو گئی۔ شاگردوں نے چادر اُٹھائی۔ تو دیکھا کہ حکیم کنفوشش کی نبض بند ہے۔ اس کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند سو گیا۔

اِس کے شاگردوں نے اپنے اُستاد کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے دفنایا۔ جس وقت یہ اپنے اُستاد کا جنازہ لے کر چلے۔ اِن کے ساتھ بڑا تزک و احتشام تھا۔ اور جب جنازہ دفنایا جا چکا۔ تو اس کی عزّت کے خیال سے کئی شاگردوں نے اِس کی قبر کے ارد گرد جھونپڑیاں بنا کر رہنا شروع کر دیا۔ کئی شاگردوں نے تین سال کا غم کیا۔ اور کئی نے چھ سال کا۔ جو شاگرد آخری وقت پر اپنے اُستاد کی شکل نہ دیکھ سکے۔ وُہ ہمیشہ اس کے لئے پچھتاتے رہے ؛

اپنی عُمر بھر میں حکیم کنفوشش نے کسی کے ساتھ بُرائی نہیں کی۔ کسی کو اُس نے نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ جس طرح معصوم وُہ دُنیا میں آیا تھا۔ اُسی طرح اِس دُنیا سے کوچ کر گیا۔ ہاں جتنا عرصہ وُہ دُنیا میں زندہ رہا۔ اپنی نیک اور اعلےٰ تعلیم سے عوام کو فائدہ پہنچاتا رہا۔ چینی لوگ اب بھی اِس مہاتما کے نام پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ اور جن تعلیمات کا اُس نے اپنی زندگی میں پرچار کیا۔ اُن پر چینی لوگوں کا ایک بڑا حصّہ اب بھی کاربند پایا جاتا ہے ؛

"اے ڈایوفی سی اس! تیرا دل وشواس کی دولت سے بالکل خالی ہے۔
اگرچہ تُو ایک بڑے علاقہ پر حکمرانی کرتا ہے۔ مگر قدرت نے تجھے اس دولت
سے محروم رکھا ہے۔ جو کہ مہاتما فیثا غورث اپنے شاگردوں کو دے گیا
ہے۔ اور وہ وشواس کی دولت ہے۔ تُو کہتا ہے کہ میں نے اپنے ایک دوست
کی ضمانت دینے میں غلطی کی ہے۔ اور کہ وہ اب واپس نہیں آئیگا۔ مگر یہ
الفاظ صرف اس وجہ سے تیری زبان سے نکلتے ہیں کہ تُو اُس پاک رشتہ سے
بے خبر ہے۔ جس میں کہ مہاتما فیثا غورث اپنے شاگردوں کو باندھ گیا ہے
اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ میری باتوں کا تجھے یقین نہ آویگا۔ اسلئے کہ تُو وشواس کی
طاقت سے بے خبر ہے۔ لیکن پھر بھی میں یہ کہے دیتا ہوں کہ میرا دوست پتھیاس
پھانسی کے وقت سے پہلے اس جگہ پہنچ جائیگا۔ اور جو وعدہ وہ کر گیا ہے۔ اُسے ہرگز
ٹوٹنے نہ دیگا۔ اس کے ساتھ ہی اے ڈایوفی سی اس! میں تجھ سے درخواست
کرتا ہوں کہ تو پتھیاس کے آنے سے پہلے میری زندگی کا خاتمہ کر دے۔ تاکہ
جس وقت وہ اس جگہ آوے۔ اپنے آپ کو سلامت سمجھے میں دنیا میں کوئی
ایسا رشتہ دار نہیں رکھتا۔ جو میری موت پر روئے یا جس کی پرورش مجھ پر
فرض ہو لیکن میرا دوست پتھیاس بہت سے ننھے ننھے بچے رکھتا ہے جنکی
پرورش کرنا اس کیلئے ضروری ہے۔ میں اگر اس کی عوض مرجاؤں۔ تو یہ
بہت ہی اچھا ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے بچوں کی پرورش کرنے کے

لیئے زندہ بچ جاویگا۔"

یہ جواب تھا جو مہاتما فیثاغورث کے ایک شاگرد ڈیمن نامی نے سیراکیوس کے حکمران ڈایونی سی اس کو اُس وقت دیا تھا۔ جبکہ ڈیمن اپنے ایک دوست پھتیاس کی ضمانت دینے کی وجہ سے حراست میں تھا۔ ڈایونی سی اس ایک بہت شکی مزاج حکمران تھا۔ یہاں تک کہ وُہ اپنی اولاد سے بھی بدظن رہتا تھا۔ اُس نے بلاوجہ پھتیاس کو پھانسی کا حکم دیا۔ مگر وُہ اپنے علاقہ میں جا کر اپنی جائداد کا انتظام کرنے کے لیئے پھانسی کے وقت سے پہلے آنے کا وعدہ کر کے اور اپنی جگہ اپنے دوست ڈیمن کو ضامن دے کر چلا گیا۔ جب ڈیمن حراست میں تھا۔ تو ڈایونی سی اس نے جو اِس واقعہ سے سخت حیران ہو رہا تھا۔ ڈیمن سے کہا۔ کہ اُس نے کیسی سخت غلطی کی ہے۔ اس پر ڈیمن نے اُسے متذکرہ بالا جواب دیا۔ جو ظاہر کرتا ہے۔ کہ مہاتما فیثاغورث نے اپنے شاگردوں اور پیرووُں کو کیسی اعلےٰ دھارمک تعلیم دی تھی۔

قصہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پھتیاس آخیر وقت تک نہ آیا۔ اور ڈایونی سی اس نے حکم دے دیا کہ ڈیمن کو اُس کی جگہ پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ جلادوں نے پھانسی کی رسّی ڈیمن کے گلے میں ڈال دی۔ مگر اُس کے چہرہ پر ذرا بھی اُداسی نہ آئی۔ بلکہ وُہ یہی کہتا رہا کہ پھتیاس آویگا اور ضرور آویگا۔ کوئی خاص وجہ ہے کہ وہ اِس وقت تک نہیں پہنچ سکا۔ مگر اس میں پھتیاس کا ذرا بھی قصور نہیں ہے۔ ڈایونی سی اس یہ باتیں سُنکر حیران ہو رہا تھا۔ کہ اتنے میں بھیڑ کو چیرتا ہُوا پھتیاس بھی اُس جگہ آپہنچا۔ اور پھانسی کے تختہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا:-

"صاحبان! اگرچہ سمندر کے طوفان نے میرے اِس جگہ پہنچنے میں بہت دیر کر دی۔ تاہم میں خوش ہوں کہ آخر اپنے وعدہ کے مطابق اپنے دوست

کی ہلاکت سے پہلے اس جگہ آپہنچا ہُوں۔ اور دُنیا کو یہ کہنے کا موقعہ نہیں ملا کہ فیثا غورث کے شاگرد نے جھُوٹ بولا۔"

یہ نظارہ دیکھ کر شکّی مزاج ڈایونی سی اس پر ایسا اثر ہُوا کہ اُس نے یہ کہتے ہوئے "دوستو! تم دُنیا میں زندہ رہنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ میں تمہاری پاک زندگیوں کا خاتمہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ تم کو رہا کرتا ہُوں۔" ان دونوں کو آزاد کردیا۔ اور ان سے درخواست کی کہ وُہ اُسے بھی اپنے دوستوں میں شمار کریں۔ اِس سے ناظرین اُس زبردست عقیدہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جو کہ فیثا غورث کے لئے اُس کے شاگردوں کے دِلوں میں تھا۔

یونان کی تاریخ میں سات بڑے فلاسفروں اور حکیموں کا نام بڑی عزت سے درج ہے:۔ (۱) طالیس فلسطی (۲) انک فورس (۳) نکپسی لنس (۴) امید قلس (۵) فیثا غورث (۶) سقراط (۷) افلاطن۔ اِن ساتوں نے اپنے مُلک کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور ان کی ہی کوششوں وہمتّوں سے یونان آسمان فلسفہ پر سُورج بن کر چمک چکا ہے ان ساتوں کا آپس میں مقابلہ کرنا اور یہ کہنا کہ کون ان میں سے ایک دُوسرے سے بڑھ کر تھا مشکل ہے۔ لیکن فیثا غورث کی موت نے اُس کا درجہ بلند کر دیا ہے۔ کیونکہ جو موت اپنے کام کے لئے اُسے نصیب ہوئی وہ دُوسرے فلاسفروں کے حصہ میں نہیں آئی اگرچہ سقراط بھی زہر کا پیالہ پی کر اِس دُنیا سے علیحدہ ہُوا تھا۔ مگر فیثا غورث کا زندہ آگ میں جلنا زیادہ دردناک ہے۔ یہ دُرست ہے کہ یونان اور اہل یونان نے شروع میں اِس بے نظیر فلاسفر کی قدر نہ کی۔ مگر آج اِس شخص کی وجہ سے یونان کی بڑی عزت ہے

فیثا غورث کی پیدائش کا زمانہ مسیح سے کئی سو سال پہلے بتایا جاتا ہے۔ یونان کے مغرب میں ایک جزیرہ ساموس ہے۔ یہاں ہی یہ نامور حکیم پیدا ہُوا۔ اس کا باپ جسکا نام مینارحیس تھا۔ یونان کے شہر صور میں رہتا اور کام کرتا تھا۔ مینار بڑا نیک مزاج

اور خوش خلق تھا۔ جہاں یہ کام کرتا تھا۔ لوگ اس سے بڑا پیار کرتے تھے۔ اس کا برتاؤ اپنے اہل شہر کے ساتھ بڑا ہی نیک تھا۔ فیثا غورث کی ماتا کا جنم استھان ساموس تھا۔ اور اس کا تعلق ایک بہت اچھے گھرانے سے تھا۔ اس حکیم کے دو اور بھائی بھی تھے جو دونوں عمر میں اس سے بڑے تھے۔ والدین اس سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اور چونکہ اوائل عمر سے ہی یہ بڑا ہوشیار اور ذہین تھا۔ اس لئے اس کی محبت دن بدن ماتا پتا کے دل میں بڑھتی گئی۔ بچپن میں ہی یہ بعض باتیں اس قسم کی کرتا تھا کہ لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ بعض تو فوراً کہہ اٹھتے تھے کہ آئندہ عمر میں یہ لڑکا ضرور بڑا آدمی ہوگا۔

جبکہ اس خاندان کے ایام زندگی بڑے آرام سے بسر ہو رہے تھے۔ صور میں علم لغاوت بلند ہوا۔ یہاں کے تین اشخاص لیمون۔ ممفرون اور سطورن جو بڑے چلتے پرزے تھے اور اکثر افسران صور کو تنگ کرتے تھے لیڈر تھے۔ اس بار انہوں نے یہاں تک شرارت کی کہ صور پر اُن کا ہی قبضہ ہوگیا۔ پہلے افسران یا تو مارے گئے یا خوف جان سے بھاگ کر دوسرے شہروں کو چلے گئے۔ اس تغیر حکومت سے بڑا جھگڑا پیدا ہوا۔ لڑائی نے طول کھینچا۔ اور اہل شہر کو بڑی تکلیف ہونے لگی۔ بہت سے باشندے شہر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اور جہاں جس کے سینگ سمائے جا آباد ہوئے۔ منیارجس بھی یہاں بڑا تنگ تھا۔ اُسے اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی جان کا ہمیشہ خوف رہتا تھا۔ آخر اس نے بھی کسی امن کی جگہ میں جاکر آباد ہونے کا خیال کیا۔ مگر جاوے کہاں؟ یہ سوال تھا جو آسانی سے حل نہ ہوتا تھا۔ آخر اُس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ اُن کو ساموس میں جاکر قسمت آزمائی کرنی چاہیئے۔ فیثا غورث کا باپ اس صلاح پر رضامند ہو گیا۔ اور گھر کے آدمیوں کو لیکر یہاں آکر آباد ہوگیا۔ یہاں اسے بڑی آسانی ہوئی۔ اور چونکہ اس کی سسرال کے لوگوں کا حاکم ساموس سے بڑا رسوخ تھا۔ منیارجس کی بھی دربار تک رسائی ہوگئی۔ یہ شخص بڑا نیک اور خوش خلق تھا یہاں والئے ساموس کے ساتھ

اس کی دوستی ہوگئی۔ اور یہ سلسلہ محبت یہاں تک بڑھا کہ یہ اس کے خاص مشیروں میں شامل کرلیا گیا۔ اس عہدہ پر اس نے اپنی ذہانت اور لیاقت کے وہ جوہر دکھائے کہ والئے ساموس نے اُسے چند سال کے عرصہ میں ہی عہدہ وزارت دیدیا۔ اور ہر ایک کام میں اُس کی رائے لے کر کام کرنے لگا۔

فیثا غورث بھی باپ کے ساتھ دربار شاہی میں آیا جایا کرتا تھا۔ والئے ساموس اس سے بھی بڑا اچھا سلوک کرتا تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ فیثا غورث بڑا ہوشیار ہے۔ اس کی پڑھائی کے لیئے خاص زور دیا۔ بلکہ بذات خود اُس کی تعلیم میں دلچسپی لینے لگا۔ جس قدر تعلیم ساموس میں مل سکتی تھی فیثا غورث نے حاصل کی۔ اور جب وہاں کوئی شخص اُسے زیادہ پڑھانے کے لیئے نہ رہا۔ تو والئے ساموس نے اُسے شہر ملطون میں اپنی طرف سے بھیج دیا۔ تاکہ وہاں جاکر وہ لائق اُستادوں سے علوم ہندسہ مساحت وغیرہ کا خوب مطالعہ کرے۔ اس جگہ فیثا غورث نے بڑی جانفشانی اور خوش اسلوبی سے کام کیا۔ جو اُستاد اسے پڑھاتے تھے۔ وہ اس پر دل وجان سے فدا ہونے لگے۔ اور اس کی ذہانت طبع سے خوش ہو کر زیادہ سے زیادہ شوق سے پڑھاتے تھے۔ یہاں بہت تھوڑے عرصہ میں فیثا غورث نے اپنی تعلیم ختم کرلی۔ اس وقت اسے علم کا شوق اس قدر ہو گیا تھا کہ بجائے گھر واپس جانے کے اُس نے زیادہ علم حاصل کرنے کے لیئے ملک شام کو جانے کا ارادہ کرلیا کیونکہ اُس نے سُنا تھا کہ ملک شام کے شہر ہیلیوپولس میں علم الہیات کا ایک بڑا ماہر رہتا ہے۔ اس کے دل میں اس کے پاس جاکر علم پڑھنے کا بڑا جوش پیدا ہوا۔ اگرچہ اس کے ساتھیوں نے اُسے مشورہ دیا کہ راستہ بڑا خطرناک ہے۔ اُسے وہاں جانے کی بجائے گھر چلے جانا چاہیئے۔ لیکن اس کا جوش کم نہ ہوا۔ اور یہ اس نئے اُستاد سے تعلیم پانے کے لیئے اس سفر پر چل کھڑا ہوا۔ یہاں پہنچ کر اور اُستاد سے ملکر اس کی طبیعت بڑی خوش ہوئی۔ اس نے اس کو جیسا سُنا تھا۔ ویسا ہی بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر پایا۔ اور فوراً اس کی شاگردی میں داخل

ہونے کے لئے تیار ہوگیا۔ اُستاد نے بھی جب سُنا کہ اُس کے شاگردوں میں ایک نہائت ہی ذہین طالب علم جسے علم حاصل کرنے کا دِلی شوق ہے۔ داخل ہوتا ہے۔ اُسے بھی بڑی خوشی ہوئی۔ اور اُس نے چند ضروری شرائط طے کرنے کے بعد فیثا غورث کو اپنے شاگردوں کے زمرہ میں داخل کرلیا۔

ایک لائق اُستاد کا قول ہے کہ جب تک ہوشیار شاگرد پڑھنے والا نہ ہو۔ پڑھانے کا لطف نہیں آتا۔ اگرچہ فیثا غورث سے پہلے اِس شخص کے پاس بہت سے شاگرد تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لیکن ان میں کوئی خاص خصوصیت نہ تھی۔ جب فیثا غورث نے پڑھنا شروع کیا۔ تو اُستاد کو بھی پڑھانے کا آنند آنے لگا۔ اور اُس نے اِس دِلی شوق سے فیثا غورث کو پڑھایا کہ چند دِنوں میں ہی اُس نے دُوسرے شاگردوں کو جو کئی سال سے پڑھتے تھے مات کردیا۔ اور اُن سے بازی لے گیا۔ درس تدریس کا کام برابر جاری تھا۔ اور فیثا غورث سمجھتا تھا کہ چند سال میں وہ اُستاد کی تمام لیاقت و قابلیت کا مالک بن جاوے گا۔ مگر زمانہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ اُستاد بیمار ہوگیا۔ شاگرد علاج معالجہ میں مصروف ہوئے۔ مگر مرض کو افاقہ نہ ہُوا۔ اور چند روز بیمار رہ کر یہ فاضل اجل موت کا لقمہ بن گیا۔ فیثا غورث کو اُستاد کی موت کا بڑا رنج ہُوا۔ اور اُس نے اِس صدمہ کو بہت محسوس کیا۔ چند روز رنج اور ماتم کرنے کے بعد یہ سوچنے لگا کہ اب سلسلہ تعلیم کہاں شروع کرنا چاہیئے۔ اس نے لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ اب اُسے کہاں جانا چاہیئے۔ لوگ اِس کا اشتیاق دیکھ کر حیران اور ششدر رہ جاتے تھے۔ آخر اُسے معلوم ہُوا کہ مصر میں علم کا بڑا زور شور ہے۔ اگر وہ وہاں پہنچے۔ تو دولت علم سے خوب مالا مال ہوسکتا ہے۔

خیال کا آنا تھا کہ اُس نے سفر کی تیاری شروع کردی۔ نہ تو اسے گھر کا خیال آیا۔ نہ ماتا پتا کی محبت نے جوش مارا۔ بلکہ یہ سیدھا مصر میں جا پہنچا۔ مصر اُن دِنوں اپنے جوبن پر تھا۔ ہر طرح کے علوم کا یہاں چرچا تھا۔ ہر علم کے اچھے سے اچھے اُستاد یہاں موجود تھے۔

بیشمار لائبریریوں سے یہ ملک بھرا پڑا تھا۔ اس ملک میں اُن دِنوں تین قسم کے حروف رائج تھے۔ ایک وُہ جن میں صرف مذہبی پرچارک اپنا کام چلاتے تھے۔ یہ حروف بڑے مشکل تھے۔ دُوسرے حروف وُہ جن میں سلطنت کا کام سرانجام پاتا تھا۔ اور سرکاری افسران لکھتے تھے۔ یہ حروف بھی بڑے مشکل تھے۔ اور ان کو سیکھنے کے لئے خاص جدوجہد کرنی پڑتی تھی۔ تیسری قسم کے حروف وُہ تھے۔ جن کو عام لوگ اپنے کاروبار کے لئے استعمال کرتے تھے۔ فیثا غورث نے اپنے آپ کو ان کے مطالعہ کے لئے لگایا۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں اِن تینوں کا اُستاد کامل بن گیا۔ علاوہ یہاں کی زبان سیکھنے کے اُس نے کئی اُستادوں سے فلسفہ وغیرہ بھی پڑھا۔ مگر یہاں اُسے کچھ زیادہ لطف نہ آیا۔ کیونکہ یہاں اُسے اپنے سے زیادہ لائق اُستاد نظر نہ آئے۔

مصر سے فیثا غورث کا دل اُچاٹ ہونے لگا۔ اور اُسے خواہش ہوئی کہ کہیں اور جاکر تعلیم حاصل کرے۔ مگر اُسے بہت دِنوں تک کوئی ایسا اُستاد معلوم نہ ہُوا۔ آخر اس نے خیال کیا کہ شام میں چلکر سریانی زبان سیکھنی چاہیئے۔ اور یہ زبان سیکھنے کا پختہ ارادہ کرکے وُہ مصر سے چلکر پھر شام میں آگیا۔ یہاں آتے ہی یہ سریانی زبان سیکھنے میں مشغول ہوگیا۔ شام میں اس کی شہرت تو پہلے ہی تھی۔ اس لئے اسے اعلےٰ اُستاد تلاش کرنے میں ذرا بھی دقّت نہ ہوئی۔ بلکہ جہاں بھی یہ گیا۔ اِسکا بڑی آؤ بھگت سے استقبال کیا گیا جو لوگ اس سے پہلے سے واقف تھے۔ وہ تو اس کی عزّت کرتے ہی تھے۔ لیکن جو لوگ اسے پہلے سے نہ جانتے تھے۔ وُہ بھی اس کی عالمانہ باتیں سُنکر اس کے مدّاح بن جاتے تھے۔ اور اس کی خواہشات کو پُورا کرنے میں بڑے بھاری مددگار ثابت ہوتے تھے۔ سریانی زبان کا سیکھنا آسان نہ تھا۔ گو دُوسروں کو اس کے سیکھنے کے لئے کئی کئی سال مغزپچی کرنی پڑتی تھی۔ لیکن فیثا غورث نے چند ماہ میں ہی اس زبان پر عبور حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ وہ اس میں نہ صرف اچھی طرح بات چیت کرسکتا تھا۔ بلکہ اس زبان میں اعلےٰ سے اعلےٰ تحریر

لکھ سکتا اور تقریر کر سکتا تھا۔ پرماتما نے اُسے کچھ اس قسم کا دماغ عطا کیا تھا کہ جس بات کو ایک دفعہ دیکھ لیا یا سُن لیا۔ پھر وہ اُس کی یاد سے فراموش نہ ہوتی تھی۔ حکیم اس جگہ صرف یہ زبان سیکھنے کے لئے ہی ٹھہرا تھا۔ جب سریانی زبان اُسے آ گئی۔ اُس نے وہاں سے چل دینے کا ارادہ کیا۔ تاکہ کسی اور جگہ جا کر دیگر علوم حاصل کرے۔

فیثا غورث کے دل میں علم ہیئت سیکھنے کا خیال آیا۔ اُس نے اپنے اردگرد نظر ماری۔ کہ ان علوم کا کامل اُستاد اُسے کس جگہ ملیگا؟ خوش قسمتی سے ان دنوں بابل میں اس علم کا بڑا چرچا تھا۔ اور اس جگہ اس کے کئی ماہر تھے۔ ان میں حکیم کلدانی اور حکیم صلدانی بڑے مشہور تھے۔ انہیں اس علم میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ وہ اس کے بارہ میں پرمان سمجھے جاتے تھے۔ اور لوگوں کو ان پر بڑا اعتقاد تھا۔ جس وقت فیثا غورث نے ان کا حال سُنا وہ فوراً اُن سے علم حاصل کرنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔ اور شام سے چل کر بابل آ گیا یہاں آتے ہی اُس نے اپنے ہمخیال لوگوں سے ملنا شروع کیا۔ اور چند روز میں اپنے گرد فلسفیوں کا ایک گروہ جمع کر لیا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ان دونوں حکیموں سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ علم نجوم میں فیثا غورث پہلے سے ہی بڑا ہوشیار تھا۔ علم ہیئت اُس نے اپنے طور پر سیکھا۔ اور چند روز میں اس کی تقریروں اور تحریروں نے اہل بابل میں دھوم مچا دی۔ لوگ جو اب تک حکیم کلدانی اور صلدانی کے گرویدہ تھے۔ اس کی علمیت کے آگے سر جھکانے لگے۔ اور اس کا سکّہ یہاں تک بیٹھا کہ بڑے بڑے عالموں نے اس کے حق میں فیصلہ دیا کہ وہ ان دونوں حکیموں کے برابر ہی ہے۔ یہاں فیثا غورث کی بڑی عزّت ہوئی۔ کئی لوگوں نے اس سے مختلف مضامین میں تعلیم حاصل کی۔ اور اس کے بڑے بھگت بن گئے۔

علم ہیئت میں کمال حاصل کر کے اس کے دل میں خیال آیا کہ اب اپنے وطن کو چلنا چاہیئے۔ وطن سے نکلے اُسے کئی سال ہو گئے تھے۔ اور ان سالوں میں یہ مصر

بابل اور شام میں رہ کر علم حاصل کرتا رہا تھا۔ آخر وطن کی محبّت نے ایسا جوش مارا کہ وہ گھر کی طرف چل پڑا۔ اس کی شہرت اس سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکی تھی۔ اس لئے جس وقت اُس نے اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اس کے اہلِ مُلک کی ہزارہا آنکھیں جو عزّت کی نگاہوں سے اسے دیکھتی تھیں۔ ہزار ہا سر تھے جو ادب سے اُسکے سامنے جُھکتے تھے جس وقت فیثا غورث اپنے شہر ساموس میں آیا۔ اس کا نہایت ہی شاندار استقبال کیا گیا۔ اور اس کے دوستوں نے اس کے گرد جمع ہو کر اس کے حالات سفر سننے شروع کئے۔ چند ماہ یہ نامور حکیم اپنے شہر میں ٹھہرا۔ یہاں کا دینی پیشوا فونو قراطیس اس کی علمیت دیکھ کر اس کا بڑا دوست بن گیا۔ اور حکیم کا بہُت سا وقت اس کے پاس گذرنے لگا۔ اگرچہ فیثا غورث کئی علوم میں بڑا لائق تھا۔ اور لوگ اُس سے ان علوم کی تعلیم پانے کے لئے بڑی خواہش رکھتے تھے۔ مگر ساموس میں آنے کے چند ماہ بعد ہی اُسے پھر سفر کی سوجھی۔ اس دفعہ اس کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوُا کہ علم الہیات پڑھنا چاہیئے۔ اس علم کے بہترین اُستاد اُن دنوں مصر میں تھے۔ مصر پر ہی اسکا زیادہ جھُکاؤ تھا۔ اور ارد گرد کے ممالک میں یہاں سے ہی تعلیم پاکر اُستاد بھیجے جاتے تھے۔ فیثا غورث نے اگرچہ بڑا بھاری سفر کیا تھا۔ اور اپنی عُمر کا بہُت بڑا حصہ سفر میں ہی گذارا تھا۔ لیکن تعلیم کے شوق نے اسے گھر میں ٹھہرنے نہ دیا۔ اور یہ علم حاصل کرنے کیلئے دوبارہ مصر کے سفر پر چل کھڑا ہوُا۔

اِس دفعہ فیثا غورث کے دِل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ مصر کے لوگوں کے نام کوئی خط لے جاوے۔ تو اُسے علم حاصل کرنے میں بڑی سہولیت ہوگی۔ اس کیلئے اُس نے اپنے دوست فونو قراطیس کے ساتھ ذکر کیا۔ جس وقت اُس عالم نے سُنا کہ حکیم پھر ایک لمبا سفر کرنے کو ہے۔ اس نے اوّل تو اُسے روکنے کی کوشش کی اور کہا۔ کہ بہتر ہے۔ کہ جو علوم وہ جانتا ہے۔ اُن کی بدولت مُلک میں نام پیدا کرے۔ مگر جب اُس نے

جواب دیا کہ وہ نام پانے کے لئے علم حاصل نہیں کر رہا۔ بلکہ سچائی کی تہہ تک پہنچنے کیلئے تکلیف اٹھا رہا ہے۔ تو اس نے وعدہ کیا کہ وہ مصر کے چند معزز لوگوں کے نام مزید چھٹیاں دیگا۔ اور جب فیثا غورث چلنے کے لئے بالکل تیار ہوگیا۔ تو اس نیک شخص نے مصر کے کاہنوں کے نام اُسے ایک خط لکھ کر دیدیا۔ یہ خط لیکر اُس نے اپنے گھر کو ایک بار پھر خیر باد کہا۔ اور حصول علم کے لئے مصر میں آ پہنچا۔ مصر اس کے لئے کوئی نیا مقام نہیں تھا۔ بلکہ اس سے پہلے بھی وہ مصری زبان سیکھنے کے لئے یہاں آیا تھا۔ کاہن لوگ اس سے بڑی محبت سے ملے۔ لیکن جس وقت اس نے ان سے پڑھنا شروع کیا۔ وہ اس کے ساتھ اچھی طرح پیش نہ آئے۔ بلکہ بہت سے مذہبی امور اس سے چھپانے لگے مصر کے دینی پیشوا اُن دنوں علم الٰہی میں مشہور زمانہ تھے۔ اُن کے دماغ کی تمام دُنیا تعریف کرتی تھی۔ لیکن افسوس کہ جب ایک اعلےٰ شخص اُن سے یہ علم سیکھنے آیا۔ اُن کے دِل نے انہیں روکا۔ اور وہ اپنے خزانہ علم میں سے اسے بہت زیادہ دینے کو تیار نہ ہوئے۔ بلکہ اُنہوں نے کوشش کی کہ وہ فیثا غورث کو باتوں باتوں میں ٹال دیں۔ جب اس حکیم نے اپنے نئے اُستادوں کی یہ حالت دیکھی۔ اُسے بڑا رنج ہُوا۔ وہ سوچنے لگا کہ کس قدر دُور دراز سفر کر کے وہ آیا ہے۔ اس پر بھی اُسے اپنے ارادہ میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اُس نے ان کاہنوں سے اُس سفارش کا ذکر کیا جو کہ قولو قراطیس سے لایا تھا۔ مگر اُنہوں نے اس کی بات کو نہ سُنا۔ اور نہ ہی اپنے رویّہ میں کوئی تبدیلی کی۔ بلکہ بدستور سابق بہت سی باتوں کو اس سے چھپاتے رہے۔ فیثا غورث کے دِل میں شکوک پیدا ہوتے تھے۔ اور وہ ان کا ذکر اپنے اُستادوں سے کرتا تھا۔ مگر یہاں سے جواب نہ ملتا تھا۔ اوّل اوّل فیثا غورث کو خیال گذرا کہ شاید یہ کاہن خود اِن باتوں کو نہ جانتے ہوں۔ مگر بعد ازاں اُسے پتہ لگا کہ وہ جانتے سب کچھ ہیں۔ مگر شرارت سے نہیں بتلاتے۔ اِس لئے اُس نے سوچا کہ وطن کو واپس لوٹ چلنا

جانا چاہیئے۔ مگر یہ شرم اُسے آتی تھی کہ بغیر کچھ حاصل کئے وطن جانے سے سخت بے عزتی ہوگی اور لوگ تمخول بازی کرینگے۔ فیثا غورث عجیب حالت میں تھا۔ نہ تو اسے مصر میں ٹھہرنے سے کچھ فائدہ ہوتا تھا اور نہ ہی یہ اس جگہ کو چھوڑ کر جاسکتا تھا۔ کاہن لوگوں کی اس نے بہت منت سماجت کی کہ وہ اسے پڑھانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ لیکن یہاں وہی حالت تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ اس کے اُستاد اسکی کسی عرض کو بھی نہیں مانتے۔ اُسے بھی غصہ آگیا۔ اور اُس نے وُہ کام جو کوئی خوشامد اور منت سماجت نہ نکال سکی تھی۔ اپنی خداداد لیاقت سے نکالنا چاہا۔ اور اپنے دماغ سے وُہ وُہ باتیں سوچیں کہ اُستاد بھی حیران رہ گئے۔

اگر فیثا غورث کی بجائے کوئی اور شخص ہوتا تو وُہ ضرور مایوس ہوکر بے نیل ومرام واپس چلا جاتا۔ مگر اُس نے اپنے استقلال ہمت اور دلاوری سے آخر اپنے بخیل اُستادوں کے دلوں پر بھی فتح حاصل کرلی۔ اور وہ مجبور ہوئے کہ جن باتوں کو وہ اس بےمثال شاگرد سے چھپاتے رہے ہیں۔ اُنہیں اس پر ظاہر کریں۔ جوں جوں کاہن لوگ اپنی باتیں فیثا غورث سے چھپاتے تھے۔ اسکا شوق بڑھتا تھا۔ اور یہ زیادہ جوش کے ساتھ حصولِ علم کی کوشش کرتا تھا۔ کاہن لوگوں کے رویہ میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اور وُہ اپنے بخل کو چھوڑنے کے لیئے مجبور ہوئے۔ فیثا غورث کے دل ودماغ نے اُن کے ارادوں کو بدل دیا۔ جو کچھ وُہ جانتے تھے۔ اُنہوں نے سب کچھ اس حکیم کو سکھایا۔ جب یہ لوگ سیدھی طرح فیثا غورث کو پڑھانے لگے۔ اُس کے دل کی حیرانی دُور ہوگئی۔ اور وُہ شانتی کے ساتھ پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کے اُستادوں نے اسے کہہ دیا کہ جو کچھ وُہ جانتے تھے۔ اُنہوں نے سب کچھ اسے سکھا دیا ہے۔ اسے بھی یقین ہو گیا کہ اُس نے اپنے مصری اُستادوں سے سیکھنے کے لائق سب کچھ سیکھ لیا ہے۔ اب اُس نے یہاں سے کوچ کرنے کی ٹھانی۔

فیثا غورث نے اس سوال پر خوب غور کیا کہ اُسے مصر سے جا کر کیا کام کرنا چاہیئے مگر اس کی عقل نے کوئی مناسب فیصلہ نہ کیا۔ آخر یہ اس اُدھیڑ بن میں ہی اپنے وطن ساموس جا پہنچا۔ اِس دفعہ اس کا استقبال اور بھی شاندار کیا گیا۔ اس کے شہر کے لوگ اسے لینے کے لئے گھروں سے نکل آئے۔ یہاں آتے ہی اس نے اپنے مربّی دوست تولو قراطیس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اُس سے مل کر اپنے آئندہ کام کے بارہ میں مشورہ کرنے لگا۔ اس نے اور اس کے دُوسرے دوستوں نے فیثا غورث کو مشورہ دیا کہ اگر وہ ساموس میں فلسفہ کا ایک سکول جاری کرے تو اُسے بڑی کامیابی ہوگی اور وُہ اہلِ دُنیا کو بڑا فائدہ پہنچا دیگا۔ اُسے یہ صلاح پسند آئی۔ اور اُس نے اپنے اہلِ شہر و اہلِ مُلک کو فلسفہ کی تعلیم دینے کے لئے ساموس میں ایک بڑی یونیورسٹی جاری کی۔ اِس یونیورسٹی میں علوم ہندسہ اور حکمت کی تعلیم لازمی تھی۔ جو ہر ایک طالب علم کو پڑھنی پڑتی تھی۔ کوئی طالب علم جو اِن علوم کو نہ پڑھے۔ اس کی یونیورسٹی میں داخل نہیں کیا جاتا تھا۔ دُور دراز سے پڑھنے کے طالبوں کو اِس یونیورسٹی تک لانے کے لئے حکیم فیثا غورث کا نام کافی تھا۔ لوگ اس کی لیاقت اور قابلیت کے بڑے دلدادہ تھے۔ اور اس سے تعلیم پانا اپنے لئے باعثِ فخر خیال کرتے تھے۔ چنانچہ جونہی اُس نے اپنے سکُول کا افتتاح کیا۔ لوگوں کے گروہ کے گروہ اُس میں داخل ہونے کے لئے آنے لگے۔ اور چند روز میں ہی سینکڑوں طالب علم اس کے حلقہ شاگردی میں داخل ہو گئے۔

مشہور کہاوت ہے کہ جہاں گڑ ہوتا ہے۔ وہاں مکھیاں خود بخود دُور دراز سے چلی آتی ہیں۔ یہی حال فیثا غورث کا تھا۔ اس کی شہرت اور لیاقت کا حال سُن کر دُور دُور سے لوگ اِس کے پاس پڑھنے آئے۔ فیثا غورث کا مربّی تولو قراطیس برابر اس کی مدد کرتا رہا۔ ہر ایک مشکل میں وہ اس کا ساتھ دیتا تھا۔ اور حکیم ہر ایک

بات میں اس کا مشورہ لینا ضروری خیال کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی لائق اشخاص اس کی مدد کو اپنے لئے باعث فخر خیال کرتے تھے۔ اور اسے کبھی خاص دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اس نے اپنے شاگردوں کو اس شوق سے پڑھایا کہ سب کے سب اس پر دل وجان سے فدا تھے۔ اس کے شاگردوں کا حلقہ بہت ہی وسیع تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے یونان کو ایسے ایسے لائق فلاسفر دئے ہیں کہ جو آج تک یونان کی عزت بڑھاتے ہیں۔ اور ان کی بدولت یونان ہمیشہ تاریخ میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاوے گا۔ سقراط جو بت پرستی کا زبردست مخالف تھا۔ اور جس کی یاد ایک ایک یونانی کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ اس حکیم کا ایک لائق شاگرد تھا۔ نیولاس پراوکی ٹاس اور ٹیرٹم جو یونان کے بڑے مشہور فلاسفر ہوئے ہیں۔ وہ فیثا غورث کے ہی شاگرد تھے۔ ان کے ہی وعظ اور لیکچر سنکر مشہور حکیم اور فلاسفر افلاطون جس نے یونان کے فلسفہ میں جان ڈالی اور جس کا ذکر لارڈ بیکن نے بھی اپنی تصانیف میں کثرت سے کیا ہے مستفید ہوا۔ یہ وہی افلاطون ہے جس کا خاص شاگرد ارسطو تھا جسے یونان کے سب سے بڑے فلاسفر کا خطاب دیا جاتا ہے۔ افلاطون نے فیثا غورث کی شاگردی تو نہیں کی۔ لیکن اس کی کتب سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے غرضیکہ فیثا غورث کے اس سکول نے بڑا ہی شاندار کام کیا۔ اور اس کی وجہ سے اس کی عزت ہر خاص و عام کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی۔

فیثا غورث پہلا شخص کہا جا سکتا ہے جس نے یونان میں فلسفہ کو خدا شناسی کا نام دیا۔ اور بتایا کہ علم خدا شناسی ہی سچا فلسفہ ہے۔ اس سے پہلے کسی شخص نے فلسفہ کا یہ نام نہیں رکھا۔ بلکہ اس کا فخر فیثا غورث کو ہی ہے۔ یہ شخص بڑا خدا پرست تھا۔ اس کے خیالات زیادہ تر صوفیوں کے خیالات سے ملتے ہیں۔ یہ آریہ ورت کے آریہ لوگوں کی مانند مسئلہ تناسخ کو مانتا تھا اور اس بات کا پرچار کرتا تھا۔

کہ رُوح ایک جسم کو چھوڑ کر اپنے اعمال کے مطابق دُوسرا جسم لیتی ہے وہ تناسخ نفس کا بھی قایل تھا۔ اُس نے دُوسرے ممالک سے جو کچھ سیکھا۔ وُہ اور اُس میں زیادتی کر کے اُس نے اپنے اہلِ مُلک کو سکھایا۔ علم ہندسہ اُس نے مصر سے سیکھا تھا۔ مگر اُس نے یونان میں اس کا بڑا پرچار کیا۔ اور لوگوں کو اس کی طرف بڑی رغبت دلائی۔ اپنے سکول میں تو اس نے اسے لازمی طور پر پڑھنے کا قانون بنا رکھا تھا۔ علم موسیقی کا اِس سے پہلے یونان میں بہت کم رواج تھا۔ فیثا غورث نے اسے بھی دُوسرے ممالک سے سیکھا۔ اور یُونان میں پرچار کیا۔ آج کل جو یونانی تال اور سُر مقرر ہیں۔ ان کا سب سے پہلا مُوجد فیثا غورث ہی بتایا جاتا ہے۔ اور اسے ہی یہ فخر ہے کہ اس نے علم موسیقی کا علوم ہندسہ و ریاضی سے تعلق قائم کیا۔ ان علوم کا اُس نے اپنے مُلک میں دِل کھول کر پرچار کیا۔ اور لوگوں کی طبعیت ان کی طرف ایسی خوبی سے مائل کی کہ ایک دفعہ تو تمام یونان میں ہر قسم کے فلسفہ کی بڑی دھوم مچ گئی۔ اس سے اس کے سکُول کی بھی بڑی عزت ہوئی۔ اِس میں داخل ہونے کے لئے طلباء کی اس قدر تعداد آتی تھی۔ کہ اُن میں سے بہتوں کو واپس جانا پڑتا تھا۔ اور بہت کم باقسمت نوجوانوں کو اِس کے سکُول میں داخل ہونے کا فخر حاصل ہوتا تھا۔

علم سیّارہ میں بھی یہ بڑا کامل تھا۔ اور اپنی یونیورسٹی میں اِس علم کی بھی تعلیم دیتا تھا۔ جن لوگوں کو اِس علم کا شوق ہے۔ وُہ جانتے ہیں کہ یہ علم بڑا مشکل ہے۔ مگر فیثا غورث کو اس پر خاص عبور حاصل تھا۔ اس وقت یونان میں حکیم بطلیموس کی یہ تعلیم درست تسلیم کی جاتی تھی کہ زمین ساکن ہے۔ یہ گردش نہیں کرتی۔ بلکہ سُورج متحرک ہے۔ یہ چلتا اور سفر کرتا ہے۔ اور وُہی زمین کے گرد گھومتا ہے۔ اِس تعلیم کے خلاف فیثا غورث یہ بتاتا تھا کہ زمین متحرک ہے۔ اور سُورج کے گرد حرکت کرتی ہے۔ جو دلائل وُہ اپنے اِس دعوے کی تائید میں پیش کیا کرتا تھا۔ وہ بڑی مشکل تھیں۔ اور لوگوں کی سمجھ میں

نہ آتی تھیں۔ اس لئے لوگ اس کی مخالفت بھی کرتے تھے۔ اور بعض لوگ جو اس کی دلائل کو بالکل نہ سمجھ سکتے تھے۔ وہ اس کی باتوں کو سراسر جھوٹ اور بے سروپا کہنے سے بھی باز نہ رہتے تھے۔ اگرچہ عام لوگ فیثا غورث کی اس تعلیم کو درست نہ مانتے تھے۔ مگر وہ کبھی نہیں گھبرایا۔ اور نہ ہی اس نے اس بات کی کوشش کی کہ عوام کو اپنا ہمخیال بنانے کے لئے کوئی خاص ڈھونگ رچے۔ بلکہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "جو باتیں عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں۔ وہ اس وقت تک ان کی سمجھ میں نہ آوینگی۔ جب تک ان کی علمی استعداد بہت نہ بڑھ جاوے۔" آج دنیا بھر کے فلاسفر اسی تعلیم کو مانتے ہیں کہ سورج زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ مگر حکیم فیثا غورث کے زمانہ میں یورپ کے سب لوگ اس مسئلہ کے خلاف رائے رکھتے تھے۔

فیثا غورث کا مدرسہ بڑی رونق کے ساتھ جاری تھا۔ دور دور سے لوگ اس کے خیالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے آتے تھے۔ اور اس کی شاگردی میں داخل ہوتے تھے۔ ساموس کی یونیورسٹی اس وقت ایک چمنستان بنی ہوئی تھی۔ جس میں جگہ بجگہ کے شگفتہ پھول آئے ہوئے تھے۔ فیثا غورث نے اپنے شاگردوں کے دماغوں پر تو قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ لیکن اس نے ان کا دل بھی فتح کر لیا۔ ہر شاگرد دل سے اپنے استاد کی عزت کرتا تھا۔ اور اس کے حکم کے آگے سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہتا تھا۔ حکیم خود بھی بڑا نیک مزاج اور سادہ تھا۔ غرور، تکبر اور نخوت اس کے سب سے بڑے مخالف تھے۔ وہ اپنے شاگردوں کو اکثر بتایا کرتا تھا کہ غرور اور تکبر ہی وہ چیز ہے جو انسانی زندگی کو تلخ بنا کر برباد کر دیتی ہے۔ اور انہیں خاص طور پر ہدایت کیا کرتا تھا کہ وہ اس مرض کے پھندے میں ہرگز نہ پھنسیں۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے فلاں شاگرد نے کوئی غرور کا کلمہ زبان سے نکالا ہے۔ وہ اسی وقت اس کی گوشمالی

کرتا تھا۔ اور دُوسرے شاگردوں کے سامنے اُسے جھاڑ دیتا تھا۔ تاکہ پھر کبھی وہ ایسا کلمہ کہنے کی جرأت نہ کرے۔

فیثا غورث الشیورستی کی تعلیم اپنے شاگردوں کو لازمی طور پر دیتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وُہ نیک اور سادہ چال چلن کے ہوں۔ اس کے متعلق یہ بات عام مشہور تھی کہ جہاں کہیں کسی نیکی کے کام کا تذکرہ ہو۔ فیثا غورث اپنی تمام توجہ سے اُس کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ دُنیا میں اگر کوئی کام کرنے کے لائق ہے تو وُہ نیکی ہی ہے۔ وُہ بڑا حمل تھا سب کے ساتھ رحم سے پیش آتا تھا۔ وُہ بڑا متقی اور پرہیزگار تھا۔ نیک اشخاص کی صحبت میں بیٹھ کر وُہ بڑا خوش ہوتا تھا۔ اور اپنے شاگردوں کو بھی یہی ہدایت کرتا تھا کہ وُہ بُرے لوگوں کی صحبت میں ہرگز نہ جاویں۔ بلکہ اپنا زیادہ وقت نیک لوگوں کی صحبت میں گذاریں۔ اسی طرح وُہ کہا کرتا تھا کہ تعلیم ایک ایسا خوشنما زیور ہے۔ جو بدصورت سے بدصورت شخص کو بھی خوبصورت بنا دیتی ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ جس قدر علم دُوسرے لوگ اُس سے حاصل کر سکیں۔ کریں۔ اُس نے خود بڑی تکالیف اُٹھا کر علم حاصل کیا تھا۔ اور اُسے کئی دفعہ بڑے بخیل اُستادوں کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا جو اِس سے کئی باتوں کو چھپاتے تھے۔ مگر فیثا غورث نے اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ وُہ علم کا خزانہ لُٹانے میں بڑا دریا دل تھا۔ اور جو شخص ایک دفعہ اُس کے پاس آیا علم کے زیور سے آراستہ ہوئے بغیر اُسکے در سے واپس نہ گیا۔

جس وقت یہ نامور حکیم اپنے شاگردوں کے درمیان بیٹھ کر ان کو تعلیم دیا کرتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خوبصورت اور چمکدار چاند اپنے تمام جلال کے ساتھ روشن تاروں کے درمیان اپنا اجلاس کر رہا ہے۔ تمام شہر ساموس فیثا غورث کی عزت کرتا تھا۔ اور لوگ اس کی علمی باتوں کو بڑے غور سے سُنتے تھے۔ اس کا کام بڑی خوبی

سے چل رہا تھا کہ اس کا سب سے بڑا مربی قونو قراطیس بیمار ہو گیا۔ بہت کچھ علاج معالجہ کیا گیا۔ مگر موت کے وقت کو کون ٹال سکتا ہے۔ جس وقت وہ آخری دم لے رہا تھا۔ اُس نے فیثا غورث کو بہت سی نیک ہدایتیں کیں۔ اور بڑے زور سے کہا کہ اُسے اِن کو اپنی زندگی کا پروگرام بنانا چاہیئے۔ قونو قراطیس کی وفات کے بعد اہل ساموس کے سامنے یہ سوال پیدا ہوا کہ اُس کی جگہ کسے مقرر کیا جائے۔ لوگوں نے ہر چہار طرف نظر ماری کہ کوئی شخص ایسا نظر آوے جسے وہ دینی پیشوا قونو قراطیس کے عہدہ پر مقرر کر سکیں۔ مگر اُن کو فیثا غورث سے بڑھ کر اور کوئی شخصیت نظر نہ آئی چنانچہ لوگوں نے اسے کہنا شروع کیا کہ وُہ اپنے مرحوم مربی کی جگہ کام کرے۔ حکیم اس کام کے لیئے تیار نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے علمی پروگرام ہی میں لگا رہے۔ اس لیئے اُس نے لوگوں کی یہ درخواست رد کر دی۔ مگر اس سے لوگوں کی تسلی نہ ہوئی۔ اُنہوں نے بار بار یہی کہا کہ اس عہدہ کے لائق سوائے فیثا غورث کے اور کوئی شخص نہیں ہے۔ اور اس پر زور ڈالا کہ اسے یونیورسٹی کا کام چھوڑ کر لوگوں کی دینی خدمت سرانجام دینی چاہیئے۔

جب حکیم نے دیکھا کہ معززاہل ساموس اس کے انکار سے کچھ بھی متاثر نہیں ہوتے۔ تو اُس نے اُنہیں ایک دُوسرے طریقہ سے ٹالنا چاہا۔ اُس نے کہا کہ دینی خدمت کو وُہ ایک بڑی پاک خدمت خیال کرتا ہے۔ جس میں نہ تو وہ مکاری کو اور نہ ہی ریاکاری کو داخل کر سکتا ہے۔ وُہ سچائی کو کبھی ہاتھ سے نہ دیگا۔ اور وُہ لوگ جو اب اُسے دینی پیشوا بنانے کے لیئے تڑپ رہے ہیں۔ اُس کی سچی اور خالص سچی باتوں سے گھبرا کر اُس کے مخالف بن جاوینگے۔ اِس کا خیال تھا کہ اہل ساموس یہ سُنکر اپنے ارادہ سے باز آجاویں گے۔ لیکن اُنہوں نے اسے منظور کر لیا۔ اور کہہ دیا کہ جو کچھ وہ کہیگا۔ اُسے منظور کیا جاویگا۔ اب فیثا غورث مجبور تھا کہ دینی پیشوا کی خدمات سرانجام

دینے کے لئے تو تو قرالیس کا عہدہ اختیار کرے۔ چنانچہ اس نے یونیورسٹی کا کام چھوڑ کر یہ کام شروع کر دیا۔ جس وقت اُس نے تو تو قرالیس کی کرسی کو زینت دی۔ لوگ مارے خوشی کے اچھل پڑے۔ اور اُن کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ "تو تو قرالیس کی انصاف کی کرسی جو بہت دنوں سے خالی پڑی تھی۔ آخر ایک ایسے انسان سے پُر ہو گئی۔ جو انصاف مجسّم ہے۔ اور جس کے انصاف پر سب کو پُورا پُورا بھروسہ ہے" اہلِ ساموس کی بڑی خوشیوں کے درمیان فیثا غورث نے اُس کرسی پر قدم رکھ دیا۔ جسے وہ چند ماہ سے زیادہ اپنے قبضہ میں نہ رکھ سکا اور جس کے لئے اُسے اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈالنا پڑا۔

فیثا غورث کو تو تو قرالیس مرحوم کی جگہ کام کرتے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ اُس کا دل اپنی سرزمین کے لوگوں میں بُرائیوں کی کثرت دیکھ کر کانپ اُٹھا۔ لوگ چاہتے تھے کہ وہ اُن کی مرضی کے مطابق چلے مگر اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ دھرم کے مطابق چلے اور جو خرابیاں موجود ہیں۔ ان کے برخلاف زبردست آواز بلند کرے۔ پہلے پہل جب اس نے لوگوں کو بُرے کاموں سے روکا۔ تو اہلِ ساموس بڑے خوش ہوئے۔ کیونکہ یہ لوگ جن کو حکیم نے ہدایت کی۔ غریب تھے۔ مگر جونہی اس نے وہاں کے امیروں کو بھی اسی لاٹھی سے ہانکنا چاہا۔ ساموس میں ایک شور مچ گیا۔ اگرچہ بہت سے لوگ اب بھی فیثا غورث کے ساتھ تھے۔ لیکن اس کے مخالفوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ امیر لوگ جن کی خرابیوں اور بُرائیوں کے پردے وہ بڑی بیرحمی سے فاش کرتا تھا۔ اُسے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ اور نہ وہ اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ اسے کئی دفعہ مار ڈالنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ مگر وہ اپنے راستہ سے نہ ہلا۔ بلکہ بدستور سچائی کے حق میں آواز اُٹھاتا رہا۔ کچھ دنوں بعد اس نے دیکھا کہ اُس کے اِن احکام کی جو وُہ مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مذہبی امُور کے متعلق دیتا تھا بعض حلقوں میں بیقدری کی جاتی ہے۔ اُسے یہ حکیم برداشت نہ کر سکا۔ اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ساموس کو

چھوڑ کر چلا جاوے۔ جب عام لوگوں کو اس کا یہ ارادہ معلوم ہوا۔ انہوں نے اس کے پاس پہنچکر درخواست کی کہ وہ اپنے خیالات کو پلٹ دے اور جانیکا ارادہ ترک کر دے مگر فیثا غورث نے ساموس کو چھوڑنے کا ہی ارادہ پختہ رکھا۔

آخر یہ اپنے شہر کے بہت سے لوگوں کی ناراضگی کے باوجود جو چاہتے تھے کہ وہ اُن کے درمیان ہی رہے۔ وہاں سے نکلا اور ملک انطاکیہ کو چلا گیا۔ یہاں کے لوگوں نے اس کا بڑی شان سے استقبال کیا۔ انہوں نے اس بات کو غنیمت سمجھا کہ دُنیا کا سب سے بڑا حکیم اُن کے درمیان آیا ہے جس سے ضرور اُن کے ملک کی بھی عزت ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اور کئی سہولتیں دیں۔ اس کا ارادہ تھا کہ انطاکیہ کے کسی شہر میں ایک یونیورسٹی قائم کرے۔ اور وہاں پر درس تدریس کا کام ازسرِ نو جاری کرے۔ اس غرض کے لئے اُس نے کئی بڑے شہروں کا چکر لگایا اور وہاں کے حالات دیکھتا رہا۔ آخر اُس نے شہر قرطیا کو اپنے مطلب کیلئے پسند کیا۔ اور وہاں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھ کر علم کے شائقین کو علم کی دعوت دی۔ اس کے بہت سے شاگرد جو اس پر دلدادہ تھے پھر اس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے۔ اور چند روز میں ہی اس کے مدرسہ میں سینکڑوں طالبعلم جمع ہو گئے۔ اس جگہ فیثا غورث کی شہرت اس قدر بڑھی کہ دور دور تک اس کا نام عزت سے لیا جانے لگا۔ انطاکیہ کا بادشاہ تک اس کی عزت کرتا تھا۔ دور دراز ممالک سے علم کے شائق اس کے پاس آتے تھے۔ اور اسکے فیض صحبت سے فیضیاب ہو کر جاتے تھے۔ اس کے شاگردوں میں صوبہ بربصاحل افریقہ تک سے آئے ہوئے طالبعلم شامل تھے۔ جو شخص اس کے پاس سے تعلیم حاصل کرکے جاتا تھا۔ وہ تمام عمر اس کی تعریف کے گیت گاتا رہتا تھا۔ اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فیثا غورث کے زمانہ کے وہ لوگ بھی جنہوں نے کبھی اس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ اس کے مداح تھے اور تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔

اس مدرسہ میں علاوہ علوم فلسفہ کی تعلیم کے اخلاق کی تعلیم بھی فیثا غورث اپنے شاگردوں کو دیتا تھا۔ اور اُنہیں نیک بنانے کے لئے طرح طرح کی دلائل و امثال سے سچائی اور نیکی کی تعلیم دیتا تھا۔ یہاں تک ہی بس نہ تھی۔ بلکہ حکیم نے عام لوگوں کی بھلائی کے لئے یہ طریقہ بھی نکالا کہ وُہ عام لیکچروں کے ذریعہ اپنے خیالات کا پرچار کرے۔ چنانچہ اس کے لئے وہ اپنی جائے رہائش پر اکثر پند ونصائح کی محفلیں منعقد کیا کرتا تھا۔ جن میں بڑے بڑے لوگ شامل ہوتے تھے۔ اِن لیکچروں میں وہ غرور اور نخوت کی بڑی دھجیاں اُڑایا کرتا تھا۔ ایک روز اسی طرح محفل لگی ہوئی تھی حکیم نے اپنا لیکچر شروع کیا۔ اِس محفل میں فروطونیا کا ایک امیر قولون نامی بھی موجود تھا۔ جو غرور اور نخوت کے لئے تمام مُلک میں مشہور تھا۔ اگرچہ یہ شخص ایک مناسب جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ مگر یہ سمجھتا تھا کہ اُس کی بے عزتی ہوتی ہے۔ وہ اکثر اکڑ اکڑ کر اوپر کو اُٹھتا تھا اور اینٹھ اینٹھ کر بیٹھتا تھا۔ بلکہ نزدیک بیٹھے ہوئے لوگوں سے تمسخر کے طور پر ہنسی مذاق بھی کرتا تھا۔ اثنائے لیکچر میں حکیم کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اور وہ غرور کی اِس شاخ کو جھکا کر فرش تک لانے کے لئے اِس طرف ہی چل پڑا۔ اُس نے کہا کہ "بعض لوگ جن کو اپنی امیری کا بڑا گھمنڈ ہے۔ وہ چند منٹ آرام سے ایک لیکچر میں بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ اُن کو شرم کرنی چاہیئے اور غرور کو چھوڑ دینا چاہیئے۔" اِس طرح اور کئی صاف صاف الفاظ کہے۔ جنکو سنکر قولون کا جگر جو پہلے ہی حسد کی آگ میں جل رہا تھا۔ کباب ہوگیا۔ اور چند منٹ بعد وہ مباحثہ کے لئے کھڑا ہوگیا۔ فیثا غورث اُس کی شرارت کو تاڑ گیا۔ اور بحث میں اُسے ایسا شرمندہ کیا کہ وہ پھر محفل میں نہ بیٹھ سکا۔ بلکہ مارے شرم کے وہاں سے چل دیا۔ فیثا غورث پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا اور بہت دیر تک لوگوں کو غرور اور تکبّر کے نقصانات سُناتا رہا۔

قولون جس وقت اس مجلس سے اُٹھ کر گیا۔ اُس کا جگر جل رہا تھا۔ فیثا غورث اُسے زہر کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اور اس کا دِل چاہتا تھا کہ اُسی وقت اس کا سر تن

سے جُدا کر دے۔ یہاں سے جاتے ہی اُس نے حکیم کو تباہ و برباد کرنے کے وسائل سوچنے شروع کئے۔ اُس نے قروطلیا کے بہت سے لوگوں پر زور ڈالا کہ اگر وہ فیثا غورث کو سخت سزا نہیں دے سکتے تو کم از کم اُسے شہر بدر تو ضرور کر دیں۔ لیکن اِس مقصد میں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ چند روز فضول اِدھر اُدھر مارا مارا پھر کر اپنے گھر کو واپس چلا گیا۔ وہاں بھی اُسے چین نہ آیا اور وہ یہی سوچتا رہا کہ فیثا غورث کی بےعزتی کی جاوے جب اُس نے اور کسی طرح اپنا مطلب حل ہوتے نہ دیکھا تو اُس نے اُن لوگوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کیا۔ جو حکیم کی بڑھتی ہوئی عزت کو دیکھ کر آتش حسد میں جلتے تھے۔ قوون کے پاس روپیہ کی کمی نہ تھی۔ اُس نے اپنے کمینہ مقصد کے لئے روپیہ کو پانی کی طرح لٹانا شروع کیا۔ اگر وہ روپیہ نہ بھی صرف کرتا۔ تو بھی وُہ اپنے مخالف کو نقصان پہنچانے کے لئے اِن حاسدوں سے بہت سی مدد حاصل کر سکتا تھا۔ جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں نیک لوگوں کو ستانے کے لئے موجود رہتے ہیں۔ قوون نے اپنے صلاح کاروں کے ساتھ مِل کر یہ شور مچانا شروع کیا کہ فیثا غورث مرتد اور کافر ہے۔ ہمارے معبودوں کی حقارت کرتا ہے اور لوگوں کو بے دینی کی تعلیم دیتا ہے۔ ان لوگوں مین یہ تو طاقت نہ تھی کہ وہ حکیم کا دماغی مقابلہ کر سکیں اِس لئے انہوں نے لوگوں کے جذبات کو بھڑکایا اور چونکہ بُرائی کی جڑیں کاٹنے والا فیثا غورث پہلے سے ہی بڑے لوگوں کے جذبات کو کچلنے کا کام بڑے وسیع پیمانہ پر کرتا تھا۔ اسلئے اس کے دشمنوں کو ان لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے میں بڑی بھاری کامیابی ہوگئی۔ اور چند ماہ کی کوشش سے ہی اُنکے گرد فیثا غورث سے مخالفت کرنے والوں کا اٹالیہ میں ایک ایسا زبردست گروہ پیدا ہوگیا۔ جو اپنا کام صرف حکیم کو نقصان پہنچانا سمجھتا تھا۔

فیثا غورث پر الزام لگایا گیا کہ وہ لوگوں کے دِلوں میں پراچین عبادت گاہوں اور معبودوں کی طرف سے نفرت پیدا کرتا ہے اور بُت پرستی کا مخالف ہے۔ جس وقت یہ

خبر جہلا کے کانوں میں پہنچی۔ اُن کا جوش اُمڈنے لگا۔ اور وہ بغیر سمجھے بوجھے اُس کی مخالفت پر تُل گئے۔ فیثا غورث کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ لیکن وہ عوام کے مقابلہ میں آٹے میں نمک سے بڑھ کر حیثیت نہ رکھتے تھے۔ حکیم نے دیکھا کہ خطرہ دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ وہ اگر چاہتا تو پالیسی سے کام لیکر اِس مخالفت کی آگ پر پانی ڈال سکتا تھا۔ اور ان لوگوں کو ہی اپنے قبضہ میں کر کے قولوں اور اُس کے ساتھیوں کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ لیکن اُس نے اِس قسم کی حرکات کو پسند نہ کیا۔ بلکہ اُس نے صاف کہہ دیا کہ وہ جو کچھ سچ سمجھتا ہے۔ اُس کا پرچار کرتا ہے۔ خواہ اس سے لوگوں کے جذبات کو صدمہ پہنچے۔ خواہ ان کی پُرانی روایات کی بے حرمتی ہو۔ اس جواب نے مخالفوں کو بڑا موقعہ دیا کہ وہ حکیم کے خلاف جہاں تک نفرت کا جذبہ پیدا کرنا چاہیں۔ کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے اِس پوزیشن کا بڑا فائدہ اُٹھایا۔ اور بہت سے لوگ اِس بات پر آمادہ ہو گئے کہ جہاں فیثا غورث اُن کو نظر آوے۔ وہاں ہی اُس کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ کئی بیوقوف لوگ تو اِس غرض کے لئے ہر وقت مسلح حکیم کی جائے رہائش کے ارد گرد گھوما کرتے تھے۔

فیثا غورث کے شاگردوں نے دیکھا کہ معاملہ دن بدن نازک ہو رہا ہے۔ اُن کی یہ تو طاقت نہ تھی کہ وہ اُستاد کو اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی کرنے کے لئے کہتے۔ البتہ انہوں نے یہ انتظام کیا کہ جہاں اُستاد جاوے۔ وہاں ہی اُس کے ساتھ رہیں۔ اور اگر کوئی شخص اُس کی جان پر حملہ آور ہو تو مدد کریں۔ اور ہمیشہ درجنوں نہیں بیسیوں شاگرد مسلح اُس کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ خواہ وہ سفر میں ہو یا گھر پر۔ اُسکے وفادار شاگرد اُس کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ایک روز فیثا غورث ایک جگہ لیکچر دے رہا تھا۔ حسب دستور اُس کے بہت سے شاگرد اس کی حفاظت کے لئے موجود تھے۔ ظالم قولوں نے لوگوں کو اُبھارا کہ وہ چل کر دوران لیکچر میں ہی اُس کا خاتمہ

ردیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ ــ ہوکر اُس جگہ جا پہنچے۔ جہاں حکیم لیکچر دے رہا تھا۔ جونہی باغیوں کا یہ گروہ پہنچا۔ وہ سمجھ گیا کہ معاملہ نازک ہے۔ مگر وہ بالکل نہ گھبرایا۔ برابر لیکچر دیتا رہا۔ اُس کے شاگردوں نے مخالفوں کا مقابلہ کیا۔ اور اُنہیں آگے بڑھنے سے روکا۔ شریر لوگوں کا غصہ بڑھا ہوا تھا۔ اُنہوں نے شاگردوں پر ہی قاتلانہ حملہ دیا۔ اور آن کی آن میں کئی نوجوان شاگرد مار ڈالے۔ فیثا غورث کو اس حادثہ کا بڑا رنج ہوا۔ اُس نے چاہا کہ وہ خود آگے بڑھے۔ اور اپنے مخالفوں کو شرارت سے باز آنے کی ہدایت کرے۔ مگر سمجھدار اور وفادار شاگردوں نے کہا کہ یہ وقت ایسا نہیں ہے۔ شاگرد برابر مرتے گئے۔ لیکن اُنہوں نے شریر اور قانون شکن لوگوں کا ہاتھ اپنے اُستاد کے پاک جسم تک پہنچنے نہ دیا۔ آخر جب حکیم نے دیکھا کہ باغی لوگ شرارت سے باز نہیں آتے تو وہ اپنے شاگردوں کے جھنڈ میں وہاں سے نکل گیا۔

جس وقت مخالفوں کو پتہ لگا کہ اُن کا شکار بھاگ گیا ہے۔ وہ بڑے سٹ پٹائے لیکن انکو فیثا غورث کا کچھ پتہ نہ لگا۔ چند روز تک آرام رہا۔ مگر فیثا غورث کا جرم کوئی معمولی جرم نہ تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا۔ اُس کے مخالفوں کا اُس جگہ موجود ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ جہاں کہیں وہ گیا۔ اُس کے خون کے پیاسے وہاں ہی پہنچے۔ فیثا غورث اُس وقت نوجوان نہیں تھا۔ بلکہ اُس کی عمر ۶۵ سال کے قریب تھی۔ یہ عمر عام طور پر آرام کرنے کی عمر ہوتی ہے۔ لیکن فیثا غورث کو اِس عمر میں بڑا سفر کرنا پڑا۔ اُسے اپنی جان بچانے کے لیئے اکثر دن میں بیس بیس کوس پیدل چلنا پڑتا تھا۔ اس کے بہت سے شاگرد اِس کی حفاظت کرتے کرتے جان سے مارے گئے۔ ہاں ایک تسلی تھی۔ اور وہ یہ کہ جس قدر شاگرد جان سے مارے جاتے تھے۔ اتنی قدر بلکہ زیادہ نئے اُس کے پاس آجاتے تھے۔ اور فیثا غورث کی جان کی حفاظت کے لیئے وہ ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار رہتے تھے۔ فیثا غورث اپنی اِس حالت پر اکثر غور کیا کرتا تھا۔ مگر اُسے کچھ سمجھ نہ پڑتی تھی۔

کہ اپنے بیوقوف اور سادہ لوح مخالفوں کا کیا علاج کرے۔ اس نے ہر ایک جائز کوشش سے مخالفت کا خاتمہ کرنا چاہا۔ لیکن مخالف لوگ تو اس کی جان کے خواہاں تھے۔ آخر اسے ہی لے کر اُنہیں چین آیا۔

فیثا غورث کی موت کا حال بڑا ہی دردناک ہے۔ اس کی موت ایک عبرت ہے۔ جسے سُن کر انسان کا کلیجہ منہہ کو آنے لگتا ہے۔ اور ایک سنجیدہ آدمی تو ان واقعات کا مطالعہ کرکے جو اس کی موت سے تعلّق رکھتے ہیں، حیران ہو جاتا ہے کہ کیا اُس کے بدمعاش مخالفوں کے جسم حمیت کی رگ سے بالکل خالی تھے۔ ایک روز اِس کے مخالفوں نے اسے مکان پر گھیر لیا۔ اور ارادہ کیا کہ جب تک وہ اس کا سر نہ کاٹ لینگے۔ تب تک واپس نہ جاوینگے۔ اِس کے شاگردوں نے ان کو روکا۔ اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ چند گھنٹے تک خُوب لڑائی ہوتی رہی۔ اِس لڑائی میں طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ فیثا غورث کے مکان کے نزدیک ہی ایک عبادتگاہ تھی۔ جو بڑی مضبوط تھی۔ اِس کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ اگر وہ اُس جگہ چلے جاویں، تو مخالفوں کا مقابلہ خُوب دِل کھول کر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ اپنے اُستاد کو لے کر وہاں ہی چلے گئے۔

مخالفوں نے بھی اپنا رُخ اُس عبادت گاہ کی طرف پھیرا۔ اور اُس کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ تاکہ فیثا غورث وہاں سے بھی بھاگ نہ جاوے۔ اُنہوں نے بڑی سختی کے ساتھ حملہ کیا۔ اور پُورا زور لگایا کہ وہ فیثا غورث تک پہنچ جاویں۔ لیکن فیثا غورث کے بہادر شاگردوں نے اُن کی ایک پیش نہ جانے دی۔ مخالف لوگ برابر چالیس دن تک اس کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ مگر وہ فیثا غورث کو قتل نہ کر سکے۔ آخر مخالف محاصرہ سے تنگ آ گئے۔ ان کمینوں سے یہ اُمید تو کبھی نہ ہو سکتی تھی کہ وہ حکیم کو زندہ چھوڑ کر چلے جاویں گے۔ آخر تنگ آ کر اُنہوں نے

اس عبادت گاہ کو آگ لگا دی۔ یہ آگ کئی دن تک جلتی رہی۔ اور جس وقت یہ
بجھی تو نہ صرف عبادت گاہ ہی جل کر خاک سیاہ ہو گئی تھی۔ بلکہ فیثا غورث
معہ اپنے سینکڑوں بہادر شاگردوں کے زندہ جل کر خاک کا ایک تودہ بن
گیا تھا۔ جب تک اس آگ نے دُنیا کے ایک بے نظیر حکیم کو ہلاک نہ کر دیا۔
تب تک مخالفوں نے وہاں سے حرکت نہ کی۔ اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ ان
کا مطلب پورا ہو گیا ہے۔ تو وہ خوشی خوشی گھروں کو لوٹ گئے۔

اگرچہ فیثا غورث کی موت سے اس کے حاسد قوموں اور چند دیگر لوگوں کے دل ٹھنڈے
ہو گئے۔ مگر اُن کی اس حرکت نے یونان ہی نہیں بلکہ دُنیا کے ایک عظیم الشان
مذہبی ریفارمر کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ مہاتما فیثا غورث بُت پرستی کا بہت سخت
مُخالف تھا۔ اور اسے انسانی دماغ کی ایک نہایت ہی بھیانک اور خوفناک جدت
بتاتا تھا۔ اُس نے پہلے پہل اپنے لیکچروں میں بُت پرستی کی بہت مخالفت نہیں کی۔
مگر جب اُس کے مخالفوں نے یہ شور مچا دیا کہ وہ یُونانی بُتوں کی ہتک کرتا ہے۔ تو
اُس نے نہائت ہی حوصلہ اور دلیری سے وہ بات ظاہر کر دی جو اب تک اُس کے دل
میں تھی۔ اور اس کے بعد وہ بہت سختی سے بُت پرستی کی مُخالفت کرتا رہا۔ بلکہ بہت سے
لوگوں نے اُس کی تعلیم سے متاثر ہو کر نہ صرف خود بُت پرستی سے توبہ کی۔ بلکہ اپنے بتوں
کو جنہیں وہ سالہا سال سے پُوجتے آئے تھے۔ توڑ ڈالا۔ فیثا غورث کے مخالفوں نے
بہت کوشش کی کہ اُس کے تمام شاگرد اُس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ مگر اس میں اُن
کو کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ کئی سو وفادار شاگرد اُس کے ساتھ ہی زندہ جل کر مر گئے
جو شاگرد اُستاد کی اِس مصیبت میں ساتھ نہ دے سکے۔ وہ تمام عمر پچھتاتے رہے۔

موسیٰ

ظالم لوگوں نے اپنا ظلم دُنیا کے کسی خاص حصہ تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ جہاں اور
جب اُن کو موقعہ ملا ہے۔ اُنہوں نے دُوسروں کو ستانے اور تنگ کرنے کے ناپاک کام
میں کوتاہی نہیں کی۔ دُنیا میں ایک زمانہ وُہ بھی آچکا تھا جبکہ یہاں مذہب کی تلوار چلتی
اور لوگوں کا خون پیتی تھی۔ مصر میں آج کل کوئی مذہبی جھگڑا نہیں ہے۔ مگر اس کی ہمیشہ
ہی سے ایسی حالت نہیں رہی۔ گذشتہ زمانہ میں یہاں مذہب کے نام پر بڑی بڑی لڑائیاں
ہوئی ہیں۔ اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں کے خون بہائے گئے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں
خود خدا بننے کا خیال بھی کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ اس سے پہلے دنیا میں کئی اشخاص ایسے
پیدا ہو کر نابود ہو چکے ہیں۔ جن کے سر میں خود خدا بننے کا سودا سمایا اور اسی خیال
سے متاثر ہو کر اُنہوں نے لوگوں کو اپنی طاقت کے آگے سر جھکانے کے لئے مجبور کیا
اور اپنی خواہش کو پُورا کرنے کے لئے طرح طرح کی شرارتوں اور مظالم کو روا رکھا۔

حضرت موسےٰ کا تعلق بنی اسرائیل کے خاندان سے ہے۔ بنی اسرائیل کا مسکن مصر
نہیں تھا۔ بلکہ وہ کنعان سے ترک وطن کر کے مصر میں آباد ہوئے تھے۔ اس کا قصہ یُوں
ہے کہ جب یوسف کے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے اس خوبصورت نوجوان کو فروخت
کر دیا۔ تو وُہ بہت سی تکالیف اُٹھا کر مصر میں جا پہنچا۔ اور یہاں اپنی حسن لیاقت سے
ترقی کرتے کرتے مصر کا ایک اعلےٰ عہدہ دار بن گیا۔ جبکہ یوسف مصر میں اعلےٰ عہدہ دار تھا
اُس کے آبائی وطن میں سخت قحط پڑا۔ اور اُس کے بھائی اناج وغیرہ خریدنے کے لئے مصر
میں آئے۔ یوسف نے اُن کو پہچان لیا۔ اور اُن کے ذریعہ اپنے بُوڑھے باپ کو بھی مصر
میں بُلا لیا۔ چونکہ مصر میں یوسف بڑے آرام سے رہتا تھا۔ اس لئے اور بھی بہت سے

بنی اسرائیل وہاں جاکر آباد ہو گئے۔ اور یوسف کی بدولت اچھے اچھے عہدے اُن کو مل گئے۔ جبتک یوسف زندہ رہا۔ ان لوگوں کو بڑا آرام حاصل رہا۔ بہت سوں نے وہاں اپنی مستقل جائدادیں بنالیں۔ اور وہاں ہی آباد ہو گئے۔ یوسف کی وفات کے بعد ان لوگوں کو سخت تکلیف ہونے لگی۔ اور مصریوں نے ان کو بہت ستایا۔ ڈیڑھ دو سو سال تک یہ غریب برابر پٹتے رہے۔ کئی بار ان کے دل میں خیال آتا تھا کہ مصر سے جلاوطن ہو کر پھر اپنے سابق وطن میں آباد ہو جاویں۔ مگر اُن دنوں سفر آج کل کی طرح پُرامن نہ تھا۔ اس لیئے بیچارے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر بھی خاموش ہو رہتے تھے۔ کریں تو کیا؟ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ غریبوں پر چاروں طرف سے مظالم کے پہاڑ گرائے جاتے تھے۔ کمینہ سے کمینہ کام اُن سے لیا جاتا تھا۔ اور خوفناک سے خوفناک تکلیف اُن کو دی جاتی تھی۔ آخر ان میں موسےٰ کی پیدائش ہوئی۔ اور اُس نے اپنی ہمّت اور طاقت سے ان کی تمام تکالیف کا خاتمہ کر دیا۔

حضرت موسےٰ کے بارہ میں ٹھیک طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اُن کو گذرے کتنے سال ہو چکے ہیں۔ عیسائیوں کی روائت کے مطابق ان کو گذرے آج ۳۴۸۶ سال ہوتے ہیں مختلف مذہبی تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت موسےٰ کی پیدائش ہوئی۔ اُس وقت مصر کی حکومت ولید بن مصعب کے ہاتھ میں تھی۔ جو فرعون کے نام سے مشہور ہے۔ اِس سے پہلے مصر کے تخت پر اس کا بڑا بھائی قابوس تھا۔ یہ شخص بڑا ہی ظالم اور بدمعاش تھا۔ اس کا نام قابوس تھا۔ چونکہ اسے بنی اسرائیل کی آزادی سے سخت نفرت تھی۔ اِس لیئے اس نے اُن کو اپنے ملک سے نکال دینے کا فیصلہ کیا۔ اور اُن پر بھاری بھاری ٹیکس لگائے۔ اور اُن سے بڑے سخت کام کرائے ذرا سے قصور پر اُن کو گرفتار کر کے جیلخانہ میں بھیج دیا جاتا تھا۔ اور سالوں یہ لوگ جیل کے اندر ہی سڑتے تھے۔ کوئی شخص یہ بھی نہ پوچھتا تھا کہ انہوں نے کیا گناہ کیا

ہے؟ قابوس کے ہاتھوں لوگ بڑے نالاں تھے۔ اور جب اس کا سلسلہ حیات ختم ہوگیا۔ تو رعایا کے لوگوں نے خاص طور پر خوشی منائی۔

یہ خوشی محض چند روزہ تھی۔ کیونکہ قابوس کی جگہ جو شخص تخت نشین ہوا۔ وہ ظلم کرنے میں اُس سے بھی زیادہ بیرحم تھا۔ فرعون نے قابوس کے ظلم کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ قابوس تو مردوں سے ہی ٹیکس لیتا تھا۔ اس نے عورتوں کو بھی نہ چھوڑا اُن سے بھی ٹیکس لینے لگا۔ یہ شخص پہلے پہل بڑا بُت پرست تھا۔ اور بُت پرستی کے پردہ میں طرح طرح کے ظلم کرتا تھا۔ بعد ازاں اس کے دل میں اپنی پرستش کرانے کا خیال سمایا۔ اور یہ اپنے آپ کو خدا کہنے لگا۔ بہت سے خوشامدی لوگوں نے اس کے رُعب میں آکر اس کی خدائی کو مان لیا۔ اور اس کے آگے گر کر سجدہ کرنے لگے مگر کئی سمجھدار لوگوں نے جن میں زیادہ تر بنی اسرائیل تھے۔ ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس کے عوض میں ظالم فرعون نے اُن کو دار پر کھینچا اور بڑے ظلم سے ہلاک کرا دیا۔ موت کے خوف سے بھی کئی لوگوں نے فرعون کے آگے سجدہ کرنا شروع کر دیا۔ اور فرعون کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ جو شخص اُسے سجدہ نہ کرے۔ فوراً قتل کر دیا جاتا تھا۔

موسےٰ کی پیدائش کے بارہ میں یہودیوں میں عجیب و غریب روایات مشہور ہیں۔ مگر یہ سب کی سب غلط اور بعد کی ساختہ معلوم ہوتی ہیں۔ فرعون کے وقت میں بنی اسرائیل کی حالت بہت خراب تھی۔ چونکہ یہ لوگ فرعون کے خدائی دعوے کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس لئے فرعون جوشِ انتقام میں آکر انہیں بے طرح ستاتا تھا۔ اُس کا حکم تھا کہ بنی اسرائیل کے خاندان میں کوئی لڑکا زندہ نہ چھوڑا جاوے۔ بلکہ جونہی ماں بچہ جنے۔ اگر لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے اور اگر لڑکا ہو تو ہلاک کر دیا جائے۔ سینکڑوں ہزار لعل بچے ہر سال فرعون کے حکم سے قتل کئے جاتے تھے۔ مگر پھر بھی بنی اسرائیل اپنے خیالات پر پختہ تھے۔ جس وقت موسےٰ پیدا ہوا۔ اُس کی خوبصورت شکل دیکھ کر اُس

کی والدہ اور باپ کو بڑا رنج ہوا کہ ایسا خوبصورت بچہ آن کی آن میں ہلاک کر دیا جائیگا۔ دُنیا میں مادری محبت مشہور ہے۔ ماتا نے نہ چاہا کہ بچے کی پیدائش کا راز افشا کرے۔ اِس لیئے اُس نے اپنے خاوند عمران کو جو فرعون کے محل میں نوکر تھا۔ اس بات پر آمادہ کیا کہ بچے کی پیدائش کو مخفی رکھا جاسکے۔ عمران نے ڈر کر کہا کہ اگر بادشاہ کو معلوم ہو گیا۔ تو وُہ سخت عذاب دیگا۔ مگر موسٰے کی ماتا نے منت سماجت کر کے اُسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وُہ چند روز تو خفیہ خفیہ بیٹے کو گود کھلا لیں۔

معاملہ بیشک نازک تھا۔ مگر چند روز خیریت سے گذر ہی گئے۔ ایک دن عمران نے گھر میں کہا کہ اب بچے کو زیادہ دیر تک نہیں چھپایا جاسکتا۔ ماں یہ سُنکر حیران ہو گئی۔ خاوند کی سلامتی بھی اُسے منظور تھی۔ آخر والدین نے یہ مشورہ کیا کہ لڑکے کو یوں قتل کرانے کی بجائے دریا میں بہا دینا چاہیئے۔ آگے اس کی قسمت۔ اگر بچ گیا تو اس کی شکل دیکھ لیا کریں گے۔ اور اگر مر گیا تو خدا کی مرضی۔ آخر اس نیک خاتون نے ایک چھوٹا سا بکس لکڑی کا تیار کیا۔ اور اُس میں نرم کپڑے بچھا کر اپنے لختِ جگر کو آخری بار دُودھ پلا کر اور مُنہ چوم کر اُس میں لٹا دیا۔ بکس کا مُنہ بند کر دیا گیا۔ اور باپ نے اُسے صبح کے وقت دریائے نیل میں ڈال دیا۔ یہ بکس بہتا بہتا فرعون کے محل کے نزدیک سے گذرا۔ لوگوں کی نگاہ اِس پر پڑی۔ اور چند شاہی ملازم تیر کر اسے محل میں لے آئے فرعون کی ملکہ آسیہ نے اپنے سامنے بکس کو کھلوایا اور جب دیکھا کہ اس کے اندر ایک خوبصورت نوزائیدہ لڑکا ہے تو وُہ حیران ہو گئی۔ اتنے میں اس کی بیٹی وہاں آ گئی۔ اور لڑکے کو دیکھ کر جھٹ اُسے گود میں اُٹھا کر پیار کرنے لگی۔

رفتہ رفتہ یہ بات تمام محل میں مشہور ہو گئی۔ عمران کو بھی خبر لگی کہ اُس کا لختِ جگر ظالم فرعون کے ہاتھ پڑ گیا ہے۔ مگر افشائے راز کے خوف سے خاموش رہا۔ فرعون نے محل میں آکر لڑکے کو دیکھا اور چاہا کہ اُسے قتل کرا دے۔ مگر اُس کی لڑکی نے بڑی عاجزی سے

کہا کہ اِس ننھی جان کو ہلاک کرنے سے کیا حاصل۔ بہتر ہے کہ اِس کی پرورش کی جائے
فرعون کا دل نہیں مانتا تھا کہ بیٹی کی درخواست منظور کرے۔ مگر جب ملکہ آسیہ نے
بھی بیٹی کی تائید کی تو فرعون خاموش ہو گیا۔ اور اِس ننھے بچہ کی جان بچ گئی۔ اِس
کے بعد یہ تلاش شروع ہوئی کہ بچے کے لئے ایک ہوشیار دایہ ملازم رکھی جاوے۔ جب
عمران کو اس کی خبر ملی۔ اُس نے کوشش کی کہ اس کی بیوی کو اس کام کے لئے نوکر
رکھ لیا جاوے۔ اُسے اِس بارہ میں کامیابی ہوئی۔ اور موسےٰ پرورش کے لئے اپنی
والدہ کے ہی حوالہ کیا گیا۔ جو اُسے کبھی کبھی محل میں ملکہ کے پاس لے جایا کرتی تھی۔
مُوسےٰ کی اوائل عمر کا ایک دلچسپ قصہ مشہور ہے۔ کہ ایک دن فرعون نے اِس
لڑکے کو گود میں لیا۔ اس نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور زور سے کھینچی۔ اِسپر فرعون کو
بڑا غصّہ آیا۔ اور اُس نے اپنا ہاتھ تلوار کے دستہ پر رکھا۔ تاکہ ایک ہی وار سے اس کا
خاتمہ کر دے۔ آسیہ دوڑی اور شاہ کے قدموں میں گر کر کہا کہ یہ کیا کرتے ہو؟ ننھے بچے
ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ مگر فرعون کا غصّہ کم نہ ہوا۔ بلکہ وہ اس کے قتل پر ہی بضد رہا۔
آسیہ نے شاہ کی تسلّی کے لئے نوکروں کو حکم دیا کہ فوراً ایک طشتری میں آگ اور ایک میں
موتی ڈال کر لاویں۔ جب نوکر یہ دونوں چیزیں لے آئے۔ تو اُس نے دونوں طشتریاں
موسےٰ کے سامنے رکھ دیں۔ مُوسےٰ نے جھٹ آگ کی طشتری میں ہاتھ ڈال دیا۔ اور
جب ہاتھ جلا تو درد سے چلّانے لگا۔ تب آسیہ نے فرعون سے کہا کہ دیکھو۔ یہ بچہ بیخبر
ہے۔ اس نے کوئی قصور جان بوجھ کر نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ فرعون کی اِس سے تسلّی
ہو گئی۔ اور مُوسےٰ کے سر پر آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔

جب موسےٰ کا دودھ چھڑایا گیا۔ تو اُس کی ماں کو بڑا رنج ہوا۔ کیونکہ اب وہ اُسے
اپنے پاس نہ رکھ سکتی تھی۔ آخر اُس نے رو کر اُسے آسیہ کے حوالہ کر دیا۔ اور شاہی طریقہ
پر اُس کی تعلیم شروع ہوئی۔ اور ستره سال کی عمر میں مُوسےٰ نے کافی تعلیم حاصل کر لی۔

اس اثنا میں اس کی والدہ کبھی نہ کبھی موقعہ پاکر دایہ کے بہانہ سے اس تک جا پہنچتی
تھی۔ اور اسے دیکھ کر اپنے دل کی تسلی کر لیتی تھی۔ عمران بھی اپنے بیٹے کی حالت سے
خوش تھا۔ مگر کبھی کبھی اس کا دل اس غم سے بیٹھ جاتا تھا کہ فرعون موسےٰ کے قتل
کا حکم نہ دیدے۔ موسےٰ کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ فرعون کا بیٹا نہیں۔ بلکہ کسی
نے اسے پرورش کیا ہے۔ ممکن ہے۔ اس کی والدہ نے کبھی موقعہ پاکر اسے بتا بھی
دیا ہو کہ وہ کس کا بیٹا ہے اور کیوں اسے اس طرح ماں باپ کی گود سے علیحدہ ہونا
پڑا؟ موسےٰ کی رگوں میں بنی اسرائیل کا خون تھا۔ اس لئے وہ ان کی بڑی مدد کرنی
چاہتا تھا۔ وہ ظاہر فرعون کی عزت کرتا تھا۔ مگر دل میں فرعون کی حرکات کو دیکھ کر بڑی
نفرت تھی۔ اور جب کبھی اسے موقعہ ملتا تھا۔ وہ قبطیوں کے مقابلہ میں جو کہ فرعون
کے خاندان سے تھے۔ بنی اسرائیل کی تعریف کیا کرتا تھا۔

ایک روز موسےٰ بازار میں سیر کر رہا تھا۔ شام کا وقت تھا اور اندھیرا ہو چلا تھا۔ ایک
موڑ کے نزدیک اس نے دیکھا کہ ایک قبطی ایک بنی اسرائیل کو بے رحمی سے مار رہا ہے
موسےٰ اس کے پاس گیا اور قبطی سے کہا کہ تو اسے کیوں مارتا ہے۔ قبطی نے اسے نہ
پہچانا۔ وہ اسکے بھی سر ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر موسےٰ کو غصہ آ گیا۔ اور اس نے زور سے
ایک گھونسہ اس کے ایسا مارا کہ وہ تڑپ کر زمین پر آ رہا۔ اس خوف سے کہ مبادا وہ مر نہ
جائے۔ موسےٰ وہاں سے بھاگ گیا لیکن چند منٹ میں ہی اس قبطی کا دم نکل گیا۔
مگر قاتل کا پتہ نہ لگا۔ فرعون کے نوکروں نے قاتل کی بہت تلاش کی۔ مگر کچھ خبر نہ ملی کہ
وہ کون تھا۔ موسےٰ کئی دن تک اپنے محل سے باہر نہ نکلا۔ اس خوف سے کہ کوئی اسے
دیکھ نہ لے۔ بلکہ وہ پوشیدہ ہی رہا۔

چند روز کے بعد اسے دوبارہ بازار جانے کا اتفاق ہوا۔ اس نے دیکھا کہ وہی بنی اسرائیل
جسے اس نے پہلے روز قبطی کو مار کر بچایا تھا۔ ایک دوسرے شخص کے ساتھ جھگڑا کر

رہا ہے۔ موسےؑ اُس کے نزدیک گیا۔ اور نرمی سے کہنے لگا کہ "بیوقوف! تو ہمیشہ جھگڑا ہی کرتا رہتا ہے"۔ اس شخص کو موسےؑ کی یہ بات بہت ناگوار معلوم ہوئی۔ اور وہ چلا کر کہنے لگا۔ "تو وہی شخص ہے۔ جس نے اُس روز اس قبطی کو جان سے مارا تھا۔ کیا آج تو مجھے بھی جان سے ہلاک کرنا چاہتا ہے؟ تُو قاتل ہے"۔ موسےؑ یہ سُنکر حیران ہو گیا۔ اور وہاں سے چلا گیا۔ اس وقت بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ اور بنی اسرائیل سے مفصّل حال دریافت کرنے لگے۔ اُس نے سب حالات ان لوگوں کو بتا دیئے۔ اور کہہ دیا کہ چند روز ہوئے۔ جو قبطی مارا گیا تھا۔ وہ اس نے ہی مارا تھا۔ اپنے بھائی کی موت کا حال سُنکر دوسرے قبطی لوگوں کو بڑا غصّہ آیا۔ اور وہ فریاد لے کر فرعون کے پاس پہنچے۔ اور کہا کہ موسےؑ نے ایک قبطی کو مار ڈالا ہے۔

فرعون پہلے ہی قاتل کی تلاش میں تھا۔ جب اُس نے سُنا کہ قاتل اس کے محل میں ہی ہے۔ اُسے بڑا غصہ آیا۔ اور اُس نے حکم دیا کہ موسےؑ کو فوراً گرفتار کر کے اُسکے سامنے پیش کیا جاوے۔ شاہی ملازم اُسی وقت موسےؑ کے کمرے میں گئے۔ تاکہ اُسے پابجولاں فرعون کے پیش کریں۔ مگر اُنہوں نے کمرے کو موسےؑ سے خالی پایا۔ موسےؑ پہلے ہی یہاں سے بھاگ گیا تھا۔ کیونکہ اُسے خوف تھا کہ جو بات ایک شخص کی زبان سے نکلی ہے۔ وہ ضرور دس زبانوں سے بولی جاویگی۔ اور اُسے ہزارہا کان سُنیں گے۔ جب لوگوں نے موسےؑ کو اپنے کمرے میں نہ پایا۔ وہ بہت حیران ہوئے۔ اور فرعون کے پاس لوٹ آئے۔ فرعون نے سپاہ کو حکم دیا کہ جہاں موسےؑ ملے۔ اُسے فوراً گرفتار کر لیا جاوے۔ لیکن موسےؑ نے بھاگنے کا ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا۔ اور وہ مصر کی حدود سے باہر چلا گیا۔ موسےؑ نے محل میں سے اپنے ساتھ کچھ نہ لیا۔ کیونکہ ایسا کرنے میں جان کا خطرہ تھا۔ وہ اکیلا تن تنہا بہ تبدیل لباس محل سے نکلا تھا۔ اور کئی روز تک آوارہ گردی کرتا اور جان بچاتا ہوا سرحد مصر

سے پار ہو کر بے خوف ہو گیا۔

موسےٰ بے سرو سامان جنگل میں آوارہ پھرتا ہوا اور جنگلی درختوں کے پھل پھول کھا کر گذارہ کرتا ہوا سرحد شام میں شہر مدین کے پاس پہنچا۔ اور ایک کنوئیں پر پانی پینے کے لئے گیا۔ وہاں جاکر اُس نے دیکھا کہ چند گوالن عورتیں اپنی بکریوں کو پانی پلاتی ہیں موسےٰ نے ان سے پانی پیا۔ اور جب پانی پی چکا۔ تو اس کی نگاہ پاس ہی کھڑی ہوئی دو نوجوان خوبصورت لڑکیوں پر پڑی۔ جو اپنی بکریوں کو لئے علیحدہ کھڑی تھیں اور آگے نہ بڑھتی تھیں۔ موسےٰ اس راز سربستہ سے حیران رہ گیا۔ اور ایک طرف ٹھہر کر اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ یہ لڑکیاں کہاں کو جاتی ہیں؟ جب سب عورتیں اپنی بکریوں کو پانی پلا چکیں۔ تو انہوں نے کنوئیں کا مُنہہ ڈھانپ دیا اور اپنی بکریاں لیکر چلیں۔ ان کی بکریوں سے بہت کم پانی بچا تھا۔ ان کے جاتے ہی یہ دونوں لڑکیاں آگے بڑھیں۔ اور باقی ماندہ پانی اپنی بکریوں کو پلانے لگیں۔ اتنے میں موسےٰ بھی اُن کے نزدیک پہنچا۔ اور اُن سے اُن کا حال دریافت کرنے لگا۔ بڑی لڑکی نے بتایا کہ وُہ شعیب خدا پرست کی لڑکیاں ہیں۔ جو آنکھوں سے اندھا ہے۔ یہاں کے لوگ اُن کو اور اُن کے باپ کو تنگ کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی بکریوں کو دُوسروں سے بچا کھچا پانی پلاتی ہیں۔ کیونکہ کوئی اُن کو کنوئیں پر نہیں چڑھنے دیتا۔

جونہی ان لڑکیوں نے یہ حال کہا۔ مُوسےٰ کا دل پھڑک اُٹھا۔ اُس نے چھاتی پر ہاتھ مار کر کہا وُہ کس کی شامت آئی ہے کہ وہ ایک برگزیدہ خدا پرست شخص کی لڑکیوں کو ستانے کی جرأت کرے۔" یہ کہکر مُوسےٰ خود کنوئیں پر چڑھا اور پانی بھر کر بکریوں کو پلانے لگا۔ جب بکریاں سیر ہو گئیں۔ موسےٰ وہاں ہی بیٹھ رہا۔ اور وہ دونوں لڑکیاں بکریوں کو لیکر اپنے گھر چلی گئیں۔ وہاں جاکر انہوں نے سب حال اپنے باپ سے کہا۔ شعیب یہ سُنکر بڑا خوش ہوا۔ اور اُس نے اپنی بڑی بیٹی سے کہا کہ جاؤ۔ اور اُس نیک مرد کو میرے

پاس بُلا لاؤ۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ وہاں پہنچی تو اُس نے موسےٰ کو کنوئیں پر ہی بیٹھا پایا۔ موسےٰ کو شعیب کا پیغام دیا گیا۔ اور وہ اُٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔ شعیب نے موسےٰ کی بڑی خاطر داری کی۔ اور اُسے اپنا مہمان بنایا۔ جب اُس نے موسےٰ سے دریافت کیا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ تو اُس نے اپنا اور فرعون کا سب حال کہہ سنایا۔ شعیب نے اُسے حوصلہ دیکر کہا کہ یہ گھر اس کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ جب تک چاہے۔ اِس میں رہے اور رُوکھا سُوکھا کھانا ہر وقت اس کے لئے تیار ہے۔ موسےٰ نے وہاں رہنا اور شعیب کی بکریوں کو چرانا شروع کر دیا۔ شعیب بڑا نیک مرد تھا۔ اُسے مذہبی اُمور میں بڑا ملکہ تھا۔ موسےٰ نے اس سے خوب مذہبی تعلیم حاصل کی۔

موسےٰ نوجوان تھا اور نیک تھا۔ شعیب کو آنکھوں سے نظر نہ آتا تھا۔ اس کی بڑی بیٹی صفورا موسےٰ سے محبت کرنے لگی۔ جب شعیب کو یہ حال معلوم ہوا۔ اُس نے اِس شرط پر کہ موسےٰ آٹھ سال تک اس کی بکریاں چرانے کا کام کرے گا۔ اپنی لڑکی صفورا کی شادی موسےٰ کے ساتھ کر دی۔ موسےٰ اور صفورا کے درمیان بڑی محبت تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دل سے چاہتے تھے۔ اور بڑے پریم سے رہتے تھے۔ موسےٰ نے آٹھ سال اس گھر میں قیام کیا۔ اور برابر مذہبی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اِس کے بعد بھی موسےٰ دو سال اور یہاں رہا۔ مگر یہ وقت اُس نے بڑی بے چینی سے بسر کیا۔ گذشتہ مذہبی رِفارمروں کے حالات قربانی سُنکر اُس کا خون جوش میں آتا تھا۔ وطن کی محبّت اور بھائیوں کی ہمدردی اُس کے دِل میں ولولہ پیدا کرتی تھی کہ وہ مصر میں جا کر فرعون کو ظلم سے روکے۔ اِسلئے اُس نے شعیب سے کہا کہ اب میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ شعیب نے بہت چاہا کہ موسےٰ وہاں ہی رہے۔ مگر اُس نے منظور نہ کیا۔ آخر اندھے شعیب نے بہت سامال اور دو بکریاں اُسے دیں اور اپنی بیٹی کو ساتھ کر کے رُخصت کر دیا۔

یہاں سے چلکر مُوسےٰ نے مصر کا راستہ لیا۔ اور پانچ منزلیں بہ آسانی تمام طے کرلیں

چھٹے روز اُس کا گذر وادی سینا میں ہوا۔ جہاں شدت کی سردی تھی۔ اور ہاتھ پاؤں مارے ٹھنڈ کے سکڑے جاتے تھے۔ موسے زیادہ نہ چل سکا۔ اُس نے یہاں ہی ڈیرہ ڈال دیا۔ اور سردی سے بچنے کے لئے آگ کی تلاش میں نکلا۔ یہودی بتلاتے ہیں کہ جب وہ آگ کی تلاش میں سرگردان تھا۔ اُسے کوہ طور پہ آگ نظر آئی۔ اور وہ وہاں گیا۔ اُس جگہ وہ خدا سے ہمکلام ہوا۔ اور اُسے رسالت کی مُہر عنایت ہوئی۔ ہم اِس قسم کی باتوں پر بالکل اعتقاد نہیں رکھتے۔ ممکن ہے سردی کی تکلیف نے اُس کے دل میں یہ خیال مضبوطی کے ساتھ پیدا کر دیا ہو۔ کہ اسطرح بے سروسامانی سے مرنے کی نسبت تو فرعون کے ساتھ لڑ کر مرنا اچھا ہے۔ اور وہ جوش میں آکر فرعون کو خدا پرستی کی تعلیم دینے کے لئے چل نکلا ہو۔ کچھ بھی ہو۔ موسے بہت جلد مصر کی سرحد میں آگیا۔ یہاں جیسا کہ پہلے سے ہی انتظام کیا ہوا ہوتا ہے۔ اُس نے اپنے بھائی ہارون سے ملاقات کی۔ یہ شخص بڑا فصیح لکچرار تھا اور چونکہ موسے کی زبان میں لکنت تھی۔ اُس نے اپنے بھائی سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ مل کر مصر میں ایشور پرستی کی تعلیم دے۔ تاکہ بنی اسرائیل کو اُن کی موجودہ تکلیف سے نجات دلائی جائے۔

ہارون نے اِس کام کو اپنے ذمہ لیا۔ اور لوگوں میں موسے کی نبوت کا پرچار کرنے لگا۔ لوگ موسے کی طرف جُھکنے لگے۔ اور اس کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانے لگے۔ موسے کی تعلیم بڑی منصفانہ تھی۔ اور چونکہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون اور اُس کے ساتھیوں کے ظلم سے بچانا چاہتا تھا۔ اس لئے ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ لڑنے مرنے کو تیار ہو گئی۔ جب موسے نے دیکھا کہ اب اُس کی جان کا خطرہ بہت کچھ کم ہو گیا ہے۔ وہ اپنے بھائی اور چند ساتھیوں کو لیکر فرعون کے دربار میں جا پہنچا۔ فرعون نے اُسے پہچان لیا اور بولا کہ "اے موسے! تو بڑا نمکحرام ہے۔ میں نے تجھے پرورش کیا اور پالا۔ اب تو میری ہی مخالفت کرتا ہے۔ کیا تو بھول گیا کہ تو میرے ایک آدمی کا خون

کرکے بھاگا تھا۔ اور تو میرا معزور قیدی ہے " موسٰے کو اپنی طاقت کا پورا خیال تھا۔ آپ نے کڑکتی ہوئی آواز سے کہا۔ "فرعون! تو اپنی زبان سے میری گستاخی نہ کر۔ میں تیرے لئے ایک نیک پیغام لیکر آیا ہوں میں تجھے کفر کی غار سے نکالتا ہوں۔ اور خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں۔ میں خدا کا ایک بندہ ہوں۔ تو بھی اُسی خدا کا بندہ ہے۔ تو کفر کے ایک تاریک غار میں گر پڑا ہے۔ میں تجھے باہر نکالنے کے لئے آیا ہوں۔ تو خود ہی خدا بن گیا ہے۔ میں تجھے انسان بنانے آیا ہوں۔ میں کسی کا قیدی نہیں ہوں۔ ظالم کو اُس کے ظلم کی سزا دینا عین انصاف ہے۔ تو میری دعوت قبول کر اور خدائی کا دعوےٰ چھوڑ دے"

فرعون یہ باتیں سنکر ششدر رہ گیا۔ اُس نے اپنے آدمیوں اور مجادروں کو حکم دیا کہ وُہ مُوسے کے ساتھ بحث کریں۔ کئی لوگ بحث کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ مگر موسے نے ان سب کو ہرا دیا۔ اور وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ فرعون کو بڑا غصہ آیا۔ اور اُس نے چاہا کہ موسے کو گرفتار کر لے۔ لیکن یہ سوچ کر کہ کہیں عام بلوہ نہ ہو جائے۔ وہ اپنے ارادے سے باز رہا۔

موسٰے جب تک فرعون کے سامنے رہا۔ برابر اُس کی مذمت کرتا رہا۔ اور اُسے خُدا پرست بننے کے لئے کہتا رہا۔ یہودی لوگ اِس موقعہ پر بہت سے ایسے معجزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو مُوسے نے فرعون کو دکھائے۔ لیکن ان کی صداقت پر یقین کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ دن کو رات ماننا۔ فرعون نے جب دیکھا کہ موسے اُس سے ذرا خوف نہیں کھاتا۔ وُہ سخت ہونے لگا۔ مگر مُوسے ابھی سختی کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔ ایک دفعہ مُوسے نے کہا۔ "ظالم فرعون! تیرا خاندان چار سو سالوں سے میرے بھائیوں کا خُون پیتا آیا ہے۔ اگر میں نے تیرے ایک بھائی کا خُون کر دیا تو کیا غضب کیا۔ دیکھ! میں تجھے دوزخ کی آگ سے بچنے کی دعوت دیتا ہوں۔ تو میرے بنی اسرائیل بھائیوں پر ظُلم کرنا چھوڑ دے۔ اور انسانیت

سکھوئے" یہ سُنکر فرعون کے غصّہ کا پارہ چڑھ گیا۔ اور اُس نے موسےٰ کی گرفتاری
کا حکم دیا۔ مگر موسےٰ وہاں سے جان بچا کر بھاگ گیا۔ اور فرعون اُسے گرفتار نہ کر سکا۔
فرعون کے سپاہیوں اور موسےٰ کے شاگردوں میں اکثر لڑائیاں ہونے لگیں
موسےٰ بڑی حفاظت سے رہتا تھا۔ اور مصر میں برابر پرچار کرتا تھا۔ فرعون کے نوکر
اُسے گرفتار کرنے سے قاصر تھے۔ موسےٰ کی تعلیم سے متاثر ہو کر فرعون کی ملکہ آسیہ
بھی فرعون کو سمجھانے لگی کہ وہ کفر چھوڑ دے۔ اس پر اس ظالم نے اپنی مظلوم ملکہ
کو بڑی بے رحمی سے قتل کرا دیا۔ جب موسےٰ نے سُنا کہ جس دیوی نے اس کی جان
بچائی اور پرورش کی تھی۔ وہ اُس کے لئے شہید ہو گئی۔ اُسے بڑا رنج ہُوا۔ اور اُس
کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرعون کا موسےٰ پر تو کوئی قابو نہ چلتا تھا۔ مگر اُس
نے بنی اسرائیل کو ستانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اُس نے ان پر یہاں تک ظلم
کیا کہ وہ ملک مصر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کو تیار ہو گئے۔ موسےٰ برابر ان کی
تسلّی کرتا رہا۔ اور خود بھی دُکھ اور تکالیف اُٹھاتا رہا۔ موسےٰ تمام مصر میں آگ
لگا رہا تھا۔ اُس کے مریدوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ مگر اُسے سر چھپانے
کو جگہ نہ ملتی تھی۔ اگر کوئی بزدل ڈرپوک شخص ہوتا تو وہ ایک دن بھی اپنے ارادہ
پر قائم نہ رہ سکتا۔ لیکن موسےٰ کے ارادہ میں سالوں کی مصیبت بھی کوئی فرق نہ
ڈال سکی۔ آخر جب موسےٰ نے دیکھا کہ وہ مصر میں آرام سے نہیں رہ سکتا۔ اُس
نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ اب ہمیشہ کے لئے مصر کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ تاکہ
تکالیف سے آرام ملے۔ اُس کے ساتھی تو یہ چاہتے ہی تھے۔ سب رضامند ہو گئے
ان لوگوں کے پاس دولت وغیرہ کچھ نہ تھی۔ اُنہوں نے موسےٰ سے کہا کہ خالی
ہاتھ کہاں جاویں گے؟ موسےٰ نے کہا کہ ظالم قبطی سینکڑوں سالوں سے ہمارا
خون پیتے آئے ہیں۔ اُن سے مکر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے کہا کہ اُن سے پویہ

اور زیور قرض لینا چاہیئے۔ اور جب کافی روپیہ حاصل ہو جاوے تو اِس جگہ سے چل دینا چاہیئے
موسے کے ساتھیوں نے اِس طرح ہی کیا۔ اُنھوں نے جسطرح بھی ہو سکا قبطیوں سے
زر اور زیور حاصل کیا۔ بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطی عورتوں سے بہت سا مال و
اسباب لے لیا۔ اور ایک روز مشورہ کر کے رات کے وقت اُنھوں نے موسے کی سرکردگی
میں سرزمین مصر سے کوچ کر دیا۔

مُوسے نے یہ اخلاق سے گرا ہُوا کام بڑی دلیری سے کیا۔ یہ اُس کے کیریکٹر کی
ایسی کمزوری ہے۔ جس سے اُس کا بڑے سے بڑا مداح بھی انکار نہیں کر سکتا۔ جب
وقت یہ لوگ دریائے نیل کے کنارے پہنچے۔ دریا موجیں مار رہا تھا۔ اس کے
ساتھی بڑے حیران ہوئے۔ مگر موسے نے اُن کو حوصلہ دیا اور کہا کہ فرعون کے ہاتھوں
سے قتل ہونے کی بجائے دریائے نیل میں ڈوب مرنا اچھا ہے۔ اور اُن کو دریا
سے پار لے گیا۔

جب فرعون کو معلوم ہُوا کہ موسے اپنے ساتھیوں کو لیکر دریائے نیل سے پار ہو
گیا ہے۔ تو اُس نے لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ اور چند گھنٹوں میں اُن کے نزدیک
جا پہنچا۔ مُوسے کے شاگردوں نے دیکھا۔ اور شور مچایا کہ فرعون اُن کے قتل کے
لئے آگیا ہے۔ صرف دریائے نیل ان دونوں کے درمیان حائل تھا۔ فرعون نے اپنی
سپاہ کو حکم دیا کہ دریا سے پار اُتر کر مُوسے کو گرفتار کرے۔ چنانچہ بہادر سپاہیوں نے
دریا میں قدم رکھا۔ جب موسے نے دیکھا کہ فرعون اُن کو دُکھ دینے کے خیال سے باز
نہیں آتا تو اُس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فرعون کے لشکر پر تیر برساؤ۔ ہزاروں
ہاتھ اُن پر تیر برسانے لگے۔ اور سب کا پانی کے درمیان ہی خاتمہ کر دیا گیا۔ ایک تیر
فرعون کے بھی لگا۔ اور یہ ظالم وہاں ہی ڈھیر ہو گیا۔ فرعون کے بہت سے ساتھی یہ
حال دیکھ کر بھاگ گئے۔ اور موسے کے لوگوں نے خوب لوٹ مچائی۔ اُنھوں نے

مُردوں کی تلاشی لی۔ اور جو کچھ اُن کے پاس تھا۔ قابو کر لیا۔ فرعون کی سپاہ کچھ تو ماری گئی۔ کچھ بھاگ کر مصر میں ہی چلی گئی۔

اِس کے بعد مُوسے نے اپنے شاگرد یوشع کو کئی ہزار سپاہیوں کے ساتھ مصر میں روانہ کیا۔ اُس نے قبطیوں کی ایک سپاہ کو شکست دیکر مصر پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر تخت ایک قبطی شہزادہ کے حوالہ کرکے واپس آگیا۔ اِس طرح مصر میں بنی اسرائیل کو جو تکالیف تھیں۔ اُن کا خاتمہ ہُوا۔ اور مُوسے کی طاقت کا سکّہ سب ماننے لگے۔

اب مُوسے نے اپنے ساتھیوں کی اخلاقی اور رُوحانی حالت سُدھارنے کیلئے کام کرنا شروع کیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ اُس کے ساتھیوں میں کئی خرابیاں ایسی گھُس آئی ہیں جن کا علاج آسانی سے نہ ہوگا۔ اور اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اُن کے لئے ایک نئی شریعت بنا دیے۔ چنانچہ وہ نئی شریعت بنانے کے لئے ایکانت سیون کرنے چلا گیا۔ اپنے بعد اُس نے اپنے بھائی ہارون کو بنی اسرائیل کا رُوحانی لیڈر مقرر کیا۔ اور لوگوں کو کہہ گیا کہ وہ کُفر اور شرارت سے کنارہ کریں۔ اُسے گئے بہُت دن گُذر گئے۔ یہ اپنی قوم کے لئے قوانین بناتا رہا۔ ممکن ہے۔ اُس نے اپنی شریعت بنانے سے پہلے مختلف ممالک کی سیر بھی کی ہو۔ اور بہُت کچھ فائدہ اٹھایا ہو۔ اس کے بعد اس کی قوم میں مختلف لوگ اپنا اپنا حُکم چلانے لگے۔ ہارون بڑا نیک مزاج اور نرم دل تھا۔ لوگ اُس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور جو کچھ وُہ کہتا۔ اُس کے خلاف ہی اکثر کرتے تھے۔

ان لوگوں میں ایک شخص سامری نامی تھا۔ یہ بڑا بُت پرست تھا۔ اِس نے بنی اسرائیل کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے سونے چاندی کا ایک گائے کا بچھڑا بنایا۔ اور اُس کی پرستش جاری کی۔ بہُت سے لوگ اُس کے قابُو میں آگئے۔ اور انھوں نے بھی اس بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ ہارون نے بہُت زور لگایا کہ اُس کے ساتھی اس کُفر میں نہ پڑیں۔ مگر اس کی کسی نے نہ سُنی۔ اتنے میں موسے توریت کی شریعت لیکر

آیا۔ جس وقت وہ اپنی قوم کے پاس پہنچا۔ اُس کے کانوں میں ڈھول کی صدا سنائی دی۔ وُہ اور آگے بڑھا۔ اور دیکھا کہ اُس کے ساتھی جنہیں وُہ ہارون کے حوالے کر گیا تھا۔ ایک گائے کے بچھڑے کی پرورش کر رہے ہیں۔ موسےٰ کو بڑا غصہ آیا۔ اُس نے غصّہ کی حالت میں اپنے سر کے بال نوچ ڈالے اور زمین پر پاؤں مار کر کہا۔ "اِن بیوقوفوں کو کیا ہو گیا مَیں تو اِن کو خُدا پرستی کی تعلیم دے کر گیا تھا۔ یہ کُفر میں کیسے جا پڑے؟" غصّہ کی حالت میں اُس نے حُکم دیا کہ ہارون کو اُس کے سامنے لایا جاوے۔

جس وقت ہارون اُس کے سامنے آیا۔ وُہ بُوڑھا تھا۔ اُس نے جُھک کر بھائی کو سلام کیا۔ مگر مُوسےٰ نے اُس کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور کہا "او کافر! کیا مَیں تجھے اس لئے اپنی اُمّت کا سردار کر گیا تھا کہ تُو اِن کو کُفر کی تعلیم دے؟ یہ تو نے کیا کیا؟" موسےٰ نے ہارون کے سر کے بال غصّہ میں اُکھاڑ دئے۔ ہارون نے بہت کہا۔ کہ اس میں میرا کچھ بھی قصور نہیں۔ کیونکہ مَیں ان لوگوں کو بہت سمجھاتا رہا کہ وہ کُفر میں نہ پڑیں۔ مگر اِن لوگوں نے میری ایک نہ مانی اور یہ کُفر کا کام کرنے لگے۔ مگر موسےٰ کا غصّہ کم نہ ہُوا۔ اور ہارون پر سخت خفا ہُوا۔ آخر ہارون نے بڑی عاجزی سے بھائی کے قدموں پر گر کر کہا کہ "اے عزیز! تُو میری داڑھی اور سر کے بال نوچ کر میری بے عزّتی نہ کر۔ اور مجھے دُکھ نہ دے۔ اِس میں میرا ذرا بھی قصور نہیں۔" موسےٰ نے پُوچھا کہ پھر اِس گناہ کے لئے کون ذمّہ وار ہے؟ ہارون نے کہا۔ یہ سب شرارت سامری کی ہے۔ جس نے یہ بُت بنایا اور لوگوں سے اِس کی پرستش کروائی۔

موسےٰ نے حُکم دیا کہ فوراً سامری کو اس کے سامنے پیش کیا جاوے۔ جب سامری نے سُنا کہ موسےٰ اُسے بُلاتا ہے۔ وہ گھبرایا۔ چاہا کہ بھاگ جاوے۔ مگر لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور موسےٰ کے سامنے لے گئے۔ جونہی حضرت موسےٰ کی نظر اس پر پڑی تو

غصّہ سے یہ حالت ہوئی کہ جھاگ مُنہ سے جانے لگی۔ اُسے نزدیک بُلا کر کہا۔
"او کافر سامری! یہ تو نے کیا شرارت کی ہے۔ میں نے اِن لوگوں کو بُت پرستی
سے روکا تھا۔ تو نے میری غیر حاضری میں اِن کو پھر بُت پرست بنا دیا" موسےٰ
کی آنکھوں سے مارے جوش کے انگارے نکل رہے تھے۔ سامری زمین پر گر پڑا۔
اور زمین چوم کر کہنے لگا "اُستاد! مجھ سے گناہ ہو گیا۔ تو معاف کر" موسےٰ نے
اُسے صرف اتنا کہا۔ کہ اس کفر کی سزا سوائے قتل کے اور کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد اُن لوگوں کی باری آئی۔ جو اس سنہری بُت کی پُوجا کرتے رہے تھے۔
موسےٰ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا "کمینہ لوگو! میں نے تم کو بُت پرستی
کرنے سے کتنا روکا تھا۔ تم پھر بُت پرستی کے ہی گڑھے میں گر گئے" لوگ موسےٰ
کی شکل دیکھ کر کانپتے تھے۔ اُنہوں نے رحم کے لئے درخواست کی۔ موسےٰ نے کہا۔
کہ میری شریعت میں معافی نہیں ہے۔ جو گناہ کرتا ہے۔ اُسے اُس کی سزا ضرور ملنی
چاہیئے۔ اور جب لوگوں نے پُوچھا کہ اُن کے قصور کی سزا کیا ہے؟ تو اُس نے
کڑک کر کہا کہ بُت پرستی کی سزا سوائے قتل کے اور کچھ نہیں۔ جو لوگ بُت پرستی
کرتے رہے تھے۔ وہ بیہوش ہو گئے۔ جن لوگوں نے بُت پرستی نہیں کی تھی۔ وہ آگے
آئے اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگے "رُوحانی باپ! تو اِن کا قصور معاف کر دے"
موسےٰ نے ناراض ہو کر کہا۔ بیوقوفو! کہیں گناہ بھی معاف ہوتا ہے۔ میری طاقت
سے یہ باہر ہے۔ تم لوگ ہی اپنی تلواروں سے ان کو قتل کرو گے۔

موسےٰ کے اِس حکم سے اس کی شریعت کی سختی کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔ اُس نے بزور
لوگوں کو مجبور کیا کہ اپنے بُت پرست ساتھیوں کو جان سے ماریں۔ اور آخر ایسا ہی
ہوا۔ بُت پرستوں نے اپنی گردنیں شرمندگی کے ساتھ جُھکا دیں۔ اور جو لوگ اِس
کُفر سے بچے رہے تھے۔ اُنہوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اِن دوستوں کی گردنیں

کاٹ ڈالیں۔ یہ نظارہ بڑا دردناک تھا۔ مرد اور عورتیں زار زار روتے تھے۔ بچوں کی بری فریاد سُنی نہ جاتی تھی۔ کئی ایسے باپ تھے۔ جن کو اپنے ہاتھ سے بُت پرست بیٹوں کا سر تن سے جدا کرنا پڑا۔ کئی ایسے بیٹے تھے۔ جنہوں نے باپ کی گردن پر تلوار رکھی۔ اور کئی عزیز بھائیوں نے بھائیوں کے سر اُڑا دیئے۔ جب بُت پرست لوگ قتل ہو چکے۔ موسےٰ نے اپنی گردن پرماتما کی بندگی میں جھکا دی۔ اور اُس کا شکریہ ادا کیا کہ اُس کے دل میں کُفر کے لیئے ذرا بھی رغبت نہیں۔ بلکہ کمال نفرت ہے۔

مشہور دولت مند قارون کی نسبت مشہور ہے کہ وہ موسےٰ کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ شخص بڑا کنجوس تھا۔ اور اس کے پاس دولت بیشمار تھی۔ جس وقت یہ بازار سے نکلا کرتا تھا۔ اس کے ہمراہ بڑی ٹھاٹھ ہوتی تھی۔ موسےٰ نے اسے کہا کہ موسےٰ خدا کا نبی ہے۔ اسے زکواۃ دینی چاہیئے۔ قارون نے موسےٰ کی یہ بات تمخول میں اُڑا دی۔ مگر موسےٰ بھی اپنی ضد کا بڑا پکا تھا۔ اُس نے قارون کو مجبور کیا کہ وہ زکواۃ ضرور دے۔ اس پر قارون ناراض ہو گیا۔ اور اُس نے دولت کا لالچ دیکر کئی بنی اسرائیل کو اپنی طرف کر لیا۔ اُس نے لوگوں کو بہکایا کہ اب موسےٰ کو دولت جمع کرنے کا سودا سمایا ہے۔ اور وہ زکواۃ کے بہانہ سے ہماری دولت لُوٹنی چاہتا ہے۔ کئی لوگ اس کے دام میں پھنس گئے۔ اور اسے سردار ماننے لگے۔ قارون نے مشورہ کیا۔ کہ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیئے کہ موسےٰ بدنام ہو جاوے۔ اور اس کے تمام ساتھی اسے چھوڑ دیں۔

اس کے لیئے اُس نے ایک آوارہ گرد عورت کو جو بڑی خوبصورت اور نوجوان تھی۔ یہ پٹی پڑھائی کہ وہ مجلس کے دن برسرِ عام یہ کہے کہ موسےٰ نے اُس کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اس عورت نے روپیہ کے لالچ سے اِس بات کو منظور کر لیا۔ اور ایک دن جبکہ موسےٰ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو اُپدیش دے رہا تھا۔ یہ عورت مجلس میں آئی۔

اور ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اُس نے مُوسے کا کلام سُنا۔ اور دل میں سوچنے لگی کہ ایسے پاکباز شخص پر جھوٹا الزام لگانا بڑا شرمناک کام ہے۔ اور اس کے دل میں اپنے کئے پر بڑی پریشانی و پشیمانی کا بھاؤ پیدا ہُوا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ قارون نے اُسے اس شرارت کے لئے آمادہ کیا ہے۔ اُسے ضرور قارون کی ہی بدنامی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ابھی موسےٰ نے اپنی تقریر ختم نہ کی تھی کہ یہ عورت آگے بڑھی۔ قارون نے بڑے جوش سے اس کی طرف دیکھا۔ اور خوش ہُوا کہ اب موسےٰ پر وُہ الزام لگنے والا ہے جس کی سزا موسےٰ کی شریعت کے مطابق سوائے قتل کے اور کچھ نہیں۔

اس عورت نے بآوازِ بلند کہا کہ قارون نے جو موسےٰ کے ساتھ بڑی عداوت رکھتا ہے۔ اور مارے حسد کے جلتا ہے۔ اُسے بہت سا زر دیکر اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وُہ موسےٰ پر زنا کا الزام لگاوے۔ مگر موسےٰ کی تقریر سُن کر میں اپنے بد ارادے سے توبہ کرتی ہوں۔ اور آپ کو اطلاع دیتی ہوں کہ قارون بڑا شریر ہے"۔ یہودی لوگ کہتے ہیں کہ یہ عورت دراصل مُوسےٰ کے برخلاف کہنے لگی تھی۔ مگر خدا نے اس کی زبان سے یہ الفاظ کہلا دیئے۔ قارون نے جونہی یہ الفاظ سُنے۔ اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ تمام حاضرین اُسے شرمندہ کرنے لگے۔ موسےٰ بھی یہ سُنکر منبر سے اُتر آیا۔ اور بڑے جوش سے قارون کی طرف دیکھنے لگا۔

موسےٰ کو سخت غصہ آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ قارون کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ غصہ کی حالت میں اُسے پرماتما کا خیال آیا۔ اور اُس نے بڑے عجز سے اپنا سر زمین پر رکھ دیا اور اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا کہ "قارون نے بڑا گناہ کیا ہے۔ اس نے ایک نبی خدا کی مذمت کی ہے۔ اور اس کے خلاف کمینہ منصوبہ باندھا ہے۔ اِس کی سزا سوائے قتل کے اور کچھ نہیں"۔ لوگوں نے اُسی وقت قارون کو مع اُس کے ساتھیوں کے قتل کر ڈالا۔

حضرت موسےٰ کی حکومت کا سکہ خوب بیٹھ چکا تھا۔ کئی بڑے بڑے کارنامے وہ لوگوں کو دکھا چکا تھا۔ اور لوگ اس کی عظمت کے قائل ہو چکے تھے۔ اب اُسے خیال ہوا۔ کہ بیت المقدس کو ظالموں اور کافروں سے خالی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ ان سب نے ہاں میں ہاں ملائی۔ اور موسےٰ ایک جرار لشکر لیکر بیت المقدس کی فتح کے لئے روانہ ہوا۔ عمالقہ کے علاقہ میں جا کر اس نے چند جاسوس سب سے پہلے بھیجے تاکہ وہ ضروری حالات سے آگاہی حاصل کر آویں۔ یہ لوگ بہت دنوں تک جاسوسی کا کام کرتے رہے۔ آخر ان میں سے چند ایک پکڑے گئے۔ بادشاہ نے ان کو سخت سزائیں دیں۔ اور آئندہ کے لئے ہدائیت کی کہ وہ اس طرف منہ نہ اٹھاویں اُنہوں نے آکر موسےٰ سے سب حال بیان کیا۔ موسےٰ کے ساتھی خوف کھانے لگے۔ کہ اب آگے چلیں یا واپس لوٹ جاویں۔ یوشع نے جس پر موسےٰ کو بڑا بھروسہ تھا اس خبر کو عام ہونے سے روکا۔ اور لوگوں میں بےچینی نہ پیدا ہونے دی۔ مگر پھر بھی بہت سے لوگ آگے چلنے سے کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔

ساتھیوں کی بزدلی دیکھ کر موسےٰ کو بڑا رنج ہوا۔ اُس نے ہارون سے کہا۔ کہ جس طرح بھی ہوسکے۔ ان کو لڑائی کے لئے آمادہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ فتح کی بڑی امید ہے ہارون نے کئی طرح سے ان لوگوں کو سمجھایا کہ وہ وقت پر دھوکہ نہ دیں۔ فتح ضرور اُن کی ہوگی۔ مگر ڈرپوک لوگوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر موسےٰ نے انہیں اپدیش کرنا شروع کیا۔ لیکن یہاں تو ایک انکار تھا۔ جب موسےٰ نے ان لوگوں پر بہت زور ڈالا۔ تو انہوں نے کہا:۔

"اے موسےٰ! ہم کو نہ تو روپیہ کا لالچ ہے نہ ملک کا۔ ہم ان دونوں میں سے کوئی شے بھی نہیں چاہتے۔ تو جہاں جانا چاہے۔ جا۔ ہم تیرے ساتھ نہ جاوینگے۔ ہم مفت میں اپنی جان گنوانا نہیں چاہتے۔ ہم تو اپنے گھر

جانے کو ترستے ہیں۔ تو ہمیں کہاں سے لے آیا۔"

موسےٰ کے دل پر اس سے بڑا صدمہ ہُوا۔ اُس کا غضب بھڑکا۔ اور چاہا کہ سب کو ہلاک کردے۔ مگر اپنی طاقت کو کمزور پاکر خاموش ہو رہا۔ آخر اُس نے کہا کہ وُہ عمالقہ میں ضرور جاویگا۔ جو لوگ اُس کے ساتھ جانا چاہتے ہیں ساتھ چلیں۔ اور جو واپس جانا چاہتے ہیں۔ وُہ لوٹ جاویں۔ یہ کہہ کر موسےٰ چل کھڑا ہُوا۔ اُس کی تقلید صرف یوشع۔ ہارون اور کالب نے کی۔ باقی تمام لوگ مصر کی طرف واپس لوٹ گئے۔ موسےٰ چند قدم آگے چلا۔ مگر اکیلا کیا کرتا۔ اسے اپنے ساتھیوں کی بیوفائی پر بڑا رنج آتا تھا۔ چند منزلیں طے کرنے کے بعد وُہ پھر لوٹ آیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے ملا اور کہنے لگا کہ "بیوقوفو! کیوں فتح سے مُنہ موڑتے ہو۔ چلو اب بھی وقت ہے مجھے اُمید ہے کہ فتح ضرور ہماری ہی ہوگی۔ اور تمہیں کچھ بھی نقصان برداشت نہیں کرنا پڑیگا۔" مگر اِن لوگوں نے ایک نہ مانی۔ اور موسےٰ کو بہت عرصہ تک اُن کی منت سماجت کرنی پڑی۔

موسےٰ اس وقت نہ آگے بڑھ سکتا تھا۔ اور نہ پیچھے لوٹ سکتا تھا۔ وہ ایک عجیب مخمصے میں پھنسا تھا۔ اور اُسے اِس طرح رہتے ہوئے کئی سال گذر گئے۔ موسےٰ کو کئی دفعہ غصہ آتا تھا۔ مگر پھر غصّہ کو پی جاتا تھا۔ اور چُپ سادھ جاتا تھا۔ اُس نے بہت کوشش کی کہ بُزدل ساتھی اُس کے ساتھ شام کے ملک میں چلیں۔ اور دشمن سے ہاتھ کریں لیکن اُسے آخیر دم تک کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ایک دفعہ اس کے ساتھی بڑے گھبرائے اور کہنے لگے کہ ہم تو جنگل میں رہتے رہتے تنگ آگئے ہیں۔ اب ہمارا دل گھر جانے کو چاہتا ہے۔ گھر کی نعمتیں ہمیں یاد آتی ہیں۔ اور بچوں سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔ موسےٰ نے آخری دفعہ پھر کوشش کی کہ بنی اسرائیل اس کے ہمراہ شام پر فوج کشی کریں۔ مگر اس دفعہ بھی اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اِس سے اُس کا حوصلہ بالکل ٹوٹ گیا۔ اور اُس نے

اپنے ساتھیوں کی قسمت پر افسوس کرتے ہوئے آہ کا نعرہ مارا۔

اس وقت موسے نے یوشع سے مشورہ کیا کہ ان جاہلوں کو یہاں ہی چھوڑ کر چلے جانا چاہیئے۔ تاکہ یہ اپنی موت آپ مریں۔ مگر یوشع نے کہا کہ یہ لوگ تو بیوقوفی کرتے ہیں۔ مگر موسے کو ان پر رحم ہی کرنا چاہیئے۔ موسے پھر خاموش ہوگیا۔ ان لوگوں میں سے اکثر سفر کی تکالیف سے ہلاک ہونے لگے۔ اور تھوڑے عرصہ میں تمام بوڑھے اور جوان موت کا شکار ہوگئے۔ موسے کو اپنے ساتھیوں کی موت پر ذرا بھی رنج نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ اُس کا دل ان کی بیوقوفیوں اور نالائقیوں سے بہلکر سخت ہوگیا تھا۔ مگر پھر بھی اس کا حوصلہ دن بدن پست ہوتا جاتا تھا۔

ایک دن موسے کو خیال پیدا ہوا کہ اب وقت رحلت نزدیک ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں سے جو اشخاص مصر چھوڑ کر اس کے ہمراہ آئے تھے۔ اُن سب کی تلاش کی جاوے۔ مگر ان میں سے صرف دو اس وقت زندہ تھے۔ ایک تو یوشع موسے کا سب سے عزیز شاگرد۔ دوسرا کالب۔ باقی سب ہلاک ہوگئے تھے۔ جب موسے کو بتایا گیا کہ اُس کے پرانے ساتھیوں میں سے صرف دو باقی رہ گئے۔ تو اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اُس نے کہا کہ اچھا اُس کے ساتھیوں کی اولاد کو اُسکے سامنے لایا جاوے۔ جب چھوٹے چھوٹے بچے اس کے سامنے آئے تو موسے نے بڑی محبت و پیار سے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور انہیں نیکی کی تعلیم دینے لگا۔ اُس نے اُنکو کہا

"دُنیا میں برائی کرنے کے لئے بہت سے وقت آتے ہیں۔ مگر نیکی کیلئے کبھی کبھی موقعہ ملتا ہے۔ اس لئے برائی کے موقعوں کو چھوڑ کر ہمیشہ نیکی کرنیکے موقعہ کی تلاش کرنی چاہیئے۔ دُنیا میں لغزشیں بہت ہیں۔ جہاں تک ہوسکے۔ لغزشوں سے بچنا چاہیئے۔ دُنیا میں قدم قدم پر ٹھوکر لگتی ہے انسان کو چاہیئے کہ اپنا پاؤں دیکھ کر رکھے اور ٹھوکر کھانے سے بچے"۔

اس کے بعد اُس نے حکم دیا کہ توریت کے بہت سے نسخے لکھوائے جاویں۔ ایک نسخہ اُس نے اپنی قلم سے نقل کیا۔ اور اپنے شاگردوں سے اس کی کئی نقلیں کروائیں۔ اُس نے توریت کے نسخوں کی نقل کے متعلق خاص اہتمام کیا۔ تاکہ اُن میں کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ وہ ہر ایک نسخہ کو خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا تھا۔ جب اُس کی حسب منشا توریت کے بہت سے نسخہ جات لکھے جا چکے۔ اور موسےٰ نے انہیں دیکھ کر اس بات کی تسلی کر لی کہ وہ بالکل درست ہیں اور اس کے نقل کردہ نسخہ کے عین مطابق ہیں تو اُس نے حکم دیا کہ تمام سامان ایک جگہ جمع کیا جاوے۔

یوشع اور کالب نے دوسرے لوگوں کی مدد سے تمام سامان کو ایک مقام پر جمع کیا۔ موسےٰ نے اس تمام سامان کو دیکھا اور حکم دیا کہ اسے مناسب طور پر بانٹ دیا جاوے۔ چنانچہ یہ اسباب بہت سے مستحق لوگوں میں بحصہ رسدی تقسیم کر دیا گیا۔ موسےٰ نے اُن لوگوں کو جنکو وہ قابل اور لائق سمجھتا تھا۔ اپنے پاس بلایا اور توریت کا ایک ایک نسخہ اُن کو دیکر ہدایت کی کہ:

"یہ شریعت ہے۔ جس پر تم کو کاربند رہنا چاہیئے۔ اس میں جو ہدایات درج ہیں۔ وہ انسان کو نیکی اور شرافت کی طرف لے جانیوالی اور گناہ سے بچانیوالی ہیں۔ تم نے اِن ہدایات پر کاربند رہنا اور دوسرے لوگوں کو بھی ان کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت کرنا۔ اس سے تم پر تمہارا بھلا ہوگا۔ بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچیگا"

لوگوں نے توریت کے نسخہ کو موسےٰ کے ہاتھ سے لیکر سر اور آنکھوں پر رکھا۔ اور اپنے اُستاد کو اس امر کا یقین دلایا کہ وہ ضرور توریت کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ مگر ان لوگوں نے کتنے عرصہ تک اس عہد کو پورا کیا؟ اس کا حال زمانہ کو ہی معلوم ہے۔

توریت کے نسخوں اور اسباب کو تقسیم کرنے کے بعد موسے کو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنی قوم کی سرداری کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں دے؟ اس مطلب کے لئے یوشع ہی سب سے بہتر تھا۔ اُس نے یوشع کو اپنے پاس بٹھایا اور سمجھایا کہ اب تم قوم کے لیڈر بنتے ہو۔ ان کی مناسب حفاظت اور پرورش تمہارا فرض ہے۔ ان میں کبھی خراب عادات کا پرچار نہ ہونے دینا۔ کیونکہ جب ان میں بُری عادتیں زیادہ بڑھ جاوینگی ان کی تباہی ہو جاویگی۔ یوشع نے وعدہ کیا کہ وہ جب تک زندہ رہیگا۔ ان لوگوں میں توریت کے احکامات کی ہدائت کرتا رہیگا۔ اور ان لوگوں کو توریت کے ضروری احکام سے منحرف نہ ہونے دیگا۔ تب موسے نے یوشع کو آشیرباد دی اور اپنی جگہ اُسے بٹھایا۔

یوشع کو اپنی جگہ سپرد کرنے کے بعد موسے اپنے بنی اسرائیل کے مرد اور عورتوں کو اپنی طرف مخاطب کر کے کہا کہ اب وہ اُن سے جدا ہوتا ہے۔ اب اُن کو اس کی بجائے یوشع کو اپنا لیڈر یا روحانی پیشوا سمجھنا چاہیئے۔ اور تاکید کی کہ وہ یوشع کے احکام سے سرمو تجاوز نہ کریں۔ اُس نے کہا۔

"اے میرے دوستو اور عزیزو! میں تم کو یوشع کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ اب تمہارا روحانی پیشوا ہے۔ جس طرح وہ تم کو کہے۔ اُسی طرح کرنا۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔ تمہارے آرام اور بہبودی کے لئے میں نے توریت کی شریعت اُسے دی ہے۔ وہ اِس کے مطابق تم کو ہدایت کرتا رہیگا۔ جب تک تم ان ہدایات پر عمل کرتے رہوگے۔ آرام سے زندگی کے ایام بسر کروگے۔ کوئی دُکھ تمہارے پاس تک نہ آویگا۔ اگر تم اِس سے انحراف کروگے۔ تو برائیوں اور خرابیوں کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو جاؤگے۔"

موسے نے یہ الفاظ اس زور سے کہے کہ سب نے سُن لئے۔ اِس کے بعد وہ انتقال

کرتا رہا کہ لوگ اُسے یقین دلا دیں کہ وہ اُس کے احکام کی نافرمانی نہ کرینگے۔ جب لوگوں نے اُسے اِس امر کا یقین دلا دیا۔ تو اُس نے اپنا سر جھکا کر ایشور کا شکریہ کیا۔ اور آخری سانس کا انتظار کرنے لگا۔

چند منٹ بعد موسے کی رُوح جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور موسے کی وفات سے دُنیا کی ایک بڑی شخصیت کا خاتمہ ہو گیا۔ جس نے کبھی گناہ کو برداشت نہیں کیا۔ موسے نے اپنے بھائیوں کے لئے سخت تکالیف اُٹھائیں۔ مگر اُن کی بہتری اور بھلائی کے خیال سے کبھی مُنہ نہ موڑا۔ اُس کے ساتھیوں نے کئی بار اُسے ناراض کیا۔ مگر وہ ہر دفعہ اُن کو معاف کرتا رہا۔ لیکن اُس نے گناہ سے کبھی درگذر نہ کیا۔ خواہ اُس کا کوئی نزدیکی رشتہ دار ہو یا دوست۔ وہ ہر اُس شخص کو سخت سزا دیتا تھا جس سے کوئی گناہ ہُوا ہو۔ اور جب تک گنہگار کو سزا نہ مِل جاوے۔ اُس کے دِل کو تسلّی نہ ہوتی تھی۔

موسے کی زندگی کا چراغ لوب کی سرزمین میں گُل ہُوا۔ جو کنعان سے بہت تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ جہاں کہ موسے بنی اسرائیل کو لیکر جانا چاہتا تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۱۲۰ سال کی تھی۔ موسے دُنیا کی ایک نہائت ہی طاقتور اور زبردست شخصیت تھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں وہ کام کئے۔ جو معمولی انسانوں کی حالت میں مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہیں۔ مگر آہ! آج دُنیا کی اِس بڑی شخصیت کے بارہ میں لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں سویا پڑا ہے یا اُس کی قبر کہاں ہے؟ اگرچہ مرنے کے وقت موسے کی عمر ۱۲۰ سال کی تھی۔ مگر اس کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی جسمانی صحت میں کچھ بھی فرق نہ آیا تھا۔ موسے کی وفات کے بعد اُس کے ساتھی ایک ماہ تک اُس کی یاد میں روتے رہے۔ پھر یوشع کو اپنا استاد مانکر وہاں سے چلے آئے۔ موسے کی شریعت کے چند اقوال حسب ذیل ہیں:-

(۱) اگر کوئی یہودی عبرانی غلام مول لے۔ تو وہ چھ سال خدمت کرانے کے بعد ساتویں سال مُفت آزاد کر دیا جاوے (۲) اگر وُہ غلام اکیلا آیا ہو تو اکیلا جاویگا۔ لیکن اگر وہ جورو سمیت آیا ہو تو اس کی جورو اُس کے ساتھ جاویگی (۳) اگر اس کے آقا نے اس کا بیاہ کیا ہو۔ اور اس کی جورو سے اولاد ہو تو یہ اولاد مع جورو کے آقا کا مال ہوگی۔ اور غلام اکیلا جاویگا (۴) اگر غلام اپنی جورو اور بچّوں کو چھوڑ کر جانا نہ چاہے۔ تو وُہ قاضی کے سامنے جا کر ایسا کہے۔ اور اُس کا کان چھید دیا جاوے۔ پھر وہ ہمیشہ غلامی میں رہیگا (۵) اگر کوئی شخص اپنی لڑکی فروخت کرے۔ تاکہ وہ باندی بنے تو وُہ غلاموں کی طرح چلی نہ جاویگی (۶) اگر وُہ شخص جس نے اُسے اپنے ساتھ شادی کے لئے مول لیا۔ اُس سے ناراض ہو کر اُسے چھوڑنا چاہے۔ تو اس کا زرِ فدیہ ادا کرے (۷) یہ شخص اُس لڑکی کو کسی اجنبی شخص کے ہاتھ فروخت کرنیکا روادار نہیں ہے۔ کیونکہ اُس نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے (۸) اگر وہ شخص اپنے بیٹے کے ساتھ زرخرید لڑکی کی شادی کرے تو اُس سے بیٹیوں کی مانند سلوک کرے (۹) اگر وہ اپنے لئے دوسری عورت لے۔ تو لازم ہے کہ اس کے کھانے پینے اور کپڑوں کا مناسب بندوبست کیا جاوے (۱۰) اگر وہ شخص یہ تینوں سلوک اُس کے ساتھ نہ کرے۔ پھر اُس کا حق ہے کہ وُہ مُفت میں آزاد ہو جاوے اور جہاں چاہے رہے۔

(۱۱) جو شخص کسی دُوسرے شخص کو مارے اور وُہ مر جاوے تو ضروری ہے کہ اُسے قتل کیا جاوے (۱۲) جو شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے۔ اُسے ہلاک کر دینا چاہیئے (۱۳) جو شخص کسی مرد یا عورت کو چرا دے۔ اور اُسے فروخت کرے۔ یا اُس کے پاس سے پکڑا جاویگا تو اُسے جان سے مار ڈالا جاویگا (۱۴) جو شخص اپنے باپ یا ماں پر لعنت کرے۔ وہ ہلاک کیا جاویگا (۱۵) اگر کوئی شخص اپنے

غلام یا نوکر کو لاٹھیاں مارے اور اُس سے وہ مر جاوے تو آقا کو سزا دی جاوے
لیکن اگر غلام یا نوکر چند روز زندہ رہ کر مرے تو آقا سزا کا مستحق نہیں ہے۔
کیونکہ وہ اُس کا مال ہے (۱۶) اگر لوگ جھگڑا کریں۔ اور کسی حاملہ عورت کو
ایسی تکلیف پہنچا دیں۔ جس سے اس کا حمل گر جاوے۔ تو اس عورت کا خاوند
جو سزا مقرر کرے وہ اُن کو دی جاوے۔ اگر وہ عورت بھی جان سے ماری جاوے
تو یہ جان کا بدلہ جان ہے (۱۷) اگر کوئی شخص اپنے نوکر یا غلام کی آنکھ پھوڑ
دے یا دانت توڑ دے تو لازم ہے کہ وہ اُسے رہا کر دے (۱۸) اگر کسی کا بیل
دُوسرے بیل کو مارے اور وہ جان سے مر جاوے تو زندہ بیل کو فروخت کر
کے جو قیمت وصول ہو وہ دونوں نصف نصف بانٹ لیں (۱۹) اگر کوئی شخص
کنواں کھودے۔ اور اس کا منہ بند نہ کرے۔ اور کسی کا بیل یا گدھا اُس میں گر
کر مر جاوے۔ تو کنوئیں کا مالک نقصان کا ذمہ وار ہے۔ مگر مردہ جانور اُس کا
مال ہو گا (۲۰) اگر کوئی شخص کنواری لڑکی کے ساتھ جو اس کی منگیتر نہیں ہے
دم دے کر یا مکر و فریب سے مباشرت کرے تو ضروری ہے کہ اُسے مہر دے کر
اُس کے ساتھ نکاح کرے۔ اگر لڑکی کا باپ اس امر پر رضامند نہ ہو۔ تو وہ
شخص کنواریوں کے مہر کے مطابق اُسے زر نقد دے (۲۱) اگر کوئی شخص کسی
چارپائے کے ساتھ مباشرت کرے تو وہ جان سے مار ڈالا جاوے (۲۲) جو شخص
سوائے ایک خدا کے دُوسرے معبودوں کی عبادت کرے تو اُسے قتل کر ڈالا جاوے۔

موسےٰ کے دل میں اس بات کا بڑا خیال تھا کہ بنی اسرائیل کا کوئی بھی گھرانہ
نرینہ اولاد کے نہ ہونے سے تباہ اور برباد نہ ہو جاوے۔ چنانچہ اُس نے اِس
مطلب کیلئے ایسے قوانین بنائے یا پہلے سے سابق قوانین کی تجدید کی کہ جو بنی اسرائیل
کے کسی بھی گھرانہ کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹنے نہ دیں۔ اُس نے اپنے پیروؤں

کو اِس امر کی اجازت نہیں بلکہ حکم دیا کہ اگر ایک شخص مرجاوے تو اس کا دوسرا بھائی اُس کی عورت سے اولاد پیدا کرے۔ اور پہلا بیٹا مرحوم شخص کی جائز اولاد سمجھا جاویگا۔ اور اس کے ورثہ کا مالک ہوگا۔ چنانچہ موسےٰ کی استثنا کی کتاب میں یہ حکم درج ہے:۔

"اگر کئی بھائی ایک جا رہتے ہوں۔ اور ایک اُن میں سے بے اولاد مرجاوے تو اُس مرحوم کی جورو کا بیاہ کسی اجنبی سے نہ کیا جاوے۔ بلکہ اُس کے شوہر کا بھائی اُس سے خلوت کرے۔ اور اُسے اپنی جورو بنا لے۔ اور بھاوج کا حق اُسے ادا کرے اور یوں ہوگا کہ اُس کا پلوٹھا لڑکا جو اُس سے پیدا ہو۔ وہ اُس کے مرحوم بھائی کے نام پر قائم ہوگا۔ تاکہ اس کا نام بنی اسرائیل میں سے مٹ نہ دیا جاوے اور اگر وُہ مرد اپنے بھائی کی جورو لینا نہ چاہے تو اس کے مرحوم بھائی کی جورو دروازے پر بزرگوں کے پاس جاوے اور کہے کہ میرے شوہر کے بھائی نے بنی اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کر دیا ہے اور بھاوج کا حق ادا کرنا قبول نہیں کیا۔ تب اُس کے شہر کے بزرگ اُس مرد کو طلب کریں اور اُس سے بات چیت کریں۔ اگر وُہ اپنی بات پر قایم رہے۔ اور کہے کہ میں نہیں چاہتا کہ اسے لُوں۔ تو اُس کے بھائی کی جورو بزرگوں کے سامنے اُس کے نزدیک آوے۔ اور اُس کے پاؤں سے جُوتی نکالے اور اُس کے مُنہہ پر تھوک دے اور جواب دیکر کہے کہ اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی کا گھر نہ بناوے یہی سلوک کیا جاویگا۔ اور اسرائیل میں اُس کا یہ نام لکھا جاوے کہ یہ اُس کا گھر ہے۔ جس کا جُوتہ نکالا گیا"۔

تراشے

دُنیا کی تاریخ میں ایک وقت ایسا آچکا ہے جبکہ انسانوں کے شُدھار کا کام نہیں ہو سکتا ہو۔ بشرطیکہ کوئی شخص اپنے آپ کو خُدا کا فرستادہ نہ کہے اور اپنے منجانب خُدا ہونے کا دعوے بڑی شدومد کے ساتھ نہ کرے۔ دُنیا میں یہ خیال پہلے پہل کس طرح آیا اور لوگوں نے کس طرح اس خیال کے آگے اپنے سروں کو جُھکایا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا مناسب جواب سردست ہمارے پاس نہیں ہے۔ البتہ اس قدر ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ پہلے اس خیال نے ایشیا ہی میں جنم لیا اور یہاں ہی نشوونما پائی۔ جب ہم بھارت ورش کے مذہبی اتہاس پر نظر مارتے ہیں تو ہم کو اس قسم کا لٹریچر بکثرت ملتا ہے کہ خاص خاص لوگوں کو دُوسروں نے منجانب خُدا تو ایک طرف خود خدا ہی بنا دیا ہو۔ مثلاً رامائن اور مہابھارت کی بڑی بڑی کُتب میں کہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ رام اور کرشن نے اپنے آپ کو ایشور کا اوتار کہا ہو۔ لیکن باوجود اس کے ہندوستان میں کروڑوں ہندو رام اور کرشن کو ایشور کا ساکشات اوتار مانتے ہیں۔ یعنی لوگوں نے اُن کے منجانب خُدا تو ایک طرف خود خُدا ہونے میں بھی شک نہیں کیا۔ اسی طرح پورانوں کی دیگر شخصیتوں کا ذکر ہے خواہ انہوں نے کبھی اپنے آپ کو ایک معمولی انسان سے بڑھ کر نہ کہا ہو۔ مگر دُوسروں نے اُن کو آسمان پر چڑھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔

ہندوستان کے اس خیال کے مقابلہ میں عرب اور عرب کے اردگرد کے علاقوں میں ایشور کے اوتار کے خیال نے نہیں بلکہ خُدا کے رسُول کے خیال نے بڑا زور پکڑا۔ اور جس قدر اتہاس یا مذہبی حالات ہم کو اس علاقہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ سب میں یہی خیال نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں تو یہ حالت تھی کہ ایک خاص شخص کو دُوسرے لوگ اوتار

وغیرہ کی پیروی دیتے تھے۔ لیکن عرب اور اُس کے ارد گرد کے علاقہ میں منجانب خدا ہونے
کا دعوےٰ خود وہ اشخاص کیا کرتے تھے۔ جو کہ اپنے آپ کو بطور لیڈر کے پیش کرتے تھے
چنانچہ پُرانا عہدنامہ اُٹھا کر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر موسےٰ آیا تو اُس نے
اپنے منجانب خدا ہونے کا دعوےٰ خود کیا۔ اگر مسیح آیا تو اُس نے خود اپنی زبان سے
خدا کا رسول ہونے کا دم بھرا۔ اور اگر محمد آیا تو اُس نے بھی خود اِس فرض کو ادا کیا۔ یہی
حال اِس سلسلہ کے دُوسرے رسولوں، و پیغمبروں کا تھا۔ ان اصحاب کی سوانح عمری پر
نظر مارنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اِس بات کا وشواس ہوتا تھا کہ جب تک وہ اپنے
آپ کو منجانب خدا نہیں کہیں گے۔ دُنیا کے لوگ اُن کے پیچھے نہیں چلینگے۔ محمد صاحب کے
وقت میں تو یہ خیال اتنا زور پکڑ چکا تھا کہ انہوں نے اپنے دعوے کو تلوار کے ساتھ
لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اور منکر کو سخت سے سخت اور بُرے سے بُرے الفاظ کے
ساتھ یاد کیا۔ لوگوں کے دماغ بھی کچھ ایسے خراب ہو گئے تھے کہ وہ صرف اُس شخص کی
بات کو مانتے تھے جو زیادہ زور کے ساتھ اپنے آپ کو فرستادہ خدا کہے۔ چنانچہ یہ امر
واقعہ ہے کہ ان لوگوں نے اکثر اپنی زبان سے وہ الفاظ کہنے سے بھی انکار نہیں کیا۔
جن کے وہ ہرگز اہل نہ تھے۔ مگر انہوں نے کہا۔ اور لوگوں نے اُسے وحی الٰہی کا
درجہ دے کر تسلیم کر لیا۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ہندوستان میں یہ پوزیشن نہ تھی۔ مگر اب دوسروں کی دیکھا دیکھی
ہندوستان میں بھی اس قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ اور کئی لوگ اپنے آپکو فرستادہ
خدا کی صورت میں دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ یہ ایک حیرانی
کی بات ہے کہ ہندوستان جیسی آزاد خیال سرزمین میں اس قسم کے ردّی اور واہیات خیال
نے کسطرح جڑ پکڑی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بھارت نواسیوں کا دماغ اب وہ دماغ
نہیں ہے۔ جو آج سے چند ہزار سال پہلے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خراب سے خراب

اور فضول سے فضول خیال کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔ خیال تو خیال جو سر پتھروں اور مُردہ چیزوں کے آگے جھکنے سے بھی نہ جھجکتا ہو۔ وہ اگر بعض چالاک لوگوں کے اِس دعوے کو تسلیم کر لے کہ وہ فرستادہ خدا ہیں تو اِس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

مہاتما زراشٹر یا زرتشت بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں۔ جن کو لوگوں کے سُدھار کا کام کرنے کے لئے اپنے آپ کو فرستادہ خدا کہنا پڑا۔ ورنہ اُسے اپنے مقصد میں کبھی کامیابی نہ ہوتی۔ اور شائد دُنیا کا کوئی آدمی اُس کی طرف ذرا بھی التفات نہ کرتا۔

زراشٹر کے لئے ہمارے دل میں بڑی عزّت ہے۔ اور ہم مانتے ہیں کہ اُس نے اپنے عہد میں لوگوں کے سُدھار کا بہت سا کام کیا۔ مگر اُس کی سوانحعُمری جس قسم کی فضولیوں سے بھری پڑی ہے۔ وہ اگر بعد کی ملاوٹ نہیں تو اس سے مہاتما زراشٹر کے وقت کی نسبت یہ کہنا کہ وہ بہت ہی تاریک تھا۔ نامناسب نہ ہوگا۔ ہم سمجھتے تھے کہ گپیں فضول میں ہی بھری پڑی ہیں۔ دُنیا کی پاک مذہبی کتب ان سے خالی ہونگی۔ مگر دیگر مذہبی کتب کیطرح زراشٹر کی کتب میں بھی گپوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ زراشٹر کی عُمر کا تو کوئی حصّہ بھی ایسا نہیں ہے۔ جس میں گپ بازی سے کام نہ لیا گیا ہو۔ اور اگر یہ کہا جاوے۔ تو بالکل مناسب ہوگا کہ اِس مہاتما کی پیدائش سے لیکر موت تک تمام تاریخ فضول وہم پرستی سے بھری پڑی ہے۔

مہاتما زراشٹر کو ایران کی تاریخ میں وہی درجہ حاصل ہے۔ جو ہندوستان کی تاریخ میں مہاتما بُدھ کو ہے۔ جس طرح مہاتما بُدھ کی پیدائش شاہی خاندان سے تھی۔ اِسی طرح مہاتما زراشٹر بھی ایک معزز شاہی خاندان میں پیدا ہُوا۔ اور جس طرح ہندوستان کے مہاتما بُدھ نے سب گھر بار چھوڑ کر دُوسروں کی رہنمائی کی۔ اسی طرح زراشٹر نے بھی سب کچھ تیاگ کر دُوسروں کی بھلائی کا جیون بسر کیا۔ مہاتما بدھ اور زراشٹر کے جیون میں ایک جیسی باتیں بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر اوّل الذکر نے بڑے بڑے

ہندوستانی راجاؤں کو اپنا شاگرد بنایا۔ اُسی طرح موخرالذکر نے ایران کے بڑے بڑے بادشاہوں کو اپنا مرید بنا کر دم لیا۔ البتہ ان دونوں مہاتماؤں کی موت میں فرق ہے۔ کیونکہ جہاں مہاتما بُدھ کو ایک شانتی کی موت ملی۔ وہاں زراشٹر اُس وقت جاں بحق ہوا جبکہ اُسے مخالفوں نے محصور کر رکھا تھا اور بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ اِس میں شک نہیں کہ زراشٹر ایک نیک مشن کو ہاتھ میں لیکر پرچار کے میدان میں نکلا تھا۔ اور اُس نے مردانہ وار اُن تمام تکالیف کا مقابلہ کیا جو اُس کے راستہ میں حائل کی گئیں۔ اور اُس نے ہمّت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ یہاں تک کہ اس کی عزیز جان بھی اِس مشن کی نذر ہو گئی۔

زراشٹر کے عہد کے بارہ میں مورّخوں کا بڑا اختلاف ہے۔ بعض اسے مسیح سے چھ ہزار سال پہلے بتاتے ہیں۔ لیکن بعض اُسے مسیح سے محض چھ سو سال پہلے قرار دیتے ہیں۔ اور یہی خیال زیادہ تر دُرست بھی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ پارسیوں کی مشہور کتاب آرت دراف میں، ایک حوالہ اس مطلب کا پایا جاتا ہے کہ زراشٹر مسیح سے چھ سو سال پہلے ہوا۔ چنانچہ اِس کتاب میں لکھا ہے:۔

"نیک اور دیندار زراشٹر نے اپنے مذہب کو دُنیا کے حصوں میں پھیلایا۔ اور تین سو سال تک یہ مذہب بالکل پاک وصاف اور پوتّر رہا۔ اس کے ماننے والوں کے دل ہر قسم کے شک وشبہ سے خالی رہے۔ مگر تین سو سال بعد شیطان نے لوگوں کو بہکا کر اس دین سے منحرف کرنا چاہا۔ چنانچہ اس مطلب کے لئے اُس نے سکندر رومی کو جو اُس وقت مصر میں تھا۔ اِس بات کے لئے تیار کیا کہ وہ فارس پر حملہ کرے۔ سکندر رومی نے فارس پر حملہ کیا۔ اور اس دین کے نیکدل لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر اُن کے مندروں کو گرا دیا"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سکندر اعظم کے حملہ سے پہلے زراشٹر کا مذہب تین سو سال تک فارس میں اچھی طرح رائج رہا۔ اور سکندر ٹھیک مسیح سے تین سو

سال پہلے ہُوا ہے۔ لہذا اس حساب سے یہ خیال کہ زرداشت مسیح سے چھ سو سال پہلے ہُوا۔ تقریباً درست ہے۔

زرداشت کی پیدائش کا فخر ایران کے مشہور شہر آذربائیجان کو ہے۔ جو فارس کے علاقہ مدین کے مغرب کی طرف واقعہ ہے۔ اور ہزار ہا سال سے شہرت کے آسمان پر چمکتا چلا آتا ہے۔ اس مہاتما کے نام کے متعلق بھی لوگوں نے مختلف اور عجیب و غریب قیاسات سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ بعض نے اس نام کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ وہ زرد کپڑے پہنتا تھا۔ اس لئے اُسے زرداشت کہتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ اس لفظ کے معنے اونٹوں سے پیار کرنے والے کے ہیں اور زرداشت اونٹوں سے پیار کرتا تھا۔ اس لئے اس کا یہ نام مشہور ہو گیا۔ اور یہ بات کسی قدر درست بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ آذربائیجان کے علاقہ میں اونٹوں کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور جس شخص کے پاس زیادہ اونٹ ہوں۔ اُس کی بہت عزت ہوتی ہے۔ مگر ایک تیسرا خیال اور ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لفظ زرداشت دراصل سنسکرت کا لفظ ہے۔ اور چونکہ سنسکرت زبان میں بھی اس کے معنی اونٹوں کو پیار کرنے والے کے ہیں۔ اس لئے اونٹوں کا بڑی تعداد میں مالک ہونے اور اُن سے پیار کرنے کی وجہ سے ہی یہ نام مشہور ہو گیا۔ ایک چوتھا نام بھی اس مہاتما کا بتایا جاتا ہے۔ اور وہ شپیتامہ ہے۔ یہ نام پارسیوں کی اکثر کتب میں پایا جاتا ہے۔ اور اس لفظ کے معنے سفید منہ والے کے ہیں۔ یہ لفظ بھی عین قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ زرداشت گورے رنگ کا تھا۔ جیسا کہ ایرانی ہوتے ہیں۔ کچھ بھی ہو۔ زرداشت کے مختلف نام ہیں۔ اور وہ نصف درجن کے قریب ناموں سے مشہور ہے۔

زرداشت کے پتا کا نام پورشسف تھا۔ اُس کے پانچ بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:۔ نیوتش۔ نتاریگہ۔ زرداشت۔ انگ اُشتر اور رات اُشتر۔ گویا زرداشت سب میں منجھلا تھا۔

اس کی ماتا راجہ مدین کی لڑکی تھی۔ اور قدرتی طور پر نہائت ہی نیک، شیریں کلام، زندہ دل
اور پارسا واقع ہوئی تھی۔ اس مہاتما کی پیدائش کے بارہ میں درجنوں جھوٹے قصے اور
کہانیاں مشہور ہیں۔ کہیں لکھا ہے کہ زراشٹر کی پیدائش پر تمام دنیا کے چرندوں اور پرندوں
نے مبارکبادی کے گیت گائے۔ اور جس گھر میں وہ پیدا ہوا تھا۔ اس کے گرد اس قدر
نور الٰہی چمکا کہ لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اور آہرمن یعنی شیطان مارے خوف کے
تحت الثرےٰ میں جا چھپا۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ جب وہ پیدا ہوا۔ تو اس وقت اس
نے ایسے زور سے قہقہہ لگایا کہ تمام استری پرش جو وہاں موجود تھے۔ حیران ہو گئے۔
ایک اور جگہ لکھا ہے کہ جمشید نے شیطانوں کو بتایا کہ تم کو تباہ و برباد کرنے والا پیدا
ہونے کو ہے۔ بس پھر کیا تھا شیطانوں کا ٹڈی دل اس کی گھات میں رہنے لگا۔ مگر
ان سب سے عجیب و غریب یہ روائت ہے کہ زراشٹر کی پیدائش سے پہلے یزدان یعنی پارسیوں
کے خدا نے ایک بیل کو بولنے کی طاقت دی۔ اور اس نے مردوں جیسی آواز میں لوگوں
کو بتایا کہ ایک مہاتما پیدا ہونے والا ہے۔ جو دنیا سے گناہوں اور ناپاکی کو دور
کریگا۔ اس کو سنکر شیطانوں کو بہت فکر ہوئی۔ اور وہ اسے پیدا ہوتے ہی جان سے
مار ڈالنے کی فکر کرنے لگے۔

زراشٹر کی پیدائش کی کہانی جس قدر عجیب ہے۔ اسی قدر اس کے بچپن کا قصہ دلچسپ
ہے۔ لکھا ہے کہ جس طرح کرشن کے خون کا پیاسا کنس تھا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ جس
طرح بھی ہو۔ اس کا خاتمہ کر دے۔ اسی طرح ایران کا ایک راجہ دراسرو نامی زراشٹر کی
جان کا دشمن تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ اسے جان سے مار ڈالے۔ مگر زراشٹر
کے ماتا پتا نے اس کا ظالم قاتلانہ ہاتھ اپنے معصوم بچے کی گردن تک نہ پہنچنے دیا۔ بلکہ
وہ اسے ایک پوشیدہ غار میں لے گئے۔ اور وہاں ہی خفیہ طور پر اس کی پرورش کی۔ یہ قصہ
مسلمانوں کے رسول ابراہیم کے قصہ کے عین مشابہ ہے۔ کیونکہ بقول قرآن اس کی

پرورش بھی اسی طرح ہوئی تھی۔ چند سال اسی طرح پرورش کرنے کے بعد اُسے آبادی میں لایا گیا۔ مگر یہاں اُسے کئی بار کرشن کی طرح آزمائش میں سے گذرنا پڑا۔ لکھا ہے کہ ایک بار اُسے بھیڑیے کے سامنے ڈالا گیا۔ مگر بھیڑیے نے اُسے نہ کھایا۔ ایک اور موقعہ پر لکھا ہے کہ اُسے زندہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ لیکن آگ نے بھی اُسے نہ جلایا بلکہ وہ صحیح سلامت رہا۔ ان باتوں کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں دوسروں کی دیکھا دیکھی عقیدت مند پارسیوں نے زراشٹر کے ساتھ منسوب کر دی ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

زراشٹر ذہین۔ زود فہم۔ علم دوست۔ محنتی۔ جفاکش اور بہادر تھا۔ اُسے مذہبی باتوں کے ساتھ بڑا پریم تھا۔ چونکہ اُس کے والدین اُس سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے اس کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا اور ایک لائق اُستاد اس کے لئے مقرر کیا چنانچہ چند سال کی عمر میں ہی اس نے اس قدر مذہبی تعلیم حاصل کر لی کہ بڑے بڑے مذہبی مجاہد اور پنڈت اس کی باتیں سُنکر حیران رہ جاتے تھے۔ اس عرصہ میں زراشٹر نے مذہبی اُمور پر ایران کے مروّجہ مت کے پُوجاریوں سے بحث مباحثہ کی ٹھانی اور پے در پے اُن کو شکست دی۔ جس طرح سوامی شنکر آچاریہ نے ہندوستان میں چھوٹی سی عمر میں ہی دھاک باندھ دی تھی۔ اُسی طرح زراشٹر نے ایران میں مذہبی بحث مباحثہ کی بھٹی خُوب گرم کی۔ یہاں تک کہ لوگ اس کے ساتھ تاب مقابلہ نہ لا کر اس کے مخالف ہو گئے۔ اور یہ مخالفت دِن بدن زیادہ بڑھتی اور تیز ہوتی گئی جب اس کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو باپ نے اپنا مال و اسباب تمام بیٹوں میں برابر تقسیم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اور بھائیوں نے تو اپنا حصہ برابر لیا۔ مگر زراشٹر نے اپنے باپ کی جائداد یا دولت کا کوئی حصہ نہ لیا۔ صرف ایک کمربند اُٹھا کر اُس نے اپنی کمر کے گرد باندھ لیا اور کہا کہ یہ ایک پرتگیا ہے جو میں اس غرض سے کرتا ہوں کہ میں آئندہ تمام

عمر مذہبی پرچار میں صرف کرونگا۔
اس کے بعد زراشٹر نے اپنا گھر بار۔ ماتا پتا سب کو چھوڑ دیا۔ اور وہ فقیر ہوکر گھر سے سچائی کی تلاش میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ زراشٹر کی یہ حالت رشی دیانند کی حالت کے عین مشابہ ہے جس طرح رشی دیانند سب گھر بار چھوڑ کر سچائی کی تلاش میں گھر سے نکلا تھا۔ اُسی طرح زراشٹر نے تمام مال و متاع پر لات مار کر جنگل کا راستہ لیا۔ اس کی عمر کا یہ حصہ تکالیف اور مصائب کا ایک طویل قصہ ہے۔ مگر اس نے بڑی سے بڑی مصیبت کے آنے پر بھی حوصلہ نہ ہارا۔ اُسے جب کبھی اور جہاں کہیں معلوم ہوا کہ فلاں مقام پر وہ سچائی حاصل کر سکتا ہے۔ وہاں ہی وُہ گیا اور سچائی حاصل کرنے میں مصروف ہوا۔ زراشٹر جہاں جاتا تھا۔ اور جن لوگوں سے ملتا تھا۔ اُس کا ایک ہی سوال ہوتا تھا۔ سچائی کا دلدادہ کون ہے اور وُہ کہاں ہے؟ اُسے کئی بار ٹھگوں سے واسطہ پڑا۔ کئی بار وہ شریروں کے پھندے میں پھنسا۔ لیکن آخرکار اُس کے دل کی مُراد بر آئی۔ اور جس طرح سوامی ورجانند کے ملنے پر سوامی دیانند کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ اُسی طرح اُسے بتایا گیا کہ اگر تُم سچائی کے دلدادہ شخص کے پاس جانا چاہتے ہو تو "تور" کے پاس جاؤ۔ جو اور تو کا چھوٹا بیٹا اور بڑا عالم۔ فاضل و راستی پسند ہے۔ زراشٹر فوراً اُس کی طرف روانہ ہوا۔ اور راستہ میں کئی طرح کی مصائب کا مقابلہ کرتا ہوا وہاں تک جا پہنچا اور مہاتما تور سے تعلیم پانے لگا۔ مہاتما تور نے اُس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اور نیکی و راستی کی تعلیم دی۔
زراشٹر شروع سے ہی نیک دل پیدا ہوا تھا۔ مرد تو مرد جانوروں تک کو مصیبت میں دیکھ کر اُس کا دل بھر آتا تھا۔ اور جب تک اُس مصیبت کو دُور نہ کر لیتا۔ اُسے چین نہ آتا تھا۔ اس کے متعلق کئی قصے مشہور ہیں۔ جو سب شکشا دایک ہیں۔ ایک دفعہ اُس نے دیکھا کہ ایک کُتیا جس کے تین چار بچے بھی ہیں۔ بھوک سے سخت بیاکل ہے۔

زراشٹر کو بڑا ترس آیا۔ اور وہ بھاگا بھاگا گیا۔ تاکہ اُس کے لئے خوراک لادے۔ لیکن اُسے سخت رنج ہوا۔ جب اُس نے واپس آکر دیکھا کہ کتیا مر گئی ہے۔ اس رنج کو اُس نے کئی بار ظاہر کیا۔ مہاتما قور کے آشرم میں چند سال رہنے کے بعد وہ دُنیا سے بالکل تارک ہو گیا۔ اُس نے مردوں سے ملنا اور کھانا پینا سب کچھ چھوڑ دیا۔ زراشٹر کی یہ حالت مہاتما بدھ کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اُس نے بھی اپنی زندگی کے کئی سال سخت جسمانی ریاضت میں بسر کئے تھے۔ اُس کا ڈیرہ ایک پہاڑ کی غار میں تھا۔ جہاں سے باہر وہ نہ جاتا تھا۔ اِس عرصہ میں اس کی خوراک تھوڑا سا پنیر اور خشک پھل پھول تھے۔ یہاں پر کئی سال سخت ریاضت کے بعد اُس کے دِل میں اُمنگ پیدا ہوئی کہ اب دُنیا کا کلیان کرنا چاہیئے۔ اُس نے اِس غار کو چھوڑا اور دُنیا داروں کی ہدایت کا کام شروع کیا۔ اِس واقعہ کے متعلق پارسیوں کی کُتب میں بہت سے فرضی قصے بھرے پڑے ہیں۔ جن کا بیان اِس جگہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اِس لئے ہم سب کو چھوڑ کر صرف ایک کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مراقبہ کی حالت میں زراشٹر کو الہام ہوا اور پرماتما نے کوہ سیلان پر اُسے درشن دئے۔ لکھا ہے کہ جب یہ ملاقات ہوئی تو پہاڑ جڑ تک ہل گیا اور بہت دیر تک کانپتا رہا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اِس موقعہ پر ایک بات اور قابلِ ذکر ہے۔ اور وہ زراشٹر کے معراج کے بارہ میں ہے۔ پارسی کُتب میں لکھا ہے کہ جب زراشٹر تیس سال کا ہو گیا۔ تو پرماتما نے اپنا فرشتہ بھومن اس کے پاس بھیج کر اُسے بُلایا۔ اور زراشٹر اُس کے ساتھ پرماتما کے حضور میں حاضر ہوا۔ جس نے اُسے اپنے مذہب کے پرچار کا حکم دیا۔ یہ معراج حضرت محمد کے معراج کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ غالباً قرآن میں یہ کہانی پارسیوں کی کُتب سے ہی لے کر درج کی گئی ہے۔ کچھ بھی ہو۔ جس طرح قرآن کا قصہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔ اُسی طرح زراشٹر کے معراج کا قصہ بھی بڑا دلچسپ مگر خلاف واقعہ ہے۔

زراشٹر کی عمر ۳۰ اور ۳۵ سال کے درمیان تھی جبکہ اُس نے اپنے مذہب کا پرچار کرنا شروع کیا۔ اُس کی بڑی خواہش تھی کہ لوگ اُس کو فرستادہ خدا سمجھ کر اُس کی باتوں کو سنیں اور اُن پر عمل کریں۔ چنانچہ سب سے پہلے اُس نے دو ناستک لوگوں کو اپنی طرف مخاطب کر کے ایشور پرستی کی تعلیم دی۔ مگر اُنہوں نے نہ صرف زراشٹر کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ بلکہ وُہ مخول اُڑانے سے بھی باز نہ آئے۔ اس کا مہاتما کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اور اُس نے آئندہ کسی ایرانی کے سامنے اپنے خیالات کو رکھنے کی جرأت نہ کی۔ بلکہ وُہ توران کو بھاگ گیا۔ یہاں زراشٹر سیدھا شاہ توران کے دربار میں پہنچا۔ اُس نے اس کی باتوں کو بڑے غور سے سُنا۔ مگر اس کا مرید بننے سے صاف انکار کر دیا ممکن ہے اُس نے اس کی کچھ بے عزّتی بھی کی ہو۔ کیونکہ اس کے بعد زراشٹر کا حوصلہ بہت کچھ پست ہو گیا تھا۔ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد مہاتما زرتشت پھر میدان میں نکلا۔ اور ویدو اٹشٹ نامی ایک رئیس کے پاس گیا۔ وہاں اس نے بڑے زور سے اس شخص کو اپنی تعلیم کی طرف راغب کرنا چاہا۔ مگر سوائے ناکامیابی کے اور کچھ نصیب نہ ہوا۔ یہ شخص اس کے ساتھ بہت بُری طرح پیش آیا۔ اور اگر زراشٹر بھاگ کر جان نہ بچاتا تو شاید وہ اسے قید کر کے ہلاک کر ڈالتا۔ ویدو اٹشٹ کی بدسلوکی کے بعد زرتشت کا حوصلہ بالکل پست ہو گیا۔ مگر اُمید ابھی باقی تھی۔ اس لئے وُہ سیستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں کے بادشاہ پرشات نے اُسے کہا کہ اگر تو میرا علاج کر سکتا ہے تو کر۔ میں تجھے بہت انعام و اکرام دُونگا۔ زراشٹر نے کہا کہ اگر تو میرا مرید بننے کا وعدہ کرے تو میں علاج کر سکتا ہوں۔ شاہ پرشات نے یہ سودا منظور نہ کیا۔ اور زرتشت اپنا سا مُنہ لیکر سیستان سے واپس چلا آیا۔ اب مایوسی کی حد ہو چکی تھی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ وہ دُنیا میں کسی کو اپنا مرید نہیں بنا سکتا۔ اس سے اُس کے دل پر سخت صدمہ پہنچا۔ اور وُہ پھر گوشہ نشین ہو گیا۔

پارسیوں کی کتب میں لکھا ہے کہ اس کی مایوسی کو دور کرنے کے لئے آہرمزد نے اُسے تازہ الہامات دئیے۔ ان الہامات کا قصہ بہت طویل ہے۔ اور جتنا طویل ہے اتنا ہی من گھڑت بھی معلوم ہوتا ہے۔ خوش اعتقاد مریدوں نے یہاں پر چھ معراجوں کی کہانی گھڑی ہے۔ اور ذراشٹر کے چھ آسمانی سفروں کا حال لکھا ہے۔ آخری سفر میں آہرمزد نے اسے کتاب اوستھا دی۔ اور حوصلہ دیکر کہا۔ کہ جاؤ۔ اب تمہارے مذہب کا خوب پرچار ہوگا۔ جب زرتشت یہ کتاب لیکر چلا تو شیطانوں نے اپنی پوری طاقت سے اس پر حملہ کیا۔ اگر اس جگہ شیطانوں اور ذراشٹر کے جنگوں کا ذکر کیا جاوے تو ایک دفتر چاہیئے۔ اور یہ کہانی الف لیلہ کے قصوں کو بھی مات کر دے قصہ مختصر یہ کہ مہاتما نے پھر نئے جوش سے پرچار کا کام شروع کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی طرف سے بھی اس کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کے لئے بڑا لوبھ اور لالچ دیا گیا۔ لیکن اس مہان آتما نے ہرگز اپنے ارادے کو ترک نہ کیا بلکہ مردانہ وار کہا کہ خواہ میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاوے۔ مگر میں اس دین کو خدا کی طرف سے ہے۔ ہرگز نہیں چھوڑونگا۔

دوسری بار جوش کے ساتھ اپنے خیالات کا پرچار کرتے ہوئے زرتشت کو دو سال ہو گئے۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس نے اپنے خیالات ہزارہا مردوں کے سامنے پیش کئے مگر ایک بھی اس کا مرید نہ ہوا۔ آخر دو سال کی محنت محنت کے بعد وہ ایک شخص کو اپنا مرید بنانے میں کامیاب ہوا۔ یہ شخص اُس کا چچا زاد بھائی میدیوماہ تھا۔ اس سے ذراشٹر کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ جس شخص کو اس نے اپنا چیلہ بنایا تھا۔ وہ ایک بڑا بارسوخ امیر تھا۔ اور شاہی دربار تک میں اُس کی بڑی عزت تھی۔ میدیوماہ بڑا جوشیلا تھا۔ اور اس کی موجودگی میں کوئی شخص ذراشٹر کا مخول نہیں اُڑا سکتا تھا۔ اس کے مرید بنتے ہی دوسرے لوگوں نے بھی زرتشت کی تعلیم کے آگے سر جھکانا شروع

کیا۔ اور چند ماہ کے عرصہ میں ہی اس کے مریدوں کی تعداد ہزارہا تک پہنچ گئی۔ یہاں تک
کہ اب اُس نے شاہ گشتاشپ کے دربار کی طرف رُخ کیا۔ اور اُسے اپنا شاگرد بنانا چاہا۔
ایران اور اس کے گردونواح میں زرتشٹر کی بہت دھاک بیٹھ گئی تھی۔ اس کا کلام بڑا مدلل
اور پُررعب ہوتا تھا۔ جب گشتاشپ کے درباریوں نے سُنا کہ زرتشٹر ان کے بادشاہ کو
اپنا مرید بنانے کے لئے آتا ہے۔ تو وہ بہت گھبرائے اور اس کوشش میں مصروف ہوئے
کہ دونوں کی ملاقات نہ ہونے پاوے۔ اس کے لئے اُنہوں نے بہت مکروفریب کئے۔
شاہ کو بہکایا۔ زراشٹر کو ڈرایا۔ مگر اُنہیں کامیابی نہ ہوئی۔ شاہ گشتاشپ کی ملاقات
کے بارہ میں بھی پارسی ایک عجیب اور خلاف ازقیاس قصّہ بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں
کہ شاہ کے سرکش اور شرارتی درباریوں نے شاہ کے محل میں داخل ہونے کے تمام
زمینی راستے بند کر دئے۔ یہاں تک کہ زرتشت بادشاہ کے محل کی چھت پھاڑ کر اُس
کے سامنے پہنچا۔ مطلب یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ درباریوں نے راستہ میں بہت کچھ روڑے
اٹکائے۔ مگر مہاتما بادشاہ تک جا ہی پہنچا۔

شاہ نے زراشٹر کی باتوں کو توجہ اور غور کے ساتھ سُنا اور اپنے درباریوں کو اُس
کے ساتھ بحث کرنے کے لئے کہا۔ درباریوں میں بحث کی طاقت تو کہاں تھی۔ ہاں
اُنہوں نے اپنی فضول باتوں سے مہاتما کا حوصلہ پست کرنا چاہا۔ مگر اس میں اُنہیں
کامیابی نہ ہوئی۔ اور زرتشت نے اُن کو ہرادیا۔ جب درباریوں اور گشتاشپ کے پنڈتوں
نے مباحثہ میں شکست فاش کھائی۔ تو مکر اور فریب کے ذریعہ زراشٹر کو پھانسنے
کی کوشش کی۔ چنانچہ اُنہوں نے بہت سے کتوں۔ بلیوں۔ چوہوں اور اُونٹوں کے
سر۔ آنکھیں۔ ناک۔ کان وغیرہ پوشیدہ طور پر زرتشت کی جائے رہائش میں رکھ دئے۔
اور شاہ کو بہکایا کہ وہ جادوگر ہے۔ اور جادو کے ذریعہ لوگوں پر فتح پاتا ہے۔ پھر کیا تھا
فوراً اُسے قید کر لیا گیا۔ اور ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں رکھا گیا۔ اس کی رہائی کی

کے متعلق پھر پارسی مصنف ایک فرضی قصّہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ اُس کے قید ہوتے ہی بادشاہ کا ایک گھوڑا جسے وُہ بہت ہی پیار سے رکھتا تھا۔ بیمار ہو گیا۔ اور اُس کی چاروں ٹانگیں سمٹ کر اس کے پیٹ میں لگ گئیں بادشاہ نے بہت علاج کیا۔ مگر کچھ آفاقہ نہ ہُوا۔ بلکہ گھوڑا دِن بدن زیادہ بیمار ہوتا گیا۔ آخر بادشاہ کے دِل میں خیال آیا کہ یہ کہیں زراشٹر کی بددُعا کا نتیجہ نہ ہو۔ اُس نے فوراً اُسے جیل سے نکلوا کر اپنے سامنے بُلایا۔ اور اُسے گھوڑا اچھا کرنے کے لئے کہا۔ اُس نے جواب دیا کہ وُہ گھوڑے کو اچھا کر دیگا۔ بشرطیکہ بادشاہ اس کے ساتھ چار چیزوں کا وعدہ کرے۔ گشتاشپ نے اِسے منظور کر لیا اور زرتشت نے گھوڑے کو اچھا کر دیا اور بادشاہ نے مندرجہ ذیل وعدے اُس کیساتھ کئے تھے (۱) بادشاہ اس کا مذہب اختیار کریگا (۲) اس کا بیٹا اسفندیار اِس مذہب کی اشاعت دُنیا کے دُوسرے حصوں میں کریگا (۳) بادشاہ کی بیگم اِس مذہب میں شامل ہوگی اور (۴) جن لوگوں نے اِس کے خلاف سازش کر کے اسے تکلیف پہنچائی ہے۔ انُہیں قتل کیا جاویگا۔ ہم اِس چوتھی شرط کے لئے مہاتما زراشٹر کی تعریف نہیں کر سکتے۔ یہ بدلہ لینے کی سپرٹ معمولی دُنیاداروں میں تو ہوتی ہے۔ لیکن مذہبی ریفارمر اِس سے پاک صاف ہونے چاہئیں۔ اگر زراشٹر اپنے مخالفوں کو معاف کر دیتا۔ تو اس سے اُس کی شان زیادہ بلند ہو جاتی۔ اِس موقعہ پر ہم کو رِشی دیانند کا وہ واقعہ یاد آتا ہے۔ جبکہ اس کے قتل کرنے کی کوشش کرنے والے کو پابجولان اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور اُس نے یہ کہہ کر اُسے معاف کر دیا۔ کہ مَیں دُنیا کے لوگوں کو قید سے چھڑانے آیا ہُوں نہ کہ انُہیں قید کرانے۔ کاش! زراشٹر نے بھی اِس موقع پر ایسی ہی سپرٹ کا اظہار کیا ہوتا۔ تاکہ اس کی مذہبی عظمت کا سِکّہ اچھی طرح لوگوں کے دِلوں پر بیٹھتا۔

پارسی مصنف ہم کو بتاتے ہیں کہ بادشاہ نے یزدانی مذہب کو قبول کر لیا۔ لیکن اُس کے

دل کے شکوک دُور نہ ہوئے۔ اس لئے اُس نے ثرداشٹر سے مزید سوالات کئے۔ یہاں پھر ایک فرضی قصّہ بیان کیا جاتا ہے جس سے مطلب صرف ثرداشٹر کی عزّت بڑھانا ہے۔ چنانچہ زرتشت نامہ میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ نے زرداشٹر سے کہا کہ جس طرح اُس سے چار چیزوں کا وعدہ کرایا گیا ہے۔ اُسی طرح اُسے بھی چار چیزیں دی جاویں۔ اوّل یہ کہ اُسے بہشت میں اُس کی جگہ دکھائی جاوے۔ دُوسرے اُس کا میدان ناقابلِ تسخیر ہو جاوے تیسرے اُس کو کائنات کا پُورا پُورا علم ہو جاوے۔ چوتھے وُہ قیامت تک زندہ رہے ثرداشٹر نے قدرے ترشرو ہو کر کہا کہ یہ چاروں چیزیں اکیلے بادشاہ کو نہیں دی جا سکتیں۔ بلکہ وُہ صرف ایک ان میں سے اپنے لئے مانگ سکتا ہے۔ باقی تین اس کے دُوسرے رشتہ داروں کو دی جاوینگی۔ بادشاہ نے یہ بات منظور کر لی۔ اور سب سے پہلے اپنے لئے بہشت منظور کیا۔ زرتشت نامہ میں لکھا ہے کہ اُسی وقت آسمان سے فرشتوں کی گھوڑ دوڑ شروع ہو گئی۔ کسی نے بادشاہ کو بہشت کی سیر کرائی۔ کسی نے اُس کے لڑکے کو آبِ حیات پلایا۔ کسی نے اُس کے وزیر جاماسپ کو ایک خوشبودار چیز سُونگھائی۔ جس سے وُہ تمام علوم ظاہر و باطنی کا عالم ہو گیا۔ اس طرح اس دل خوش کن قصّہ کا خاتمہ ہُوا۔ بادشاہ کے ساتھ ہی اس کے درباریوں نے بھی ثرداشٹر کے آگے سر جھکایا۔ اور اُس کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ اس حالت کو دیکھ کر زرتشت کی طبیعت کو شانتی ملی۔ اور اُس کو اپنے مذہب کے دُنیا کے دُوسرے حصّوں میں پھیلنے کا یقین ہونے لگا۔

جس طرح بُدھ مت کے پرچار کے لئے شاہ بمبی سار کے اُس میں شامل ہوتے ہی راستہ صاف ہو گیا تھا۔ اسی طرح شاہ گشتاسپ کے مذہب یزدانی میں داخل ہوتے ہی ثرداشٹر اور اُس کے دین کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی۔ اور اُس نے اُن تمام علاقوں میں اپنے مشنری روانہ کئے۔ جہاں پر کبھی خود اُسے بھی کامیابی نہ ہوئی تھی۔

چنانچہ توران اور سیستان کے بادشاہوں تک نے دین یزدانی کے آگے اپنا سر جھکایا۔ اور چند سال کے عرصہ میں اس مذہب کے پیروؤں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ چونکہ شاہ اسفندیار وعدہ کر چکا تھا کہ وہ اس مذہب کی اشاعت میں زراشٹر کی مدد کریگا۔ اس لیئے اُس نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا۔ اور جو لوگ محبت اور پریم سے اس دین میں شامل نہ ہوئے۔ انہیں تلوار کے خوف سے شامل کیا گیا۔ دُور دُور سے لوگ زراشٹر کے ساتھ بحث مباحثہ کرنے کے لئے آنے لگے۔ مگر پارسی مورّخ بتاتے ہیں کہ جو شخص بحث کے لئے آتا تھا۔ وہ خود اس کے مذہب میں شامل ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر بھی من گھڑت قصّوں سے کام لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے بھی دو تین عالم پنڈتوں کا زرتشت کے دربار میں آنے اور اُس کے مذہب میں شامل ہونے کا حال لکھا ہوا ملتا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام شنکر آکاش یا شنکر آچاریہ ہے۔ اور دُوسرے کا نام ویاس بتایا جاتا ہے۔ بعض اشخاص ان ناموں سے شنکر آچاریہ اور وید ویاس ہی مطلب لیتے ہیں جن کے نام کی دھاک بھارت ورش میں مچی ہوئی ہے۔ مگر یہ محض خوش اعتقاد پارسی مورخوں کی ایک گپ معلوم ہوتی ہے۔ ہندوستان کی طرح ہی یونان کے بھی کئی ودوانوں کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ زراشٹر کے پاس آئے۔ اور بحث میں ہار کر اُسکے مذہب میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ ایک بڑے یونانی فلاسفر کیا طوس کا اس طرح آکر یزدانی مذہب میں شامل ہونا بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ زراشٹر کے وقت میں یہ مذہب ایران سے نکل کر دُوسرے ممالک میں بھی پھیلا مگر یہ بالکل غلط ہے کہ اس کو ہندوستان میں کوئی کامیابی حاصل ہوئی۔ اگر اس کے پرچارک یہاں آئے بھی ہوں۔ تو اُن کو ہرگز اس مذہب کی اشاعت میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اب بھی یہ مذہب محض اُن لوگوں تک محدود ہے۔ جو کچھ صدیاں

ہوئیں۔ فارس سے نقل مکان کرکے یہاں آئے ہیں۔ اگر مسلمان حملہ آور ان لوگوں پر جبر اور ظلم کرکے ان کو اپنے آبائی وطن سے نکلنے کے لئے مجبور نہ کرتے۔ تو شاید ہندوستان میں اس مذہب کا نام بھی سننے میں نہ آتا۔ مگر اب بھی اسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اور بطور ایک مذہب کے ہندوستان میں اسے کوئی خاص طاقت حاصل نہیں ہے۔ اس موقعہ پر اگر یہ بات بھی بیان کردی جاوے کہ اس مذہب نے ویدک دھرم سے بہت سی مدد لی ہے۔ تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی اکثر رسوم اور تعلیمات محض ویدک دھرم کی نقل ہیں۔

ژراشٹر نے اپنے مذہب میں آگ میں خوشبودار چیزیں ڈال کر یگیہ کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔ اور اگرچہ اسے مرے کئی سو سال ہوچکے ہیں۔ مگر دیندار پارسی لوگ اب تک اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے برابر یگیہ کرتے ہیں۔ بلکہ بعض بعض گھرانوں میں تو یگیہ کی آگ کو بجھانا بالکل ممنوع ہے۔ اور اسے بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ایران میں مسلمانوں کے حملہ سے پہلے وہاں پر بیشمار یگیہ کنڈ تھے۔ جہاں بلاناغہ یگیہ ہوتا تھا۔ اور ہون کی خوشبو دور دور تک لوگوں کے دماغوں کو معطر رکھتی تھی۔ لیکن جونہی مسلمان حملہ آور ایران میں پہنچے۔ انہوں نے اس کی صفائی کردی۔ اور پارسی لوگوں کو آتش پرست وغیرہ کہہ کر خوب ستایا۔ اور جنہوں نے اسے ترک نہ کیا۔ وہ یا تو تلوار کے گھاٹ اتار دئے گئے یا ترک وطن کے لئے مجبور ہوئے۔

ژراشٹر کو اس بات کا بہت فکر تھا کہ توران کا بادشاہ ارجاسپ ابھی تک اس کے مذہب میں داخل نہ ہوا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ اس کے دین کو اختیار کرے۔ مگر جب کسی طرح کامیابی نہ ہوئی۔ تو اس نے ایران کے بادشاہ کی معرفت یہی پیغام بھیجا۔ جسے شاہ توران نے اپنی ہتک سمجھا۔ اس کے جواب میں اس نے نہ صرف اپنی طرف سے ہی انکار لکھا۔ بلکہ شاہ گشتاسپ کو بھی کہا کہ وہ دین یزدانی سے منحرف ہوجاوے۔ ممکن ہے گشتاسپ ڈر جاتا اور بے دین ہوکر

زرداشت کی تعلیم کو چھوڑ دیا۔ لیکن زرداشت نے اپنی تمام عمر کی کمائی کو اس طرح برباد ہوتے دیکھنا گوارا نہ کیا۔ اُس نے بادشاہ کو کہا کہ یہ شیطان کی کارستانی ہے۔ اور اُسے تلوار ہاتھ میں لیکر دشمن کا سر کچلنا چاہیئے۔ زرتشت نے بادشاہ کو یہاں تک اُبھارا کہ اُس نے ارجاسپ شاہ توران کے قاصدوں کے ہاتھ ہی پیغام جنگ بھیج دیا۔ اُنھوں نے جاکر شاہ توران کی خدمت میں اصل حالات کو رکھا۔ اور جوش دلانے والی باتوں سے اُس کا چہرہ سُرخ بنا دیا۔ ارجاسپ نے فوراً ایران پر حملہ کیا اُدھر سے گشتاسپ اپنی فوج لیکر نکلا۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ طرفین کے سینکڑوں ہزاروں سپاہی کھیت رہے۔ ہزارہا استریاں بدھوا ہو گئیں۔ بیشمار بچے یتیم بن گئے۔ لیکن ارجاسپ کو فتح نصیب نہ ہوئی۔ آخر اُس نے شکست کھائی اور پسپا ہو گیا۔ اب اگر گشتاسپ چاہتا تو اُسے ملیا میٹ کر سکتا تھا۔ مگر اُس نے تعاقب کرنے سے پرہیز کیا۔

شاہ توران کو ایک تو یہی بات کم تنگ کرنیوالی نہ تھی کہ زرداشت کا مذہب دن بدن پھیلتا جاتا تھا۔ دوسرے اس شکست نے اُس کا آرام بالکل کافور کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو۔ ایران پر حملہ کر کے نہ صرف گشتاسپ کو ہی راہ راست پر لاوے بلکہ زرداشت کو بھی سزا دے۔ مگر ایسا کرنے کے لیئے اُسے کوئی موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اُس نے چند سال تک برابر صبر کیا۔ اور اپنی فوج کو بڑھایا۔ آخر اُسے معلوم ہوا کہ شاہ ایران اپنے دار الخلافہ سے باہر ہے۔ اس موقعہ کو شاہ توران نے غنیمت جانا۔ اور جھٹ ایک کثیر فوج لیکر فارس پر چڑھ آیا۔ آتے ہی اُس نے بلخ کا محاصرہ کر لیا۔ اور چند روز کی لڑائی کے بعد شہر کو فتح کر لیا۔ شہر فتح کرتے ہی اُس نے لوگوں کے قتل عام کا حکم دیدیا اور تمام آتشکدے اس مذہب کے لوگوں کے خون سے سرد کئے۔ ارجاسپ کا غصہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ جو شخص اُس کے سامنے آتا تھا۔ اُسے ہی بیدریغ قتل

کرا دیتا تھا۔ ثرداتی مذہب کے بڑے بڑے پوجاری اور اُن کے بچے بڑی بیرحمی سے قتل کئے گئے۔ یہاں تک کہ عورتوں پر بھی تلوار چلانے سے پرہیز نہ کیا گیا۔ اور ہزارہا عورتیں مُولی گاجر کی طرح کاٹ ڈالی گئیں۔

ثرداشٹر کی عمر اس وقت ۷۷ سال کی تھی۔ وہ بہت بُوڑھا ہو گیا تھا۔ لڑائی لڑنے کے وُہ ناقابل تھا۔ مگر پھر بھی اُس نے لوگوں کو حوصلہ ہارنے سے نہ روکا۔ اور دھرم کیلئے جان دینے پر آمادہ کیا۔ اُسے بیکار اُمید تھی کہ شاہ توران پہلے کیطرح شکست کھا کر پسپا ہو جاویگا۔ مگر جب سلطنت کا دارالخلافہ بلخ فتح ہو گیا۔ اور تورانی گھوڑوں کے ٹاپوں نے اس کے بازاروں کی مٹی اُکھیڑ دی۔ اُس وقت اُسے پتہ لگا کہ اب سوائے موت کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ وہ ایک مندر میں جا چھپا۔ مگر ارجاسپ کی فوج نے اُسے وہاں سے اس طرح ڈھونڈ نکالا۔ جس طرح شکاری کتّے خرگوش کو جھاڑی سے نکال لاتے ہیں۔ ثرداشٹر ایک قیدی کی طرح ارجاسپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ارجاسپ نے نظرِ حقارت سے اُس کی طرف دیکھا۔ اور اس کے قتل کا حُکم دیا۔ حکم کے ساتھ ہی جلّادوں نے اُس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

ثرداشٹر نے اپنی زندگی میں کئی ایک نیک کام کئے۔ اُس نے لوگوں کو ناستکتا کی تعلیم سے بچایا اور پرماتما کی بھگتی میں لگایا۔ اُس نے مردوں کو ایک دُوسرے سے محبّت کرنا سکھایا اور کئی سال تک اپنی تعلیم سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا رہا۔ اُس نے اپنی جس کتاب کو الہامی کتاب کی صُورت میں لوگوں کے پیش کیا ہے۔ وہ کوئی ضخیم یا بڑی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ مذہبی دُنیا میں وہ سب سے چھوٹی کتاب سمجھی جاوے تو مناسب ہے۔ اُس میں باتیں بھی سادھارن ہی پائی جاتی ہیں۔ لیکن پارسی لوگوں کے دل میں اُس کے لئے اس قدر عزّت اور شردھا ہے کہ لاکھوں پارسی آج بھی ہر روز اُس کا پاٹھ کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں ؂

دُنیا کا مشہور فلاسفر نیوٹن ہم جیسا ہی ایک انسان تھا۔ مگر اُس میں ایک واقعہ کو دیکھ کر غور و خوض کرنے کا جو قدرتی مادہ تھا۔ اُس نے اُسے عام لوگوں کی قطار سے اُٹھا کر بلند رُتبہ پر پہنچا دیا۔ دُنیا میں لاکھوں نر ناری روزمرّہ کئی کئی دفعہ اُوپر سے نیچے گرتی ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ مگر وہ کبھی کوئی نئی بات اس میں محسوس نہیں کرتے۔ لیکن نیوٹن کی متفکرین نگاہوں نے ایک ہی بار ایک درخت کا پھل زمین پر گرتے دیکھ کر نتیجہ نکالا کہ ضرور کوئی طاقت ہے جو فاصلے سے ہر ایک چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور سوچتے سوچتے اُسے کشش ثقل کا پتہ لگ گیا۔ جس کی بدولت آج دُنیا نئی نئی ایجادوں میں مصروف ہے۔ مہاتما بُدھ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔ جو ہر ایک بات کو دل کی آنکھوں سے دیکھتے اور ان کے نتائج پر غور کرتے ہیں۔ یہ دُرست ہے۔ کہ مہاتما بُدھ ایک راجہ کا کنور تھا۔ مگر کیا اس کی مانند اور بہت سے راج کنور نہیں ہو گذرے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آج باوجود ڈھائی ہزار سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے مہاتما بُدھ کا نام تو کروڑوں لوگوں کی زبان پر ہے اور وہ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ لیکن دُوسرے راج کنوروں کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ بُدھ میں کوئی خصوصیت تھی۔ جس نے اُسے اس بلند مرتبہ پر پہنچایا۔ جہاں کہ آج وہ ہم کو نظر آتا ہے۔ اور یہ خصوصیت اِس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ وہ دنیا میں واقعہ ہونے والی ہر ایک بات کو نظرِ غور سے دیکھتا تھا۔ اور اُس سے عملی سبق سیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

بُدھ کی پیدائش کو آج ڈھائی ہزار سال کے قریب عرصہ ہوتا ہے۔ اِس مہاتما

کا جنم ریاست کپل وستو کے راجہ کے ہاں ہوا۔ یہ ریاست مُلک نیپال کی ترائی میں واقع ہے۔ اور یہاں کے راجہ کا نام شدھودھن تھا۔ اس راجہ کا تعلق اکشواکو نسل سے بتایا جاتا ہے جس سے کہ راجہ رامچندر جی پیدا ہوئے تھے۔ راجہ کی دو رانیاں تھیں ایک کا نام مہا مایا تھا اور دُوسری کو گوتمی کہتے تھے۔ بُدھ بڑھاپے کی حالت میں باپ کے گھر پیدا ہُوا تھا۔ اور ابھی چند ہی روز کا تھا کہ اس کی ماتا مہا مایا کا انتقال ہو گیا۔ مرتے وقت اِس دیوی نے گوتمی کو کہا کہ مَیں صرف بیٹے کو جنم دینے کیلئے تھی۔ اِس کی پرورش اور اِسے گود میں کھلانا میرے نصیبوں میں نہ تھا۔ مَیں اِس بچّے کو تیری گود میں دیتی ہوں۔ تُو نے ہی اِسے پرورش کرنا اور باپ کی مانند بہادُر منصف اور نیکدل بنانا۔ یہ الفاظ کہہ کر مہا مایا نے آخری سانس لیا اور بُدھ کی پرورش گوتمی کے سُپرد ہوئی۔ گوتمی نے اس یتیم بچّے کو جس کی ماتا اسے چند روز کا ہی چھوڑ کر اس دُنیا سے کُوچ کر گئی تھی۔ اِس طرح پرورش کیا۔ گویا کہ وہ اُس کے ہی پیٹ سے پیدا ہُوا ہے۔ اور اُسے تمام ضروری تعلیمات سے بھی بہرہ ور کیا۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی شخص کی عزّت دُنیا میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ تو پھر اُس کے بچپن کے معمولی کارناموں کو بھی خُوب رنگ دیا جاتا ہے۔ یہ نظارہ ہم کو مہاتما بُدھ کے ہی جیون چرتر میں نظر نہیں آتا۔ بلکہ ہر ایک بڑے شخص کی زندگی میں دکھائی دیتا ہے۔ اور شائد اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤرخ لوگوں کو کسی شخص کا جیون چرتر نامکمّل معلوم ہوتا ہے۔ جب تک کہ اُس کے بچپن کے زمانہ کے ساتھ چند ایسے واقعات منسوب نہ ہوں۔ جو حیران کرنے والے ہوں۔ اگر بدقسمتی سے مورّخوں کو کسی شخص کی زندگی میں ایسے واقعات نہ ملیں تو وہ اپنی طرف سے بھی اس کمی کو پُورا کرنے کی کوشش سے باز نہیں رہتے۔ چنانچہ ہم ان رنگین مزاج مورخوں کو مہاتما بُدھ کے بچپن کے

حالات کو بیان کرتے ہوئے کئی ایسے واقعات بتلائے ہیں۔ جن کو نظر انداز کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سدھارتھ جو بدھ کا پہلا نام ہے۔ ابھی پانچ سال کا ہی تھا کہ اُسے باقاعدہ تربیت کیلئے اُستاد کے حوالہ کیا گیا۔ اور اس نے تعلیم پانی شروع کی۔ سدھارتھ میں عام بچّوں کی طرح کھیل کود کی عادت بہت کم تھی۔ بلکہ وہ اپنا زیادہ وقت اکیلا بیٹھنے اور معمولی معمولی باتوں کے سوچنے میں صرف کیا کرتا تھا۔ وہ جوں جوں بڑا ہوتا جاتا تھا۔ اُس کی یہ عادت بھی پختہ ہوتی جاتی تھی۔ باپ کی طرف سے عیش کا تمام سامان موجود تھا۔ لیکن بدھ کی ان چیزوں کی طرف بہت کم رغبت تھی۔ راجہ شدھودھن کو فکر ہُوا کہ اُس کا بیٹا فقیرانہ خیالات رکھتا ہے وہ اپنے بعد اپنے جیسا ہی ایک بہادر راجہ چاہتا تھا۔ جو اُس کی سلطنت کا وارث ہو۔ اس لئے اُسے بڑا رنج ہُوا۔ جب اُس نے دیکھا کہ بدھ کی طبیعت میں راج کاج کا اسقدر خیال نہیں ہے۔ فکر کی حالت میں اُس نے سوچا کہ کیا کیا جاوے؟ اُس کے وزراء نے مشورہ دیا کہ اگر بدھ کی شادی کردی جاوے تو خوبصورت نازک بدن عورت اُس کی توجّہ کو اپنی طرف کھینچنے لگی اور سدھارتھ دنیاوی کاموں کی طرف متوجہ ہو جاویگا شدھودھن نے آس پاس کے راجاؤں کی طرف خطوط لکھے۔ اور اُسے معلوم ہُوا کہ راجہ ڈنڈپانی کی ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی قابل شادی ہے۔ اگر اس کی شادی سدھارتھ سے کردی جاوے تو کام بن جاویگا۔ راجہ شدھودھن نے راجہ ڈنڈپانی کو اپنے ارادہ سے آگاہ کیا اور کہا کہ سدھارتھ کو اپنی دامادی میں قبول کرے۔ ڈنڈپانی نے کہلا بھیجا کہ اس نے یہ عہد کیا ہے کہ جو راج کنوار حُسن۔ چالاکی۔ ہوشیاری اور بہادری میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے جاویگا۔ وُہی اس کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا مستحق ہوگا۔

سدھارتھ کے کان میں بھی یہ آواز پہنچائی گئی۔ اور اُس کے کشاترِ دھرم کو اپیل کی گئی کہ وہ مقابلہ میں آگے بڑھے۔ بُزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹے۔ سدھارتھ کے دل میں یہ بات

کھُب گئی - اُس نے سوچا کہ ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگوانا اچھا نہیں ہے۔ اس سے کشاتر دھرم کی بدنامی ہو گی - راجہ کو بھی معلوم ہؤا کہ اُس کی بات راج کنوار کے دِل پر اثر کر گئی ہے۔ اور اب وُہ اپنے آپ کو دوسرے راج کنواروں کے مقابلہ میں پیچھے رکھنا نہیں چاہتا۔ راجہ کو اس خبر سے مسرت ہوئی۔ اور چند روز بعد اُس نے ریاست کپل وستو میں اپنے ارد گرد کے تمام راج کنواروں کو جمع کیا۔ وہ میدانِ مقابلہ میں اپنے اپنے جوہر بہادری دکھاویں۔ کئی ایک راجاؤں کے بہادر لڑکے اس مقابلہ کے میدان میں آئے۔ اور سب نے اپنے اپنے کرتب لوگوں کو دکھلائے۔ اس بات کا فیصلہ دینے کیلئے کہ کون سب میں ہوشیار اور بہادر ہے - ایک باقاعدہ کمیشن مقرر تھا۔ سدھارتھ نے بھی اپنی بہادری کے کرتب دکھلائے۔ اور سب سے گوئے سبقت لیگیا۔ سدھارتھ کی بہادری کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں بجانے کے لئے یہ کام کیا گیا تھا۔ اور اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ اُس راج کنوار کی بہادری کا سکہ جو کہ ڈرپوک اور گوشہ نشینی کیلئے مشہور تھا سب کے دِلوں پر بیٹھ گیا اور کمیشن کے ممبروں نے فیصلہ دیدیا کہ سدھارتھ اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ دلیر بہادر اور طاقتور ہے۔

راجہ شدھودھن نے کمیشن کا یہ فیصلہ راجہ ڈنڈپانی کے پاس بھیجا۔ اور درخواست کی کہ راج کنواری جسودرا کی شادی اُس کے ساتھ کر دی جاوے۔ راجہ ڈنڈپانی کو اب اس درخواست کے منظور کرنے میں کوئی انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ سدھارتھ کو دِل سے چاہتا تھا جب اُسے معلوم ہو گیا کہ سدھارتھ نے میدانِ بہادری میں اپنے آپ کو جسودرا کے ہاتھ کا مستحق ثابت کر دیا ہے۔ اُس نے اپنی بیٹی کی شادی کا فیصلہ اُس کے ساتھ کر دیا۔ اور چند روز بعد بڑی شان و شوکت کے ساتھ خوبصورتی کی پتلی جسودرا راج کنور سدھارتھ کے پہلو میں آبیٹھی۔ سدھارتھ خود بھی خوبصورت تھا۔ ایک خوبصورت دلہن کے ساتھ زندگی کا دور شروع کر کے اُس کے دِل کی خوشی بڑھ گئی۔ راجہ شدھودھن کے محلوں میں جس جگہ جسودرا

نے قدم رکھا۔ اُس نے شکر کیا کہ اُس کے خاندان کی ترقی کے راستہ میں جو رُکاوٹ تھی۔ وہ دُور ہو گئی ہے۔ تمام ریاست کپل وستو میں خوشیاں منائی گئیں جسودا اگر چاند کا ٹکڑا تھی۔ تو سدہارتھ سُورج سے کم نہ تھا۔ جس طرح سُورج تیج کا بھنڈار ہے۔ اور چاند سردی کا مخزن ہے اسی طرح سدہارتھ طاقت کا نمونہ تھا۔ اور جسودا ملائمیت کا نمونہ تھی۔ شادی کے بعد سدہارتھ اپنی استری کے ساتھ پریم سے رہنے لگا۔ اس سے راجہ شدھودھن کی خوشی اَور بھی دوبالا ہوگئی۔ اور وہ سمجھنے لگا کہ مست ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی گئی ہے۔ اب وہ کہاں جا سکتا ہے؟

استری کی طاقت ایک بڑی طاقت ہے۔ اس کے مقابلہ میں دُنیا کی شہزوری اور سینہ زوری نے آخر ہار مان لی ہے۔ جس دل کو دُنیا کی دولت۔ دُنیا کی حکُومت اور دُنیا کا رُعب نرم نہیں کر سکتا۔ وہ دل عورت کی ایک نگاہ سے جُھک جاتا ہے۔ عورت کی ایک نظر انسانی غرور کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ اور اُس کا ایک اشارہ انسانی دل کو ٹکڑے کر ڈالتا ہے لنکا نریش راون اپنے تخت سلطنت پر بیٹھ کر کسی کی پروا نہ کرتا تھا۔ اس کا دماغ مارے غرور کے آسمان سے بھی اُوپر رہتا تھا۔ مگر جس وقت خوبصُورتی مجسّم سیتا کے سامنے جاتا ہے۔ اُس کی حالت بدل جاتی ہے۔ وہ دبدبہ سے نہیں بلکہ عاجزی سے عفّت کی مثال مہارانی سیتا سے بات کرتا ہے۔ بلکہ اپنا سر اس کے قدموں پر جُھکانے کو تیار رہتا ہے۔ وشوامتر بڑا مرتاض یوگی تھا۔ اُس کا تپ دُنیا میں مشہور ہے۔ مگر عورت کی نظر کا مقابلہ وہ بھی نہ کر سکا۔ عورت کے ایک ہی وار نے اُس کی ریاضت کا خاتمہ کر دیا۔ وہ یوگ وغیرہ سب کچھ بھول گیا۔ بلکہ اُس کے دل میں اگر کوئی خیال باقی رہا تو پیاری بیوی کا ہی تھا۔ سدہارتھ بھی اپنے آپ کو جسودا کی خوبصُورتی کا شکار ہونے سے نہ بچا سکا۔ بلکہ جسودا نے اُس کے دل کو بُری طرح قابو کر لیا۔

راجہ شدھودھن کے محل میں جسودا کے آنے سے بڑی خوشی تھی۔ یہ خوشی اَور بھی بڑھ

جاتی تھی۔ جبکہ یہ خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا تھا کہ جیسے کسی طرح رشتہ نے راج کنور سدھارتھ کو فقیرانہ خیالات سے نکال لیا ہے۔ اور ایک اچھا دُنیادار بنا دیا ہے کئی سال اِسی طرح امن و امان سے گُذر گئے۔ سدھارتھ کے دِل میں کئی بار دُنیا کی بے ثباتی کا خیال آتا۔ مگر جونہی اُس کی نظر جسودا کے چہرے پر پڑتی تھی۔ اُس کے دل سے یہ خیال دُور ہو جاتا تھا۔ اور وہ پھر تازہ دم ہو کر دُنیا کے کاموں میں مصروف ہو جاتا تھا۔ اور وقت خوشی کے ساتھ بسر ہوتا جاتا تھا۔

جس زمانہ میں بُدھ کا جنم ہُوا۔ اُس وقت ویدک مریادا بہت کچھ ڈھیلی ہو چکی تھی۔ دُنیا میں اتیاچار بڑھ رہا تھا۔ اور لوگ مختلف دیوی دیوتاؤں کے نام سے بیزبان جانداروں کو طرح طرح کے عذاب دیکر جان سے ہلاک کرتے تھے۔ وام مارگ کا اس زمانہ میں بڑا زور تھا۔ اور سدھارتھ کی آنکھوں کے سامنے کئی دفعہ ایسا نظارہ آتا تھا کہ اُسے دیکھ کر اُسکا دِل بیٹھ جاتا تھا۔ بیزبان جانوروں کو قتل ہوتے دیکھ کر اُس کے دل پر بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ مگر یہ خرابی اِس قدر عام ہو چکی تھی کہ سُدھارتھ کی کمزور آواز اس کا کوئی انسداد نہ کرسکتی تھی۔ ایک دن جبکہ وہ سیر میں مشغول تھا۔ اُس کے سامنے ایک زخمی پرند آ پڑا جو چل نہیں سکتا تھا۔ سدھارتھ اُس کے پاس گیا اور اُسے پکڑ لیا۔ ہاتھ سے ٹٹولنے سے معلوم ہُوا کہ کسی نے اُس کے تیر مارا ہے۔ جس کے صدمہ سے خون بکثرت جاری ہے۔ سدھارتھ نے تیر نکالا اور پرند کو دلاسہ دیا۔ غریب جانور نے جو مصیبت اور دُکھ سے چلّا رہا تھا۔ اپنی زبان کھول دی۔ اور سدھارتھ نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں شکریہ کے آنسو بہا رہی ہیں۔

چند منٹ ہی گذرے تھے کہ شکاری بھی اُس جگہ آ پہنچا۔ اور سدھارتھ سے کہنے لگا کہ یہ پرند میں نے مارا تھا۔ اور میرا ہی حق ہے۔ اِس کے جواب میں سدھارتھ نے بزور کہا کہ دوست! میں نے اس پرند کو زمین پر سے پکڑا ہے۔ اس لیئے یہ میرا حق ہے۔"

شکاری کو یہ سُنکر افسوس ہُوا۔ اور کہنے لگا۔ یہ بے انصافی مناسب نہیں ہے سدہارتھ کا ڈاسب بے انصافی کا لفظ سُنکر چونک پڑا۔ اور اُس نے کہا۔ "میں سدہارتھ کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ یہ جانور میرا حق ہے۔ اگر تُو اِسے غلط سمجھتا ہے تو ہم کسی مہاتما کے پاس چلیں۔ اور جو فیصلہ وُہ دے۔ اُسے ہم دونوں کو ماننا چاہیئے۔" اس بات کو شکاری نے منظور کر لیا۔ اور وہ سدہارتھ کے ساتھ چل پڑا۔ کچھ فاصلہ پر انہیں ایک مہاتما مِل گیا۔ اور انہوں نے اپنا مقدمہ اس کے پیش کر دیا۔ شکاری نے اپنا حق جتاتے ہوئے کہا کہ "میں نے اِس پرند کو تیر مارا۔ اور میرے تیر سے یہ زخمی ہو کر زمین پر گرا ہے۔ اس لئے یہ میرا حق ہے۔" سدہارتھ نے کہا کہ اس شخص نے اس جانور کو مارنے کے لئے تیر چلایا اور اسے زخمی کر دیا۔ میں نے اِسے دُکھ سے تڑپنے کی حالت میں رحم کھا کر پکڑا اور اسے آرام دیا۔ اس کا تیر نکالا اور اسے ہوش میں لایا۔ چونکہ میں نے اس کی جان بچائی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرا حق ہے۔" مہاتما نے دونو کے بیانات سُنے اور چند منٹ سوچ کر حسبِ ذیل فیصلہ دیا:-

"اگر زندگی کوئی چیز ہے۔ اور اس کی کچھ قیمت ہے۔ تو میں فیصلہ دیتا ہوں کہ ایک شخص جو زندگی کا خاتمہ کرنے والا ہے۔ اُس کی نسبت وہ شخص جو زندگی کی رکشا کرتا ہے۔ اِس جانور کا زیادہ مستحق ہے۔ سدہارتھ نے اِس پرند کی جان بچائی ہے۔ لہذا وہ اس کا حقدار ہے۔ اور میں حکم دیتا ہوں کہ جانور اُس کے ہی پاس رہے۔"

سدہارتھ اِس فیصلہ سے بڑا خوش ہُوا۔ اور اُسے زندگی کی قدر اس وقت معلوم ہوئی وہ خوشی خوشی پرند کو لیکر اپنے محلوں کو چلا گیا۔ اور بہت دیر تک اس کا علاج معالجہ کرتا رہا۔ جب اُس نے دیکھا کہ اب وہ بالکل تندرست ہو گیا ہے۔ تو اُس نے اپنے ہاتھ سے یہ کہتے ہوئے اُڑا دیا "پیارے پرندا جب تک تم ہمارا مدد کے مُتلاشی

تھے میں نے تمہاری خدمت کی۔ اب تم تندرست ہو۔ اور اپنی حفاظت آپ کر سکتے ہو۔ اب تمہاری آزادی میں مخل ہونا ظلم ہے۔ اِس لئے میں تم کو چھوڑتا ہوں آزادی سے جہاں چاہو۔ جاؤ۔ کوئی تمہارا مزاحم نہیں ہے"۔

جب کوئی اچھا سادھو مہاتما کپل وستو میں آتا تھا۔ سدھارتھ اُس سے ملاقات اور بات چیت کرتا۔ مذہبی امور کو دریافت کر کے اُس کا دل بڑا خوش ہوتا تھا۔ اور اکثر اوقات جب اکیلا ہوتا تو سایہ دار درخت کے تلے بیٹھ کر رُوحانی باتوں پر وچار کیا کرتا تھا۔ ایک روز جبکہ وُہ ایسی ہی اوستھا میں بیٹھا تھا۔ ایک نوکر دوڑتا ہُوا اُس کے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "راج کنور! مبارک ہو۔ آپ کے گھر بالک پیدا ہُوا ہے"۔ اس کے ساتھ ہی اس کے کانوں میں چاروں طرف سے شادیانے بجنے کی آوازیں آنے لگیں اور یہ شور بلند ہو گیا کہ راجہ شدھودھن کے پوترا پیدا ہُوا ہے۔ یہ خبر جس کے کانوں میں پڑتی تھی۔ اسے سنکر خوش ہو جاتا تھا۔ مگر سدھارتھ کے دل پر اس کا اُلٹا اثر ہُوا۔ وہ سوچنے لگا کہ "بیٹے کی پیدائش سے میری دُنیاوی کڑیوں میں ایک اور مضبوط کڑی کا اضافہ ہو گیا ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا۔ کہ ایک دن دُنیا سے کنارہ کش ہو کر زندگی کی ماہئیت پر غور کروں گا۔ اور سوچوں گا کہ یہ زندگی کیا چیز ہے؟ مگر دُنیاوی تعلقات کمزور ہونے کی بجائے اور بھی مضبوط ہوتے جاتے ہیں"۔ سدھارتھ بہت دیر تک ایسے ہی خیالات میں مست رہا۔ اور آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ "میں آج ہی تمام دنیاوی تعلقات و رشتہ داری کو توڑ دُونگا۔ اور شاہی محلات سے باہر چلا جاؤں گا"۔

یہ سوچ کر سدھارتھ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور اپنے باپ شدھودھن کی خدمت میں پہنچا راجہ آج خوشی میں مست تھا۔ اُسے پوتے کی پیدائش کی بڑی خوشی تھی۔ اور وہ اس وقت کپڑوں میں پھولا نہ سماتا تھا۔ دربان نے کہا کہ راج کنور ملنے کو آیا ہے۔ باپ نے

حکم دیا کہ آنے دو۔ اور چند منٹ میں باپ بیٹا ایک جگہ جمع ہو گئے۔ یہ ملاقات نہایت ہی رقت آمیز تھی۔ سدھارتھ نے آتے ہی پرنام کر کے کہا۔

سدھارتھ:۔ پتا جی! میرا دل دکھی سنسار کو دیکھ کر بڑا دکھی ہوتا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ان دکھوں سے نہ صرف خود ہی نجات پاؤں بلکہ دوسروں کو بھی نجات کا راستہ دکھاؤں۔

بیٹے کی یہ بات سُنکر شدھودھن کے ہوش اُڑ گئے۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور حیرانی کی حالت میں اُس نے کہا۔

راجہ۔ بیٹا! یہ تم نے کیا کہا؟

سدھارتھ۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے کنارہ کروں اور دنیا کے دکھوں سے نکلوں۔

راجہ:۔ سدھارتھ! یہ تم کو کیا ہو گیا۔ باپ کے بڑھاپے پر رحم کرو۔ اور اپنے خیال سے درگذر کرو۔

سدھارتھ:۔ آپ جیسے اور بھی بہت سے بوڑھے ہیں۔ میں اُن سب کی خدمت کرنی چاہتا ہوں۔

راجہ:۔ تم مجھ اندھے کی آنکھ اور بوڑھے کی لاٹھی ہو۔ تم بن میں کہیں کا نہ رہونگا۔ رحم کرو اور اپنے خیال سے درگذرو۔

سدھارتھ:۔ میں اپنے ارادہ سے باز نہیں رہ سکتا۔ میں ضرور اپنے آپ کو دنیا سے دکھ دور کرنے کے لئے جدوجہد میں ڈالونگا۔ آپ میرا حوصلہ کم نہ کریں۔ میں ایک نیک کام کے لئے قدم بڑھانے لگا ہوں۔

راجہ۔ بیٹا! اگر تم کو مجھ بوڑھے کا خیال نہیں آتا۔ تو اپنی غریب استری کا خیال کرو۔ وہ تمہارے غم میں مر جاویگی۔ اس کی حالت پر ترس کرو۔ اور شاہی محلوں سے باہر قدم نہ رکھو۔

سدھارتھ:- استری کی محبت مجھے میرے ارادے سے نہیں روک سکتی۔
راجہ:- چھوٹے راج کنوار کا خیال کرو۔ جو ابھی دُنیا میں آیا ہے۔ اور جس نے دُنیا کا کچھ بھی نہیں دیکھا۔ تمہارا دل کس طرح گوارا کرتا ہے کہ ایک دن کے بچّے کو باپ کے سایہ بنا چھوڑ کر چلے جاؤ؟
سدھارتھ:- پتاجی! یہ راج کنور ہی میری نجات کا باعث ہے۔ اس کی پیدائش نے ہی میرے بھولے ہوئے خیالات کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ آپ کے زیر سایہ اسے کسی بات کی تکلیف نہیں ہوگی۔ مجھے جانے دو۔
راجہ:- اے موت! تو کیوں دیر کرتی ہے۔ آ اور جلد اس بُوڑھے کا خاتمہ کر۔ جس کا نوجوان بیٹا اُسے عین بڑھاپے کی حالت میں زندہ درگور کر چھوڑے جاتا ہے۔ پیارے سدھارتھ! اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کرو۔ مجھ سے جسودا کی مصیبت نہ دیکھی جاویگی۔ اور اُس کی چیخیں جو وہ تمہاری جُدائی میں ماریگی، میرا دل چھید دیں گی۔ رحم کرو۔ اور اپنا خیال ترک کردو۔
یہ کہہ کر راجہ شدھودھن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور سدھارتھ بھی رونے لگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب ان کو ہوش آیا۔ تو سدھارتھ وہاں سے چلا آیا۔ اس نے چاہا کہ جاکر جسودا سے بھی اجازت مانگے۔ مگر پھر یہ خیال کرکے کہ وہ اس وقت بڑی نازک حالت میں ہے۔ شاید اس خبر سے اُسے سخت صدمہ پہنچے۔ جسے وہ برداشت نہ کر سکے۔ اپنے ارادہ سے باز رہا۔ اور چند روز یونہی گذر گئے۔ راجہ شدھودھن نے اپنے وزیروں اور امیروں کو کہا کہ جس طرح بھی ہوسکے۔ وہ سدھارتھ کو فقیر بننے سے روکیں۔ ان سب نے مل کر اور علیحدہ علیحدہ کوشش کی مگر سدھارتھ نے کسی کی نہ سُنی اور برابر اپنے ارادہ پر مضبوطی سے قایم رہا۔
جب راجہ اور سرکاری نوکروں نے دیکھا کہ وہ اپنے خیالات سے باز نہیں آتا۔

اُنھوں نے اس کی حفاظت کا بڑا انتظام کیا۔ محل کے اردگرد فوج کا پہرہ لگوا دیا گیا۔ تاکہ جب
وقت راج کنور شاہی محلات کو چھوڑے۔ اسی وقت راجہ کو اطلاع دی جاوے۔ جب
سدھارتھ نے یہ حال دیکھا۔ تو اپنے ارادہ میں ڈھیلا پڑ گیا۔ تاکہ اس کی حفاظت کے
لئے جو انتظام سوچا گیا ہے۔ وہ بھی ڈھیلا ہو جاوے۔ چنانچہ اُسے اس خیال میں پوری
کامیابی ہوئی۔ اور وہ رات آ پہنچی۔ جبکہ اُس نے اپنے شاہی محل کو بغیر کسی کی اطلاع کے
چھوڑنے کا مصمم ارادہ کیا تھا۔ اپنے گھر کو چھوڑنے سے پہلے اُس نے چاہا کہ وہ ایک بار
جسودا کو مل آوے۔ اور نوزائیدہ بچے کو پیار کر آوے۔ اسلئے وہ بے دھڑک جسودا
کے کمرے میں چلا گیا۔

جسودا اپنے پیارے لخت جگر کو کلیجہ سے لگائے پڑی تھی۔ اور گہری نیند میں سو رہی
تھی۔ بچہ بھی اپنی ماتا کے کلیجہ سے چمٹا ہوا بیخوف سو رہا تھا۔ "جسودا! کیا تجھے پتہ ہے۔
کہ تیرا پران پتی جسے تو اپنے جسم اور جان سے بھی پیارا رکھتی ہے۔ آج تجھے چھوڑے
جاتا ہے"۔ سدھارتھ نے چاہا کہ چلتے چلتے اپنی دھرم پتنی سے کچھ بات چیت کرے اور
تسلی دیتا جاوے۔ مگر پھر کسی ارادہ سے خاموش رہا۔ اور ٹکٹکی باندھ کر استری اور
بچے کی طرف دیکھتا رہا۔ بچے کی خوبصورت شکل کو دیکھ کر اُس کے دل میں خیال آتا تھا
کہ وہ ابھی اپنے ارادے کو ترک کر دے۔ اور چند ماہ جب تک کہ بچہ بڑا نہ ہو جاوے۔ اور
صبر کرے۔ مگر پھر اُس کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ خواہ مخواہ دیر کرنے سے کام بگڑ
جانے کا خوف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ وقت ہاتھ سے جا کر پھر موقعہ نہ ملے۔ اور ان سے
بھی زیادہ مضبوط کوئی زنجیر میرے پاؤں جکڑ دے۔ سدھارتھ نے اپنا مُنہ جھکایا اور
چاہا کہ ننھے بچے کا ایک بوسہ لیلے۔ لیکن پھر اسکے یا جسودا کے جاگ اُٹھنے کے خوف سے اُس
نے یہ ارادہ بھی ترک کر دیا۔ سدھارتھ چند منٹ کیلئے سوچتا رہا کہ دُنیا کیسی دلفریب ہے
مگر اس کی دلفریبی میں پھنس نہ جانا چاہیئے۔ آخر سدھارتھ نے سوچا کہ اب یہاں

سے چلنا چاہیئے۔ قدم پیچھے اُٹھانے کے خیال سے اُس کا دل بھر آیا۔ پُرانی محبت نے
جوش مارا۔ اور سدہارتھ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری ہو گیا۔ "پیاری جسودا!
آج تیرا پران پتی تجھ سے سدا کے لئے جُدا ہو رہا ہے۔ اور لوگ تو موت کے بس ہو کر اپنی
دھرم پتنیوں کو چھوڑتے ہیں۔ مگر سدہارتھ آج زندہ ہوتے ہوئے اپنی خوبصورت استری
کے لئے مرتا ہے۔ اور اُسے اکیلا چھوڑتا ہے۔ ایک دن تھا جبکہ وہ خوشی خوشی تجھے لایا
تھا۔ اور تیرے ساتھ آرام کی زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر آج وہ تجھ کو چھوڑے جاتا ہے۔
وُہ جانتا ہے کہ اُس کی جُدائی تیرے لئے شاق ہوگی۔ اور تو رو رو کر اپنی جان دیدیگی
مگر کیا کرے وُہ دُوسروں کی بھلائی کے لئے تجھے رُلاتا ہے۔ اور اپنا آرام بھی چھوڑتا
ہے"۔ سدہارتھ کے دل میں ایک خیال آتا تھا اور دُوسرا جاتا تھا۔ اُس کے قدم زمین کو
نہ چھوڑتے تھے۔ آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے۔ آخر بہت مشکل سے اُس نے رانی
اور کنور کو آخری نگاہ سے دیکھا۔ اور روتے ہوئے اپنا منہ پھیر کر قدم محل سے باہر نکالا۔
محل کے آدمی سو رہے تھے۔ راج کنور اپنے نکلنے کے لئے راہ تلاش کرنے لگا۔ اتفاق
سے ایک چوکیدار چھندک اُس وقت جاگ پڑا۔ اُس نے پاؤں کی آہٹ سُنی اور سدہارتھ
کے پاس آگیا۔ سدہارتھ نے اُسے بڑی عاجزی سے کہا کہ وہ خاموش رہے اور اسکے
ہمراہ چل کر اُسے محل سے باہر چھوڑ آوے۔ چھندک نے چاہا کہ وہ دُوسرے لوگوں کو
اطلاع دیکر سدہارتھ کا راستہ روک دے۔ لیکن جب اُسے بھلائی اور نیکی کا واسطہ
دیا گیا۔ اُس کی آواز بند ہو گئی۔ اور اُس نے راج کنور کو محل کی چاردیواری سے باہر
نکلنے میں بڑی مدد دی۔ اور یہ دونوں محل سے باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سدہارتھ
نے وفادار چوکیدار کو گلے سے لگایا اور اُس سے رخصت ہو کر جنگل کی طرف چل دیا۔
تاکہ زندگی کے راز کو دریافت کرے۔ جب وہ کپل وستو کی حد سے باہر نکل رہا تھا۔
اُس نے دھیمی زبان سے کہا :-

"کپل وستو! میں تجھ سے الگ ہو رہا ہوں۔ میں تجھے چھوڑ رہا ہوں۔ اور نہیں جانتا کہ میرے پاؤں پھر کبھی مجھے تجھ تک لاوینگے یا نہیں۔ میں تجھ میں واپس نہیں آؤنگا۔ اگر مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہ ہوئی۔ مجھ پر آج سے تمام عیش و عشرت حرام ہے۔ میں دوسروں کا دُکھ دور کرونگا اور اپنی قسمت سدھارونگا۔ میں اس آخری وقت میں تیری آشیرواد چاہتا ہوں۔"

بُدھ! استقلال کا پتلا بُدھ! قدم بڑھائے چلا گیا۔ جس وقت دن کی روشنی نظر آنے لگی۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے بدن پر قیمتی لباس ہے جو اُس کی شناخت میں بڑا کام دیگا اُس نے چاہا کہ اس شناخت کو جو بہت کچھ تکبر کا بھی باعث ہے تلانجلی دے۔ اس کے لئے اُسے زیادہ فکر نہ کرنا پڑا۔ کیونکہ نزدیک ہی ایک غریب شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے جا رہا تھا۔ بدھ نے اپنے کپڑے اُس کے ساتھ بدل لئے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہن کر اپنے سفر پر چل دیا۔ اس وقت سدھارتھ کی عمر صرف ۲۹ سال کی تھی۔ دن چڑھتے ہی راجہ کپل وستو کے محلوں میں شور مچ گیا۔ راجہ شدھودھن یہ سوچ کر کہ سدھارتھ اُسے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ پاگل بن گیا۔ سدھارتھ کی ماتا گوتمی چیخ مار کر گر پڑی اور بیہوش ہو گئی۔ تمام محل میں رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ جس وقت یہ خبر جسودا کے کان میں پہنچی وہ زچہ خانہ میں تھی۔ ننھی سی جان جو سدھارتھ کی آخری نشانی تھی۔ اُس کی گود میں تھی۔ جسودا کے دل پر سدھارتھ کے چلے جانے کی خبر نے بجلی گرا دی۔ اور لوگ رو کر اور چلا کر اپنا رنج دوسروں پر ظاہر کرتے تھے۔ مگر جسودا کی زبان مارے شرم کے بند تھی۔ اُس نے چھندک کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ چھندک! کیوں تو نے جب تو جانتا تھا کہ راج کنور بھاگنے لگا ہے۔ دوسروں کو خبر نہ کی۔ چھندک کی آنکھوں میں بھی جسودا کی غمناک صورت دیکھ کر آنسو بھر آئے۔ اور اُس نے روتے ہوئے سارا حال کہہ دیا کہ سدھارتھ کے نیکی

اور بھلائی کا واسطہ دینے نے اُس کی زبان کو سی دیا اور وہ ایک حرف بھی نہ بول سکا۔ چھندک کے جواب سے مبودا کی تسلّی ہوگئی۔ مگر اُس نے اُسی وقت ایک تیز تلوار لی اور یہ کہہ کر "جب پریتم ہی نہیں رہا۔ تو یہ گیسو جو اُس کے لئے ہی تھے۔ کس کام آوینگے؟" اپنے لمبے لمبے بال کاٹ کر فرش پر ڈال دیئے۔ اُس نے اپنا شاہی لباس اُتار دیا اور معمولی کپڑے پہن لئے۔ تمام زیور اُتار دیا اور سادہ زندگی بسر کرنی شروع کی۔ بناؤ سنگار کا تو نام ہی کیا ہے۔ اُس نے پلنگوں اور سنگھاسنوں پر سونے کی بجائے زمین پر بستر لگا دیا۔ اور فقیروں کی طرح رہنے لگی۔ جب راجہ ونڈپانی نے سُنا کہ اُس کی بیٹی اپنے پتی کی جدائی سے بیتاب ہے۔ وہ اس کی تسلّی کرنے کے لئے آیا۔ اور اس کی حالت دیکھ کر ضبط نہ کر سکا۔ اُس نے کہا "بیٹی! بہتر ہے۔ تو میرے ساتھ چل۔ اور میرے گھر میں آرام سے رہ۔ اس کے جواب میں جسودا نے کہا:-

"پتا جی! اب میں اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤنگی۔ مجھے جہاں میرا پتی چھوڑ گیا ہے۔ میں وہاں ہی رہنا اپنا دھرم سمجھتی ہوں میرا پتی فقیر ہونے کے لئے گیا ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔ مگر میں اپنی وہی شکل بناؤنگی۔ جو میرے پتی نے بنائی ہے۔ اس گھر میں ہی میرے سکھوں کا خاتمہ ہوا ہے۔ اور یہاں ہی میرے دُکھوں کا بھی خاتمہ ہوگا۔ یہ گھر مجھے سدھارتھ کی نشانی ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں۔ اس نشانی کو اپنی آنکھوں سے دُور نہ ہونے دُونگی۔"

اس کے بعد راجہ ونڈپانی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ پڑا۔ اور وہ اپنی لڑکی کو چھوڑ کر اپنی راجدھانی کو واپس چلا گیا۔ اور اُس نے بہت سے جاسوسوں کو سدھارتھ کی تلاش کے لئے مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ جہاں کہیں وہ اُن کو ملے۔ اُسے بہ حفاظت تمام اُس کے پاس لے آویں۔

گھر سے نکل کر سدھارتھ نے کسی مقام پر زیادہ قیام نہ کیا۔ بلکہ بہ تبدیل لباس وہ برابر سفر کرتا رہا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اُس کا گذر راجہ بمبی سار کے علاقہ کے قریب یانی سے ہوا۔ اگرچہ سدھارتھ فقیرانہ لباس میں رہتا تھا۔ مگر اس کی شکل سے ہر شخص کو یہ گمان پڑتا تھا کہ وُہ ضرور کوئی راج کنور ہے۔ ایک روز صبح ہی سدھارتھ اپنے نت کرم سے فارغ ہوا تھا کہ اُس نے کئی آدمیوں کو بہت سی بکریاں ہانکتے ہوئے دیکھا۔ سدھارتھ نے پُوچھا کہ ان بکریوں کو کہاں لے جاؤ گے؟ بکریوں کے مالکوں نے جواب دیا کہ یہ راجہ کے یگیہ میں قربان کی جاوینگی۔ یہ سُنکر سدھارتھ جھپکا اور اِس قدر بیزبانوں کی قربانی کا خیال کر کے اُس کا دل اوداس ہو گیا۔ وہ ان لوگوں سے تو کچھ نہ بولا۔ لیکن چُپ چاپ ان کے ہمراہ ہو گیا۔ اور راجہ بمبی سار کے پاس جا پُہنچا۔ راجہ بڑے تپاک سے اس کے ساتھ ملا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک شخص بکریوں کو قربانی سے بچانے کیلئے آیا ہے۔ وہ حیرانی سے اُسے دیکھنے کیلئے آنے لگے۔ اور اُس کی شکل دیکھ کر ششدرہ رہ گئے۔ راجہ بمبی سار کے ساتھ سدھارتھ نے صرف ایک بات کی۔ اُس نے پُوچھا کہ "راجن! مجھے بتاؤ کہ جان لینا دھرم ہے یا جان دینا"۔ راجہ اِس کا کچھ جواب نہ دے سکا۔ اُس نے اپنے پنڈتوں کو کہا کہ وُہ سدھارتھ کے ساتھ بحث کریں۔ درجنوں پنڈت سدھارتھ کے مقابلہ پر آ گئے۔ اور اُسے دھرم گرنتھ دکھلا کر کہنے لگے۔ کہ جو حُکم اِن گرنتھوں میں لکھا ہے۔ اِس کے مطابق چلنا اُن کا فرض ہے۔

سدھارتھ نے ان لوگوں کی ایک بات نہ سُنی۔ اُس نے ان گرنتھوں کو ماننے سے انکار کر دیا جن میں کہ بیزبان زندہ جانوروں کو بیرحمی سے قتل کرنیکا حُکم تھا۔ یہاں سے ہی لوگ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بُدھ ناستک تھا۔ کیونکہ اُس نے ویدوں اور اپنشدوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ بُدھ کے بارہ میں جو تحقیقات ہو رہی ہے۔ اُس نے اُس کا سچا آستک اور اپنشد پرست ہونا ثابت کر دیا ہے۔ پنڈت لوگوں نے بہت زور

لگایا کہ وُہ زندہ جانوروں کی قربانی کو جائز ثابت کریں۔ مگر سدھارتھ کی دلائل کے آگے اُن کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ اور وُہ سب کے سب شکست کھا کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ راجہ نے تمام بکریاں بجائے قربان کرنے کے سدھارتھ کے حوالہ کر دیں۔ اور اس نے اپنے ہاتھ سے اُن کے گلے کی رسیاں کھول کر یہ کہتے ہوئے اُن کو آزاد کر دیا:۔

"یہ سچا یگیہ ہے۔ بھلا جہاں دیا بھاؤ ہی نہ ہو۔ کیا اُسے بھی یگیہ کہا جا سکتا ہے؟ اگر دیوتا کوئی چیز ہیں اور وُہ قربانی لینا پسند کرتے ہیں۔ تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وُہ خُون اور ہڈیوں سے کبھی خوش نہ ہوتے ہونگے۔ اور بےزبانوں کی قربانی اُن کو پسند نہ ہوگی۔"

یہ نظارہ دیکھ کر راجہ بمبی سار اور اُس کے علاقہ کے لوگ سدھارتھ کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ راجہ نے کہا "شرومن! آپ یہاں ہی رہیں۔ یہ سلطنت آپ کی ہی ہے۔" سدھارتھ نے جواب دیا۔ میں گھر سے گیان پراپتی کے لئے نکلا ہوں۔ اور جب تک مجھے گیان حاصل نہ ہو۔ اور میں زندگی کے راز کو سمجھ نہ لوں۔ ایک جگہ قیام نہیں کر سکتا۔ اور راجہ کے اصرار پر یہ وعدہ کر کے کہ جب اُسے خود گیان پراپت ہو جاویگا۔ وُہ ضرور اُسے بھی اُپدیش کریگا۔ سدھارتھ نے آگے قدم بڑھایا۔ اور راجہ بہت دُور تک ساتھ جا کر اپنے محلوں میں واپس آگیا۔

یہاں سے چل کر بُدھ نے رودرک نامی رشی سے شکشا پانی شروع کی۔ اِس رشی کے سات سو سے زیادہ شاگرد تھے۔ جو اس کے پاس رہ کر مختلف قسم کی وِدّیا حاصل کرتے تھے۔ سدھارتھ چند ماہ یہاں رہا۔ اور جب اُسے معلوم ہو گیا کہ رودرک اسے کچھ زیادہ تعلیم نہیں دے سکتا۔ وہ وہاں سے آگے کو چلا گیا۔ رودرک کی خواہش تھی کہ سدھارتھ اُسے چھوڑ کر نہ جاوے۔ بلکہ وہ چاہتا تھا کہ سدھارتھ کو اپنے پاس ہی رکھے۔ اُس نے اُس سے کہا بھی کہ "ہم تم دونوں مِل کر شاگردوں کو شکشا دینگے"۔ مگر سدھارتھ نے اِس

بات کو منظور نہ کیا اور زیادہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آگے کو چل دیا۔ اس کے بعد سدھارتھ نے کئی لوگوں سے تعلیم حاصل کی۔ اگرچہ کئی دفعہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آیا۔ اس نے چند لوگوں کو تپ کرتے ہوئے دیکھا۔ خیال کیا کہ ان کی طرح ہی اسے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ چھ سال متواتر تپ کرتا رہا۔ اس عرصہ میں اس نے بہت کم کھایا۔ یہاں تک کہ سڈول بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ ایک روز جبکہ یہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ تو اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ چند قدم بھی نہ چل سکا۔ بلکہ غش کھا کر گر پڑا جب ہوش میں آیا تو سوچنے لگا کہ یہ طریقہ غلطی سے خالی نہیں ہے۔ مجھے جسم کی رکھشا کا مناسب انتظام کرنا چاہیئے تھا۔ یہ سوچ کر وہ آگے چلنے کو تیار ہوا۔ مگر کمزور لرزتے ہوئے پاؤں نے اسے بتا دیا کہ جس حالت میں اس نے ان کی حفاظت اور پرورش کے ضروری سادھنوں کو چھوڑ دیا ہے۔ اس حالت میں وہ بھی اس کی زیادہ خدمت نہیں کر سکتے۔ سدھارتھ ایک درخت کا تنا پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ایک گڈریئے کی لڑکی کا وہاں سے گذر ہوا۔ اس کے پاس کھیر تھی۔ سدھارتھ نے اس سے خوراک کیلئے سوال کیا۔ اور اس نے دودھ میں پکے ہوئے چاولوں کا پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ جسے کھا کر اس کی قدرے تسلی ہوئی۔ سدھارتھ کو دوبارہ کھاتے دیکھ کر اس کے پانچ شاگرد جو کچھ عرصہ سے اس کے ساتھ تھے۔ اس سے گمراہ ہو گئے۔ اور اسے چھوڑ کر بنارس کو چلے گئے۔

سدھارتھ کا مطلب ابھی پورا نہیں ہوا۔ اسے زندگی کا راز معلوم نہیں ہوا۔ اور وہ برابر اس کوشش میں مصروف ہے کہ اپنے شکوک کو مٹاوے اور وہ راستہ دریافت کرے جس پر چلنے سے انسان دکھوں اور مصیبتوں سے نجات پا سکتا ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں سے اس بارہ میں بحث کی۔ بہت سی کتب پڑھیں۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ "دنیا میں دکھ دینے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ خواہش ہے۔ جہاں جس قدر خواہش کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہاں اس قدر ہی زیادہ دکھ نظر آتا ہے۔ اس لئے دکھ سے بچنے کیلئے

ضروری ہے کہ خواہشات کو کم کرتے کرتے بالکل ہٹا دیا جاوے۔ خواہشات کے مٹ جانے سے دُکھوں کا بھی خاتمہ ہو جاویگا۔"

بُدھ مت کے گرنتھ بتاتے ہیں کہ اس سے سدھارتھ کی تسلّی ہو گئی۔ اور اُس نے سمجھ لیا کہ جو کچھ اُس نے سیکھنا تھا سیکھ لیا ہے۔ اس وقت سے ہی اس کا نام بُدھ مشہور ہو گیا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ اب اِس تعلیم کو دُوسرے لوگوں میں بھی پرچار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ بنارس میں پہنچا۔ جو اُس وقت علم اور ودوتا کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ اور جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو بنارس میں کامیاب ثابت نہ کرے۔ دُوسرے مقامات پر عزّت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بنارس میں آنے سے پہلے سدھارتھ نے چاہا کہ اپنے اُستاد رودرک سے بھی ملے۔ مگر جب وہ اُس مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ اُس کا اُستاد اِس دُنیا سے کُوچ کر گیا ہے۔ بنارس پہنچ کر بُدھ اپنے پانچوں شاگردوں سے ملا۔ جو اُسے چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ بُدھ نے اِس موقعہ پر اُنہیں ایک عُمدہ اُپدیش دیا۔ جسے سُکر وہ دوبارہ اُس کے شاگرد بن گئے۔ بنارس کے کئی پنڈتوں نے بُدھ کی تعلیم کے برخلاف آواز بلند کی۔ مگر وقت بدل چکا تھا۔ اِنسانوں کا دِل کسی ایسے رہنما کی تلاش میں تھا۔ جو اِن کو محبّت اور اتفاق کے پاک اور مضبوط رشتہ میں باندھ سکے۔ کوئی شخص بُدھ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور اُس نے بنارس میں ہی اپنا سماج قایم کر دیا۔ اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو کر اس کی تعلیم پر عمل کرنے لگے۔

بُدھ کی تعلیم بڑی سیدھی سادی تھی۔ وہ لوگوں کو سادگی کی تعلیم دیتا تھا۔ اِس لئے لوگوں کے دِلوں میں گھب جاتی تھی اور لوگ اس کی طرف کھچ آتے تھے۔ بُدھ کی عزّت بنارس کی چار دیواری سے باہر بھی پھیلنے لگی۔ اور لوگ اُس کے پاس اُپدیش سُننے کو آنے لگے۔ اور بہت سے مقامات سے اُس کے پاس پیغام آئے کہ وہ وہاں جا کر دھرم اُپدیش کرے۔ بُدھ کے لئے اب کام اِس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ اکیلا اِسے نہیں کر سکتا تھا۔

اس لئے اُس نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہا:-

"بیشمار آدمیوں کی بھلائی اور نیکی کا کام ایک شخص نہیں کر سکتا۔ اور بُدھ بھی تمام دُنیا کے لوگوں کو دھرم کے راستہ پر لانے میں اسمرتھ ہے۔ تُم نے بُدھ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ اس دھرم کے کام میں اُس کی مدد کرو۔ تم بنی نوع انسان کی بہبودی اور رفاہ کیلئے دُور دراز ملکوں میں جانے کو تیار رہو۔ اور جو شخص تم کو دھرم کا ابھلاشی ملے۔ اُسے دھرم اُپدیش دو۔ دُنیا میں ایسے لوگ بُہت ہیں۔ جن کی آنکھوں کو جہالت اور خودغرضی کی گرد نے ناکارہ کر دیا ہے۔ تم اِن لوگوں کو دھرم کا راستہ دکھاؤ اور بھولے بھٹکوں کو راہِ راست پر لاؤ۔"

بُدھ کے شاگردوں کو اپنے گورو کا جب یہ حکم ملا تو وہ اس کی تعلیم کا پرچار کرنے کے لئے ملک کے تمام حصوں میں پھیل گئے۔ اِن کا جیون خود بڑا پاک رہتا تھا۔ اِس لئے لوگوں کے دِلوں میں ان کی بات کا اثر ہوتا تھا۔ اور جس جگہ پر جاتے تھے۔ لوگوں کو بُدھ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیقرار پاتے تھے۔ یہ طریقہ بُہت دِنوں تک جاری رہا۔ آخر بدھ نے یہ انتظام کیا کہ اُس کے شاگرد سال بھر میں آٹھ ماہ تو لوگوں کو دھرم اُپدیش کریں۔ اور چار ماہ اُس پاس رہ کر خود شکشا حاصل کریں۔

بنارس میں کچھ عرصہ رہ کر اور دھرم پرچار کا مناسب بندوبست کر کے بُدھ کو راجہ بمبی سار کا وعدہ یاد آیا۔ اور اُسے دھرم اُپدیش کرنے کے لئے وہ راج گرہ تک آیا۔ اور راجہ کو مِل کر اُس کے کئی شکوک دُور کئے۔ اِس موقعہ پر بُدھ نے جو اُپدیش کیا۔ وہ بڑا ہی سُنہری اُپدیش ہے۔ اور بودھ لوگ اسے خاص نظر سے دیکھتے ہیں۔ راجہ بمبی سار کے بُدھ مت میں شامل ہونے کے بعد اور بھی بڑے بڑے آدمی اِس مت میں شامل ہونے لگے۔ اناتھ پنڈک نامی ایک شخص نے جو یتیموں کا بڑا ہمدرد تھا۔ بُدھ کی تعلیم سے متاثر ہو کر اپنا بڑا بھاری

باغ بُدھ کو دیدیا۔ اور بُدھ نے اس میں اپنے بھکشو لوگوں کی تعلیم اور رہائش کے لئے ایک سکول جاری کر دیا۔ غریب لوگ بُدھ کو اپنا بڑا سہارا سمجھتے تھے۔ کیونکہ بدھ کی تعلیم کے مطابق کوئی شخص ایک دوسرے پر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔ اور چونکہ ظلم امیر لوگ ہی غریبوں پر کرتے ہیں۔ اس لئے غریب لوگ بُدھ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ بُدھ کی طاقت دن بدن بڑھتی گئی۔

راجہ شدھودھن کو بھی خبر ملی کہ اُس کا بیٹا لوگوں کو دھرم اُپدیش کرتا ہے۔ اور اس وقت راج گرہ میں موجود ہے۔ باپ کے دل میں بیٹے کی محبت اُمڈ آئی۔ اور اُس نے اپنا خاص آدمی بُدھ کے پاس بھیجکر درخواست کی کہ راجہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ اپنے عزیز بیٹے کی شکل دیکھنا چاہتا ہے۔ بُدھ نے سوچا کہ ابھی تک راجہ نے بُدھ کی اصلی عظمت کو محسوس نہیں کیا۔ وہ فوراً آدمی کے ساتھ باپ کی ریاست میں چلا آیا۔ شدھودھن بیٹے کو فقیری لباس میں دیکھ کر حیران ہوگیا۔ اُس کے کلیجہ میں ایک سانپ سا لوٹ گیا۔ آہ! میرا بیٹا! میرا پُتر آج ہاتھ میں کاسۂ گدائی لئے ہوئے در بدر بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ رنج اور غم کی حالت میں راجہ بُدھ سے ملا۔ مگر جب اُس نے اُس کی دھرم نیت باتیں سُنیں۔ اُس کی آنکھیں کھُل گئیں اور اُس نے کہا۔ "بیشک! بیشک!! سدھارتھ! تو نے اپنا جنم سپھل کر لیا"۔ یہ کہکر راجہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ بدھ سمجھ گیا کہ راجہ اصلیت سے آگاہ ہوگیا ہے۔ وہ زیادہ نہ بولا۔ بلکہ خاموش دیکھتا رہا۔ راجہ نے پھر زبان سے ہائے کا لفظ نہیں نکالا۔ بلکہ ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہا۔ اور بڑی خوشی سے اُس سے جُدا ہوا۔

اگلے روز راجہ نے بُدھ کو اپنے محلوں میں نمنترت کیا۔ اور اُس کے تمام رشتہ دار وغیرہ ملنے کے لئے آئے۔ کئی لوگوں کے چہرے مُرجھائے ہوئے تھے۔ مگر بُدھ کے اُپدیش نے سب کو شانت کر دیا۔ اور اُس نے اُن کو سمجھا دیا کہ بُدھ نے کوئی ایسا کام نہیں

کیا۔ جس کے لئے اُنہیں رنج کرنا پڑے۔ بلکہ بدھ نے ایک ایسا قدم اُٹھایا ہے۔ جس سے اُن کی عزت میں بھی چار چاند لگ گئے ہیں۔ بہت سے رشتہ داروں نے بدھ کے درشن کر کے اپنے دل کی تسلّی کی۔ لیکن اِن ملنے والوں میں بدھ کی استری جسودا نہ آئی۔ راجہ شدھودھن نے اپنا آدمی جسودا کو بلانے کے لئے روانہ کیا۔ اور اسے کہلا بھیجا کہ بدھ گھر میں آیا ہُوا ہے۔ اُسے بھی اُس کے درشن کرنے چاہئیں۔ جسودا بدھ کے آنے سے بے خبر نہ تھی۔ وہ دانستہ بدھ کو دیکھنے نہیں گئی تھی۔ جب راجہ کے آدمی نے اُس سے چلنے کو کہا۔ تو اُس نے جواب دیا کہ میں نے سدھارتھ کی یاد کو ابھی تک دل سے دُور نہیں کیا۔ بلکہ اُس کی یاد میں ابھی تک دُکھ سہتی ہوں۔ اگر اُسے میرا ذرا بھی پاس ہوگا تو وہ خود میرے پاس آویگا۔ جسودا نے اپنے پیمانہ سے بدھ کو تولا تھا۔ مگر یہ غلط نہ تھا۔ نوکر نے راجہ سے جا کر کہا۔ کہ جسودا بدھ کو اپنے کمرے میں دیکھنا چاہتی ہے۔ بدھ نے جسودا کی یہ خواہش سُنی اور اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا۔ "دوستو! تم میرے ساتھ چلو۔ میں ضرور جسودا سے ملونگا۔ اور چونکہ وہ ابھی تک دُنیاوی بندھنوں میں قید ہے۔ اُسے آزاد کرونگا۔ دیکھنا! اگر وہ پہلی محبّت سے متاثر ہو کر میرے بدن کو چھوئے تو تم نے اُسے روکنے کی کوشش نہ کرنا۔"

یہ کہہ کر بدھ جسودا کو ملنے کے لئے خود گیا جسودا! راج کنواری جسودا اُسی کمرے میں تھی۔ جس میں کہ بدھ نے اُسے محلوں سے جاتے وقت دیکھا تھا۔ مگر اس وقت جو اس کی حالت تھی۔ وہ اور ہی تھی۔ بدن پر شاہی لباس کی بجائے میلے اور پرانے کپڑے تھے اُس کے خوبصورت بال سر سے کٹ چکے تھے۔ وہ زمین پر بیٹھی تھی۔ چہرہ اداس اور دل غمگین تھا۔ جونہی اُس نے سدھارتھ کو سامنے سے آتے دیکھا۔ اُس کے صبر کی باگ ہاتھ سے چھُٹ گئی۔ اُسے یہ خیال نہ رہا کہ بدھ اب اُس کا پران پتی نہیں رہا۔ وہ اُٹھی اور دوڑ کر بدھ کے قدموں میں گر کر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ اُس کی آواز سے تمام

محل کانپ اُٹھا۔ اور دُوسرے لوگ بھی رونے لگ گئے۔ راجہ شدھودھن بھی ساتھ تھا۔ اُس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہو رہی تھیں۔ اُس نے اپنے بیٹے بُدھ کو مخاطب کرکے کہا "جسودا نے سدھارتھ کی جُدائی سے جو صدمہ اُٹھایا ہے۔ اُس کا بیان کرنا مُشکل ہے۔ سدھارتھ کو اسے چھوڑے سات سال ہو چکے ہیں۔ اس عرصہ میں نہ تو اس نے اچھے کپڑے پہنے ہیں۔ نہ زیور بدن سے لگایا ہے۔ نہ ہی یہ کبھی پلنگ پر سوئی ہے۔ یہ مٹی کے برتنوں میں کھانا کھاتی ہے۔ اور اسی طرح زمین پر پڑی رہتی ہے۔ اس کے دل میں محبت کا عارضی نہیں بلکہ حقیقی جوش ہے۔ مہاتما بُدھ اس کی غلطی معاف کر دے"

بُدھ نے اپنی زبان کھولی اور جسودا کو اُپدیش دینا شروع کیا۔ اُس نے بتایا کہ غم کرنا اور غم میں گھُلنا سمجھدار لوگوں کا کام نہیں ہے۔ اور ہدایت کی کہ جسودا کو دھرم پر دڑھ رہ کر زندگی کے ایام بسر کرنے چاہئیں۔ بُدھ کے اُپدیش سے جسودا کے دل سے غم دُور ہو گیا اور اُسے شانتی آ گئی۔ وُہ ایک دفعہ پھر بُدھ کے پاؤں میں گر پڑی۔ مگر اس دفعہ پرانی محبت کے جوش سے نہیں بلکہ تقدیس کے خیال سے اُس نے ایسا کیا تھا۔ بُدھ نے اُسے آشیرواد دی۔ اور اس طرح اُپدیش کرتا ہُوا شاہی محلوں سے باہر چلا آیا۔

اس کے بعد بُدھ اور بھی کئی روز اس جگہ رہا۔ اور لوگوں کو اُپدیش دیتا رہا۔ ایک روز جبکہ وُہ محل کی ایک کھڑکی کے سامنے بیٹھا ہُوا روٹی کھا رہا تھا جسودا نے اُسے دیکھ لیا۔ راج کنور راہل بھی پاس ہی کھیل رہا تھا۔ جسودا نے پُتر سے کہا "جا تیرا باپ وُہ بیٹھا ہے۔ اُس کے پاس دولت کی چار کانیں ہیں۔ تو اُس سے ان کو مانگ لے کیونکہ بیٹا ہی باپ کے خزانہ کا مالک ہوتا ہے" راہل باپ کا لفظ سُنکر خوش ہو گیا۔ اور دوڑتا ہُوا بُدھ کی گود میں جا پہنچا۔ جو کچھ اس کی ماتا نے اُسے سمجھایا تھا وہی اس نے بُدھ سے کہا۔ اور بُدھ نے اسے اپنے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ چند روز

بعد اِس نے اِسے سنسکار کر کے اپنے بھکشوؤں میں ملا لیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھ اِس پہلو میں غلطی سے مبرا نہیں تھا۔ ورنہ وہ ایک چھوٹے بچّے کو ایسی ذمّہ دار زندگی میں کبھی بھی داخل نہ کرتا۔ ممکن ہے کہ آج بھارت ورش میں ننھّے بچّوں کو فقیر اور سادھو بنانے کی جو وبا پھیلی ہوئی ہے۔ اِس کا بہت کچھ تعلق بدھ کی اِس تعلیم سے بھی ہو۔ جس وقت راہل کے بھکشو ہونے کی خبر راجہ شدھودھن کو پہنچی۔ اُس نے اپنے سر کے بال نوچ ڈالے۔ اور رنج کی حالت میں بدھ کے پاس دوڑا گیا۔ اُس نے شکایت کی کہ یہ کیا کیا گیا ہے؟ بدھ کو بھی افسوس ہوا۔ مگر جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ اُس میں تبدیلی نہ آئی۔ البتہ بدھ نے اِس قدر کہا کہ آئندہ وہ کسی ننھّے بچّہ کو اُس کے والدین کی رضامندی کے بغیر بھکشو نہ بنائیگا۔ اور یہی حکم اُس نے دوسرے ساتھیوں کو بھی دے دیا۔

کپل وستو سے چلکر بدھ تمام مُلک میں گھوما۔ اور اُپدیش کرتا پھرتا رہا۔ اُس کے الفاظ میں بڑی تاثیر تھی۔ اُس کے اُپدیشوں سے اکثر خرابیاں جن کو راجاؤں کی طاقت بھی دُور نہ کر سکتی تھی۔ ایک آن کی آن میں دُور ہو گئیں۔ غریبوں اور بیزبانوں پر تو اِس کے اُپدیش نے ابرِ رحمت کی بارش کر دی۔ اِس نے اپنی سماج میں استریوں کو بھی شامل کیا۔ اور بہتوں کو بھکشونی بنا کر جا بجا نیکی اور دھرم کا اُپدیش کرنے کے لئے بھیجا۔ بدھ کی زندگی پُر از واقعات ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزار ہا باتیں جو بڑی سبق آموز ہیں۔ اِس کی بزرگی اور عظمت کا پتہ دیتی ہیں۔ اور اُن کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بے نظیر مہاں پُرش اور مذہبی ریفارمر تھا۔ اُس نے اپنی تمام عمر میں کوئی ایسا لفظ زبان سے نہیں نکالا جس سے دُوسروں کی دل آزاری ہوئی ہو۔ دوست دُشمن سب کے ساتھ اُس کا ایک سا برتاؤ تھا۔ کئی سال تک اُس نے مُلک کے کونہ کونہ میں دھرم کا ناد بجایا۔ اُس کے چیلوں اور چیلیوں نے بھی بیشمار لوگوں کو اُس کی تعلیم کا گرویدہ کیا۔ یہاں تک کہ بدھ کی زندگی میں ہی بدھ مت تمام بھارت ورش میں پھیل گیا۔ بلکہ بھارت ورش سے باہر بھی اسکے اُپدیشک جانے لگے۔

ایک دفعہ جبکہ بدھ راج گرہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ نزدیک ہی ایک بڑھیا کا نوجوان پسر موت کا شکار ہو گیا۔ بیٹے کی موت نے بڑھیا کو پاگل بنا دیا۔ اور وہ پاگلوں کی سی باتیں کرنے لگی۔ جب لوگوں نے چاہا کہ اس کے بیٹے کی لاش کو اٹھا کر جلا آویں۔ بڑھیا نے بڑا شور مچایا اور زور سے بیٹے کی لاش پر گر کر بولی۔ میں اپنے لختِ جگر کو جلانے نہ دونگی۔ میں نے مر مر کر اسے پالا ہے۔ اور یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ مجھے کوئی ایسی ترکیب بتاؤ۔ کہ یہ دوبارہ زندہ ہو جاوے۔ یہ باتیں تھیں جو اس بڑھیا عورت کی زبان سے نکلتی تھیں۔ جس وقت لوگ اسے سمجھانے کے لئے آگے بڑھتے۔ یہ ایسے زور زور سے چلاتی کہ سننے والوں کے کلیجے دہل جاتے۔ اور وہ لاش کو ہاتھ لگائے بغیر ہی واپس چلے آتے۔ کئی روز تک اس نے لاش کو اٹھنے نہ دیا بلکہ اسے چھاتی سے لگائے پڑی رہی۔ ایک شخص نے اس کی گریہ وزاری سے متاثر ہو کر اس سے کہا کہ اگر تو اس لاش کو مہاتما بدھ کے پاس لے جاوے تو وہ ضرور اسے زندہ کر دیگا۔ وہ بڑا نیک اور غریب پرور ہے۔ بڑھیا کے دل میں یہ سنکر بڑی ڈھارس ہوئی۔ اور وہ سوکھی ہوئی لاش کو اٹھا کر راج گرہ میں پہنچی۔ لوگوں سے اس نے بدھ کا پتہ پوچھا۔ اور لاش لیکر اس کے سامنے چلی گئی۔ بدھ اپنے شاگردوں کو اپدیش کر رہا تھا۔ ایک عمر رسیدہ بڑھیا کو سامنے کھڑا دیکھ کر وہ اس کی عزت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس کی طرف مخاطب ہوا۔ بڑھیا نے اپنا سارا حال کہہ دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو زندہ کرانے کے لئے مہاتما بدھ کے پاس لائی ہے۔

بدھ کو بڑھیا کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ اس نے اسے مایوس کرنے کی بجائے اپدیش کے ذریعہ راہ راست پر لانا چاہا۔ اس نے کہا کہ لڑکا بیشک زندہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ راج گرہ سے جاکر آٹے کی ایک چٹکی ایسے گھر سے مانگ لاوے۔ جہاں کبھی کوئی موت واقع نہ ہوئی ہو۔ بڑھیا اٹھی اور امید باندھ کر آٹا مانگنے چلی۔ اس نے تمام شہر چھان مارا۔ اسے کوئی گھر ایسا نظر نہ آیا جہاں موت کا ظالم اور زبردست ہاتھ نہ پہنچا ہو۔ وہ

اُمید کے ساتھ بڑے دروازہ سے گھر میں داخل ہوتی تھی۔ گھر کی عورتیں اُس کی آواز سُنکر اس کے پاس آتی تھیں۔ اور جب وہ یہ سوال کرتی تھی کہ کیا اِس گھر میں کبھی موت تو واقع نہیں ہوئی؟ تو اُن کے خوبصورت شگفتہ چہرے مرجھا جاتے تھے۔ کبھی کو خاوند کی۔ کبھی کو بیٹے کی۔ کبھی کو بھائی کی اور کسی کو دُوسرے رشتہ دار کی موت یاد آجاتی تھی۔ اور وہ زار زار رونے لگتی تھیں۔ ایک گھر میں جب اِس بُڑھیا نے یہی سوال کیا۔ تو گھر کی مالکہ نے اِسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور پیار سے کہا۔ "دیوی! ایسا کونسا گھر ہے۔ جہاں موت نے چھاپہ نہ مارا ہو جو آیا ہے وہ ایک دن ضرور جائیگا۔ جو بنا ہے وہ ایک دن ضرور ٹوٹیگا۔ انسان کو چاہیئے کہ موت کی پرواہ نہ کرے۔ بلکہ دھرم کے راستہ پر دڑھ رہے"۔ بُڑھیا یہ الفاظ سُنکر چونک اُٹھی۔ شہر کا بڑا حصّہ وہ گھوم چکی تھی۔ اور اُسے کوئی گھر ایسا نہ ملا تھا۔ جہاں موت واقع نہ ہوئی ہو۔ اُسنے موت کی طاقت کا پتہ لگ گیا۔ اور وہ موت کے راز کو سمجھ کر بُدھ کے پاس لوٹ آئی۔

بُدھ جانتا تھا کہ جب وہ اس کے پاس لوٹ کر آویگی۔ وہ اپنے سوال کا کوئی جواب نہ مانگیگی۔ کیونکہ اپنے سوال کا جواب وہ لیکر آویگی۔ وہ جس وقت بُدھ کے قریب پہنچی۔ اُس کے چہرے سے گیان کا اظہار ہوتا تھا۔ اِس دفعہ وہ آتے ہی بُدھ کے قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی۔ "مہاتما! میں زندگی اور موت کے راز کو نہ جانتی تھی۔ میں گمراہی میں تھی۔ تیرے اُپدیش نے میری اگیانتا کا ناش کر دیا۔ مجھے گیان پراپت ہو گیا تو دھنیہ ہے۔ میں بھی تیرے چرنوں میں رہ کر اپنا جیون سپھل کرنا چاہتی ہوں"۔ بُدھ نے اُسے بھی اپنے سماج میں شامل کر لیا۔ اور وہ نیکی اور دھرم کا اپدیش کرنے لگی۔

بُدھ برابر آخری دم تک اپنے مُبارک پروگرام میں لگا رہا۔ جب وہ بُڈھا ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ اب آخری وقت نزدیک ہے۔ اُس نے اُن تمام بھکشوؤں اور شاگردوں کو جو ملک کے چاروں حصّوں میں دھرم اپدیش کرتے پھرتے تھے۔ اپنے

پاس جمع کیا۔ اور اُن کو اپنے بعد کام کرنے کا طریقہ سکھلانے لگا۔ ایک روز اُس نے راج گرہ کے وِہار (تعلیم گاہ) میں اپنے شاگردوں کو یُوں مخاطب کیا:۔

"بھکشوؤ! دُنیا میں سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ہم دُوسروں کا بھلا کیونکر کر سکتے ہیں۔ اپنے لئے تو جانور اور چرند پرند بھی جینا جانتے ہیں۔ انسان کو دُوسروں کی بھلائی پر غور کرنا چاہیئے۔ آج میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم اپنی زندگی کو دُوسروں کی بھلائی میں کس طرح صرف کر سکتے ہیں؟ بھلائی کی چابی اتفاق ہے جس سوسائٹی میں اتفاق ہے وہ سوسائٹی زندہ ہے۔ اور دُوسروں کا بھلا کر سکتی ہے۔ جس سوسائٹی کے سرسبز باغ کو نفاق کی آگ اور تند ہوا نے برباد کر دیا ہے۔ وہ سوسائٹی زندہ نہیں رہ سکتی اور نہ کسی کا بھلا کر سکتی ہے۔ یہی حال انسانوں کا ہے۔ جب تک انسان کا دل نفاق کی پہنچ سے اُوپر ہے۔ وہ ترقی کرتا ہے اور دُوسروں کا بھلا کرتا ہے۔ لیکن جونہی نفاق کی مرض اُس کے دل پر قابُو پا لیتی ہے۔ وہ دُوسروں کا بھلا کرنے کی بجائے اُنہیں نقصان پہنچانے لگ جاتا ہے۔ نفاق سے بچنے کے لئے حسد سے بچنے کی ضرورت ہے۔ حسد سے ہی نفاق پیدا ہوتا ہے۔ پس اس سے جہاں تک ہو سکے بچے رہو۔ بڑوں کی تعظیم کرنا برکت لاتا ہے۔ اس لئے میں تم کو ہدایت کرتا ہوں۔ کہ ہمیشہ بڑوں کی تعظیم کرنا۔ انصاف دُنیا میں سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس طاقت کو جب تک پکڑے رکھو گے دُنیا تمہارے آگے شرارت نہ کر سکیگی۔ جب تم انصاف کی طاقت کو چھوڑ دوگے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ تجربہ دُنیا کا سب سے بڑا اُستاد ہے۔ اس سے ہمیشہ نیکی اور سچائی کا بھید کھل جاتا ہے۔ جب تک خود کسی بات کا تجربہ نہ کر لو۔ دُوسروں کو اس کے کرنے کی تعلیم کبھی مت دو۔ پاکی وُہ آگ ہے جو تمام گناہوں کو چھن بھر میں جلا ڈالتی ہے۔ اسے کبھی ہاتھ سے نہ دینا۔ پاک آدمیوں کی صحبت کرنا اور ناپاکی سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرنا شکستی

دکاہلی وُہ زہر ہے جو رفتہ رفتہ انسان جیون کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اسے کبھی پاس نہ آنے دینا۔ پاپ سے بچے رہنا۔ علم حاصل کرنے سے منہہ نہ پھیرنا۔ من کو ہمیشہ مضبوط بنائے رکھنا۔ بدھی سے کام لینا۔ اس سے تمہارا بھلا ہوگا۔ اور تم دوسروں کا بھی بھلا کر سکو گے۔"

بدھ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے بھکشو جہاں جاتے ہیں۔ لوگوں کو ایسی باتیں کہتے ہیں۔ کہ جن سے اُن کی اور بدھ کی عزت ہو۔ اُسے بڑا دکھ پہنچا۔ اور اُس نے اپنے شاگردوں کو ڈانٹ کر کہا کہ "دنیا کو گمراہی سے نکالنا میرا مقصد ہے تم جان بوجھ کر اسے جہالت میں پھنسانے کی کوشش مت کرو" چونکہ بدھ کی بڑی عزت تھی۔ اور لوگ اس سے بڑا پیار کرتے تھے۔ اس لئے اُس کے شاگرد بھی جہاں جاتے تھے۔ لوگ اُن کی عزت کرتے تھے۔ اور ان کی باتوں کو شردھا سے سُنتے تھے۔ ان بھکشوؤں میں سے کئی ایک بڑے نیک تھے۔ اور وہ لوگوں کو دیا سے نیکی کی تعلیم دیتے تھے۔ مگر کئی چلتے پرزے تھے وہ لوگوں کو دام میں پھنسانا ہی اپنی کامیابی سمجھتے تھے۔ مگر بدھ نے کبھی ایسے لوگوں کا حوصلہ نہیں بڑھایا۔ بلکہ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو ہدایت ہی کرتا رہا۔

بدھ کی موت کا دن نزدیک آ رہا تھا۔ لوگوں کو اس کی موت کا نام سُنکر بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ اور اکثر وہ رونے لگ جاتے تھے۔ اس کا سب سے پیارا شاگرد آنند بڑا دُکھی تھا۔ بدھ نے ایک روز اُسے اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کہ "آنند کیا تم ملین شواش ہے"۔ اور جب اُس نے تین بار اس سوال کا جواب "ہاں" میں دیا۔ تو بدھ نے اس سے کہا کہ "پھر تو یہ بھی وشواس رکھ کہ جو اس دنیا میں آیا ہے۔ اُسے ضرور اسے چھوڑنا ہوگا۔ بدھ کو بھی یہ راستہ اختیار کرنا پڑیگا"۔ لوگ جوق در جوق دور دراز کا سفر کر کے بدھ کے درشنوں کو آتے تھے۔ اور اس کی آشیرواد حاصل کر کے گھروں

کو لوٹتے تھے۔ ایک روز بُدھ نے بہت سے لوگوں کو جمع کر کے کہا "دوستو! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو دو چیزیں کبھی مل کر ایک ہوئی ہیں۔ اُن کو علیحدہ بھی ضرور ہونا ہوگا۔ اس دُنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ ہاں! سچائی اور دھرم دو ایسی چیزیں ہیں جنکی کبھی فنا نہیں۔ پس اگر تم سے ہو سکے تو سچائی اور دھرم کو ہاتھ سے نہ دینا۔ فتح اور کامیابی کا یہی راز ہے۔

اب بُدھ کو زیادہ دِنوں تک اپنے جینے کی اُمید نہ تھی۔ ایک روز جبکہ اُسے سانس بڑی مشکل سے آتا تھا۔ اُس نے ہمت سے اپنے آپ کو اُپدیش کے لیئے تیار کیا۔ اور بہت سے لوگوں کو پاس بٹھا کر بولا:-

"دُنیا میں سچائی ہمیشہ قایم رہتی ہے۔ دھرم کا کبھی ناش نہیں ہوتا۔ پاپ سے کبھی کامیابی اور فتح نصیب نہیں ہوتی۔ جہل۔ نادانی اور بیوقوفی سے انسان کبھی آرام حاصل نہیں کر سکتا۔ عقل کو کبھی محدود کرنا چاہیے کیونکہ کوئی شخص ہمیشہ انڈے کے چھلکے کے اندر بند رہنا پسند نہ کریگا۔ مَیں نے سچائی کا پتہ لگایا اور بُدھ پدوی حاصل کی۔ تُم بھی ہاتھ پاؤں ہلاؤ اور اپنی محنت سے نجات کا راستہ ڈھونڈو"

یہ مہاتما بُدھ کے آخری الفاظ تھے اسکے بعد وہ سمادھی اوستھا میں بیٹھ گیا۔ اور لوگوں کے دیکھتے دیکھتے وہ شمع جو انسانی سوسائیٹی کی چمک تھی۔ بجھ گئی۔ لیکن وہ شعلہ جو کئی سال تک جلتا اور دوسروں کو روشنی دکھاتا رہا تھا۔ ادجھل ہو گیا۔ اور لوگ مارے رنج اور افسوس کے بے چین ہو گئے۔

اکشواکو بنس نے راجہ رامچندر جیسا دھرماتما پُتر پیدا کیا تھا جس نے تپا کی آگ یا اپنی کی اور راون جیسے ظالم کو مارا۔ بُدھ بھی اسی خاندان کا ایک روشن چراغ تھا جس نے دُنیا کی برائی کیا مقابلہ کرنے کیلئے گھر بار چھوڑا اور سفلی جذبات پر نمایاں فتح حاصل کی مہاتما بُدھ نے اپنا جیون سپھل کر لیا۔ مگر اسکے بعد اسکی پوتر تعلیم کو اسکے شاگردوں نے اپنے پراگندہ خیالات سے ناپاک کر کے اس کے مشن کو خاک میں ملا دیا۔

شنکر آچاریہ

بھارت ورش میں آج جو مذہبی حالت ہے۔ اس میں خواہ شنکر آچاریہ کی تعلیم کا بڑا ہاتھ نہ ہو۔ مگر اُس کے شاگردوں کو اس میں بڑا ادھیکار حاصل ہے۔ آج بھارت ورش کا ایک بچّہ بچّہ ویدانت کے رنگ میں رنگا ہُوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ سب شنکر آچاریہ کی ہی تعلیم کا نتیجہ بتایا جاتا ہے۔ شنکر آچاریہ کے نام سے بہُت سی کُتب اِس وقت رائج ہیں مگر یہ کہنا کہ کونسی کتاب شنکر کی ہے اور کونسی اس کے شاگردوں نے بنا کر اُس کے نام سے منسوب کر دی ہے۔ اس وقت سخت مشکل ہے۔ شنکر آچاریہ کا ظہور اُس وقت ہُوا تھا جبکہ بھارت ورش کی مذہبی حالت کو سخت دھکا لگ رہا تھا۔ مہاتما بُدھ نے اپنی عمر میں نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دی۔ مگر اُس کے شاگردوں نے کچھ تو اس لئے کہ اُن کی عزّت زیادہ ہو۔ اور کچھ اس لئے کہ دُوسرے لوگ اُن کی مخالفت کرتے تھے بُدھ کے راستہ کو چھوڑ کر مخالفت کی راہ اختیار کر لی۔ اور بُدھ کی مُورتیاں بنا کر پُوجا کرنے لگے۔ ممکن ہے۔ ان لوگوں نے دُوسرے لوگوں کو بُت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے گرُو کی مُورتی کی پُوجا شروع کی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان لوگوں نے خود ہی بُت پرستی کو ایجاد کیا ہو۔ مگر یہ خیال کچھ بہُت دُرست معلوم نہیں ہوتا۔ مہاتما بُدھ کا وقت بُدھ سے بہُت پہلے ہُوا ہے۔ اُس کے وقت میں بھی بُت پرستی موجود تھی۔ اور اغلب ہے کہ بھارت ورش میں بھی بُت پرستی کی رسم جاری ہو۔ اور بُدھ کے شاگردوں نے دُوسرے بُتوں کے آگے سر جھکانے کی بجائے اپنے ہی گُرو کے بُت کی پرستش کرنی مناسب سمجھی ہو۔ کچھ بھی ہو۔ یہ امر شکیہ ہے۔ ہاں اِس قدر ضرور دُرست ہے کہ بُدھ نے بُت پرستی کی تعلیم نہیں دی۔ مگر اس کی وفات کے بعد اس کے شاگردوں

میں اس کا بہت جلد پرچار ہو گیا۔

بدھ نے بھارت ورش سے اتیاچار دور کئے تھے۔ اور ظلم کی روک تھام کا تھا۔ جو خود غرض لوگ بغیر بالوں پر کرتے تھے۔ لیکن بدھ کے بعد نقشہ بالکل بدل گیا۔ اور اُسکے شاگردوں میں بھی فرقہ بندی ہو گئی۔ بدھ نے آخری وقت اتفاق کی تعلیم دی تھی۔ مگر بدھ کے شاگرد نفاق کی آگ میں جل کر تباہ ہو گئے۔ اگرچہ بدھ کے بعد اُس کے پیروؤں نے کئی دفعہ یہ کوشش کی کہ بدھ کے مشن کا بھارت ورش میں خاتمہ نہ ہونے دیں اور اس کے لئے اُنہوں نے کئی بڑے بڑے جلسے بھی کئے۔ مگر اُنہیں اس پہلو میں کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ مذہب جو ایک دفعہ بدھ کی زندگی میں تمام بھارت ورش میں پھیل گیا تھا۔ بدھ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد معدوم ہونے لگا۔ بدھ کے زوال پر جو نئے فرقے قائم ہوئے۔ اُن میں ہی ایک جَین مت تھا۔ جسے دوسرے فرقوں کی نسبت زیادہ کامیابی ہوئی۔ اس کی تعلیمات زیادہ فلسفیانہ اور سادہ ہیں مگر یہ مت کسی ایسے ایشور کے وجود کا قائل نہ تھا۔ جسے دوسرے لوگ دنیا کا رزمانے ہیں یہ زمانہ عجیب گڑبڑ کا زمانہ تھا۔ ویدک دھرم کے پیرو ہر ایک بات کے لئے وید کا حکم دینا ہی کافی سمجھتے تھے۔ دوسری طرف فلسفہ تھا۔ جو ان کی پوزیشن کو خراب کر دیتا تھا۔ اور ویدک دھرمی محض یہ کہہ کر چونکہ یہ بات فلاں دھرم گرنتھ میں لکھی ہے۔ اس لئے قابلِ تسلیم و قابلِ قبول ہے اپنے مخالفوں پر زیادہ قابو نہ پا سکتے تھے سب سے بڑی مشکل جو ان کے راستہ میں تھی۔ وہ یہ تھی کہ ان میں خرابیوں اور برائیوں کا بڑا پرچار ہو گیا تھا۔ اور یہ لوگ زیادہ تر اپنی برائیوں و شرارتوں کے لئے ہی ویدک احکام پیش کیا کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ عوام میں نہ تو ان لوگوں کو کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ اور نہ ہی ویدوں اور دوسرے دھرم گرنتھوں کی عزت لوگوں کے دلوں میں قائم رہتی تھی۔ اور ایک وقت ایسا برا آگیا۔ جبکہ جینی لوگ ویدوں کو پاؤں تلے

روندتے تھے۔ اور جو بیعزتی ان دھرم گرنتھوں کی وہ کرسکتے تھے کرتے تھے۔ یہ وقت اُن لوگوں کے لئے جو کہ دیدوں میں ابھی تک ویدوں کی عزت اور عظمت قایم تھی۔ بڑا سخت تھا۔ زور آور لوگ ان کو بھی ستاتے اور دھمکاتے تھے۔ یہ لوگ مارے جاتے تھے۔ اور ان کے گھر بار لوٹ لئے جلتے تھے۔ مگر انہوں نے ویدوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ براہمن خاندان کے لوگوں کو ان ایام میں سخت قربانیاں کرنی پڑیں۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ وید کہیں لوپ ہی نہ ہو جاویں۔ اُن کے مضامین کو حفظ کرنا شروع کردیا۔ مگر یہ حالت زیادہ دیر تک قایم نہ رہی۔

دیش کی یہ حالت تھی جبکہ دکن میں راجہ راج شیکھر نامی کی سلطنت میں کاسٹی شش گاؤں میں جو کہ دریشا دری پر واقع تھا مہاراجہ یدھشٹر کے ۲۱۵۸ سال بعد یا بدھ کے دو صد سال بعد شنکر آچاریہ کی پیدائش ہوئی۔ شنکر آچاریہ کا باپ شیوگرو پنڈت سنسکرت زبان کا بڑا عالم اور ویدوں کا بڑا بھگت تھا۔ شنکر کی ماتا ستی بھی نیک مزاج اور دھرماتما تھی۔ ان دونوں کا آپس میں بڑا پریم تھا۔ اور اپنے گاؤں میں یہ بڑی عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ شنکر بوڑھاپے کی عمر میں پیدا ہوا تھا جس کی وجہ سے یہ اپنے والدین کا بڑا لاڈلا تھا۔ اور ماتا اس سے اس قدر پریم کرتی تھی کہ اسے ایک منٹ کے لئے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھی۔ باپ کی محبت کا بھی یہی حال تھا۔

شنکر کی عمر ابھی تین سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ یہ ایک ایسا صدمہ تھا۔ جو شنکر اور اُس کی ماتا آسانی سے برداشت نہ کرسکتے تھے۔ مگر پرماتما کے حکم کے آگے کون چون وچرا کرسکتا ہے۔ جو اس دُنیا میں آیا ہے۔ وہ ایک دن ضرور کوچ کریگا اور اس دُنیا کو چھوڑ جاویگا۔ شیوگرو کو مرتے وقت خود اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ وہ یتیم بچے کو کس بیکسی کی حالت میں چھوڑے جاتا ہے اُس نے شنکر کی ماتا ستی سے وصیت کی کہ وہ شنکر کو پڑھانے اور شکشا دینے میں کوئی

کسر اُٹھا نہ رکھے۔ روتی ہوئی ستی نے اپنے بیٹے کو جواب دیا کہ "اچھا! جہاں تک مجھ سے ہو سکیگا۔ میں شنکر کو تعلیم و تربیت دونگی۔" دُنیا میں بہت کم بڑے آدمی ہوئے ہیں جن کو بچپن میں اس قسم کے صدمات اُٹھانے نہ پڑے ہوں۔ زیادہ تر تعداد تو ایسی پائی جاتی ہے۔ کہ قدرت نے شروع زندگی سے ہی اُنہیں آزمائش میں ڈال کر پختہ کرنا شروع کر دیا۔ معلوم نہیں۔ کامیابی کی یہی راہ ہے۔

باپ کی وفات کے بعد شنکر کی پرورش اُس کی والدہ کے سپرد ہوئی۔ اور اس نے بڑی محبّت سے اسے پالا۔ جب شنکر بولنے لگا تو ستی نے اسے وید منتر سکھانے شروع کئے۔ اور چھوٹی سی عمر میں ہی وید منتر اس کو حفظ یاد ہو گئے۔ جب شنکر کی عمر پانچ سال کی ہوئی۔ ماتا نے اسے یگیوپویت پہنا کر گورو کل میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجدیا۔ اُن ایام میں تعلیم کا یہ طریقہ نہ تھا جو آج ہم کو نظر آتا ہے۔ آج غریب لوگ تعلیم حاصل کرنے سے معذور ہیں۔ اور انہیں اس کے لئے بڑی جد و جہد کے بعد بھی ناکامیابی کا مُنہہ دیکھنا پڑتا ہے۔ مگر ہمیشہ سے یہ حالت نہیں رہی۔ جس وقت شنکر اس دُنیا میں موجود تھا۔ اُس وقت ہر شخص اپنے بچّوں کو پڑھانے کے لئے مجبور تھا۔ اور پڑھائی کے لئے ہر شخص کو اپنے بچّوں کے لئے کچھ زیادہ خرچ نہ کرنا پڑتا تھا۔ شنکر گورو کل میں چلا گیا اور شکشا پانے میں مصروف ہو گیا۔

شنکر کے جیون کے حالات مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے گاؤں کے لوگ اُس کے خاندان سے ہمدردی کی بجائے نفرت اور بدسلوکی کرتے تھے۔ ایک شخص نے اس کی وجہ شنکر کے والدین کا غریب ہونا لکھا ہے۔ مگر یہ وجہ نفرت کے لئے کافی نہیں کہی جا سکتی۔ اصل وجہ یہ ہے کہ شنکر کا باپ ویدک دھرم کو مانتا تھا۔ مگر دُوسرے لوگ جینی اور بودھ تھے۔ جو اس سے اکثر بحث مباحثہ کر کے اسے تکلیف پہنچاتے رہتے تھے۔ شنکر کے خاندان کے دُوسرے بہت سے رشتہ دار

بھی ویدک دھرم کو چھوڑ کر جینی وغیرہ ہو گئے تھے۔ مگر شنکر کے باپ نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔ اس لیے اُسے اکثر اپنی زندگی میں تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ شیو گورو کے بعد شنکر کی ماتا کو اس مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ دیوی اس مخالفت سے ذرا نہ گھبرائی۔ بلکہ اپنے پتی کے بعد بھی جبکہ اس کا دُنیا میں کوئی سہارا نہ تھا ویدک دھرم کا دم بھرتی رہی۔

گورو کل میں جا کر شنکر نے اپنی ہوشیاری اور محنت کی وجہ سے اپنے ہم عمر بالکوں میں عزت حاصل کرنی شروع کی۔ اس کا ذہن اس قدر رسا تھا کہ بعض اوقات گورو بھی دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی تو اُس کے مُنہ سے نکل جاتا تھا کہ "شنکر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو اس دُنیا میں پڑھا پڑھایا آیا ہے۔" شنکر پندرہ سال کی عمر تک اس گورو کل میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اور اس اثنا میں اُس نے وُہ تمام کُتب پڑھیں جو دُوسرے لڑکے بیس بیس سال کی عمر میں بھی نہ پڑھ سکتے تھے۔ ایک دن یہ دُوسرے بالکوں کے ساتھ نزدیک کے قصبہ میں بھکشا مانگنے گیا۔ اور ایک بڑھیا کے دروازے پر دستک دی۔ یہ بڑھیا بڑی غریب تھی۔ اور بدقسمتی سے اُس وقت اس کے پاس برہمچاری کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ وہ دروازہ پر آئی اور بڑے افسوسناک لہجہ میں بولی "وِدیارتھی! میں بڑی شرمندہ ہوں۔ میرے گھر میں آج اتنا بھی نہیں ہے کہ میں ایک ودیارتھی کو چٹکی بھر آٹا دے سکوں۔ اور مجھے اس بات کا بڑا دُکھ ہے کہ ایک ودیارتھی جو میرے مکان پر بڑی آشا سے آیا ہے۔ نراش واپس جاتا ہے۔" شنکر کے دل پر ایسے جواب کا بڑا اثر ہؤا۔ اُس نے بڑھیا کی طرف دیکھا اور آگے کو قدم بڑھا کر چلنے لگا۔ اتنے میں ہی مکان کے صحن میں کچھ آواز سنائی دی۔ بڑھیا دوڑی گئی۔ اور دیکھا کہ آنولے کے درخت سے جو اُس کے صحن میں لگا ہؤا تھا۔ ایک آنولہ ابھی ٹوٹ کر گرا ہے۔ اُس نے اسے اُٹھا لیا۔ اور شنکر کو آواز دی۔ شنکر نزدیک ہی تھا۔ آواز سُنکر اُس کے پاس آگیا۔

شنکر: ماتا! کیا آگیا ہے؟ بڑھیا: بیٹا! ایشور نے میری لاج رکھی۔ میرے آنولہ کے درخت سے ایک تازہ آنولہ ابھی گرا ہے۔ یہ لے۔ میں تجھے دیتی ہوں۔ تو میرے گھر سے خالی ہاتھ نہ جا۔
شنکر۔ ماتا! تو دھنیہ ہے۔ جو ایک نردھن غریب ودیارتھی کی ایسی دلجوئی کرتی ہے۔
یہ کہہ کر شنکر نے بڑے آدر اور پریم سے وہ آنولہ لے لیا اور آگے کو چل دیا۔ راستہ میں شنکر اس بات کو سوچتا جاتا تھا کہ کس قدر نیک دیوی ہے۔ اس کی غریبی نے تو شنکر کے دل پر ایسا اثر کیا کہ دو چار گرم گرم آنسو بھی اس کی آنکھوں سے نکل پڑے اس کے ساتھ ہی شنکر کو اپنے گھر کی حالت یاد آگئی۔ ماتا کی پیاری پیاری باتیں اور غریبی کی حالت یاد کر کے اُس کا دل اور بھی بھر آیا۔ اور جب تک گورو کل میں نہ پہنچ گیا۔ اُس کے دل میں یہی خیالات رہے۔ گورو کل میں پہنچ کر بھی بہت دیر تک وہ انہی خیالات میں مگن رہا۔
گورو کل کی تعلیم ختم کر کے شنکر اپنے گھر چلا آیا۔ بوڑھی ماتا اپنے لختِ جگر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اب شنکر بڑا ودوان ہو گیا تھا۔ بعض باتوں میں اس کی واقفیت اپنے باپ سے بھی زیادہ تھی اور بقول "اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی" شنکر کے لئے بڑی مصیبت آئی۔ برادری کے لوگ اس سے بڑی نفرت کرنے لگے۔ اور بات بات میں حجتیں نکالنے لگے۔ لیکن شنکر نے ذرا پرواہ نہ کی اور نہ ہی سننے ان لوگوں کی طرف زیادہ التفات کی۔ ابھی شنکر کو گھر آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اُس کی پیاری ماتا بیمار ہو گئی۔ شنکر اُس کے علاج میں مصروف ہوا۔ مگر بیماری دن بدن بڑھتی گئی۔ جب اس نیک دیوی کو معلوم ہو گیا کہ اب آخری وقت آپہنچا ہے۔ اُس نے شنکر کو اپنے پاس بٹھا کر مندرجہ ذیل باتیں کہیں:۔
"بیٹا شنکر! یہ دُنیا عجیب طرح کی ہے۔ اس میں بڑے بڑے صدمات سہنے پڑتے ہیں۔ میں نے اپنی عمر میں بڑے بڑے خطرات کا سامنا کیا۔

اب میرا آخری وقت ہے۔ میں نے اپنی عمر بھوگ لی ہے۔ لیکن تو ابھی بچہ ہے۔ تو نے حال ہی میں دُنیا کے سمندر میں قدم رکھا ہے۔ اس سمندر میں بڑی بڑی لہریں اُٹھتی رہتی ہیں جو کبھی انسان کو پیچھے لے جاتی ہیں۔ اور کبھی اُوپر لے آتی ہیں۔ بزدل ڈرپوک شخص ان لہروں کا غلام ہو جاتا ہے۔ جدھر وہ چاہتی ہیں۔ اُدھر لے جاتی ہیں۔ اور ہیرا پھیری میں ہی انسانی عمر کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ لیکن بہادر اور باہمت شخصوں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ وہ ان لہروں کا مقابلہ کرتے ہیں اور آپ اپنا راستہ بناتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ اُن کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اُن کو مشکلات زیادہ حیران کر دیتی ہیں مگر بہادر لوگ ان مشکلات کی بال برابر بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اور زندگی میں جس کام کے پیچھے لگتے ہیں۔ اُسے پورا کر کے چھوڑتے ہیں۔ پس میں تجھے آخری وقت میں یہ نصیحت کرتی ہوں کہ استقلال کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا۔ دُکھوں اور مصیبتوں سے کبھی نہ گھبرانا۔ اکیلا ہونے کا کبھی غم نہ کرنا۔ نیکی کی باتوں سے مُنہ نہ موڑنا۔ سچائی کو ہاتھ سے نہ دینا۔ دوست دُشمن سب کے ساتھ نیکی سے پیش آنا۔ استری اور عالم کی ہمیشہ عزت کرنا۔ یہ باتیں بڑی ضروری ہیں۔ ان پر عمل کرتے ہوئے تو اپنی زندگی میں کامیاب رہیگا۔"

یہ سُنکر کہ اب ماتا کا آخری وقت ہے۔ شنکر سوامی کو بڑا فکر ہُوا۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر اُسکے پیارے اور بھولے بھالے چہرہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں اس کے لئے ہمیشہ پیار اور محبت کا خزانہ بھرا رہتا تھا۔ بوڑھی ماتا کا جسم بڑا کمزور ہو گیا تھا۔ تمام ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ نبض ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ مگر چہرے کا جلال پھر بھی بدستور تھا۔ یہ نظارہ دیکھ کر شنکر سوامی کے استقلال کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور وہ اپنے ایک پُرانے مربّی کو ہمیشہ کے لئے جُدا ہوتے دیکھ کر بیقرار ہو کر رونے لگا۔ جب ستی نے اپنے لختِ جگر کو اپنی جُدائی

کو غم میں روتے دیکھا۔ اُس کی بیکسی کا خیال کر کے اُس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اور چند منٹ تک دونوں کی یہی حالت رہی۔ آخر ستی نے حوصلہ کر کے کہا:
"شنکر! اب رونے کا وقت نہیں ہے۔ یہ شانتی کا وقت ہے۔ یہ غور اور فکر کا وقت ہے۔ یہ شکشا کا وقت ہے۔ اسے ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ میں اب چند منٹ کی مہمان ہوں۔ میری باتوں کو جو میں آخری وصیت کے طور پر کرنا چاہتی ہوں۔ غور سے سُن کہ تیرے کام آوینگی۔ ہمارا گھر ہمیشہ سے وید رکشک مشہور رہا ہے۔ تیرے پتا نے اسکے لئے بڑے بڑے دُکھ سہے ہیں۔ مگر اس کام کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ میری یہ خواہش ہے کہ میرا بیٹا شنکر بھی باپ کے نقش قدم پر چلے۔ اور ویدوں کی رکشا اُسی طرح کرے۔ اس وقت وید کے مخالفوں کا بڑا زور ہے۔ اور ویدوں کی بڑی نندا ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ وقت گذر جاویگا اور ویدک آفتاب پھر پرچنڈ ہوگا۔ لیکن میری خواہش ہے کہ شیو گورو کے پُتر شنکر کا بھی اس میں کچھ نہ کچھ ہاتھ ہو۔ یہی میری وصیت ہے۔ بیٹا! تو میرے سامنے پرتگیا کر کہ تمام عمر وید رکشا میں لگا رہیگا۔"

شنکر نے ماتا کا حکم سُنکر اُسی وقت گردن جھکا دی۔ اور اُس کے ہاتھ کو بوسہ دیکر کہا۔
"ماتا! جب تک شنکر کے دم میں دم ہے جب تک آنکھیں دیکھتی ہیں۔ کان سنتے ہیں پاؤں چلتے ہیں اور ہاتھ حرکت کرتے ہیں۔ ناک سونگھتا ہے اور زبان بولتی ہے۔ شنکر وید رکشا کا کام کرتا رہیگا۔" یہ جواب سُنکر ستی کی تسلی ہو گئی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور ایسی بند کیں کہ پھر نہ کھلیں۔ ستی شانت ہو گئی تھی۔ اور ہمیشہ کے لئے شانت ہو گئی تھی۔ شنکر سوامی نے دیکھا کہ پیاری ماتا اب زندہ نہیں ہے۔ غم نے اس کی کمر ہمت کو توڑ دیا۔ مگر وہ اُٹھا اور ماتا کے داہ کرم میں مصروف ہو گیا۔ بعض کُتب کے مطالعہ سے معلوم

ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں بھی جبکہ دوسرے لوگوں کی مدد کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ شنکر کی برادری کے لوگوں نے اُس کی مدد نہ کی۔ اور شنکر کو بہت سا کام خود ہی کرنا پڑا ماتا کا داہ کرم کرنے کے بعد شنکر کو فرصت ہوئی۔ اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے ؟

شنکر ودوان تو تھا ہی۔ اُس نے اردگرد کے لوگوں کے ساتھ بحث مباحثہ شروع کیا اور ویدوں کے بارہ میں چرچا شروع ہوگئی۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ شنکر اُپنشدوں کو ہی وید خیال کرتا تھا۔ کیونکہ اُس کی تصانیف میں ویدوں کا بہت کم ذکر پایا جاتا ہے اور ممکن ہے یہ خیال دُرست ہو۔ شنکر کی وِدّیا نے بہت جلد میدان مار لیا۔ اور اس کے گھر کے تھوڑے فاصلہ پر کوئی شخص ایسا نہ رہا۔ جو شاستر ارتھ کرنے کیلئے شنکر کا مقابلہ کرسکے۔ شنکر کی لیاقت کا چرچا چاروں دُور ہونے لگا۔ بہت سے لوگ اس سے ملنے اور بات چیت کرنے کیلئے اس کے پاس آتے تھے۔ اور اس کے ساتھ بات چیت کرکے خوش ہوتے تھے۔ شنکر سب کے ساتھ خلق سے پیش آتا تھا۔ اور اپنے اچھے سلوک سے سب کو گرویدہ کر لیتا تھا۔ جب شنکر کی لیاقت کا چرچا زیادہ پھیلا۔ کیرل دیش کے راجہ کو خواہش ہوئی کہ شنکر کو اپنا راج پنڈت مقرر کرے۔ چنانچہ اُس نے اپنے کئی آدمی شنکر کے پاس بہت سے تحفہ تحائف دیکر روانہ کئے کہ وہ اُسے دربار میں لے آویں۔

شنکر اپنی عمر کے لئے کچھ اور ہی پروگرام بنا رہا تھا۔ بلکہ قریباً بنا چکا تھا جس وقت راجہ کیرل کے لوگ اُس کے پاس پہنچے۔ اور اُس سے کہا کہ وہ چلکر راج پنڈت کی گدی کو سوشوبھت کرے تو اُس نے کیرل جانے سے انکار کردیا اور کہدیا کہ مَیں سنیاسی ہوکر ویدک دھرم کا اُدّھار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ بڑے حیران ہوئے کہ عجیب شخص ہے۔ ایک راجہ اسے بڑی عزت سے بُلاتا ہے۔ مگر یہ جانے سے انکار کرتا ہے۔ انہوں نے شنکر سے کہا کہ یہ وقت پھر ہاتھ نہ آویگا۔ اور زور دیا کہ وہ ضرور اُن کے ساتھ کیرل دیش کو چلے مگر شنکر خاموش رہا۔ آخر یہ لوگ چلے گئے۔ شنکر کے جواب نے راجہ کیرل کے دل میں شنکر سے

جلنے کی آگ اور بھی بھڑکادی۔ اور وہ دس ہزار اشرفیوں کی بھینٹ لیکر شنکر سوامی کے گھر خود آیا۔ شنکر نے اُس کی بڑی تعظیم کی۔ اور اچھی طرح بٹھایا۔ لیکن جب اُس نے اسے ساتھ چلنے کے لیئے کہا تو شنکر نے انکار کر دیا۔ پھر راجہ نے اُسے اشرفیوں کی تھیلیاں دیکر کہا کہ اچھا! میرے تین ناٹکوں کو درست کر دو۔ شنکر نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اور ناٹک دیکھنے کے لیئے رکھ لیئے۔ مگر روپیہ کو ہاتھ نہ لگایا۔ بلکہ راجہ کو کہا کہ اسے کسی دھرم ارتھ کام میں صرف کر دینا چاہیئے۔ راجہ مایوس ہو کر اپنی راجدھانی کو چلا گیا۔ اور چند روز بعد شنکر نے اُس کے ناٹک درست کر کے اُس کے پاس بھیج دیئے۔

سنیاسی بنکر تمام دیش میں ایشور پرستی کا جذبہ بلند کرنے کے خیالات شنکر کے دل کو بیچین کر رہے تھے۔ آخر اُس نے ایک کامل گورو کی تلاش شروع کی۔ اور جب اُسے علم ہوا کہ گوبند ناتھ سنیاسی بڑا نیک اور عالم ہے۔ یہ اُس کے آشرم کی طرف چلا گیا۔ یہ شخص بڑا یوگی اور ایشور پرست تھا۔ شنکر اس کے پاس آکر بڑا خوش ہوا۔ اور اس کے شاگردوں میں شامل ہو گیا۔ گورو بھی شنکر کی لیاقت اور قابلیت کو دیکھ کر خوش ہوا اور بڑی توجہ سے اسے تعلیم دینے لگا۔ یہاں شنکر سوامی کئی سال تک پڑھتا رہا۔ اس نے گورو کی سیوا ایسی من لگا کر کی کہ وہ ہمیشہ اس سے آنند رہتا تھا جب ودّیا سماپتی کا وقت آیا۔ شنکر نے گورو سے جانے کی آگیا مانگی۔ گوبند ناتھ اس کے خیالات سے تو پہلے ہی آگاہ ہو چکا تھا۔ جاتے وقت اُس نے شنکر کا حوصلہ بڑھانے کے لیئے اُسے کئی نیک ہدایات دیں۔ اور کہا کہ کاشی علمیت کا گڑھ ہے۔ جب تک کوئی شخص یہاں پر اپنی علمیت اور قابلیت کا ڈنکا نہ بجائے۔ اُسے دیش کے دوسرے حصوں میں کامیابی حاصل ہونی مشکل ہے اور شنکر کو حکم دیا کہ سب سے پہلے کاشی میں جاکر ایشور پرستی کا جھنڈا بلند کرے۔

گورو کی آگیا پاکر شنکر کاشی کی طرف آیا۔ اُن دنوں کاشی کی عجیب حالت تھی۔ اس کی گذشتہ روایات پر بودھ اور جینی لوگوں نے غلبہ حاصل کر لیا تھا اور کاشی جو کبھی خدا پرستی

کی تعلیم کے لیئے مشہور تھا۔ آج کل ناستکتا کی تعلیم کے لیئے مشہور ہو رہا تھا۔ شنکر نے یہاں آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا۔ شنکر کا نام سُن کر کئی دوسرے لوگ جو ایشور پرست تھے۔ بنارس میں آگئے۔ اور شنکر کے ساتھ مل کر وید پرچار کا کام کرنے لگے۔ بنارس میں آنے کے چند روز بعد سوامی شنکر نے ایک چنڈال کو شُدّھ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس پر بنارس میں بڑا ہڑ مچا۔ اور شنکر کے ساتھ بحث مباحثہ تک نوبت پہنچی۔ شنکر تو یہ چاہتا ہی تھا۔ چنانچہ اُس نے شاستراتھ میں اپنے مخالفوں کو شکست فاش دی۔ اور اپنی قابلیت کا سکّہ ہر خاص و عام کے دلوں پر بٹھا دیا۔

اس مشہور شاستراتھ کے بعد شنکر نے بنارس میں اُپدیش کا سلسلہ جاری کیا۔ اور ہر شخص کو چیلنج دیا کہ جو ایشور کی ہستی سے منکر ہے۔ وہ اپنی دلائل دے۔ کئی بڑے بڑے ناستک اس کے پاس گئے اور اُس کی دلائل سُن کر ایشور پرست بن گئے۔ اور کئی لوگ شنکر کے شاگردوں میں شامل ہو گئے۔ انسانی دل کا خاصہ ہے کہ یہ بعض جگہ بہت جھک جاتا ہے۔ چنانچہ شنکر بھی اپنے ایک شاگرد سنندن پر بہت خوش تھا سنندن شنکر کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اور خود بھی بڑا لائق تھا۔ کئی کاموں کو وہ خود ہی سرانجام دیتا تھا۔ اور بنارس میں شنکر کے لیئے اُس نے بہت سے مفید کام کیئے۔ شنکر کے اِس سے بہت ہی خوش ہونے کی کئی خاص وجوہات بھی ہیں۔ ایک موقعہ پر شنکر گنگا کے دوسرے کنارے پر تھا۔ اور اُسے ضرورت ہوئی کہ ایک اور آدمی اُس کے ساتھ ہو۔ اُس نے اپنے شاگردوں کو پکارا کہ ایک آدمی اُس کے پاس چلا آوے۔ گنگا بہت چڑھی ہوئی تھی کسی شاگرد کا حوصلہ نہ پڑا کہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے۔ سنندن اس وقت یہاں موجود نہ تھا۔ جب وہ اس جگہ آیا اور اُسے حال معلوم ہوا۔ وہ فوراً گنگا میں کود پڑا۔ اور تیر کر شنکر کے پاس چلا گیا۔ شنکر نے اسے شاباش دی اور اس کی پیٹھ پر پریم سے ہاتھ پھیرا۔ اور بھی کئی موقعوں پر سنندن نے شنکر سوامی کے لیئے نہ تی

جان کو جوکھوں میں ڈالا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ شنکر اُس سے بہت پیار کرتا تھا۔
جب یہ ویدابھمانی اور ایشور پرستی کا دلدادہ کاشی میں پرچار کر رہا تھا۔ اور ناستک منڈلی کے پرخچے اُڑا رہا تھا۔ اسے معلوم ہُوا کہ پریاگ (الہ آباد) میں ایک شخص کمارل بھٹ ہے۔ جو ویدوں کا بڑا پنڈت ہے اور جَینی لوگ اُس سے مباحثہ کرنے سے بہت کتراتے ہیں۔ اس کے دل میں کمارل سے ملنے کی بڑی خواہش پیدا ہوئی۔ اور وہ اس سے ملنے کے لئے فوراً بنارس سے چل پڑا۔ جس وقت یہ پریاگ پہنچا۔ اسے یہ وحشتناک خبر ملی کہ کمارل بھٹ چِتا تیار کرکے زندہ جل مرنے کو ہے۔ یہ دوڑ کر اُدھر گیا۔ اور دیکھا کہ کمارل بھٹ جل مرنے کو تیار ہے۔ تاریخ سے ہم کو یہی پتہ لگتا ہے کہ کمارل نے اپنے آپ کو زندہ آگ میں جلا دیا تھا۔ ورنہ عقل حیران ہے کہ ایسے عالم پنڈت نے خودکُشی کا یہ مذموم فعل کیونکر پسند کیا۔ جس وقت شنکر اس کے پاس گیا۔ اس نے بڑی عزت سے اسے پرنام کیا۔ اور کہا کہ "کمارل! شنکر آپ سے ملنے کے لئے آیا ہے اور آپ سے چند باتیں کرنی چاہتا ہے۔" کمارل شنکر کا نام سُن کر خوش ہو گیا۔ اور چِتا سے اُتر آیا۔ اُس نے چِتا سے اُترتے ہی جس میں کہ ابھی آگ لگائی جانے والی تھی شنکر کو بغل میں لے لیا۔ اور بڑے پریم سے کہا کہ "شنکر! میں نے آپ کا نام سُنا ہے۔ اور میں خوش ہوں کہ آپ جیسے نوجوانوں نے ویدک دھرم کو ازسرِ نو زندہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔" شنکر کے مُنہ سے کوئی بات نہ نکلتی تھی۔ وہ کمارل کی حالت دیکھ کر حیران تھا کہ یہ عجیب آدمی ہے ویدک دھرم کے پرچار کا تو اسے اس قدر خیال ہے۔ مگر خود زندہ جل مرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ شنکر کی سمجھ میں یہ معمہ نہ آیا۔ اور اُس نے کمارل کو مخاطب کرکے کہا:۔
شنکر: "میں کئی باتیں آپ سے پوچھنی چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان تمام باتوں کا مناسب جواب مجھے دیں گے۔"
کمارل:۔ بیشک میں آپ کے سوالوں کے جواب دوں گا۔ آپ جلدی کریں۔

شنکر:۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ ایسے وقت میں جبکہ تمام دیش میں خوفناک ناستکتا پھیل رہی ہے۔ اور ویدک دھرم لوپ ہو رہا ہے۔ کمارل جو ویدوں کا بڑا پنڈت ہے۔ اور جس کی ویدک دھرم کے پرچار کے لئے بڑی سخت ضرورت ہے کیوں خودکشی کرتا ہے؟

کمارل:۔ یہ درست ہے کہ بھارت ورش میں ویدک دھرم کو بڑا دھکا لگ رہا ہے۔ ناستک لوگوں کا بڑا زور ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس وقت بھارت کو ایسے آدمیوں کی بڑی ضرورت ہے۔ جو ملک سے ناستکتا کا ناش کریں۔ لیکن میں خودکشی کرنے کو مجبور ہوں۔ اور میں ضرور جل کر اپنا خاتمہ کر دونگا۔

شنکر:۔ اے کمارل! وہ کونسی بات ہے۔ جس نے آپ کو اس کام کے لئے مجبور کیا ہے آپ کی ملک کو بڑی ضرورت ہے۔ میں بڑی دور سے آپ سے ملنے کو آیا ہوں۔ آؤ! ہم دونوں مل کر ویدک دھرم کا پرچار کریں اور ملک کو تباہی سے بچالیں۔

کمارل:۔ میرے دل میں ویدک دھرم کے لئے بڑی عزت ہے اور ویدک دھرم کے پرچار کے لئے میں اپنا تن من اور دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار رہا ہوں۔ میں نے اس کام کے لئے کئی شاگرد بھی تیار کئے ہیں۔ جن میں سے منڈن مشر سب سے زیادہ لائق اور نیک ہے۔ میں نے بچپن میں بودھ لوگوں سے تعلیم پائی تھی۔ اور بڑا ہو کر ان کے خلاف ہی اپدیش شروع کیا۔ میرے اپدیش کی بدولت کئی بودھ لوگوں کے جن میں میرے استاد بھی تھے سر کٹے ہیں۔ مجھے اس بات کا بڑا رنج ہے میں اپنے آپ کو آگ میں جلا کر اس کا پرائشچت کرونگا۔ اور کوئی طاقت مجھے میرے فیصلہ سے روک نہیں سکتی۔

شنکر:۔ کمارل! تو دھنیہ ہے۔ تیرے دل میں دھرم کے لئے بڑا پیار ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ابھی مرنے اور جان دینے کا وقت نہیں ہے۔ دیش میں ناستکتا کا بڑا زور ہے۔ جل کر مرنے کا خیال چھوڑ دے۔ اور آ۔ ملک میں دھرم کی دھجا لگانے میں میرا ہاتھ بٹا۔

شنکر سوامی نے بڑا زور لگایا۔ لیکن کمارل نے ایک نہ مانی۔ اُس نے یہی کہا کہ میں اب اس شریر کو آگ میں جلائے بغیر نہ رہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چتا پر چڑھ گیا۔ اور اپنے بہت سے شاگرد اور شنکر کے دیکھتے دیکھتے جل کر مر گیا۔ اس کے بعد شنکر واپس لوٹا۔ اور منڈن مشر کے گھر پہنچا منڈن نے شنکر کا بڑے آدر سے استقبال کیا۔ اور اُسے آسن پر بٹھایا۔ شنکر نے منڈن کو کمارل کا سندیسہ دیا۔ اور کہا کہ اُسے اُس کے ساتھ مل کر ویدک دھرم کا پرچار کرنا چاہیئے مگر منڈن اور شنکر کے درمیان بعض امور پر اختلاف رائے ہو گیا۔ منڈن کہتا تھا کہ وُہ راستی پر ہے۔ مگر شنکر کا دعوےٰ تھا کہ وہ راستی پر ہے۔ آخر بحث مباحثہ تک نوبت پہنچ گئی۔ اور دونوں پہلوان میدان مناظرہ میں اُترے۔ تاکہ اپنے اختلافات کو آپس کی بات چیت سے مٹا دیں۔

مباحثہ سے پہلے کسی شخص کا مصنف ہونا ضروری تھا۔ مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اپنے آپ کو اس پدوی کے لیئے پیش کرے۔ شنکر برہمچاری تھا۔ اُس کے چہرہ کا جلال دوسرے لوگوں کے جو مصنف بننے کا خیال کرتے تھے۔ حوصلوں کو لپست کرتا تھا۔ منڈن مشر کی پہلے سے ہی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ غرض بہت سا وقت اسی طرح ضائع ہو گیا۔ آخر جب دیکھا کہ کوئی مرد اس پدوی کو لینے کے لیئے آگے نہیں بڑھتا تو منڈن مشر کی استری سرسوتی نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ وہ مصنف بن کر بحث سُنیگی۔ اور جس کا پکش راستی پر ہوگا۔ اُس کے حق میں فیصلہ دیگی۔

آج کل اگر کبھی آریہ سماجی پنڈت اور سناتنی پنڈت میں بحث شروع ہوتی ہے تو دونوں طرف سے کہا جاتا ہے کہ صاحب منصف کوئی عیسائی یا مسلمان ہونا چاہیئے۔ دونوں پنڈت فروعی اختلاف سے ایک ہی دھرم کو ماننے والے ہوتے ہیں۔ مگر آپس کے وشواس کی یہ حالت ہے کہ اپنی پگڑی ایک غیر کے ہاتھ میں دینے سے بھی اُن کو لجیا نہیں آتی۔ کاش وہ شنکر سوامی کے وشواش سے سبق سیکھیں کہ کس طرح اُس نے سرسوتی کو پردھان بنانا

سوئیکار کر لیا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ منڈن مشر کے ساتھ اُس کے کیا تعلقات ہیں؟ خیر بحث شروع ہوئی۔ کئی گھنٹوں تک دونوں طرف سے دلائل اور پرمان دیے جاتے رہے۔ دونوں کے خیالات سرسوتی خوب غور سے سنتی رہی۔ آخر جب اُس سے فیصلہ مانگا گیا۔ اُس نے کہا کہ شنکر کا پکش زبردست ہے۔ اُس نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ شنکر کی فتح سے اُس کے پتی کی عزت کو کیا نقصان پہنچیگا۔ اور اس کے ہمعصروں و شاگردوں کی نظروں میں اُس کی وقعت کہاں تک گر جاویگی۔ اس قسم کے کمزور خیالات کو اُس نے پاس تک بھی نہ پھٹکنے دیا۔ اور فیصلہ دیا کہ منڈن مشر اپنے پکش کو ثابت نہیں کر سکا۔ منڈن مشر نے اپنی استری کا فیصلہ سنتے ہی شنکر کے قدموں میں سر جھکا دیا۔ اور اُسے گورو مان لیا۔ مگر سرسوتی نے شنکر سے کہا کہ اُس نے منڈن کا ایک حصہ فتح کیا ہے۔ ابھی دُوسرا حصہ فتح کرنا باقی ہے۔ اس سے سرسوتی کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود شنکر سے بحث کرنا چاہتی تھی۔ شنکر نے اس چیلنج کو حیرانی کے ساتھ سُنا۔ وہ گھبراتا تھا کہ اگر ایک عورت نے اُسے مباحثہ میں ہرا دیا تو اُس کی عزت خاک میں مل جائیگی لیکن وہ اس چیلنج کو نامنظور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے سرسوتی کے ساتھ شاستراتھ سوئیکار کر لیا۔ اس مباحثہ میں شنکر کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آخر اس نے فتح پائی۔ اور سرسوتی نے اس کی علمیت اور سچائی کے آگے سر جھکا دیا۔

اس میدان کو مار کر شنکر کا حوصلہ بہت بڑھ گیا۔ اُس نے اپنے شاگردوں کے ساتھ دیش میں چکر لگانا اور ناستک لوگوں کے ساتھ بحث کرنی شروع کی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ مہاتما بُدھ سے پہلے بھارت ورش میں ناستک نہیں تھے۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دراصل ناستک لوگوں کا سب سے پہلا گورو چارواک مہا بھارت کے زمانہ میں ہُوا ہے۔ اور بُدھ نے بھی ان لوگوں کے خیالات کو بہت کچھ اپنے اندر

دھارن کیا تھا جہاں کہیں شنکر کے قدم گئے۔ ناستکتا کا بیج ناش ہوتا گیا۔ کوئی ناستک شنکر کا مقابلہ نہ کر سکا۔ جو مقابلہ پر آیا۔ اُسے اس بہادر نے شکست فاش دی۔

جن لوگوں کے ساتھ شنکر کو مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ وہ پرماتما کی ہستی کے قائل نہ تھے۔ بلکہ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ دُنیا ہمیشہ سے اسی طرح ہے اور آئندہ بھی اسی طرح رہیگی۔ نہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اور نہ کوئی اس کا خاتمہ کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ مانتے تھے کہ انسانی رُوح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہیگی۔ یہ اپنے کرموں کے مطابق مختلف جنم لیتی ہے۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے۔ بعض ناستک ایسے بھی تھے جو نہ آتما کو مانتے تھے اور نہ پرماتما کو۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ نہ کوئی پرماتما ہے اور نہ جیو آتما۔ بلکہ جو کچھ ہے۔ یہ پرکرتی ہے۔ اس کی خاص خاص حالتوں میں ملاپ ہونے سے انسان بن جاتا ہے۔ اور چند روز اس دنیا پر تماشہ کرتا رہتا ہے۔ پھر جب پرکرتی شکل بدلتی ہے تو انسان کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی کرم ہے نہ کوئی پھل ہے۔ نہ کوئی نیکی ہے۔ نہ کوئی بدی ہے۔ اور نہ یہ زندگی دوبارہ ہے۔ اس لئے یہ لوگ پرچار کرتے تھے کہ انسان کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے۔ آرام اور آنند حاصل کرنیکی کوشش کرے۔ اور جس قدر آرام حاصل کر سکے۔ اُس قدر ہی اُس کے لئے اچھا ہے۔

اس قسم کے خیالات نے ویدک مریادا کو بالکل توڑ دیا تھا۔ لوگ نہ ورن کی پرواہ کرتے تھے اور نہ آشرم کی۔ بہت سی نیک عادات کا جو آریہ جاتی میں ہزاروں لاکھوں سال سے قائم چلی آتی تھیں۔ ناش ہو گیا تھا۔ اور بیشمار برائیاں جن کو پراچین آریہ بزرگ جانتے بھی نہ تھے۔ اس وقت آریہ جاتی میں پرورت ہو گئی تھیں۔ آریہ ستان کی حالت سخت خراب تھی۔ تمام کرم کانڈ کا ناش ہو گیا تھا۔ جدھر دیکھو عیش اور عشرت کا سامان گرم تھا۔ اور انسانی دل بدن کمزور ہوتی جاتی تھی۔ ویدک دھرم کے پریمی بہت کوشش کرتے تھے کہ ایک دفعہ پھر بگڑے ہوئے ورن آشرم کو قائم کریں۔ مگر

مخالفت اِس قدر زیادہ تھی کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

شنکر کو بھی یہ دِقت پیش آئی۔ اگر ایک جگہ کا انتظام خراب ہو تو انسان بہت جلد اُسے ٹھیک کر سکتا ہے۔ لیکن جب تمام انتظام خراب ہو جاوے۔ پھر اُسے آسانی سے ٹھیک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر جسم کے ایک حصہ میں درد یا تکلیف ہو تو بڑی آسانی سے اس کا انسداد سوچا جا سکتا ہے۔ لیکن جب جسم کے تمام حصوں میں درد کی شکائت ہو تو معالج بھی گھبرا جاتا ہے۔ یہی حالت اُس وقت بھارت ورش میں آریہ جاتی کی ہو رہی تھی۔ خرابی ایک نہ تھی۔ بلکہ بہُت سی تھیں۔ اور اُن کے دُور کرنے کے لئے بہت تھوڑی کوشش کی جاتی تھی۔ شنکر سوامی نے ایک زبردست ہاتھ سے اِن خرابیوں کا خاتمہ کرنا چاہا۔ اور عوام میں بہت کچھ تبدیلی پیدا بھی ہو گئی۔ مگر مُلک کے امیر گھرانوں کی حالت بڑی خراب تھی۔ وہاں زیادہ تر جین مت اور ناستک لوگوں کا اثر تھا۔ اور شنکر کی تعلیم کا کچھ زیادہ اچھا نتیجہ نہ نکلتا تھا۔

اس پر شنکر نے اپنی توجہ راجاؤں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کی طرف پھیری۔ اور ارادہ کیا کہ اصلاح کا کام وہاں سے شروع ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے اپنے اُپدیش اور پرچار کے سلسلہ کو بدل ڈالا۔ اُس نے راجاؤں کو اپنے مذہب کی طرف پریرت کرنا شروع کیا۔ وہ خود راج درباروں میں چلا جاتا تھا۔ اور وہاں کے پنڈتوں کو بحث مباحثہ کا چیلنج دیتا تھا۔ مگر یہاں شنکر کو ایک بڑی قباحت کا سامنا ہوا۔ اکثر راجہ لوگ اَن پڑھ اور اُمی ہوتے تھے۔ یا اگر کچھ لکھے پڑھے ہوتے تھے تو اُن پر اُن کے منتریوں اور مشیروں کا اِس قدر دباؤ ہوتا تھا کہ وہ اس کی باتوں پر زیادہ دھیان نہ کرتے تھے۔ چنانچہ اِن کی اس سرد مہری کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ شنکر کی تمام کوششیں ناکام رہتی تھیں۔ اور بھارت ورش سے ناستک منڈلی کا زور کم کرنے کے لئے شنکر کا پروگرام تھا۔ وہ سپھل نہ ہوتا تھا۔

ایک شخص کی کمر ہمت توڑنے کے لئے ناکامیابی کا ایک ہی جھٹکا کافی ہوتا ہے۔ شنکر بھی کئی دفعہ نراش ہو جاتا تھا۔ مگر اس کی ماتا کے الفاظ جو اُس نے مرتے وقت کہے تھے ہمیشہ اُس کے دل میں استقلال اور ہمت بڑھاتے رہتے تھے۔ وہ کسی وقت ناکامیابیوں سے گھبرا جاتا تھا مگر پھر یہ سوچ کر کہ بڑے کام کے لئے بڑی مدت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنے کام میں لگ جاتا تھا۔ شنکر کے شاگردوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ اور ان میں بعض شاگرد ایسے لائق اور ہوشیار تھے کہ ان میں سے ایک ایک ناستک لوگوں کے گروہ کے گروہ کو میدان مناظرہ میں شکست دے دیتا تھا۔ مگر دقت یہ تھی کہ مباحثہ کے بعد حالت ذرا نہ بدلتی تھی۔ بلکہ مباحثہ سے پہلے کی طرح ہی لوگوں کی حالت رہتی تھی۔ شنکر نے کئی بار آریہ جاتی کے لئے قواعد بنائے۔ مگر ابھی اُن کے پرچار کا وقت نہ آیا تھا۔ اس لئے وہ بنے کے بنے ہی پڑے رہے۔

راجاؤں کے دربار کا نقشہ دیکھ کر شنکر کو بڑا رنج ہوتا تھا۔ لیکن وہ راجاؤں کا پیچھا چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ انہی ایام میں اُسے معلوم ہوا کہ راجہ سودھنوا جس کے دربار میں منڈن مشر بھی جا آیا تھا۔ کچھ مذہبی معلومات رکھتا ہے۔ شنکر اپنے شاگردوں کو ساتھ لیکر فوراً وہاں جا پہنچا۔ اور راجہ کو کہلا بھیجا کہ وہ اُس کے ساتھ مذہبی امور پر بحث کرنے کے لئے آیا ہے۔ راجہ سودھنوا نے شنکر کو بعزت تمام دربار میں بلایا۔ جس وقت شنکر راجہ کے دربار میں پہنچا۔ وہ اس کے ساتھ بڑے خلق سے پیش آیا۔ شنکر کے دل میں تو ایک ہی دُھن تھی۔ اُس نے راجہ سے پُوچھا کہ وہ پرماتما کی ہستی سے کیوں منکر ہے۔ راجہ نے چند منٹ شنکر کے ساتھ بات چیت کی۔ مگر جب دیکھا کہ شنکر اس کی نسبت بہت زیادہ ودوان ہے۔ اُس نے اپنی زبان بند کر لی۔ اور شنکر سے کہا کہ وہ اپنے پنڈتوں کا اس کے ساتھ مباحثہ کرائیگا۔ شنکر نے کہا کہ وہ اس کام کے لئے بالکل تیار ہے۔ اور راجہ سے کہا کہ اپنے

پنڈتوں کو ابھی بلاؤ۔ راجہ نے کہا کہ آپ اپنے آشرم پر جاؤ۔ میں سب تیاری کر کے آپ کو اطلاع دونگا۔ اس پر شنکر اپنے مکان پر چلا آیا۔ اس کا دل جوش سے بھرپور تھا۔ اور وہ اپنی کامیابی کے لیئے ضروری سمجھتا تھا کہ راجہ سدھنوا نے تمام پنڈتوں کو شکست دے کر اُسے اپنے بخش میں کر لے۔

راجہ نے اپنے پنڈتوں کو بُلا کر کہا کہ شنکر کے ساتھ بحث کرنے کے لیئے تیار ہونا چاہیئے۔ راجہ کے ناستک پنڈت بڑے گھبرائے۔ وہ شنکر کی بدوتا کا حال پہلے سے ہی سُن چکے تھے۔ اور اُنہیں خوف تھا کہ شنکر کے پنجہ لڑانے میں کامیابی نہ ہوگی۔ اُنہوں نے چاہا کہ یہ بلا گلے سے ٹل جاوے۔ مگر شنکر کی علمیت کا قائل ہوا ہوا راجہ ان کے جال میں نہ پھنسا۔ اور اُس نے زور دیا کہ نہیں! شنکر کے ساتھ شاسترارتھ ضرور کرنا ہوگا۔ پنڈت چند روز کی مہلت لیکر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ تاکہ شاسترارتھ کی تیاری کریں۔ شنکر کو بھی یہ تمام حالات معلوم ہوتے رہتے تھے۔ اور وہ بھی برابر دھرم گرنتھوں کے دیکھنے میں مصروف تھا۔

آخر شاسترارتھ کا دن آپہنچا۔ شنکر کو اطلاع دی گئی۔ وہ اپنے شاگردوں کو ساتھ لیکر راجہ کے دربار میں آیا۔ اور اُس نے شرط پیش کی کہ جب تک یہ شرط قرار نہ پا جاوے کہ شاسترارتھ میں ہارنے والا اپنے مخالف کا مذہب اختیار کریگا۔ تب تک شاسترارتھ کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا۔ شنکر کے مخالفوں نے چاہا کہ اس سوال کو ہی آگے رکھ کر مباحثہ سے جان بچالیں۔ مگر راجہ سودھنوا نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ اور مباحثہ شروع ہو گیا۔ راجہ کے پنڈتوں کی پوزیشن یہ تھی کہ پرکرتی (مادہ) اور جیو آتما (روح) ہمیشہ سے ہیں۔ اور ہمیشہ تک رہینگے۔ ان کے علاوہ اس دُنیا کو بنانے والا کوئی پرمیشور وغیرہ نہیں ہے۔ جیو کرم کرتا ہے۔ اور ان کے مطابق خود ہی پھل بھوگتا رہتا ہے۔ اُسے پھل دینے والا اور کوئی نہیں ہے۔ اِسکے

برخلاف شنکر کی یہ پوزیشن تھی کہ صرف ایک ذات برہم ہے۔ یہ سب کچھ اُس کا ہی ظہور ہے۔ یہ سب اُس سے ہے اور اُس میں ہی مل جاویگا۔ نہ کچھ اس سے جُدا ہے اور نہ وہ ان سے جُدا ہے۔
مباحثہ خوب زور شور سے شروع ہوا۔ دونوں طرف سے ایک دُوسرے کی تردید میں دلائل دی جاتی تھیں۔ پھر اِن دلائل کی تردید ہوتی تھی۔ شنکر نے اِس راز کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ اُس کے مخالف زیادہ پرمانوں یعنی ثبوتوں و حوالوں کی پرواہ نہیں کرینگے۔ اِس لئے اُس نے فلسفہ کی شرن لی۔ اور اپنے مخالفوں کے ہر ایک سوال کا جواب فلسفہ سے ہی دیا۔ شنکر کے مخالف بھی کئی دن کی تیاری کے بعد میدان میں آئے تھے۔ وہ بھی بہت بڑھ بڑھ کر سوالات کرتے تھے۔ اُن کے اکثر سوالات بظاہر بڑے وزندار معلوم ہوتے تھے۔ لیکن شنکر نے ان سوالات کی دھجیاں اُڑا دیں۔ اور اپنے مخالفوں کو یہاں تک قائل کیا کہ آخر کار اُن کی زبان بند ہو گئی۔ یہ مباحثہ برابر کئی روز تک ہوتا رہا۔ راجہ سودھنوا بڑے غور سے دونوں طرف کے سوالات و جوابات کو سنتا رہا۔ شنکر کی دلائل اُس کے دل میں کھُب گئیں۔ اور اُس نے برسر دربار اقرار کر لیا کہ وہ شنکر کو راستی پر سمجھتا ہے اور اُس کی تعلیم کو سچّی سمجھ کر اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔

شنکر کے مخالف یہ سُنکر مارے شرم کے پانی پانی ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنی آنکھیں زمین کی طرف جھُکا لیں۔ شنکر نے زور دیا کہ اب اُن کو ویدک دھرم گرہن کرنا ہوگا۔ یہ لوگ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ شنکر نے راجہ سودھنوا کو معہ اس کے ساتھیوں کے ویدک دھرم میں شامل کر لیا۔ اِس فتح کی خوشی میں ایک بڑا یگیہ اور ہون کیا گیا۔ جس میں بڑی دُور دُور سے ویدک دھرم کے انویائی آکر شامل ہوئے۔ اور شنکر کی تعریف کرنے لگے۔ لوگوں کے جھنڈ کے جھنڈ شنکر کے درشن کرنے آتے تھے۔ اور عزّت کی نظر سے دیکھتے ہوئے اُس کی تعظیم کرتے تھے۔ جب شنکر راجہ سودھنوا اور اُس کے ساتھیوں کو ویدک دھرم میں شامل کر چکا۔ تو اُس نے راجہ سے کہا کہ اب دُوسرے لوگوں کو بھی

ناستکتا کی غار سے نکالنا چاہیئے۔ راجہ شنکر کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اُس نے اِس تجویز کو منظور کر لیا اور شنکر سے کہا کہ وُہ ویدک دھرم کے پرچار کے لئے جو کچھ مناسب سمجھتا ہے کرے وُہ اُسے ہر پہلو سے مدد دیگا۔ راجہ کی بدولت شنکر کی دُوسرے راج درباروں میں بھی بڑی قدر ہو گئی۔ چنانچہ شنکران راج درباروں میں بڑی شان سے جاتا اور مباحثے کرتا تھا اور ناستک لوگوں کو ویدک دھرم کی طرف لاتا تھا۔

شنکر کا ستارہ اوج پر تھا۔ جہاں وہ جاتا تھا۔ فتح اُس کے قدم چُومتی تھی۔ اُسکے مخالف بھی اُس کی عزت کرنے کو تیار ہوتے تھے۔ جب بڑے بڑے راج درباروں میں بھی شنکر کی بدولت ویدک دھرم داخل ہو گیا۔ اور اس کی مخالفت کرنے والا بظاہر کوئی نہ رہا۔ تو اُس نے آریہ جاتی کے لیئے ویدک اصُولوں کو دوبارہ قائم کرنا چاہا۔ چنانچہ آجکل آریہ جاتی میں جو ورن اور آشرم بیوستھا نظر آتی ہے۔ وہ تقریباً شنکر کی ہی قائم کردہ ہے۔ ممکن ہے۔ شنکر کے شاگردوں نے بعد میں اِس میں کچھ تبدیلیاں کی ہوں۔ لیکن اس کا بہت بڑا حصہ شنکر کی ہی یادگار ہے۔ ورن آشرم کا انتظام کرنے کے بعد شنکر نے بھارت ورش کے مختلف حصوں میں ایسے مقامات بنانے کا ارادہ کیا کہ جہاں پر ویدک دھرم کے پرچار کا پُورا انتظام ہو۔ اس غرض کیلیئے اُس نے علاوہ کئی مقامات پر بڑی بڑی پاٹھ شالائیں جاری کرنے کے اور وہاں پر تعلیم کا بہترین معیار رکھنے کے مُلک کے مختلف حصوں میں مٹھ قائم کیئے جہاں اُس کے خاص خاص آدمی رہتے اور ویدک دھرم پرچار میں کوشاں ہوتے تھے۔ چنانچہ ان مٹھوں کے نام یہ ہیں :- (۱) کاشی میں سومیرو مٹھ (۲) جگن ناتھ میں گوبردھن مٹھ (۳) بدرک آشرم میں جوشی مٹھ (۴) دوارکا میں ساردا مٹھ (۵) سرنگیری میں شرنگیری مٹھ۔ ان کے علاوہ اگرچہ اور بھی مٹھ ہیں۔ مگر یہ بڑے مشہور نہیں ہیں۔ کوئی زمانہ تھا۔ جبکہ اِن مقامات سے وید پرچار کا بڑا کام کیا جاتا تھا۔ یہاں سے اچھے اچھے اُپدیشک دُور دراز مقامات

پستھو پرچار کے لئے جاتے تھے۔ اور ناستک لوگوں کی دلائل کا کھنڈن کرتے تھے۔
اگرچہ شنکر سوامی کی عمر ۳۰-۳۲ سال کی تھی۔ مگر اُس کا کام جوبن پر تھا۔ کوئی شخص مقابلہ میں آنے کا حوصلہ نہ کرتا تھا۔ آریہ جاتی سے وہ لوگ جو کسی وجہ سے ویدک دھرم کو چھوڑ کر ناستک بن گئے تھے۔ پھر شنکر کے اُپدیش سے ویدک دھرم میں واپس آ گئے۔ اور ویدک دھوجا تمام ملک میں اُسی طرح لہرانے لگی جس طرح کہ پراچین رشیوں کے وقت میں لہلہایا کرتی تھی۔ اب بھی شنکر کا بہت سا وقت بحث مباحثہ میں گذرتا تھا۔ اور جو وقت لوگوں کے اُپدیش اور مباحثات سے بچتا تھا۔ وہ کُتب کے تحریر کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ چنانچہ شنکر کی جو کُتب اِس وقت موجود ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی علمیت سے لکھی گئی ہیں۔
شنکر کی تعلیم بڑی سیدھی سادی ہے۔ اس کا اثر انسان کے دماغ تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ دل تک پہنچتا ہے۔ اس کی تعلیم کو بھارت ورش میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ وہ دوسرے کسی مذہبی ریفارمر کی تعلیم کو ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک اس کی تعلیم میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور تو اور عورتوں تک میں اُس کی تعلیم کا پرچار ہے۔ اور جہاں چار عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ اُس کی تعلیم کا چرچا ضرور ہوتا ہے۔ دُنیا کو میتھیا ثابت کرنے کے لئے شنکر کی تصانیف میں اگرچہ اِس قدر مصالحہ نہیں ملتا۔ مگر بعض مثالیں جو اُس کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے بھارت ورش کے لوگوں کے دلوں پر وہ اثر کیا ہے کہ زمانہ کا بڑا المبا دور بھی اُنہیں نکما ثابت نہیں کر سکا۔ یہ دُنیا خواب کی مانند ہے۔ جس طرح ہم دہوکہ میں رسّی کو سانپ سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اس دُنیا کو ست سمجھ رہے ہیں۔ وغیرہ۔ اِس قسم کے خیالات جو ہر ایک ہندو گھر میں پائے جاتے ہیں۔ آج بھی اِس امر کا پتہ دیتے ہیں کہ شنکر نے پرماتما کی ہستی ثابت کرنے کے لئے پرکرتی اور روح کی

ہستی کو انسانی دل سے بالکل فراموش کرا دیا تھا۔
عیسائی مذہب اور محمدی مذہب میں خدا کے بارہ میں جو خیالات ہیں۔ وہ زیادہ تر شنکر کے خیالات کی ہی نقل معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہ مذاہب بھی پرماتما کے بارہ میں ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ہے اُسی سے ہے۔ اگرچہ وہ یہ نہیں مانتے کہ جو کچھ ہے وہ بعد میں وہی بن جاویگا۔ شنکر کی تعلیم کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ وہ اپنی نظیر دُنیا میں نہیں رکھتی۔ اور سچ بھی ہے کہ اگر شنکر کا جنم نہ ہوتا۔ تو آج بھارت ورش میں ویدک دھرم کی بجائے جین مت کا زیادہ پرچار نظر آتا۔ یہ شنکر کی ہی ہمّت اور پُرشارتھ کا پھل ہے کہ اُس نے چند سال کے عرصہ میں کروڑہا لوگوں کو ناستکتا کی تعلیم سے نکال کر ویدک دھرمی بنا دیا۔ اور اس طرح پر مقدس ویدوں کی رکشا کی جو دوسری حالت میں ناممکن تھی۔
انسانی دماغ کا خاصہ ہے کہ جب یہ مقابلہ میں ہار جاتا ہے۔ اور اُسے میدان مقابلہ میں کامیابی کی اُمید نہیں رہتی۔ وہ کمینہ طریقوں سے اپنے حریف کی طاقتوں کا خاتمہ کرنے کے لیئے تُل جاتا ہے۔ اس سچائی کی شہادتیں ہم کو ہر ایک ملک اور ہر ایک زمانہ کی تاریخ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ شنکر کے ساتھ بھی اُس کے مخالفوں نے یہی کیا۔ جب جینی لوگوں نے دیکھا کہ شنکر کے پرچار اور اپدیش سے اُن کے مذہب کا قریب قریب خاتمہ ہوتا جاتا ہے۔ اور جو کچھ باقی ہے۔ وہ بھی چند روز میں ملیا میٹ ہو جاویگا۔ تو اُنھوں نے شنکر کی زندگی کا ہی خاتمہ کرنے کی ٹھان لی۔ یہ خیال آتے ہی اس مہان آتما کی جان لینے کے لیئے منصوبے شروع ہوئے۔ کوشش یہ تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔ شنکر کو مار ڈالنا چاہیئے۔ ورنہ وہ ناستک مت کا نام و نشان بھی بھارت ورش میں نہ چھوڑیگا۔
شنکر کی عمر اس وقت ۳۲ اور ۳۳ سال کے درمیان تھی۔ اس کا جوش اپنی

انتہائی حد پر پہنچا ہوا تھا۔ ویدک دھرم کا پرچار بڑی خوبی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اور ویدک کرم کانڈ کسی قدر مختلف صورتوں میں از سر نو رواج پا رہا تھا۔ اتنے میں دو جینی بھیس بدل کر شنکر کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے۔ اور اس کے ساتھ رہنے لگے۔ شنکر کی نیت صاف تھی اور وہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا ہی سمجھتا تھا۔ بڑے بڑے راج درباروں میں اس کی عزت تھی۔ اور اس کے پاس کام اس قدر زیادہ رہتا تھا کہ وہ اپنے بارہ میں بہت کم سوچ وچار سکتا تھا۔ یہ دونوں کمینہ شخص اس تاک میں تھے کہ ان کو موقعہ ملے تو وہ اس ویدک مارتنڈ کی جیوتی کو بجھا دیں ان کے دل پر یہ بات دیکھ کر بڑا صدمہ ہوتا تھا کہ وہ مقامات جہاں کبھی جین پاٹھ شالائیں اور مندر ہوتے تھے۔ شنکر آچاریہ کے پرچار کی بدولت ویدک پاٹھ شالاؤں اور دھرم مندروں کی شکل میں تبدیل ہو رہے تھے۔ جینی لوگوں کی مورتیاں ان مقامات سے اٹھائی جا رہی تھیں۔ اور ان کی جگہ ویدک دھرم کی اُنتی کے سامان مہیا کئے جاتے تھے۔

آخر ان کا وار چل گیا۔ انہوں نے ایک دفعہ موقعہ پاکر شنکر سوامی کو کوئی ایسی زہریلی چیز کھلا دی۔ جس سے رفتہ رفتہ اس کی بھوک بالکل بند ہو گئی۔ اور کچھ عرصہ بعد اس کے جسم میں بڑے بڑے پھوڑے پھنسیاں نکل کر زخم ہو گئے۔ شنکر کے شاگردوں اور دوستوں کو اس امر کا بڑا رنج ہوا۔ اور وہ اس کے علاج میں مشغول رہے۔ مگر زہر اپنا اثر کر چکا تھا۔ جسم کی اندرونی انتڑیاں زہر کی وجہ سے کچھ تو کٹ چکی تھیں۔ اور کچھ خراب ہو گئی تھیں۔ جن کا درست ہونا اب ناممکن تھا۔ شنکر نے اپنی عمر میں کسی کے ساتھ برائی نہ کی تھی۔ وہ سب کا بھلا چاہتا تھا۔ دوسروں کی بھلائی کے لئے وہ اپنا تن من اور دھن سب کچھ نچھاور کرتا تھا۔ اپنا آرام اس نے دوسروں کے لئے قربان کر دیا تھا۔ مگر ایک جسم تھا جو اس نے رکھا ہوا تھا۔ تو لو

کو یہ بھی شاق گذرا۔ اور انہوں نے اس کو بھی چھیننے کی تیاری کی۔ بھانامشنکر نے یہ بھی اُن کے حوالہ کردیا۔ زہر کھانے کے بعد شنکر چھ ماہ تک اور زندہ رہا۔ اِس عرصہ میں بھی اگرچہ اُسے جسمانی طور پر بڑی تکلیف تھی۔ مگر وہ ویدک دھرم کا پرچار بدستور کرتا رہا۔ اور اِسی حالت میں اُس کی موت نے اس کی زندگی کے سلسلہ کا خاتمہ کردیا۔

شنکر جو ایک روشن چراغ کی طرح چمکتا تھا۔ اور گمراہوں کو راستہ دکھاتا تھا بجھ گیا۔ تمام بھارت ورش میں اس کی موت کا صدمہ ہُوا۔ سب طرف سے اُسکے شاگردوں کے ساتھ اظہار رنج و ہمدردی ہونے لگا۔ کچھ عرصہ تک یہی حال رہا۔ بعد میں اُس کے شاگردوں نے مٹھوں میں بیٹھ کر کام کرنا شروع کیا۔ شنکر کے بعد ان کی بڑھتی ہوئی عزّت نے ان کے دماغ اُونچے کردیئے۔ اور وہ شنکر کا مشن پورا کرنے کی بجائے اپنی پیٹ پوجا میں لگ گئے۔ اور وہ مشعل جو ویدک دھرم کے پرچار کے لئے شنکر نے جلائی تھی۔ کچھ عرصہ سسک سسک کر رہ گئی۔

شنکر نے صرف دس بارہ سال کام کیا۔ مگر اِس چھوٹے سے عرصہ میں ہی اُسے وُہ کامیابی نصیب ہوئی۔ کہ آج تک لوگ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اُس کی چمک کے آگے بڑے بڑے پنڈت دم نہ مار سکے۔ اور اُس نے وہ کر دکھایا جو دُوسرے سینکڑوں کی تعداد میں بھی نہیں کرسکتے۔ شنکر نے جو کُتب لکھی ہیں۔ یا جواب اُس کے نام سے مشہور ہیں۔ اُن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:۔ سوندریہ ہری۔ نیاسے کسماانجلی۔ امروشتکت ویدانت پربھاشا۔ کاماکشی اشٹک۔ نکشتر مالا۔ استوراج تنترا توسندھان۔ ادویت کوستھبھ۔ ویدانت مکتاولی۔ شیوستوتر۔ وشنوسہنسر نام بھاشیہ۔ شیومانس پوجا۔ شاریرک۔ ورہد کارکا وغیرہ۔ شنکر نے اُپنشدوں پر جو بھاشیہ کئے ہیں۔ وہ بڑے غضب کے ہیں۔ اور بھارت ورش میں زیادہ تر لوگ اس کے ہی بھاشیہ پر موہت ہیں۔

یہ کہنا کہ شنکر کے تمام خیالات راستی پر تھے یا نہیں؟ مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ اُس نے اپنی زندگی میں کئی غلطیاں کی ہوں۔ مگر ویدک دھرم پرچار کا کام جس ہمت۔ لیاقت۔ بہادری اور ایثار سے ساتھ اُس نے کیا ہے۔ وہ بے نظیر ہے۔ شنکر کے ایک شاگرد نے "شنکر دگ وجے" ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں شنکر کے مباحثات کا ذکر ہے۔ اِس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدک دھرم پرچار کے لئے شنکر نے تمام بھارت ورش کا بھرمن کیا۔ اور کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا۔ جہاں ویدک دھرم کا نادنہ بجایا ہو۔ شنکر نے آریہ جاتی کی بگڑی ہوئی حالت سدھاردی یا کم از کم سُدھارنے کا کام شروع کردیا۔ وہ ایک ملّاح تھا۔ جو اُس وقت پیدا ہُوا جبکہ ویدک دھرم کی کشتی سمندر کی منجدھار میں تھی۔ اور ناستک لوگ اپنے حملوں سے اُسے پائمال کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس ملّاح نے اپنی ہمت۔ استقلال اور بہادری سے اُسے اِس خوفناک بھنور سے نکال کر ایک دفعہ پھر سلامتی کے کنارے پر لگادیا۔

آج بھی بھارت ورش کے کروڑوں ہندو شنکر سوامی کی تعلیم پر کاربند نظر آتے ہیں۔ اور ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں اس مہاتما کا نام نہایت ہی عزت اور شردھا سے لیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے کئی مقامات پر وہ مٹھ اب تک قائم ہیں۔ جو شنکر سوامی نے قائم کئے تھے۔ اور ان مٹھوں کے مہنتوں کے فیصلے ہندوستان کی مذہبی دُنیا میں بہت بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

"جو لوگ صرف مجھے اے خداوند! اے خداوند! کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں یاد رکھیں کہ ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہوگا بلکہ اس اعزاز کا مستحق صرف وہی شخص ہے۔ جو آسمانی باپ کے حکم پر چلتا ہے یا جو پرماتما کی آگیا پالن کرتا ہے۔ قیامت کے دن بہت سے لوگ مجھ سے کہیں گے کہ اے خداوند! کیا ہم نے تیرے نام اور نبوت کے آگے سر نہیں جھکایا؟ لیکن ان تمام لوگوں کو اس وقت میرا صرف یہی جواب ہوگا اور میں ان سے صاف کہہ دوں گا کہ اے لوگو! میں تم کو نہیں جانتا ہوں میری تم سے ذرا بھی واقفیت نہیں ہے۔ میں انہیں یہ بھی کہہ دوں گا کہ اے بدکارو! میرے پاس سے چلے جاؤ۔ کیونکہ جو شخص میری باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے۔ وہ اس عقلمند آدمی کی مانند ہے۔ جو اپنا گھر ایک مضبوط چٹان پر بناتا ہے۔" (متی)

آج عیسائی لوگ دنیا کے کونے کونے میں یہ آواز بلند کرتے پھرتے ہیں کہ مسیح پر ایمان لاؤ۔ مسیح پر ایمان لاؤ۔ وہ اس بات کا بھی پرچار کرتے ہیں کہ انسانی اعمال کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ بلکہ نجات حاصل کرنے کے لیے صرف مسیح کی شخصیت پر ایمان لے آنا کافی ہے۔ ان لوگوں کو انجیل کا مندرجہ بالا قول غور سے پڑھنا چاہیے۔ جس میں اس امر کا عام طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ جو شخص صرف مسیح کی باتیں سنتا ہے۔ مگر ان پر عمل نہیں کرتا۔ وہ کسی بہتر سلوک کا مستحق نہیں ہے۔ ایک طرف انجیل کا مندرجہ بالا قول

ہو۔ دُوسری طرف موجودہ عیسائی لوگوں کی کوشش ہو تو ایک سنجیدہ آدمی ان کے درمیانی فرق کو دیکھ کر چونک پڑتا ہے۔ اور اس کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے کہ آج کل عیسائی لوگ، دُنیا کو مسیح کی تعلیم کے سراسر برخلاف راستہ پر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جب مسیح کی زندگی اور اس کے کارناموں پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ اور اُس کی بے نظیر قربانی کا خیال کیا جاتا ہے۔ تو آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ دل کانپ اُٹھتا ہے۔ اور طبیعت حیران ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے۔ جو تعلیم مسیح نے دی ہے۔ وہ لفظ بہ لفظ درست نہ ہو۔ اور اُس میں وہ غلطیاں پائی جاویں جو ہر ایک انسان سے ہونی ممکن ہیں۔ مگر مسیح کا جیون ایک قابلِ تقلید جیون ہے۔ اور دُنیا کے لوگ اپنے لئے اس سے کئی ایک نیک سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

مسیح کی زندگی ایک خوبصورت باغ کی مانند ہے۔ جس کی ایک ایک کیاری خوشنما پھولوں سے آراستہ ہے۔ مگر اس باغ میں داخل ہونے کے لئے جو دروازہ ہے۔ وہ نہایت ہی خراب اور بدنما ہے۔ کسی شخص کی زندگی اُس کے جنم سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اور مسیح کی زندگی میں داخل ہونے کے لئے بھی ہم کو اس کے جنم سے ہی شروع ہونا پڑیگا۔ مگر اس مہاتما کے جنم کے حالات کو ایک ایسی رنگت دیدی گئی ہے جسے نہ تو قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ٹھیک پتہ مل سکتا ہے۔ مسیح کے پیرو آج برملا یہ کہتے ہوئے سُنائی دیتے ہیں کہ اُن کا روحانی لیڈر ایک کنواری کنّیا سے اُس حالت میں پیدا ہُوا تھا جبکہ اُسے کسی شخص نے چھوا تک نہ تھا۔ مگر یہ خیال صرف ایک وہم ہے۔ اور اس کی اصلیت کچھ بھی نہیں ہے۔ خود انجیل اس کے بارہ میں متلاشیانِ حق کو کوئی مناسب جواب نہیں دیتی۔ اور نہ ہی کوئی دُوسری تاریخ اس عقدہ کو وا کرتی ہے کہ مسیح کی پیدائش کس طرح ہوئی؟ مختلف کتب کو

مطالعہ کرنے سے ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت مریم کی والدہ کے صرف
ایک لڑکی پیدا ہو کر پھر کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اور اس کی بڑی خواہش تھی کہ اُس
کے گھر میں لڑکا پیدا ہو۔ اور اُن دنوں کے رواج کے مطابق اس نیک استری نے
ایک روز یہ بھی کہا کہ اگر میرے لڑکا پیدا ہوا۔ تو میں اُسے بیت المقدس کی مجاوری
میں رکھونگی۔ اور اُسے ایشور کی نذر چڑھاؤنگی۔ اتفاق سے اس دفعہ بجائے لڑکے
کے لڑکی پیدا ہوئی۔ اور یہ لڑکی دیوی مریم ہی تھی۔ جسے اس کی والدہ نے اپنے
وعدہ کے مطابق حضرت ذکریا کو جو اُن دنوں بیت المقدس کے مجاور تھے۔ دیدیا
اور حضرت ذکریا نے ہی اسے پرورش کیا۔ یوسف نجّار جو حضرت مسیح کا باپ تھا
وہ بھی بیت المقدس میں عبادت کرنے جایا کرتا تھا۔ بلکہ مریم کا ماموں زاد بھائی
بھی تھا۔ ان دونوں کے درمیان آپس میں بڑی محبت تھی۔ اور یہ اکثر اکٹھے ہی رہا
کرتے تھے۔ آخر ان دونوں نے شادی کرلی۔ اور اس شادی کے بعد مسیح کی
پیدائش ہوئی۔ ہم اس امر کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے کہ دیوی مریم اور جبرئیل وغیرہ کا
جو قصّہ بنایا گیا ہے۔ اس کی اختراع کس طرح ہوئی۔ غالباً یہ خیال مسیح کی وفات کے بہت
عرصہ بعد سوجھا ہے۔ اور کسی شخص نے مسیح کو ایک ترکھان کا بیٹا بیان کرنے کی بجائے
خدا کا بیٹا قرار دینے کے لئے یہ فرضی قصّہ گھڑا ہے۔

جس وقت مسیح کی پیدائش ہوئی۔ اس وقت یروشلم میں کاہنوں نے بڑا ظلم برپا کر رکھا
تھا۔ یہ لوگ بڑے فتنی۔ وہمی اور شرارتی تھے۔ بُت پرستی اور طرح طرح کی بدعتوں میں پھنسے
ہوئے تھے۔ اور ہر طرح کی شرارتیں کرتے ہوئے ان کو ذرا بھی لجیا نہ آتی تھی۔ اُن ایام
میں یروشلم میں شاہ ہیروڈیس حکمران تھا۔ جو ظلم کی زندہ مثال تھا۔ یہ بادشاہ بہت ہی
وہمی تھا۔ اکثر نجومی اس کے ارد گرد حلقہ بنائے رکھتے تھے۔ اور ذرا ذرا سے خواب یا حرکات
کی تعبیر اُن سے پوچھی جاتی تھی۔ کسی نے اسے کہہ دیا کہ اُسے یہودیوں کا ایک لڑکا جان سے

ہلاک کریگا۔ اس پر اس نے حکم دیدیا کہ یہودیوں کی خاص طور پر حفاظت کی جاوے سینکڑوں ہزاروں بچے اس وہمی کے اشارہ سے والدین کی پیاری گود سے چھینے گئے اور ہلاک کر ڈالے گئے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ادھر کسی عورت نے بچہ جنا اور ادھر اس شریر نے اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیدیا۔ جن دنوں مسیح گربھ میں تھا۔ اس کے ماتا پتا کو بھی خوف تھا کہ جونہی بچہ پیٹ سے باہر آویگا۔ اُسی وقت قتل کر دیا جاویگا۔ اس خوف سے یہ دونوں یہودیہ چلے گئے۔ اور راستہ میں مریم نے درد زہ سے بڑی تکلیف پائی۔ اور بیت اللحم کے قریب ہی بچہ جنی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسیح کی پیدائش جس کے نام کے آگے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ سر جھکاتے ہیں۔ ایک گدھی کی چرن میں ہوئی تھی۔ کیونکہ یہی جگہ اُس وقت قابل آرام تھی۔ بچہ نہائت ہی خوبصورت تھا۔ ماں کی محبت نے جوش مارا۔ اور دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں دوسرے بچوں کی طرح یہ بچہ بھی چھین کر قتل نہ کر دیا جائے۔ اس لئے مریم نے اپنے خاوند سے کہا کہ بھاگ کر مصر دیش میں چلے جانا چاہیئے۔ تاکہ بچہ کی بحفاظت تمام پرورش کر سکیں۔ یوسف نے یہ تجویز پسند کی اور دونوں بچہ سمیت بھاگ کر سرحد مصر میں چلے گئے۔

کئی سال تک یوسف اپنے قبیلے کے ساتھ مصر میں رہا۔ اور یہاں اپنے آبائی پیشہ کی بدولت اپنا گذارہ کرتا رہا۔ ماتا نے بچہ کی پرورش بڑی محبت سے کی۔ اور اسے ضروری نیک ہدایات دیں مسیح کی زندگی کے ایام غریبی کے ایام تھے۔ مگر اپنی ماتا کی پیاری گود میں آفات زمانہ اسے زیادہ نہ ستا سکیں شروع سے ہی اسے مذہبی باتوں میں بڑی دلچسپی تھی۔ اور جہاں کہیں اس قسم کی بات چیت ہوتی۔ مسیح بڑے پریم اور توجہ سے اُسے سنتا تھا جب اس کی عمر بارہ سال کی ہو گئی۔ اس کے والدین کو پتہ لگا کہ ظالم ہیروڈیس جس نے ہزارہا بچوں کا خون پیا تھا۔ اس دنیا سے چل بسا ہے۔ اور اب یروشلم میں قدرے آرام ہے۔ وطن کی محبت نے اُن کے دل میں جوش مارا۔ اور وہ ایک دفعہ پھر اپنے باپ دادا کی سرزمین پر آکر

آباد ہونے کے لئے دل میں وچار کرنے لگے۔ اور ایک روز معمولی سامان ساتھ لیکر یروشلم میں جا پہنچے۔ جس روز یہ یروشلم میں پہنچے۔ وہاں پر ایک بڑا میلہ تھا مختلف مقامات سے مذہبی مجاور آئے ہوئے تھے۔ اور کئی مقامات پر بیٹھے ہوئے مذہبی مرحلے طے کر رہے تھے۔ ایک جگہ مسیح کو یہ باتیں ایسی پسند آئیں کہ وہ ان مذہبی مجاوروں میں جا بیٹھا۔ اور پہلے تو ان کی باتیں سنتا رہا۔ پھر خود بھی ان کی بحث میں شریک ہو گیا۔ چند نیک دل اشخاص نے اس کی باتوں کو غور سے سنا اور اس کی تعریف کی۔ اس کے ماتا پتا کو اس کا پتہ نہ رہا۔ اور وہ بھول کر کسی دوسری طرف چلے گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا لخت جگر ساتھ نہیں ہے۔ بڑے گھبرائے اور اس کی تلاش کرنے لگے۔ کئی گھنٹے کی تلاش کے بعد ان کو مسیح اپنی بحث میں سرگرم ملا۔ ماتا جو کئی گھنٹوں سے اس کی تلاش کرتی ہوئی حیران ہو گئی تھی۔ دوڑ کر اسے چمٹ گئی۔ اور کہنے لگی :۔

"بچہ! کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں اور تمہارا باپ تم کو تلاش کرتے کرتے حیران ہو گئے ہیں"۔ اس کے جواب میں مسیح نے بڑی نرمی سے جواب دیا۔ "ماتا! میں تو اپنے باپ کی ہی باتیں اس جگہ کر رہا تھا۔ اور اس کا ہی کیرتن سن رہا تھا"۔ مسیح کے اشارہ کو نہ تو سیدھی سادی مریم جان سکتی تھی۔ اور نہ ہی غریب یوسف سمجھ سکتا تھا۔ انہوں نے مسیح کو ساتھ لیا اور ناصرۃ نامی ایک شہر میں جا کر آباد ہو گئے۔

مسیح کو بارہ سال کی عمر میں ناصرۃ پہنچا کر انجیل اور عیسائی تاریخیں خاموشی اختیار کر لیتی ہیں۔ اور مسیح کی ۳۰ سال کی عمر تک کا کچھ بھی حال ان سے معلوم نہیں ہوتا۔ ایک خیال ہے کہ مسیح ناصرۃ میں جا کر ۱۸ سال تک اپنے باپ کا کام کرتا رہا۔ اور پھر یکایک اسے الہام ہوا کہ وہ نبی ہے۔ اور اس نے اپنے اہل ملک کو پیغام رسالت پہنچانا شروع کر دیا۔ عیسائی لوگ زیادہ تر یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ دوسرا خیال ہے کہ مسیح ناصرۃ میں بہت تھوڑا عرصہ رہا۔ بلکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکل گیا۔ اور تبت اور ہندوستان

میں تعلیم پاتا رہا۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ اگر مسیح ۳۰ سال تک ترکھان کا کام کرتا رہتا تو وہ یکدم ایسی مدلل تقریر کرنے کے قابل نہ ہو سکتا تھا۔ جیسی کہ انجیل میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ درست یہی ہے کہ علم حاصل کرنے کے لئے مسیح اپنے وطن سے نکل کر پہلے تبت میں آیا۔ اور پھر تبت سے چل کر بھارت ورش میں پہنچا۔ اور یہاں مختلف مقامات پر رہ کر اس نے مذہبی کتب کا مطالعہ کیا چند سال ہوئے۔ ایک روسی سیاح نوٹوویچ نامی نے مسیح کا ایک جیون چرتر شائع کیا ہے۔ جس میں اس نے اپنی ذاتی تحقیقات کی بنا پر لکھا ہے۔ کہ اس نے تبت میں ایک ایسی سوانحعمری دیکھی ہے۔ جو مسیح کی ہے۔ اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کی زندگی کے وہ ۱۸ سال جن کے بارہ میں عیسائی لوگ کچھ نہیں جانتے۔ ضرور بھارت ورش اور تبت میں صرف ہوئے۔ اور مسیح نے ہندوستان سے بہت کچھ سیکھا۔

اس سوانحعمری سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مسیح بھارت ورش میں آیا۔ یہاں پر بدھ مت کا بڑا زور تھا۔ اگرچہ براہمن لوگ ہندوستان سے بدھ مذہب کو خارج کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ مگر یہ مذہب اپنے جوبن پر تھا۔ چونکہ اس مذہب میں عام آزادی تھی۔ اس لئے مسیح بھی اس کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ اور بودھ اپدیشکوں کی مانند کام کرنے لگا۔ جس کی وجہ سے کئی ایک براہمن اس کے مخالف ہو گئے۔ اور اسے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ جب مسیح نے یہ حال دیکھا تو ہندوستان چھوڑ کر تبت بھاگ گیا اور کئی سال تک وہاں رہا۔ پھر وطن کی محبت کے جوش سے اپنے وطن کو چلا گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۰ سال کے قریب ہو چکی تھی۔ اور یہ مذہبی معاملات کا ماہر ہو گیا تھا۔ وطن میں اس کے رشتہ داروں نے اس کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ اس کے والدین نے اس کے آنے پر بڑی خوشی منائی۔ اور یہ چند روز تک اپنے گھر میں آرام سے ایام زندگی بسر کرتا رہا۔

مسیح بھارت ورش سے گیا تھا۔ گھر آتے ہی اس نے اپنے ملک میں ان باتوں کا

پرچار کرنا چاہا۔ جن کا پرچار وہ ہندوستان میں ہو تا دیکھ آیا تھا۔ اُسے اپنے اہلِ مُلک کی حالت پر سخت رنج ہُوا۔ کاہن لوگ بڑے دُراچاری تھے۔ اُن کی زندگی کا ہر ایک پہلو شرارت سے لبریز تھا۔ عورتوں کی عزّت اُن کے دِل سے اُٹھ چُکی تھی۔ شراب نوشی کا بڑا رواج تھا۔ ان سب کے علاوہ یہاں بنی اسرائیل کو بڑا دکھ دیا جاتا تھا۔ اُنہیں خواہ مخواہ ستایا جاتا تھا۔ اور تنگ کیا جاتا تھا۔ مُلک میں بدامنی کا بڑا پرچار تھا۔ اور ہر چہار طرف گھور اندھکار نظر آتا تھا۔ مسیح کا نرم دِل یہ نظارہ دیکھ کر دہل گیا۔ اور اُس نے اپنے اہلِ مُلک کے سُدھار کا بیڑا اُٹھانا چاہا۔ جب اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی خلاف اخلاق نظارہ آتا تھا۔ وہ تڑپ اُٹھتا تھا۔ اور بداخلاقی کو اپنے اہلِ مُلک سے دُور کرنے کے لئے سوچنے لگتا تھا۔

اِن دِنوں یروشلم میں سینٹ جان یا یوحنا اپنے اہلِ مُلک کی بھلائی کا بہُت کچھ کام کر رہا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں مذہب کے نام کا بڑا رواج ہو گیا تھا۔ اور ہر ایک بات مذہب کے نام سے سوسائیٹی میں رائج ہو سکتی تھی۔ اس لئے یوحنا نے مذہبی درس تدریس کا کام بھی جاری کر رکھا تھا۔ جب مسیح نے اس نیک اور دھرماتما شخص کا حال سُنا۔ وہ اس کے پاس آ گیا۔ اور اس کے ساتھ مِل کر کام کرنے لگا۔ اس نے یوحنا کے ہاتھ سے بپتسمہ لیا۔ اور اس کی ہدایات کے مطابق اپنے ملک کی بھلائی کا بیڑا اُٹھایا۔ یوحنا کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ مسیح اُس کے دیگر شاگردوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس کے جسم میں ایک خاص دِل حرکت کرتا ہے۔ جو ضرور ایک دن مُلک میں تہلکہ مچا کر رہیگا۔ اِس لئے وہ مسیح کے ساتھ خاص طور پر پیش آتا تھا۔ اور اس کی دلجوئی کرنے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا تھا۔ یہ شخص بڑا نیک تھا۔ بڑی سادگی کے ساتھ رہتا تھا۔ سادی غذا کھاتا تھا۔ اور جو شخص اس کے تعلق میں آتا تھا۔ کبھی رنجیدہ ہو کر نہ جاتا تھا۔ مسیح بہُت دِنوں تک اس کے ساتھ رہا۔ پھر اس کے مشورہ سے اہلِ مُلک

میں روحانیت کا پرچار کرنے کے پیچھے چل کھڑا ہوا۔

مسیح کو یوحنا سے جدا ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ لوگوں نے یوحنا کی مخالفت کرنی شروع کی۔ یوحنا لوگوں میں برابری کا اپدیش کرتا تھا۔ ظالم امیروں کو غریبوں پر ظلم کرنے سے روکتا تھا۔ اور بُت پرستوں کو ایک ایشور کی عبادت کرنے کی شکشا دیتا تھا۔ اس کی عزت عام لوگوں کے دلوں میں بڑھتی جاتی تھی۔ جن لوگوں کی حکومت اور آمدنی میں اس کے پرچار سے فرق آتا تھا۔ وہ کب گوارا کر سکتے تھے۔ انہوں نے اسے پکڑوا کر قید کرا دیا۔ جب مسیح نے اپنے دوست اور مربی یوحنا کی گرفتاری کا حال سنا اُسے اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور وہ گلیل کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں اس نے کفرنوحم میں مقام کیا جو ایک جھیل کے کنارے زبولون و نفتالی کی سرحد پر واقع ہے۔ چند روز ٹھہرنے کے بعد مسیح نے بڑے زور شور کے ساتھ منادی کرنی شروع کی۔ اور ساتھ ساتھ ہی اپنا جتھا بنانا چاہا۔ ایک جھیل کے کنارے سے گذرتے ہوئے اُس نے دو ماہی گیروں کو جن کے نام پطرس اور اندریاس تھے مچھلیاں پکڑتے دیکھا۔ یہ دونوں بھائی بڑے ہوشیار تھے۔ مسیح نے چند منٹ ان کے ساتھ باتیں کیں۔ اور اُن کو اپنے ساتھ مل کر کام کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اور یہ لوگ بھی اپنا کام چھوڑ کر مسیح کے ساتھ رہ کر اس کے روحانی کام میں مدد دینے لگے۔ چند روز میں مسیح نے گلیل کے تمام علاقہ میں اپنے لیکچروں کی دھوم مچا دی۔ اُس کا طرز کلام بڑا دلکش تھا۔ اور چونکہ یہ لوگوں کو مساوات کی تعلیم دیتا تھا۔ اس لئے اس کی تعلیم عام لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر کرتی تھی۔ عیسائی لوگوں نے مسیح کی عظمت بڑھانے کے لئے اس کے نام سے کئی خلاف از عقل اور دور از قیاس معجزے کو منسوب کیا ہے مگر کیا مسیح کا یہ کوئی چھوٹا معجزہ ہے کہ جس گروہ میں کھڑے ہو کر وہ ایک دفعہ تقریر کرتا تھا سینکڑوں دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ اس کی تقریروں کی کشش نہ صرف علاقہ گلیل سے بلکہ یہودیہ اور یروشلم کے علاقوں سے بھی ہزاروں لوگوں

کو کھینچ کر اس کے پاس لاتی تھی۔ اور اس کا جتھا دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔
انہی ایام میں مسیح نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر ایک زبردست لیکچر دیا۔ جسکے سننے والوں
کی تعداد ہزارہا تھی۔ ان کو مخاطب کر کے اُس نے کہا:۔

"مبارک ہیں وہ لوگ جو دل کے غریب ہیں۔ کیونکہ رُوحانی بادشاہت اُنکا
ہی حق ہے۔ مبارک ہیں وہ جو کہ غمگین ہیں۔ کیونکہ وہ تسلی پاوینگے۔ مبارک
ہیں وہ جو حلیم ہیں۔ کیونکہ زمین کی وراثت اُن کا ہی حق ہے۔ مبارک ہیں وہ
جو سچائی کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ کیونکہ وہ آسودہ ہونگے۔ مبارک ہیں وہ
جو دل میں رحم رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان پر بھی رحم کیا جاویگا۔ مبارک ہیں وہ جو پاک
دل ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں۔ کیونکہ وہ
خدا کے بیٹے کہلائینگے۔ مبارک ہیں وہ جو سچائی کے لئے ستائے گئے۔ کیونکہ آسمان
کی بادشاہت اُنہیں کی ہے۔ دوستو! تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا
تھا کہ خون مت کرو۔ کیونکہ جو کوئی خون کریگا وہ عدالت کی سخت سزا کے
لائق ہوگا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصہ ہوگا۔ وہ
عدالت کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہیگا۔ وہ صدر
عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ اور جو اپنے بھائی کو احمق کہیگا۔ وہ جہنم کی آگ
کا سزاوار ہوگا۔ دوستو! اگر تم میں سے کوئی قربانگاہ کے سامنے نذر گذرانتا ہو
اور وہاں یاد آوے کہ اُس کے بھائی کو اُس سے کوئی شکایت ہے تو اپنی نذر
وہاں ہی چھوڑ دے۔ اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کرے۔ تب آکر اپنی
نذر دے۔ تم زنا کے بارہ میں سُن چکے ہو۔ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرو لیکن میں
کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی۔ وہ اپنے
دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ اگر تمہاری دہنی آنکھ تمہیں ٹھوکر کھلاوے

تو اُسے نکال کر پھینک دینا چاہیئے۔ کیونکہ انسان کے اعضا میں سے ایک کا جاتے رہنا اچھا ہے۔ بہ نسبت اِس کے کہ وہ اس کی بدولت جہنم کی آگ میں ڈالا جاوے۔ اگر تمہارا داہنا ہاتھ تمہاری ٹھوکر کا باعث ہو تو اُسے کاٹ کر پھینک دو۔ کیونکہ یہ بہتر ہے کہ تمہارے اعضا میں سے ایک نہ رہے۔ مگر تمہارا سارا جسم جہنم میں ڈالے جانے سے بچ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہے۔ اُسے طلاق نامہ لکھ دے۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے۔ وہ اُس سے زنا کراتا ہے۔ اور جو کوئی اُس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔ تم سُن چکے ہو کہ پہلے کہا تھا کہ برابر کا بدلہ لینا چاہیئے یعنی دانت کے بدلہ دانت اور آنکھ کے بدلہ آنکھ۔ اِس سے زیادہ نہیں۔ مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ بدلہ کا خیال ہی دل سے دُور کر دو۔ بلکہ جو شخص تمہاری داہنی گال پر طمانچہ لگاوے۔ دُوسری بھی اُسکے سامنے کر دو۔ اور اگر کوئی تم پر نالش کر کے تمہارا کُرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی دیدو۔ جو کوئی تم سے مانگے۔ اُسے دو۔ اور جو قرض مانگے۔ اُس سے مُنہ نہ موڑو۔ پہلے یہ کہا گیا ہے کہ اپنے پڑوسی سے محبّت رکھو۔ اور اپنے دُشمن سے مخالفت کرو۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دُشمنوں سے بھی محبّت رکھو۔ اور اپنے ستانے والوں کے لئے بھی دُعا مانگو۔ تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے سچّے بیٹے کہلاؤ۔ کیونکہ وہ اپنے سُورج کو نیکوں اور بدوں دونوں پر چمکاتا ہے۔ اور اپنی بارش راست بازوں اور جھوٹوں پر برابر کرتا ہے۔ اگر تم فقط اپنے بھائیوں ہی کو سلام کرو۔ تو دُوسروں سے کیا زیادہ کرتے ہو۔ کیا غیر قوموں کے لوگ ایسا نہیں کرتے۔ دوستو!

تم کو چاہیئے کہ اپنے باپ پرماتما کی طرح کامل بنو"
کیسا شُستہ کلام ہے جو ہر شخص کے دل کو بھاتا ہے۔ اور اُسی زور کے ساتھ اپیل کرتا ہے۔ مسیح اِس قسم کے خیالات لوگوں میں پرچار کرتا تھا۔ اور اس کی ہر دلعزیزی دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ اس کی عام فہم تعلیم کا لوگوں کے دلوں پر اثر ہونا ضروری تھا اور اُس کی طاقت کا جس سے حکمران لوگ بعد ازاں خوف کھانے لگے۔ یہی ایک راز تھا۔ وُہ امیروں کی دولت کے لئے نہیں بلکہ سچائی کے لئے لوگوں کو تیار کرتا تھا۔ مسیح کے پہاڑی سرمن کا مندرجہ ذیل حصہ اور بھی قابلِ مطالعہ اور غور ہے۔ اُس نے اپنے ارد گرد جمع ہونے والوں کو کہا :-

"دوستو! خبردار رہو۔ اپنے راست بازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کیلئے نہ کرو۔ نہیں تو تمہارے پتا کے پاس تمہارے ایسے کاموں کیلئے جو تم صرف دکھاوے کیلئے کرتے ہو۔ کچھ بھی بدلہ نہیں ہے۔ جب تم کچھ خیرات کرنے لگو۔ اس کی شہرت کیلئے نرسنگا نہ بجواؤ جسطرح کہ ریا کار لوگ عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ اُن کی بڑائی کریں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ان لوگوں کیلئے کوئی اجر نہیں۔ اور انہوں نے اپنا اجر پا لیا۔ مناسب تو یہ ہے کہ جب تم خیرات کرو۔ تو جو تمہارا داہنا ہاتھ دے۔ اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ ہو۔ اور جس وقت تم پتا کے آگے پرارتھنا کرو۔ تو ریا کاروں کی مانند نہ کرو۔ ریا کار لوگ اپنی پرارتھنائیں عبادت خانوں اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ اُن کو دیکھیں اور اُنکی تعریف کریں۔ میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر تم پرارتھنا کرو۔ تو اپنے مکان کی کوٹھڑی میں بند کمرے میں کرو۔ اور تمہارا پتا جو تمہارے دلوں کے حالات کو جانتا ہے تمہیں بدلہ دیگا۔ جب تم روزہ رکھو۔ تو

ریاکار لوگوں کی طرح اپنی صورت اُداس نہ بناؤ۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تم نے برت رکھا ہے۔ ریاکار لوگ اسی طرح ہی لوگوں کو یقین دلانے کیلئے کیا کرتے ہیں۔ اگر تم روزہ رکھو تو اپنے چہرہ کو بشاش بناؤ۔ تمہارے دل کے بھید تمہارا باپ اچھی طرح جانتا ہے۔ لوگو! تم دوسروں کی عیب جوئی نہ کرو۔ تاکہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جاوے۔ یاد رکھو جس پیمانہ سے تم دوسروں کو ناپتے ہو۔ اُسی پیمانہ سے تم کو بھی ناپا جاویگا۔ تم اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھ کر شور مچانے کی بجائے پہلے اپنی آنکھ کے شہتیر کو دیکھو۔ بھلا جب تمہاری آنکھ میں شہتیر ہے۔ تو تم اپنے بھائی کو کس طرح کہہ سکتے ہو۔ کہ لاؤ۔ تمہاری آنکھ سے تنکا نکالوں۔ پہلے اپنی آنکھ کے شہتیر کو دُور کرنے کی کوشش کرو۔"

لوگوں نے مسیح کے اس لیکچر کو بڑے غور اور توجہ سے سُنا۔ اور جب اُس نے بولنا بند کیا وہ حیران ہو گئے۔ کیونکہ اُنہوں نے کبھی ایسی تقریر نہ سُنی تھی۔ اور پریشانی کے ساتھ ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ لیکچر ختم کرکے مسیح وہاں سے چل دیا۔ اور جدھر وہ جاتا تھا۔ لوگوں کے گروہ کے گروہ اُس کی تعظیم کرنے کو آگے بڑھتے تھے۔ عیسائی مورخوں نے مسیح کے نام کے ساتھ بہت سے معجزوں وغیرہ کو منسوب کیا ہے۔ مگر یہ سب اِن لوگوں کی باتیں ہیں۔ اور بہت عرصہ بعد کی اختراع ہیں۔ جنکا مسیح کو کبھی خواب میں بھی خیال نہ آیا ہوگا۔ کیونکہ جو شخص مندرجہ بالا تقریر کرسکتا ہے۔ وہ فضول اور نادانی سے پُر باتوں سے کس طرح اپنا تعلق رکھ سکتا ہے۔ مگر ایک بات ضرور ہے کہ مسیح دوسروں کی طرح زبانی جمع خرچ ہی نہ کرتا تھا۔ بلکہ جو کہتا تھا۔ اُسے عملی طور پر بھی کرتا تھا۔ وہ گنہگاروں سے کبھی نفرت نہ کرتا تھا۔ اگر کوئی گنہگار اُس کے پاس آتا۔ وہ شانتی کے ساتھ اُس سے ملتا تھا اور پیار سے بات چیت کرتا تھا۔ ایک موقعہ پر محصول لینے والے لوگوں کا ایک گروہ اس کے گھر میں آگیا۔ اور اُس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا۔ فریسی لوگوں نے یہ دیکھ کر شور مچانا شروع کیا۔ کیونکہ محصول

لینے والے عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے جاتے تھے مسیح نے اِن لوگوں کا شور سُن کر سنجیدگی سے کہا۔ "دوستو! تم یہ بھی نہیں جانتے کہ تندرست لوگوں کو حکیم کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ حکیم یا ڈاکٹر کی ضرورت ہمیشہ بیماروں کو ہوتی ہے۔"

جگہ جگہ اُپدیش کرتے ہوئے مسیح نے بہت سے گنہگاروں کو شرارت اور پاپ کی زندگی سے نکال کر دھرم اور پاکیزگی کے جیون میں پرورت کیا۔ اس کی عزت ہر شخص کے دل میں تھی۔ گونگے، بہرے، اندھے، لنگڑے، لولے سب اُسے دل سے چاہتے تھے کیونکہ وہ اِن سب کے ساتھ ہمدردی اور مروت سے پیش آتا تھا۔ لوگ جوق در جوق اس کے پاس نیک ہدایت کے لئے آیا کرتے تھے۔ اور وہ ان کے ساتھ بڑے پریم سے گفتگو کیا کرتا تھا۔ اِس اثنا میں اُس نے گلیل کے تمام علاقہ میں زبردست پرچار کیا۔ اور اپنے بارہ شاگردوں کو رسول مقرر کر کے حکم دیا کہ وہ بھی لوگوں کو نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دیں۔ مسیح خواہ بڑا عالم فاضل نہ ہو۔ خواہ اس کا نام فلاسفروں کے زمرے میں نہ آوے۔ مگر وہ برائی کا بڑا دشمن تھا۔ اور نفاق کا سخت مخالف تھا۔ اُس نے لوگوں میں روحانیت کا پرچار کرنے کے لئے جو بارہ شاگرد چُنے۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں (۱) پطرس (۲) اندریاس (۳) یعقوب (۴) یوحنّا (۵) فلپس (۶) برتلمائی (۷) توما (۸) متی (۹) یعقوب بن حلفئی (۱۰) تدی (۱۱) شمعون قنانی (۱۲) یہوداہ اسکریوتی۔ اپنے اِن شاگردوں کو بنی اسرائیل کے مختلف علاقوں میں پرچار کے لئے روانہ کرتے ہوئے مسیح نے جو ہدایات ان کو دی ہیں وہ آب زر کے ساتھ لکھنے کے قابل ہیں۔ اُس نے ان کے روانہ ہونے سے پہلے انہیں ایک جگہ جمع کیا۔ اور اُن کے فرائض بتلاتے ہوئے کہا:-

"دوستو! دھرم پرچار کا کام بڑا مشکل ہے۔ دیکھو! میں تم کو جو بھیڑوں کی مانند ہو۔ اُن لوگوں میں دھرم پرچار کے لئے بھیجتا ہوں، جو بھیڑیوں سے کم نہیں ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ اِن لوگوں سے سانپوں کی طرح ہوشیار رہو لیکن سانپوں

کی طرح تکلیف دِہ نہ بننا۔ بلکہ کبوتروں کی مانند بھولے رہنا اور کسی کو آزار نہ دینا
یاد رکھو کہ جن لوگوں میں تم پرچار کرنے جاتے ہو۔ وہ میرا نام سنتے ہی اپنے عبادت
خانوں میں تمہارے کوڑے مارینگے۔ اور تم کو وہاں سے نکال دینگے۔ وہ تم کو گرفتار
کر کے عدالت میں لیجائینگے۔ مگر تم نے گھبرانا نہیں۔ تم دیکھو گے کہ بھائی کو بھائی قتل
کیلئے حوالہ کریگا۔ بیٹا باپ کو اور باپ بیٹے کو قتل کے لئے دیگا۔ اور اولاد ماں باپ
کو مروا ڈالنے کی کوشش کریگی۔ میرے نام کی وجہ سے سب لوگ تمہاری لعنت
کرینگے۔ تمہیں خوب ستایا جائیگا۔ تمہیں چاہیئے کہ جب ایک شہر میں ستائے جاؤ
تو دوسرے میں بھاگ جاؤ اور وہاں دھرم پرچار کرو۔ تم کو اپنے کمربند میں
نہ تو سونا رکھنا چاہیئے اور نہ چاندی۔ راستہ کے لئے نہ تو جھولی لینا۔ نہ دو
کرتے نہ جوتیاں اور نہ ہی لاٹھی جس گاؤں میں جاؤ۔ پہلے دریافت کر لینا
کہ اس میں نیک شخص کون ہے۔ اور جب تک اُس گاؤں سے کوچ نہ کرو۔
اُس کے ہی گھر میں قیام کرنا۔ اگر کوئی تم کو قبول نہ کرے۔ اور تمہاری باتیں
نہ سنے تو اُس کے گھر یا شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد کو جھاڑ دو۔

اپنے شاگردوں کو اِس قسم کی تعلیم اور ہدایات دیکر اور انہیں رخصت کر کے مسیح پھر اپنے
پروگرام میں لگ گیا۔ اور شہر بہ شہر لوگوں کو کفر کی غار سے نکالنے کا کام کرنے لگا۔ جہاں
جاتا تھا۔ لوگوں کی ایک بھیڑ اُس کے ساتھ ہو جاتی تھی۔ اور دن رات اس کا ساتھ نہ
چھوڑتی تھی مسیح کی ترقی دیکھ کر سب سے پہلے فریسی لوگوں نے حسد کی آگ میں جلنا شروع
کیا۔ کیونکہ مسیح کے پرچار سے اُن کی عزت خاک میں ملتی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جبکہ
مسیح چند غریب لوگوں کی دلجوئی کر رہا تھا فریسی لوگوں نے سوچا کہ اسے جان سے مار
ڈالنا چاہیئے۔ مسیح کو جونہی اُن کے ارادے کا پتہ لگا وہ وہاں سے بھاگ گیا۔ مگر چند روز
کے بعد پھر تقریر کرتے ہوئے فریسی لوگوں کے ساتھ مباحثہ شروع ہو گیا۔ فریسی اسے

جادوگر کے نام سے پکارتے تھے مگر مسیح ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ بلکہ اپنے کام میں دن رات مشغول رہتا تھا۔ مسیح کے بہت سے خیالات سے ہم اتفاق نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بعض بعض وقتوں پر اُس نے اپنی ذات کو جو بہت کچھ بڑھایا ہے۔ وہ مناسب حد سے بہت بڑھا ہُوا ہے۔ اور مسیح کی انسانی کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔ مسیح کی بڑھتی ہوئی عزت اور طاقت سے کئی گروہ تھے جو اندر ہی اندر جلتے تھے۔ مگر ان کی کچھ پیش نہ جاتی تھی۔

مسیح کے شاگردوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے اُستاد کے لئے بڑا کام کیا۔ جگہ بہ جگہ اُس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ اور اُس کے نام کی تقدیس ہونے لگی۔ اس اثنا میں غریب یوحنا کا قتل واقعہ ہُوا۔ جو کہ ابھی تک قید میں پڑا سڑ رہا تھا۔ اس کا مفصّل حال یہ ہے کہ جب ہیرودیس نے چاہا کہ اپنے بھائی فلیپس کی بیوی ہیرودیاس کے ساتھ شادی کرے تو یوحنا نے اسے منع کیا۔ اس پر یہ عورت ناراض ہوگئی اور یوحنا گرفتار کر کے قید میں ڈالا گیا۔ اس عورت نے بادشاہ کو کئی دفعہ کہا کہ یوحنا کو قتل کر دینا چاہیئے۔ مگر وہ عام لوگوں کی ناراضگی سے ڈرتا تھا۔ اور یوحنا کو قتل نہ کرتا تھا۔ ایک روز بادشاہ کی سالگرہ کی تقریب پر ہیروڈیاس کی لڑکی نے ناچ اور گا کر اسے بہت خوش کیا۔ اور اُس نے کہا کہ جو تو آج مانگیگی۔ وہی تجھے دُونگا۔ لڑکی اپنی ماں کے پاس گئی۔ اور اُسے بادشاہ کا فرمان سنایا۔ اس شریر عورت کو یوحنا کے قتل کا خیال آیا۔ اُس نے فوراً اپنی لڑکی کو بادشاہ کے پاس بھیجا۔ جس نے جاتے ہی کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ یوحنا کا سر تن سے جُدا کر دیا جائے بادشاہ غمگین ہُوا۔ مگر اپنی قسم سے مجبور تھا۔ اُس نے جلادوں کو حکم دیا کہ یوحنا کا سر کاٹ لاؤ۔ جلاد گئے اور غریب یوحنا کا سر کاٹ کر لے آئے۔ یوحنا کے قتل کی خبر مسیح کے کانوں میں بھی پہنچی۔ اُسے یہ سُنکر بڑا رنج ہُوا۔ اور رنج کی حالت میں وہ آبادی کو چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا۔ جہاں بہت دیر تک اپنے مربّی کی موت پر افسوس کرتا رہا۔ مگر یہاں بھی لوگ اس کے پیچھے گئے۔ اور آن کی آن میں اس نے اپنے گرد بے شمار

ایک بڑی بھیڑ موجود دیکھی۔ یوحنا کی موت کا اِن لوگوں کو بھی سخت رنج تھا۔ تمام ملک میں ہر دل یوحنا کی موت کا الم تھا۔ اور مسیح نے یوحنا کے بعد زیادہ جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنے مذہب کی دعوت لوگوں کو دینی شروع کی۔ ایک طرف تو اس کی طاقت بڑھتی جاتی تھی دوسری طرف اس کے مخالف بھی زیادہ طاقتور ہوتے جاتے تھے۔ آخر مسیح نے یہ سوچ کر کہ اب اس کے اشارہ پر کام کرنے والے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے دل میں ارادہ کیا کہ یروشلم میں جاکر کاہنوں کے سردار کو اپنے مذہب کی دعوت دے اور اُس کے ظلم سے غریب لوگوں کو بچاوے۔ اُس کے شاگردوں نے کہا کہ یروشلم میں جانا مصیبت میں پھنسنا ہے اور جان سے ہاتھ دھونا ہے۔ مگر اُس نے حوصلہ نہ ہارا۔ اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ جو شخص میرے ساتھ دھرم یدھ میں شریک ہونا چاہتا ہے اپنی موت کا خیال کرکے میرے ساتھ چلے۔ جو موت سے ڈرتا ہے۔ اُسے میرے ساتھ چلنے کی ضرورت نہیں۔ کئی بزدل لوگ تو پیچھے رہ گئے۔ مگر کئی من چلے بہادر مسیح کے ساتھ ہی جان ہتھیلی پر رکھ کر یروشلم کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں کئی مقامات سے ہوتے ہوئے اور لوگوں میں اُپدیش کرتے ہوئے آخر مسیح کا قافلہ یروشلم میں آگیا۔ جس وقت مسیح یروشلم میں داخل ہوا۔ وہ ایک گدھے پر سوار تھا اور لوگ اس کے ساتھ تھے اس کے اس جگہ آنے کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ اور لوگ اس کے استقبال کے لیے کئی دنوں سے انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ جب اس کی سواری شہر میں سے گذری۔ لوگوں نے اس کے راستہ میں اپنے کپڑے بچھاکر اور درختوں کے پتے ڈالکر اس کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور بڑی خوشی سے نعرے بلند کیے۔

بہت سے لوگ جو مسیح سے واقف نہ تھے۔ اس کی یہ شان دیکھ کر حیران ہوتے تھے اور دوسروں سے پوچھتے تھے کہ یہ کون بادشاہ ہے۔ جس کا استقبال اس گرمجوشی کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ اُنکو واقف کار لوگ بتلاتے تھے کہ یہ روحانی بادشاہ مسیح ہے۔ جو

غریبوں کی حفاظت کا کام کرتا ہے۔ سب سے پہلے مسیح اپنے گروہ کے ساتھ ہیکل میں پہنچا۔ جو مقام
کبھی مذہبی امور کے فیصلے کے لئے مقرر تھا۔ مگر ان دنوں یہاں پر ایک مارکیٹ تھا۔ مرغیاں والے
مرغیاں فروخت کرتے تھے۔ اور کبوتر فروش کبوتروں کے ٹوکرے لئے بیٹھے تھے۔ ان جانوروں
کی غلاظت سے تمام مکان میں غلاظت پھیلی ہوئی تھی۔ مسیح کو یہ نظارہ دیکھ کر بڑا رنج ہوا
اُس نے حکم دیا کہ تمام لوگ جو ہیکل میں مرغیاں اور کبوتر فروخت کرتے ہیں۔ چلے جاویں۔
اور انہیں نکال کر دھرم اُپدیش کرنا شروع کیا۔ بہت جلد اِس امر کا شور تمام شہر میں مچ گیا
کہ مسیح زبردستی لوگوں کو یروشلم کی ہیکل سے نکالتا ہے۔ چنانچہ کاہنوں اور فقیہوں کا ایک
گروہ وہاں آیا۔ اور مسیح کی حرکات سے ناراض ہو کر اُس سے پوچھنے لگے کہ یہ تو کیا کر رہا ہے
مسیح نے کہا کہ ہیکل کوئی خرید و فروخت کی جگہ نہیں۔ بلکہ پرماتما کی پرارتھنا کی جگہ ہے۔
میں اِس جگہ کو اُسی مطلب کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ جس کے لئے کہ یہ ہے۔ مگر کاہنوں
کا غصہ بڑھتا گیا۔ اور وہ مسیح کے ساتھ لڑائی کو آمادہ ہو گئے۔

اتنے میں شام کا وقت ہو گیا اور مسیح اپنی بھیڑ کو لیکر شہر سے باہر چلا گیا۔ اور رات کی
رات بیت طلیناہ میں ٹھہرا۔ صبح ہی پھر شہر کو آیا۔ اور یروشلم کے ہیکل میں جا کر اُپدیش کرنے
لگا۔ یروشلم کے لوگ بڑے حیران تھے کہ مسیح اپنی ہی مرضی کے مطابق جو کچھ اُس سے بن
آتا ہے۔ کرتا ہے۔ کاہنوں کے سردار کو خوف ہوا کہ کہیں مسیح زور پکڑ کر اُس کی حکومت
پر ہی قبضہ نہ کر لے۔ اِس لئے وہ اُسے ہلاک کرنے کی تجاویز سوچنے لگا۔ ہیکل میں آکر مسیح نے
اُپدیش شروع ہی کیا تھا اور لوگ آنے شروع ہوئے تھے کہ کاہن لوگوں کا ایک گروہ پھر سے
غصہ میں بھرا ہوا اُس جگہ آیا۔ اور مسیح سے دریافت کرنے لگا کہ تو یہ کام کس کی اجازت
سے کرتا ہے۔ اور تجھے ایسا کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟ مسیح نے جواب دیا کہ اگر تم مجھ
سے سوال کرتے ہو تو میرے سوال کا بھی جواب دو۔ اور جب تم میرے سوال کا جواب دیدو گے
تو میں تمہارے سوال کا بھی جواب دوں گا۔ اور پوچھا کہ تم یوحنا کو کیا سمجھتے ہو۔ وہ آسمان

کی طرف سے تھا یا نہیں؟ اس سوال نے کاہن لوگوں کو بڑا حیران کیا۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر اسے خدا کا نبی کہیں تو یہ پوچھیگا کہ پھر تم اُس پر ایمان کیوں نہ لائے؟ اور اگر کہیں کہ وہ نبی نہ تھا تو عام لوگوں کی ناراضگی کا خوف تھا۔ کیونکہ وہ یوحنا کی بڑی عزت کرتے تھے۔ کاہن لوگ خاموش ہوگئے۔ اسکے بعد مسیح بولا "اے کاہنو! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہاری نسبت محصول لینے والے اور کسبیاں اچھی ہیں۔ کیونکہ جب یوحنا تمہارے پاس نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم لیکر آیا۔ تم نے اُسے نہ پہچانا اور تنگ کیا۔ مگر محصول لینے والوں اور کسبیوں کی آنکھوں نے اُسے دیکھ لیا۔ اور وہ اس کی ہدایات پر عمل کرنے لگے۔ مگر افسوس ہے تم پر کہ تم پیچھے سے بھی نہ پچھتائے۔ کہ یوحنا نبی کا یقین کرتے۔" فریسی لوگ مسیح کی باتیں سُنکر دانت پیسنے لگے۔ مگر بحث میں وُہ ایک حرف مُنہ سے نہ بول سکتے تھے۔ اس لئے خُفیہ طور پر یہ مشورہ کرنے لگے کہ مسیح کو ایسی باتوں میں پھنسائیں۔ کہ اس پر بغاوت کا الزام لگایا جاوے اور پھانسی کی سزا پاوے۔

چنانچہ اُنہوں نے اپنے بہت سے شاگردوں کو ہیروڈیون کے ساتھ مسیح کے پاس بھیجا اُنہوں نے آکر مسیح سے کہا "اے اُستاد! ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے اور سچی تعلیم لوگوں کو دیتا ہے۔ اُن کو ایشور کی طرف بُلاتا ہے اور نیکی سکھاتا ہے۔ تو کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ کیونکہ کسی انسان کا تجھے خوف یا ڈر نہیں ہے۔ اسے اُستاد! تو ہم کو بتا کہ بادشاہ کو جزیہ دینا مناسب ہے یا نہیں؟" مسیح اِن لوگوں کی شرارت کو تاڑ گیا اور غصّہ میں آکر کہا۔ ریاکارو تم یہ کیا شرارت کرتے ہو۔ اور مجھے بیوقوف بناتے ہو۔ مجھے اپنے جزیہ کا سکّہ دکھاؤ۔ لوگوں نے ایک دینار اُس کے ہاتھ پر رکھا۔ جسے دیکھ کر مسیح نے کہا "یہ صُورت اور نام جو اس دینار پر ثبت ہے۔ کس کی ہے؟" لوگوں نے کہا۔ بادشاہ کی۔ یہ سُنکر مسیح نے کہا۔ "جو چیز قیصر کی ہے۔ اُسے قیصر کو دیدو۔ اور جو چیز پرماتما کی ہے۔ اُسے پرماتما کے حوالے کر دو۔" یہ جواب باصواب سُنکر فریسی لوگ حیران ہوگئے۔ اور شرمندہ ہوکر واپس لوٹ گئے۔ اور مسیح

پھر اپنے اُپدیش میں مصروف ہو گیا۔

یروشلم میں ایک گروہ آباد تھا۔ جو صدوقی کہے جاتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے دن پر یقین نہ کرتے تھے۔ بلکہ ہندوستان کے جینی لوگوں کی طرح ان کا یقین تھا کہ یہ دُنیا ہمیشہ سے اسی طرح ہی آئی ہے اور اسی طرح ہی رہیگی۔ جب انہوں نے مسیح کے لیکچروں کا شور سُنا تو یہ بھی اس کے پاس بحث کرنے کے لئے آئے۔ اور ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھکر پُوچھا "اے اُستاد! موسےٰ کا حکم ہے کہ اگر ایک شخص لاولد مر جائے تو اُس کے دوسرے بھائی کو چاہیئے کہ اُس کی بیوی کے ساتھ شادی کر کے اولاد پیدا کرے۔ جو اُس کے بھائی کی ہوگی۔ ہمارے درمیان سات بھائی تھے جن میں سے ایک کا بیاہ ہوا۔ اور وہ مر گیا۔ اِس کے بعد اُس کے دُوسرے بھائیوں نے اس عورت سے شادی کی اور مر گئے۔ سب کے بعد وہ عورت بھی مر گئی۔ تو جو قیامت کا سندیسہ لوگوں کو دیتا ہے۔ بتا کہ قیامت کے روز وُہ عورت اُن ساتوں میں سے کس کی بیوی ہوگی؟ کیونکہ ساتوں نے اُس کے ساتھ شادی کی تھی۔" مسیح نے اِس سوال کے جواب میں کہا۔ "بیوقوفو! تم گمراہ ہو۔ تم نے اصلیت کو نہیں جانا۔ قیامت میں بیاہ شادی نہیں ہوتے۔ بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانند رہینگے۔ مسیح کے اِس جواب سے پایا جاتا ہے کہ اُسے خود قیامت کے بارہ میں دُرست علم نہ تھا۔ اِس لئے جو اُس کی سمجھ میں آیا۔ اُس نے کہہ دیا۔ صدوقی لوگ بھی یہ سُنکر خاموش ہو گئے اور واپس لوٹ آئے۔

جب فریسی لوگوں کو معلوم ہؤا کہ مسیح نے صدوقیوں کی زبان اپنی جادو بیانی سے بند کر دی ہے وہ جمع ہو کر ۔۔ پاس آئے اور اُسے لوگوں میں شرمندہ کرنے کیلئے طرح طرح کی تجاویز سوچنے لگے۔ آخر انہوں نے پُوچھا۔ اے اُستاد! تو ہم کو بتا کہ توریت میں سب سے بڑا حکم کونسا ہے؟ مسیح نے جواب دیا۔ توریت کا سب سے بڑا حکم یہ ہے کہ انسان کو لازم ہے کہ اپنے سارے دل سے ساری جان سے اور ساری عقل سے پرماتما سے محبت کرے۔ دوسرا بڑا حکم

یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ اپنے پڑوسی سے ویسی ہی محبت رکھے جیسی کہ وُہ اپنے لئے رکھتا ہے
یہی سب سے بڑے احکام ہیں۔ جن پر توریت کا دار و مدار ہے۔ اور یہ بڑی اچھی ہدایات ہیں۔
فریسی لوگ اس سے آگے زبان نہ کھول سکے اور مسیح کے سامنے سے کھسک گئے۔ مگر نزدیک
ہی جمع ہو کر شرارت سے شور مچانے لگے۔ اس موقع پر اُس نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہا
"اے دوستو! فقیہہ اور فریسی موسےٰ کی گدّی پر بیٹھے ہیں۔ جو تعلیم توریت سے وُہ
تم کو دیں۔ وہ سب کرو اور مانو۔ لیکن جس قسم کے کام وہ کرتے ہیں۔ وہ ہرگز نہ کرو۔ کیونکہ وُہ
صرف کہتے ہیں کرتے نہیں۔ جو کرتے ہیں وہ اُن کے قول کے سراسر خلاف ہے۔ وہ بھاری بھاری
بوجھ باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں۔ مگر خود اپنی انگلی بھی اُسے نہیں لگاتے۔ وُہ
اپنے تمام کام ریاکاروں کی طرح دُوسرے لوگوں کو دکھانے کیلئے کرتے ہیں۔ وہ ضیافتوں
دعوتوں اور عبادت خانوں میں اونچی اونچی کرسیوں پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ اور بازاروں
میں لوگوں سے سلام کرانا اور مربّی کہلانا پسند کرتے ہیں۔ مگر میرے عزیزو! تم مربی نہ کہلاؤ
بلکہ اپنے آپکو ایک دُوسرے کا بھائی خیال کرو۔ تم کسی کو اپنا باپ نہ کہو۔ کیونکہ سب کا باپ
ایک ہی پاربرہم پرمیشور ہے۔ جو تم میں سب سے بڑا ہے سب سے چھوٹا ہے۔ اور جو اپنے
آپ کو سب سے چھوٹا سمجھیگا۔ وُہ بڑا کیا جاویگا۔ پس غرور، تکبّر اور شرارتوں سے توبہ کر
کے نیکی کے کاموں کی طرف دِل لگاؤ"

فقیہی اور فریسی لوگ شرارت اور دنگا کر رہے تھے۔ جسے دیکھ کر مسیح کو بڑا غصہ آیا۔ اور
وُہ انہیں مخاطب کر کے بولا:-

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس اور لعنت ہے کہ نہ تو خود نیک باتوں کو سُنتے
ہو۔ اور نہ دُوسروں کو سُننے دیتے ہو۔ تم نہ خود پرماتما کی بادشاہت میں داخل ہونے کی
تیاری کرتے ہو اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہو۔ تم پر ہزار لعنت ہے۔ اے شریرو! تم پر افسوس
ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دَورہ کرتے ہو اور مارے مارے پھرتے ہو۔ اور جب

وہ مرید ہو چکتا ہے تو اُسے سوائے جہنم کی آگ میں جلنے کے اور کوئی تعلیم نہیں دیتے۔ اُسے گناہ کی طرف آمادہ کرتے ہو۔ اے اندھا راہ بتلانے والو! تم پر افسوس ہے کہ تم کہتے ہو کہ جو مقدس کی قسم کھائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن جو مقدس کے سونے کی قسم کھائے۔ اس پر اُس کی پابندی ہوگی۔ اندھو! سوچو تو سہی مقدس بڑا ہے یا وہ سونا۔ اور پھر کہتے ہو۔ اگر کوئی قربانگاہ کی قسم کھاوے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر قربان گاہ کے چڑھاوے کی قسم کھاوے۔ تو اُس کی پابندی اس کی گردن پر ہے۔ بیوقوفو! تم یہ بھی نہیں جانتے کہ قربانگاہ بڑی ہے یا اُس کا چڑھاوا؟ اے گمراہ لوگو! تم پر سخت افسوس ہے۔ تم نے انصاف۔ رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ چھوڑنا تم کو واجب نہ تھا۔ تم مچھر کو تو چھانتے ہو کہ تمہارے حلق میں نہ چلا جاوے۔ مگر اونٹ کو سالم نگل جاتے ہو۔ یہی تمہاری عقل ہے۔ تم پیالے اور رکابی کو اُوپر سے تو خوب صاف کرتے ہو۔ مگر اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے کہ اُس کے اندر کیا ہے؟ یا وہ کیسی گندی اور غلیظ ہے۔ اے اندھو! پہلے رکابی یا پیالہ کو اندر سے صاف کرنا سیکھو۔ اے شریرو! تم اُن قبروں کی مانند ہو جن پر سفیدی پھری ہوئی ہو جو اُوپر سے بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اندر سے ہڈیوں اور نجاست سے پُر ہوں اِسی طرح تم بھی اُوپر سے تو راستباز اور سچائی پسند بنے پھرتے ہو۔ مگر تمہارے دلوں میں ریاکاری اور بے دینی بھری ہوئی ہے۔ تم پر افسوس ہے۔"

یہ تقریر کرتے ہوئے مسیح کا خون جوش میں آگیا۔ جو باتیں اُس کے دل میں حرکت کر رہی تھیں۔ اُس نے کہہ دیں۔ مگر اُسے بھی معلوم ہوگیا کہ اس کی یہ تقریر اُس کے سر پر مصیبت کا پہاڑ گرائے بغیر نہ رہیگی چنانچہ پھر اُس نے یروشلم کو مخاطب کرکے کہا۔

"اے یروشلم! اے یروشلم! تو نبیوں کی قاتل مشہور ہے۔ جو نبی تیرے پاس آتا ہے کہ تیرے بچوں کو نیک تعلیم دے اور اُن کو گناہ کی زندگی سے بچاوے تو اُس کو ہی ہلاک کر ڈالتی ہے جو تیرے پاس پہلے بھیجے گئے۔ تُو نے اُن کو سنگسار کرایا۔ کتنی ہی بار نبی تیرے پاس آئے۔

اور اُنہوں نے چاہا کہ اپنی نیک تعلیم سے تیرے بچوں کو حفاظت کے مقام میں پہنچا دیں جس طرح
مرغی خطرہ کے موقعہ پر اپنے تمام بے سمجھ بچوں کو آرام وہ پروں تلے دبا لیتی ہے۔ مگر تو نے نہ چاہا
اور کسی کی بات نہ سُنی۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں۔ اور اُنہیں تباہی سے
بچاؤں۔ مگر شاید تیرے کان نہیں کہ تو میری بات کو سُنتی نہیں ہے؟"

اتنے میں شرارت پسند لوگوں نے خُوب شرارت پھیلائی اور مسیح ہیکل سے نکل کر چلا
گیا تاکہ زیادہ گڑبڑ نہ مچے۔ اِس قدر سخت تقریریں کرکے مسیح یروشلم میں آرام کے ساتھ نہیں
رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اُس کے مخالفوں نے جمع ہو کر اس کی تباہی کی ترکیبیں سوچنی شروع کیں
ایک روز سردار کاہن اور قوم کے بڑے بزرگ کائفا نامی ایک سردار کے مکان پر جمع ہوئے
اور مشورہ کیا کہ مسیح کو دھوکے یا فریب سے پکڑ کر قتل کر ڈالیں۔ مسیح کو اس مشورہ کا پتہ
لگ گیا اور وہ اپنی جان بچا کر ایک مقام پر جا چھپا۔ اس کا پتہ صرف اس کے بارہ شاگردوں
کو تھا۔ اور کوئی شخص اُس کی نسبت نہ جانتا تھا۔ مسیح کا دل جان کے خوف سے لرزتا تھا۔
مگر وہ اپنے مشن سے بھی دست بردار نہ ہوتا تھا۔ کاہن لوگوں نے اس کی بڑی تلاش کی لیکن
کچھ پتہ نہ چلا اور وہ تھک کر بیٹھ گئے۔

مسیح کے شاگرد ہر وقت اُس کے اِرد گرد رہتے تھے اور اُس کی بڑی دلجوئی کرتے تھے۔
مسیح کو ان پر بڑا بھروسہ تھا اور اپنے مشن کا بہت چاہ۔ وہ اِن کی ذات پر ہی تربیت جانتا تھا۔
وہ ان کو اچھی اچھی ہدایات دیتا رہتا تھا۔ تاکہ اس کے بعد ان کے کام آویں۔ فریسی لوگ
اُسے گرفتار کرنے کے لئے جو کوششیں کرتے تھے اُن سب کا علم اُسے ہو جاتا تھا۔ اور
وہ اپنے آپ کو زیادہ محفوظ مقام میں پہنچا دیتا تھا چنانچہ آخر کار وہ پوشیدہ ہی پوشیدہ
ایک مقام گتسمنے میں آیا سرکاری آدمی اس کی گرفتاری کی فکر میں تھے۔ اور اس کا دل بھی
اپنے پکڑے جانے کے خوف سے بیٹھا جاتا تھا۔ اُس کے بارہ شاگردوں میں سے ایک شاگرد
جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا۔ کاہنوں سے جا ملا اور ۳۰ روپیہ بطور رشوت لیکر اس

کمینے نے کاہنوں سے وعدہ کیا کہ وہ مسیح کو گرفتار کرا دیگا۔ چونکہ مسیح اکثر بھیس بدلے ہوئے
رہتا تھا۔ اِس لئے اس کا پہچاننا بڑا مشکل تھا۔ یہوداہ نے کہا کہ اس کی سہل ترکیب یہ
ہے کہ میں اُسے بوسہ دونگا۔ اور تم لوگ جان لینا کہ مسیح وہی ہے۔ اور اُسے پکڑ لینا۔
ایک رات مسیح الیشود پرارتھنا میں مشغول تھا۔ اور رو رو کر دعا مانگ رہا تھا کہ جو آزمائش
اس کے سامنے آنے والی ہے۔ وہ ٹل جاوے۔ چنانچہ اُس کے الفاظ یہ ہیں "اے میرے
باپ! آزمائش اور مصیبت کا یہ پیالہ اگر مجھ سے ٹل جاوے تو اچھا ہے" پرارتھنا کے
بعد وہ اپنے شاگردوں کے پاس آیا۔ وہ مزے سے سو رہے تھے۔ مسیح کا دل دھڑک
رہا تھا۔ اور اُسے اپنی گرفتاری کا بڑا اندیشہ تھا۔ اُس نے شاگردوں کو جگایا اور دوسری
جگہ چلنے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ شریر اسکریوتی آ پہنچا۔ جس کے
ساتھ کاہنوں کی ایک بڑی مسلح بھیڑ تھی۔ اُس نے آتے ہی مسیح کو سلام کیا اور بوسہ لیا۔
اتنے میں کاہنوں کی فوج نے اُسے گرفتار کر لیا۔ مسیح کے ساتھیوں میں سے ایک نے
تلوار نکال کر وار کیا۔ اور ایک کاہن کا کان اُڑا دیا۔ مسیح نے اسے کہا "دوست اپنی
تلوار میان میں کر۔ کیونکہ قتل کرنے سے قتل ہونا اچھا ہے" جونہی مسیح گرفتار کیا گیا۔
لوگوں نے اِس پر سختی شروع کی۔ اِسکے تمام شاگرد بھاگ گئے اور اُنہوں نے پیچھے مڑ کر
بھی نہ دیکھا یہوداہ نے اپنے اُستاد کو گرفتار تو کرا دیا۔ مگر جب اس کا جوش کم ہوا اور
وہ سنجیدگی کے ساتھ اِس معاملہ پر وچار کرنے لگا۔ اُسے بڑا رنج ہوا۔ اور وہ اپنے تئیں
لعنت ملامت کرنے لگا۔ وہ روپیہ جو اُس نے رشوت میں لیا تھا۔ لیکر سردار کاہنوں کے
پاس گیا اور روپے دیکر کہنے لگا کہ یہ تو میں اِس کا روادار نہیں۔ یہ پاپ کا روپیہ ہے۔ مگر کسی
نے اُس کی بات نہ سُنی -- وہ روپیہ وہاں ہی پھینک کر آ گیا اور پھانسی لیکر مر گیا۔
جب کاہن لوگوں نے یسوع کو گرفتار کر لیا۔ وہ اُسے لیکر شہر میں آئے۔ اور صبح ہوتے
ہی کائفا نامی سردار کے پاس لائے۔ جب پطرس نے جو مسیح کی گرفتاری کے وقت بھاگ

گیا تھا۔ اپنے اُستاد کو اِس حالت میں دیکھا۔ وہ اُس کی قسمت کا آخری فیصلہ سُننے کیلئے لوگوں
کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اور لباس بدل کر بھیڑ میں شامل ہو گیا جب لوگ مسیح کو کائفا کے دیوانخانہ
میں لے گئے۔ پطرس باہر نوکروں میں بیٹھ گیا۔ اور باتیں کرنے لگا۔ ایک لونڈی نے اُسے
دیکھ کر کہا کہ یہ بھی تو مسیح کے ساتھیوں میں سے ایک ہے۔ پطرس یہ سُنکر ڈر گیا۔ اور جب
لوگ اُس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے۔ اُس نے زور سے کہا کہ نہیں وہ مسیح کا
ساتھی نہیں ہے۔ پطرس وہاں سے اُٹھ کر چلنے لگا اتنے میں اسے ایک اور شخص نے
پہچان لیا۔ وہ کہنے لگا کہ بیشک یہ یسوع ناصری کا ساتھی ہے۔ اب تو اُسکے ہوش اُڑ گئے
کہ کہیں پکڑا جا کر جان سے نہ مارا جائے۔ اُس نے قسم کھا کر کہا کہ میں مسیح کو نہیں
جانتا۔ لوگ اُسے پکڑ کر مسیح کے سامنے لے گئے۔ اور کہنے لگے کہ تیری آواز سے پایا جاتا
ہے کہ تو بھی اِس مسیح کا ساتھی ہے۔ پطرس نے اپنی جان کے خوف سے وہیں مسیح پر
لعنت بھیجی اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں نے اِس آدمی کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس پر لوگوں نے
اُسے چھوڑ دیا۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر مسیح کے دل پر بڑا صدمہ ہوا۔ اور اُس نے کہا۔
"یہی لوگ ہیں جو میرے ساتھ وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اور جان تک دینے کو تیار تھے
آہ! ایک ہی پکڑ میں وہ اپنے ایمان سے گر گئے"۔ مسیح نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا۔
بلکہ اپنے ارادہ پر ثابت قدم رہا۔

کائفا اور دوسرے عمر رسیدہ کاہنوں نے فیصلہ کیا کہ مسیح کو جان سے مار ڈالنا چاہیئے
تاکہ وہ کُفر کے کلمات نہ کہے اور ہماری طاقت کو نقصان نہ پہنچا دے۔ اُنہوں نے اُسے
باندھ لیا اور مارتے ہوئے حاکم پیلاطس کے سامنے لے گئے۔ پیلاطس بڑا نرم دل حاکم
تھا۔ مگر وہ لوگوں کے گروہ سے ڈرتا تھا جب مسیح اسکے سامنے لایا گیا۔ اُس نے پوچھا۔

پیلاطس:۔ اے مسیح! کیا تو اپنے آپ کو یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے کیا درحقیقت
تو اُن کا بادشاہ ہے؟

مسیح :۔ اے نیک حاکم ! تُو اپنی زبان سے خود کہتا ہے۔
کاہن لوگ مسیح پر طرح طرح کے الزامات لگا رہے تھے۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ کوئی اُسے باغی بتاتا تھا۔ کوئی اُسے کافر کہتا تھا۔ مگر مسیح سب کی سُنتا تھا اور جواب نہ دیتا تھا۔ لوگوں کی طرف اشارہ کر کے حاکم نے کہا :۔
پیلاطس :۔ "مسیح ! کیا تُو سُنتا ہے کہ یہ لوگ تیری نسبت کیا کہتے ہیں ؟"
مسیح :۔ "ان کی زبان ان کے اختیار میں ہے۔ یہ جو چاہیں۔ اِس گوشت کے ٹکڑے سے کہہ سکتے ہیں۔"
پیلاطس جانتا تھا کہ مسیح کا زیادہ قصُور نہیں ہے۔ مگر وہ اِس کی خاموشی کی موجودگی میں اُسے ملزم گرداننے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ اُس نے مسیح کو مجرم ٹھہرایا۔ ان دنوں میں دستُور تھا کہ عید کے تہوار کے موقعہ پر بہت سے قیدیوں میں سے ایک قیدی کو خواہ اُس کا کتنا ہی بھاری جُرم کیوں نہ ہو۔ رہا کیا جاتا تھا۔ مسیح کے ساتھ ہی ایک شخص برآبا نامی قید تھا۔ جو بڑا بدچلن تھا۔ پیلاطس نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کس کو رہا کرانا چاہتے ہیں۔ کاہن لوگوں نے کہا کہ وہ برآبا کی رہائی منظور کر سکتے ہیں۔ مگر مسیح کو زندہ نہیں دیکھ سکتے۔ اِس پر برآبا آزاد کر دیا گیا اور مسیح کے قتل کا حُکم لکھ دیا گیا۔
مسیح ! پاک مسیح ! وہ مسیح جو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا تھا۔ جلّادوں کے حوالے کیا گیا جنہوں نے اِس کے کوڑے مارنے شروع کئے۔ اور مارتے مارتے اُسے قلعہ میں لے آئے۔ یہاں بہت سے لوگ اسے تنگ کرنے کے لئے آئے۔ اُنہوں نے زبردستی اس کے کپڑے اُتار دئے۔ اور ایک قرمزی کوٹ پہنایا۔ کانٹوں کا تاج اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اُس کے ہاتھ میں دیکر تمسخر کرنے لگے۔ کہ اے یہودیوں کے بادشاہ ! سلام۔ اُنہوں نے بڑی شرارت سے اُس کے مُنہ پر تھُوکا اور اُسی سرکنڈے کو چھین کر اُسے مارنے لگے۔ اور کئی گھنٹے تک اُسے ستاتے رہے۔ مسیح خاموش بیٹھا رہا۔ اُس

کی کوئی پیش نہ جاتی تھی۔ وہ اس قدر لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ سب سے بڑا خیال جو اس کے دل کو غمگین بنائے ہوئے تھا۔ وہ اس کے شاگردوں کے متعلق تھا۔ جو اس کے پاس تک نہ آئے۔ بلکہ اسے مصیبت میں پھنسا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسیح اپنی موت کی گھڑیاں گن رہا تھا۔ اور ظالم موت لمحہ بہ لمحہ اس کے سر پر آ رہی تھی۔

قلعہ سے نکل کر یہ لوگ مقتل کو چلے اور گلگتا نامی مقام میں پہنچے۔ یہاں آکر مسیح کو پیاس لگی۔ اس نے پینے کو پانی مانگا۔ مگر ظالموں نے اسے ریت ملی ہوئی شراب دی جسے چکھ کر مسیح نے چھوڑ دیا۔ اور مرنے کو تیار رہا۔ جلادوں نے اس کے کپڑے اتار کر وہ لباس پہنایا۔ جو قتل کرتے وقت پہنایا جاتا ہے۔ کاہن لوگوں نے مسیح کے برخلاف جو بغاوت اور کفر کے الزامات لگائے تھے۔ وہ لکھ کر اس کے سر پر لٹکا دئے۔ اور اس کے سامنے بیٹھ کر مخول کرنے لگے کہ اے خدا کے بیٹے! اگر تو اپنے آپ کو بچا سکتا ہے تو اب بچا۔ اے یہودیوں کے بادشاہ! اب تیری طاقت کہاں گئی اے ہیکل کو تین دن میں ڈھانے کا دعوے کرنے والے! اب اپنا زور دکھا۔ او اے معجزوں کا شور مچانے والے! اب تیرے معجزے کیا ہوئے؟ مسیح نے ان باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور تھوڑی دیر بعد جلادوں نے اسے صلیب پر لٹکا دیا۔ فقیہی لوگ کہنے لگے کہ مسیح اوروں کو بچانے کی شیخی مارتا تھا۔ اب وہ اپنے آپ کو تو بچاوے۔ اگر اب وہ صلیب پر سے اتر آوے تو ہم اس پر ایمان لے آویں۔

تیسرے پہر کے قریب مسیح نے بڑی دردناک آواز میں پکار کر کہا۔

"اے باپ! اے میرے پتا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

تکلیف اور درد سے مسیح کو بڑا دکھ ہو رہا تھا۔ اس کی جان ٹوٹ رہی تھی۔ اور کسی کو اس پر ترس نہ آتا تھا۔ اس کی دردناک آواز سنکر ایک شخص آگے بڑھا اور اسفنج کا ایک ٹکڑا سرکہ میں بھگو کر سرکنڈے پر رکھ کر اسے چٹانے لگا۔

چند منٹ اسی طرح گذر گئے۔ لیکن مخالف لوگ پھر بھی مخول ہی اُڑاتے رہے۔ اور چند
لمحہ کے بعد مسیح کی رُوح جسم سے پرواز کر گئی۔ مسیح جو دُوسروں کو بھلائی کی تعلیم
دیتا تھا اور ظالموں کو غریبوں پر ظلم کرنے سے روکتا تھا۔ قربان کر دیا گیا۔ یہ قربانی
ایسی نہ تھی کہ جو اپنا رنگ نہ لاتی۔ مسیح کی رگوں میں پاک خون حرکت کرتا تھا۔
اُس کا خون جلد سرد ہونے والا نہ تھا۔ آج خواہ اُس کے مشن کا پرچار کرنے
والے اُس کے مُدعا کو نہ سمجھیں۔ اور دُنیا کو غلط راستہ پر چلانے کے لئے
کوشش کریں۔ مگر مسیح کی قربانی ایک زبردست قربانی ہے۔ اور جب تک یہ زمین قائم
ہے مسیح کا نام بھی زندہ ہے ۔

مسیح کے پیروؤں کی تعداد آج دُنیا میں کروڑوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور دن بدن
یہ تعداد بڑھ رہی ہے۔ مگر مسیح کے مخالفوں کی تعداد بھی کروڑوں سے کم نہیں۔
مسیح کے نام سے جس تعلیم کا پرچار آج کل عیسائی کرتے ہیں۔ اس کی خواہ کتنی
ہی مخالفت کی جاوے۔ مگر مسیح کا کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی اُس کے
کیرکٹر پر حرف نہیں رکھ سکتا۔ مسیح بال برہمچاری تھا۔ اور اس نے اپنا تمام
وقت حصول علم اور دوسروں کی بھلائی اور بہبودی میں صرف کیا۔ مگر
افسوس کہ اُس کے اپنے ہموطنوں نے اس کی قدر نہ کی۔ اور اُسے نہایت
شرارت اور ظلم سے ہلاک کر ڈالا ۔

محمد صلعم

حضرت محمد دنیا کی وہ بڑی شخصیت ہے۔ جس پر دنیا کی طاقت۔ رعب اور ہمت جس قدر فخر کرے
تھوڑا ہے۔ موسےٰ کو اپنی زندگی میں بہت کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مسیح اپنی زندگی میں
مارا مارا پھرتا رہا۔ لیکن محمد کو اپنی زندگی میں ہی جو کامیابی حاصل ہوئی۔ جس کی مثال
اس وقت دنیا میں ملنی مشکل ہے۔ موسےٰ کے شاگردوں نے کئی دفعہ موسےٰ سے
منہ پھیر لیا۔ اور اس کے حکم سے روگردانی کی۔ مسیح کے خاص شاگرد نے اسے
گرفتار کرا دیا۔ اور دوسرے نے اس کے ساتھ گرفتار کئے جانے کے خوف سے اس
پر لعنت بھیج دی۔ مگر محمد کے پیروؤں نے اپنے استاد کے ساتھ ایسا سلوک نہیں
کیا۔ بلکہ جو بات ایک دفعہ حضرت کے منہ سے نکل گئی۔ اس کے لئے خواہ کچھ بھی کرنا پڑا
ان کے مریدوں نے کیا۔ اور کبھی پیچھے نہ ہٹے۔ ان کی تلوار نے ہزاروں گردنیں تن سے
جدا کر دیں۔ مگر محمد کے الفاظ کی بے حرمتی نہ ہونے دی۔

حضرت محمد ایک ایسا انسان تھا۔ جسے استقلال کا پتلا کہا جاوے تو مناسب ہے۔ اس
میں شک نہیں کہ نبوت اور رسالت کا خیال یا دعوےٰ ایک ایسا خیال ہے۔ جسے
تمام دنیا نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ مگر یہ دعوےٰ خالی از خطرات نہیں ہے۔ اس دعوے
کے لئے موسےٰ پر مصیبتوں کا پہاڑ گرا۔ مسیح غریب دار پر کھینچا گیا۔ اور محمد کو بھی کئی
دفعہ خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک بزدل انسان یہ دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ ایک ڈرپوک
انسان اس خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتا۔ اس خیال کو وہی شخص دل میں
لا سکتا ہے۔ جس نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھا ہو۔

حضرت محمد میں کئی کمزوریاں تھیں۔ مگر اس میں خوبیاں بھی بیشمار تھیں۔ اگر اس کے جیون

میں خوبیاں نہ ہوتیں۔ تو کب ممکن ہے کہ اس قدر خلق خدا اُس کے نام پر آج چودہ سو سال گذر جانے پر بھی کٹ مرنے کو تیار نظر آتی۔ جو شخص اس راز کو سمجھ جاتا ہے۔ وہ محمدؐ کے بارہ میں کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ اُس میں کوئی خوبی نہ تھی۔

ساڑھے تیرہ سو سال کا عرصہ گذرا کہ عرب کے مشہور شہر مکہ میں محمدؐ کا جنم ہوا۔ محمد ابھی گربھ میں ہی تھا کہ اُس کا باپ عبداللہ فوت ہو گیا۔ والدہ آمنہ نے اس کی پرورش کی۔ اس کا دادا عبدالمطلب اگرچہ مکے کے سرداروں میں سے تھا۔ مگر غریب تھا چنانچہ جب محمد کو پرورش کیلئے دایہ کے سپرد کرنے کا خیال آیا۔ تو وہ بہت پریشان ہوا۔ آخر بڑی جدوجہد سے ایک دایہ حلیمہ کے حوالہ کیا گیا۔ اس عورت نے محمد کو بڑی اچھی طرح پرورش کیا۔ اور چند سال کے بعد جب محمد ہوشیار ہو گیا۔ اسے اس کی والدہ کے پاس دے آئی۔ عبدالمطلب سے بڑ کچھ بن آیا۔ اُس نے حلیمہ کو انعام واکرام دیا۔ جب حضرت محمد کی عمر چھ سال کی ہوئی۔ تو ایکدفعہ اسکی والدہ اُسے ہمراہ لیکر مکہ سے مدینہ اپنے رشتہ داروں کے گئی۔ چند روز وہاں رہکر جب واپس لوٹی۔ تو راستہ میں ابوا کے ایک گاؤں میں مر گئی۔ اور محمد ایک لونڈی کے ہمراہ اپنے دادا کے گھر آیا۔ ایک سال کے بعد عبدالمطلب کی بھی موت آئی اور اُسے بھی اس جہان سے کوچ کرنا پڑا۔ مرنے کیوقت اس نے اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا۔ اور محمدؐ کی پرورش ابی طالب کے حوالے کی۔ چند منٹ کے بعد اُس کا دم نکل گیا۔ ابی طالب کے اور بھی کئی بچے تھے۔ گذارہ بہت تنگ تھا۔ چند سال کے بعد اُس نے ارادہ کیا کہ ملک شام کی طرف سفر کرے اور کچھ روپیہ کما کر لاوے۔ چنانچہ اُس نے سفر کا تمام انتظام کر لیا۔ قسمت محمد کو ایک رشتہ دار کی حفاظت میں چھوڑنے لگا۔ محمد کی عمر اُس وقت بارہ سال کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور رو کر چچا سے کہا۔ کہ کیا مجھے یہاں ہی چھوڑ جاؤ گے۔ اپنے ساتھ نہ لے چلو گے؟ ان الفاظ نے ابی طالب کے دل پر بڑا اثر کیا۔ اور اس نے حضرت محمد کو بھی ساتھ ہی لے لیا۔ ابی طالب بصرہ تک گیا۔ وہاں اسے کافی

منافع ہوگیا۔ اور مال فروخت کر کے وہاں سے ہی لوٹ آیا۔ راستہ میں انہیں ایک شخص بحیرہ ملا۔ جو بڑا پرہیزگار اور عالم تھا۔ وہ اکثر مذہبی کتب کا مطالعہ کرتا تھا۔ اور لوگوں میں نیکی کا پرچار بھی کرتا تھا۔ محمدؐ نے اس شخص کی باتوں کو بڑے غور سے سُنا۔ عیسائی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ رومن کیتھولک عیسائی تھا۔

اسی طرح چند سال اور گذر گئے۔ محمد صاحب اپنے چچا کے ساتھ رہتے اور کام کاج کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ اپنے دُوسرے چچا زبیر کے ساتھ تجارت کے لئے شام کے مُلک میں گئے۔ اور بہت سے نئے تجربات سیکھ کر گھر آئے۔ آپ بڑے جوان اور عالی حوصلہ تھے۔ آپ کے خاندان کے لوگ آپ کی بڑی عزّت کرتے تھے۔ اور اکثر امُور میں آپ کے ساتھ مشورہ کیا کرتے تھے۔

جب حضرت کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی۔ چچا نے کہا۔ کہ "اے محمدؐ! اب میرا حال بہت تنگ ہے۔ میں زیادہ عرصہ تک تیری پرورش نہیں کرسکتا۔ بہتر ہے کہ تو اپنے گذارے کی آپ فکر کرے"۔ محمدؐ نے چچا کے ساتھ صلاح کر کے سفر اور تجارت کا ارادہ کیا۔ مگر پاس روپیہ وغیرہ کچھ نہ تھا۔ کہ اپنا مال لیکر جاتے۔ چچا نے کہا کہ خویلد کی بیٹی خدیجہ اپنا مال دیگر لوگوں کو تجارت کے لئے بھیجا کرتی ہے۔ تو بھی اُس کے پاس جا اور اُس سے پُوچھ اگر وہ تجھے کچھ مال دے تو تجارت کر۔ محمدؐ بڑا شرمیلا تھا۔ اُس کو ایک عورت کے سامنے جاتے اور سوال کرتے بڑی شرم آتی تھی۔ مگر چچا کے زور دلانے پر وہ خدیجہ کے پاس گیا اور اپنا مطلب ظاہر کیا۔ خدیجہ نے اس سے کئی شرائط کیں۔ جو آپ نے منظور کرلیں۔ اور آپ تجارت کرنے شام کو گئے۔ تجارت میں آپ نے بڑا روپیہ پیدا کیا۔ اور جب واپس مکہ آئے۔ تو خدیجہ سے مل کر پائی پائی کا حساب کردیا۔ خدیجہ آپ کے حسن انتظام سے نہایت خوش ہوئی۔

محمدؐ نوجوان اور خوبصورت تھا۔ خدیجہ دولتمند تو تھی۔ مگر اُس کا خاوند فوت ہوچکا

تھا - اور وُہ دُوسری شادی کی فکر میں تھی - جب اس کی نظر محمدؐ پر پڑی - دل وہاں سے آپکو چاہنے لگی - خدیجہ نے یہ انتخاب کرنے میں ذرا بھی غلطی نہ کی تھی - کیونکہ تمام مکہ میں محمدؐ سے اچھا شخص ملنا مشکل تھا - بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد صاحب کو یہ شادی کرنی مناسب نہ تھی - اور یہ شکایت کسی حد تک بجا بھی ہے - مگر جس جگہ محمدؐ رہتا تھا - وہاں اس قسم کی باتیں عام تھیں - اور کوئی شخص ایسی باتوں کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھتا تھا - جس وقت محمدؐ کو معلوم ہوا کہ خدیجہ اُس سے شادی کرنا چاہتی ہے - اُس نے اپنے چچا ابی طالب سے ذکر کیا - ابی طالب کو یہ خوش خبری سُنکر بڑی مسرت ہوئی - اور اُس نے بزور کہا کہ " محمدؐ ! اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دو غریبی نے ہمارا قافیہ تنگ کر دیا ہے - خدیجہ کے ساتھ اُس کی دولت بھی ضرور ہمارے گھر میں آویگی " چنانچہ محمدؐ نے خدیجہ کے پیغام کو منظور کر کے رسم و رواج ملک کے مطابق شادی کر کے خدیجہ کے ساتھ رہنا شروع کر دیا - اس وقت خدیجہ کی عُمر چالیس سال کے قریب تھی -

خدیجہ کے ساتھ شادی ہونے کے بعد کئی سالوں تک محمد صاحب کی زندگی کے حالات کسی کو معلوم نہیں ہیں - کوئی کہتا ہے کہ وہ مکان کے اندر پڑے رہتے تھے - کوئی کہتا ہے کہ وُہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے - مگر ٹھیک کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا کام کیا کرتے تھے - غالباً وُہ تجارت کرتے تھے - مگر گھر چھوڑ کر باہر نہ جاتے تھے - چونکہ اب آپ کے پاس روپیہ کافی تھا - اس لئے آپ نے اپنا رسُوخ بھی خُوب بنایا - امیر لوگوں کے ساتھ آپ کی ملاقات ہو گئی - اور شہر کے ضروری معاملات میں آپ کی بھی رائے لی جانے لگی - ایک موقعہ پر جبکہ قریش لوگ خانہ کعبہ کی مرمت کر کے اُسے اُونچا کرنا چاہتے تھے - یہ سوال اُٹھا کہ سنگ اسود کون اپنے ہاتھ سے رکھے - ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ نیک کام اُس کے ہاتھ سے ہی سرانجام پاوے - آخر جب جھگڑا بڑھنے لگا تو لوگوں نے محمد صاحب کو اپنا منصف قرار دیا - آپ نے بڑی دانائی

سے یہ فیصلہ کیا کہ سنگ اسود ایک کپڑے پر رکھا جاوے۔ اور تمام لوگ کپڑے کو پکڑ کر اُسے اُس جگہ لے چلیں۔ جہاں کہ اُسے رکھنا ہے۔ یہ تجویز لوگوں کو بہت پسند آئی۔ اور اُنہوں نے اس طرح ہی کیا۔ چنانچہ جب پتھر کو جائے مقررہ تک لے آئے اور اُسے عمارت میں رکھنے لگے۔ تو محمدؐ نے کہا کہ اب میں آپ سب کی طرف سے اس خدمت کو سرانجام دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اکیلے ہی یہ کام کیا۔ اور کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہو سکا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ محمدؐ صاحب کیسے ہوشیار اور دانا تھے نیز اُن کے اہلِ شہر اُن کی کس طرح عزّت کرتے تھے۔

ان دنوں عرب میں مذہبی بحث کا میدان خوب گرم تھا۔ یہودی اور عیسائی لوگ اکثر بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ محمد صاحب نے بھی ان مباحثات میں دلچسپی سے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ ۴۱ سال کی عمر میں آپ نے دعوے نبوّت کر دیا۔ سب سے پہلے آپ نے اپنی بیوی خدیجہ کو کہا کہ وہ نبی ہے۔ خدیجہ فوراً آپ پر ایمان لے آئی اس کے بعد آپ نے اپنے دوستوں کو نبوّت کی خوشخبری دی۔ چنانچہ کئی عزیز دوست جو ہر وقت حضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ کی نبوّت کے قائل ہو گئے۔ مگر عام لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

حضرت محمدؐ کو رسالت کا دعوے موسےٰ اور مسیح کی طرح شروع شروع میں مہنگا پڑا۔ جب تک آپ نے بُت پرستی کی مخالفت نہ کی۔ لوگوں نے آپ کو کچھ نہ کہا۔ مگر جونہی آپ نے بُت پرستی کے خلاف تحریر شروع کی۔ بُت پرستوں کی آتش غضب جوش میں آنے لگی۔ لوگ محمدؐ کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ اور جسمانی تکلیف دینے سے بھی باز نہ آئے۔ لیکن آپ نے ان باتوں کی ذرا پروا نہ کی۔ اسی اثنا میں کئی بڑے بڑے بہادر قریش آپ کے ساتھی بن گئے۔ سب سے زیادہ قابلِ ذکر عمرؓ اور امیر حمزہؓ کا اسلام لانا ہے۔ یہ دونوں مکّہ کے معزز رئیس تھے۔ اور بڑے بہادر تھے۔ امیر حمزہ تو حضرت محمدؐ کے

چچا تھے۔ ایک روز ابوجہل حضرت محمدؐ کو سخت بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اُس نے اس روز محمدؐ کو
اس قدر گالیاں دیں کہ دوست تو دوست دشمن بھی برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ امیر حمزہ
جو اس سے پہلے حضرت محمد کا سخت مخالف تھا۔ ابوجہل کی گالیاں سُنکر اُسے بھی جوش
آ گیا۔ اُس نے ابوجہل سے کہا کہ محمدؐ نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔ کہ تو اُسے گالیاں ہی
دیئے جاتا ہے۔ مگر ابوجہل پھر بھی باز نہ آیا۔ اس پر امیر حمزہ کو سخت غصہ آیا۔ اُس نے
اپنی کمان ابوجہل کے سر پر ماری۔ اور کہا کہ اچھا۔ مَیں بھی مسلمان ہوں۔ یہ
سُنکر ابوجہل خوفزدہ ہو گیا۔ اور گالیاں دینے سے باز رہا۔ امیر حمزہ اس کے بعد محمدؐ
کے پاس چلا گیا۔ اور اُس کے ساتھ شامل ہو گیا۔

عُمر کے مسلمان ہونے کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دفعہ اسکو حضرت محمدؐ پر سخت غصہ آیا
اُس نے اپنی تلوار میان سے نکالی۔ اور محمدؐ کے قتل کرنے کے ارادہ سے اُس کے مکان
کی طرف چلا۔ راستہ میں عُمر کی بہن کا گھر تھا۔ جو اپنے خاوند کے ساتھ مسلمان ہو چکی
تھی۔ عُمر نے سوچا کہ بہن سے ملکر چلنا چاہیئے۔ جس وقت یہ بہن کے گھر میں داخل ہوا۔
وہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرائی۔ اور پھر نرمی سے کہنے لگی کہ "بھائی! تم بُت پرستوں کی
مدد کرتے ہو اور خدا پرستوں کو مارتے ہو۔ یہ اچھا نہیں"۔ عُمر کے دل میں ان الفاظ
نے بڑا اثر کیا۔ اور وہ شرمندہ ہو کر اُسی وقت گھر سے نکل کر محمد صاحب کے گھر کی طرف چلا۔
لوگوں نے سمجھا کہ وہ ضرور شرارت کریگا۔ اُنہوں نے محمد صاحب سے کہا کہ عُمر اس طرح غصہ
کی حالت میں آتا ہے۔ حضرت نے کہا۔ کچھ پرواہ نہیں۔ آنے دو۔ محمد کے دل میں بڑی خواہش
تھی کہ عُمر اُن کے مشن میں اُن کے ساتھ شامل ہو جاوے۔ جب عُمر دروازہ کے قریب
پہنچے۔ محمدؐ نے اُٹھ کر اُن کا استقبال کیا۔ اور بازو سے پکڑ کر بڑے پیار سے کہا "عُمر!
تم آج کس طرح یہاں آئے ہو"۔ عُمر نے فوراً کہا کہ "گھر سے تو مَیں آپ کے قتل کے
لیئے چلا تھا۔ مگر اب مسلمان بننے کو آیا ہوں"۔ یہ سُنکر محمدؐ نے شکریہ کیا۔ اور عُمرؓ

ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے مُبارکباد دی۔

عُمرؔ کے مُسلمان ہونے سے پہلے مُسلمانوں کی جماعت بڑی کمزور تھی۔ قریش لوگوں کا ڈر اندر تھا۔ اور مُسلمان اپنی مذہبی مراسم چار دیواری کے اندر ہی سرانجام دیا کرتے تھے۔ جب عُمرؔ ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ تو اُس نے کہا کہ اب ان بُت پرستوں سے کیا ڈرنا۔ کون ہے جو اپنی جان گنوانے کے لئے اِس تلوار پر سر رکھیگا۔ مُسلمانوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور وہ اپنی رسمیات برسرِمیدان سرانجام دینے لگے۔ پہلے پہل جب مسلمانوں نے میدان میں نماز پڑھی تو ان کی تعداد صرف چالیس تھی۔ قریش لوگ انہیں دیکھکر چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ عُمرؔ نے ان کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ ”جو شخص اپنے پیچھے رانڈ بیوہ اور یتیم بچے چھوڑنا چاہتا ہے۔ وہ آگے بڑھے اور مُسلمانوں کو ستاوے“ یہ سُنکر قریش لوگوں کا حوصلہ پست ہوگیا۔ اور عُمرؔ کی ننگی تلوار دیکھ کر کوئی آگے نہ بڑھ سکا۔ مسلمانوں نے بڑی شانتی سے نماز پڑھی اور اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

قریش لوگ دربردہ حضرت مُحمّدؐ کی مخالفت کرتے رہے۔ لیکن جب تک ابی طالب زندہ رہا۔ وُہ آپکو زیادہ نہ ستا سکے۔ ایک بار اُنہوں نے ابی طالب سے کہا۔ کہ تو مُحمّدؐ کی مدد کرتا ہے۔ ہم تجھ کو بھی ہلاک کردینگے۔ یہ سُنکر ابی طالب ڈرا۔ اور چاہا کہ مُحمّدؐ کا ساتھ چھوڑ دے۔ اُس نے مُحمّدؐ کو بُلا کر کہا کہ ”مُحمّدؐ! تو بُت پرستی کی مذمت کرنا چھوڑ دے“ حضرت نے کڑک کر جواب دیا ”میں سب کچھ چھوڑ دونگا۔ مگر بُت پرستی کی مذمت کرنا نہ چھوڑونگا۔ آپ سب مجھ کو چھوڑ دیں۔ مگر میرا وشواس ہے کہ میرا خُدا مجھے ہرگز نہ چھوڑیگا“ ابی طالب نے زمانہ کے گرم سرد حالات سمجھا کر بہُت کچھ کہا۔ مگر حضرت نے ایک نہ مانی۔ بلکہ بدستور اپنے ارادے پر قائم رہے۔ جب ابی طالب نے زیادہ زور دیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ یہ دیکھکر ابی طالب کا دل پسیج آیا۔ اور اُس نے پھر کبھی مُحمّدؐ کو یہ نہیں کہا کہ وُہ بُت پرستی کی مخالفت چھوڑ دے۔ بلکہ وہ ہمیشہ آپ کی مدد کرتا رہا۔

نبوت کے دسویں سال محمدؐ کا چچا ابی طالب مرگیا۔ اور اس کے چند روز بعد خدیجہ نے
بھی آخری سانس لیکر محمد کی رفاقت چھوڑدی۔ اِن دونوں کی وفات کا محمد صلعم کو سخت صدمہ
پہنچا۔ ابی طالب کی وفات کے بعد قریش لوگ محمدؐ کو زیادہ تنگ کرنے لگے۔ بازاروں گلیوں
اور محلوں میں مسلمان لوگ ستائے جاتے تھے۔ مسلمان بھی اپنی باری میں قریش لوگوں اور
عورتوں کو تنگ کرنے میں کمی نہ کرتے تھے۔ مگر چونکہ قریش زیادہ تھے۔ اسلئے مسلمان تنگ
آگئے۔ اور اُن کا مکّہ میں رہنا مشکل ہوگیا۔ حضرت محمدؐ نے اُنکو مشورہ دیا کہ وہ مدینہ چلے جاویں
اور خود بھی چند روز بعد مدینہ آجانیکا وعدہ کیا۔ چنانچہ بہت سے عزیز اور دوست مکّہ سے نکلکر
مدینہ جا پہنچے۔ چونکہ اہل مکّہ اور مدینہ کی آپس میں بڑی دشمنی تھی۔ اسلئے محمد کے مریدونکو یہاں بڑا
آرام ملا اور وہ بڑی تسلّی سے رہنے لگے۔ مگر پھر بھی اِن کی زندگی جلاوطنی کی زندگی تھی۔
حضرت محمدؐ خود بھی مدینہ کو ہجرت کرجانے کی فکر میں تھے۔ قریش لوگوں نے جب سُنا کہ محمدؐ
مدینہ کو جانیوالا ہے۔ وُہ گھبرائے کہ مدینہ جاکر یہ ضرور اُن پر آفت لائیگا۔ اور اہل مدینہ کیسا تھ
ملکر انہیں ستاویگا۔ اسلئے اُنہوں نے مشورہ کیا کہ جسطرح بھی ہو۔ محمد کو مدینہ جانے سے
پہلے قتل کرڈالنا چاہیئے۔ اور اس کیلئے ایک رات مقرر کرلی گئی۔ حضرت کو اس تمام سازش کا
پتہ لگ گیا۔ اور یہ تجویز قرار پائی کہ خود تو بھاگ جاوے۔ مگر اپنے پلنگ پر کسی آدمی کو سُلا
چھوڑجاوے۔ یہ کام بڑی جان جوکھوں کا تھا۔ مگر نوجوان علی اپنے آپ کو خطرے میں
ڈالنے کیلئے تیار ہوگیا۔ اور جو رات محمد کے بھاگنے کی مقرر تھی۔ علی اس کے پلنگ پر جا سویا۔
جس وقت قریش لوگ اپنی سازش کے مطابق آئے۔ تو اُنہوں نے محمد کی بجائے علی کو
پایا۔ اور مایوس ہوکر لوٹ گئے۔
گھر سے نکل کر محمدؐ نزدیک ہی ایک غار میں چھپ گیا۔ اور تین دن رات اسی غار میں چھپا رہا
جب دیکھا کہ اب گرفتاری وغیرہ کا خدشہ جاتا رہا۔ تو محمد یہاں سے نکل کر مدینہ چلا گیا۔ اس
کے ساتھی اس کا انتظار کررہے تھے۔ وُہ اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اور یہاں سے

لوگ بھی بڑے تپاک سے پیش آئے۔ محمدؐ تو مدینہ پہنچ گیا۔ مگر اُسے علی کا بڑا فکر تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں شریر قریش اُسے جان سے نہ مار ڈالیں۔ مگر تین روز کے بعد علی بھی مدینہ آپہنچا۔ محمدؐ اس سے مل کر اور سب حال پوچھ کر بہت خوش ہؤا۔ اور جب دوسرے مسلمانوں نے سُنا کہ محمد مدینہ میں آگیا ہے۔ وہ بھی جوق در جوق اُس کے پاس آنے لگے۔ اور چند روز میں ہی وفادار مسلمانوں کا ایک جھنڈ اُس کے پاس جمع ہوگیا۔

اِس جگہ آنے کے کچھ مدت بعد محمدؐ نے یہاں ایک مسجد بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند روز میں ایک اچھی مسجد بنادی گئی۔ خدیجہ کی وفات کے بعد چونکہ حضرت محمد کا دل نہ لگتا تھا۔ اس لئے اُس نے سودہ سے نکاح کرلیا۔ اور ابوبکر کی چھ سالہ بیٹی عائشہ سے بھی نکاح کیا۔ مدینہ پہنچکر محمد نے عائشہ کے ساتھ باقاعدہ زندگی بسر کرنی شروع کی۔ اس وقت عائشہ کی عمر صرف ۹ سال کی تھی۔

یہاں مدینہ میں محمد صاحب نے باقاعدہ درس تدریس کا کام جاری کیا۔ مسجد میں بیٹھ کر وہ لوگوں کو مذہبی احکام سُناتا تھا۔ اور اُن کو بت پرستی اور مردم پرستی وغیرہ سے بچنے کی ہدائت کرتا تھا۔ محمد بڑا فصیح و بلیغ لیکچرار تھا۔ اُس کی زبان میں بڑا رس تھا۔ شکل بھی بڑی خوبصورت تھی۔ چنانچہ عائشہ نے آپ کی تعریف میں جو عربی اشعار کہے ہیں۔ اُن میں سے دو حسب ذیل ہیں:۔

؎ فلو اسمعوا فی مصر اوصاف خدہ۔ لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد
لوامی زلیخا لو رأین جبینہ۔ لآثرن بالقطع القلوب علی الیدی

(ترجمہ) اگر مصر کے لوگ محمدؐ کے خوبصورت گالوں کے اوصاف سُنتے تو یوسف کے خریدنے میں روپیہ خرچ نہ کرتے۔ جو لوگ زلیخا کو ملامت کرتے ہیں کہ اُس نے یوسف سے دل لگایا۔ وہ اگر محمد کا ماتھا دیکھتے۔ تو ہاتھوں کے بدلے اپنے دلوں کو کاٹ ڈالتے۔

مدینہ میں آکر محمد نے اپنے پیروؤں کے لئے کئی ایک قوانین بنائے۔ اور آرام سے زندگی
بسر کرنے لگا۔ سب طرح سے انتظام وغیرہ کرکے محمد نے چاہا کہ اب قریش لوگوں کی خبر
لینی چاہیئے۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں کو لڑائی کے لئے اُبھارا۔ وہ تو پہلے ہی ان
کے خون کے پیاسے تھے۔ فوراً تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے محمد نے مقام ابوا پر چڑھائی
کی۔ جو مدینہ کے نزدیک ہی ہے۔ اس میں زیادہ تلوار چلانے کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ
یہاں کے حاکم نے محمد کی اطاعت قبول کرلی۔ اس کے بعد محمد نے مقام نخلہ پر فوج کشی
کی۔ اس لڑائی میں محمد خود نہ گیا تھا۔ بلکہ اس مہم کا سرگروہ عبیدہ تھا۔ چند گھنٹوں
تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر قریش لوگ بھاگ گئے۔ اور مسلمان بہت سامان لے کر
گھر واپس آئے۔ چند روز کے بعد محمد کو معلوم ہوا کہ مکہ سے قریشی لوگوں کا ایک گروہ
جو تجارت کرنے کے لئے شام کی طرف گیا ہوا تھا۔ واپس مکہ جا رہا ہے۔ محمد
نے امیر حمزہ کو حکم دیا کہ جاؤ۔ اس گروہ کو لوٹ لو۔ امیر حمزہ بہت سے لوگوں کو ساتھ
لے کر گیا اور مقام خراد تک پہنچا۔ مگر قافلہ آگے نکل گیا تھا۔ اس لئے مہم واپس آگئی۔
مکہ میں رہتے ہوئے اہل قریش نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو بڑا ستایا تھا۔ اب محمد
کی باری تھی۔ یہ ہر موقعہ پر ان سے بدلہ لینے کی فکر میں رہتا تھا۔ ایک بار محمد کو معلوم ہوا
کہ ان کا ایک گروہ تجارت کے لئے شام کو جاتا ہے۔ محمد خود بہت سے جانباز ساتھ
لے کر ان پر جا پڑا۔ مگر قافلہ بچ گیا۔ اور محمد کو واپس آنا پڑا۔ اس کو تاریخوں میں غزوہ
بواط لکھا ہے۔ پھر چند روز بعد محمد کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان رئیس مکہ بڑی ٹھاٹھ
کے ساتھ شام کو تجارت کے لئے جاتا ہے۔ اس پر محمد نے امیر حمزہ کو ساتھ لے کر
چڑھائی کی۔ اور کئی دن تک مقام عشیرہ میں ٹھہر کر انتظار کرتے رہے۔ کہ کب قافلہ آوے
اور کب یہ اُسے تہ و بالا کریں۔ چند روز بعد ان کو معلوم ہوا کہ جس قافلہ کی یہ لوگ تلاش
میں ہیں۔ وہ بہت دن ہوئے۔ شام کو چلا گیا ہے۔ اس پر محمد بڑا مایوس ہوا۔ اور واپس

لوٹ آیا۔ مگر اس کے دل میں اس بات کا بڑا خیال تھا کہ ابوسفیان کا قافلہ بچ کر مکہ نہ چلا جاوے چنانچہ اُس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ راستہ میں جاسوسی کریں۔ اور جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے واپس آوے تو اُسے اطلاع دیں۔ تاکہ فوج کشی کر کے قافلہ کو لوٹ لیا جاوے۔ چند ماہ کے بعد ابوسفیان بہت سا مال لیکر لوٹا۔ راستہ میں اُسے محمدؐ کی تیاریوں کا پتہ لگ گیا۔ اُس نے اپنے چند وفادار آدمی مکہ روانہ کئے۔ اور اہل مکہ کو کہلا بھیجا کہ اس طرح محمدؐ اُسے لوٹنا چاہتا ہے۔ اُن کو مدد کرنی چاہیئے۔ اس پر بہت سے اہل مکہ مسلح ہو کر اُس کی مدد کو آئے۔ محمدؐ کے جاسوسوں نے محمدؐ کو اطلاع دی کہ فلاں تاریخ کو ابوسفیان کا قافلہ مقام بدر پہنچیگا۔ یہ اُس سے پہلے ہی وہاں جا پہنچا۔ اور مناسب مقام پر ڈیرہ ڈال کر قافلے کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ محمدؐ نے اپنے آدمیوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ لڑیں دوسرے کو کہا کہ وہ مال لوٹیں۔ تیسرا گروہ اپنی حفاظت کیلئے مقرر کیا۔

ابوسفیان کا قافلہ تو محمدؐ کے ہاتھ نہ آیا۔ مگر جو اہل قریش مکہ سے ابوسفیان کی مدد کے لیئے آئے تھے۔ اُن کی محمدؐ کے آدمیوں سے لڑائی ہو گئی۔ محمدؐ کے آدمیوں نے اس لڑائی میں خوب ہاتھ دکھلائے۔ قریش لوگ بڑی تعداد میں مارے گئے۔ مسلمانوں نے بہت سے لوگوں کو قید کر لیا۔ اور چند گھنٹہ کی لڑائی کے بعد قریش بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ جو لوگ گرفتار کئے گئے تھے۔ اُن کے بارہ میں محمدؐ نے حکم دیا کہ یا تو وہ روپیہ بطور فدیہ دے کر چھوٹ جاویں یا غلام بنائے جاویں۔ چنانچہ بہت سے قریش مسلمانوں کے غلام بنائے گئے۔ ان میں سے جو لکھے پڑھے تھے۔ ان کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو پڑھا دیں۔ جو اور کام دے سکتے تھے۔ اُن کے سپرد اور کام کئے گئے۔ اس لڑائی سے حضرت محمدؐ کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ مگر قریش کے دل جل گئے۔

حضرت محمد کی لڑائیوں میں ایک بڑی لڑائی جنگ احد کے نام سے مشہور ہے۔ جب سے قریش بدر میں شکست کھا گئے تھے۔ اُن کے دلوں میں ناسور پڑے ہوئے تھے اگرچہ جنگ بدر کے چند روز بعد ابوسفیان نے چند مسلمانوں کو ہلاک کرکے اپنا دل ٹھنڈا کیا۔ مگر قریش لوگوں کی اس سے تسلی نہ ہوئی۔ بلکہ اُنہوں نے ایک بڑے جنگ کی تیاری کی۔ تاکہ مسلمانوں کو جان سے مار ڈالیں۔ ابوسفیان نے بہت سا روپیہ اُن کو دیا کہ وہ سامان جنگ تیار کریں۔ ادھر قریش لوگ جنگ کی تیاری میں تھے۔ اُدھر جب حضرت محمد کو خبر ملی تو اُنہوں نے بھی جنگ کی تیاری شروع کردی۔ چند روز بعد طرفین کی فوجیں مقام احد پر اکٹھی ہوئیں۔ اور خوب لڑائی ہوئی دوران لڑائی میں بہت سے قریش مارے گئے اور باقی جان بچاکر بھاگ نکلے۔ اپنے مردوں کو بھاگتے دیکھکر قریش عورتوں نے بڑے غضب میں آکر زور سے گانا شروع کیا۔ یہ عورتیں بڑی دردناک آواز میں گاتی تھیں کہ "اے قریشیو! ہم نرم بچھونوں پر سونے والی عورتیں ہیں۔ اگر تم اِس موقعہ پر پیٹھ دکھاکر بھاگ جاؤ گے۔ تو دیکھو کہ ہم کبھی تمہاری صورت نہ دیکھینگی۔ لیکن اگر تم مرد بن کر میدان میں لڑو گے۔ تو ہم تمہاری ہیں اور تمہارے ساتھ رہینگی"۔ اِس قسم کے گیتوں نے بھاگتے ہوئے قریشی لوگوں کا حوصلہ بڑھایا۔ اور وہ ایک بار پھر جان کا خوف دل سے نکال کر لوٹے اور ایسے زور سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جیتی ہوئی فتح چھین لی۔ مسلمانوں کی سپاہ میں کسی نے شور مچادیا۔ کہ حضرت محمد مارے گئے۔ یہ سُنکر مسلمان لوگ بدحواس ہوکر بھاگنے لگے۔ اور صرف چودہ پندرہ مسلمان میدان میں باقی رہ گئے۔ ایک قریشی نے حضرت محمد کے ایسا پتھر مارا کہ حضرت کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ اور ہونٹ بھی سخت زخمی ہوا۔

اِس لڑائی میں حضرت محمد کے اِس قدر چوٹیں آئیں کہ وہ قریب المرگ ہوگئے۔

بعض راویوں کا بیان ہے کہ اس لڑائی میں اُن کے جسم پر ستّر سے زیادہ زخم لگے تھے۔ دشمنوں نے سمجھا کہ حضرت محمد مر گئے۔ اور وُہ مال وغیرہ لُوٹ کر بھاگ گئے۔ ابوسفیان جو اس مہم کا سر گروہ تھا۔ باآواز بلند کہنے لگا کہ "آج بدر کا بدلہ ہو گیا۔ بدر میں تم نے ہم کو ہلاک کیا تھا۔ آج ہم نے اپنا بدلہ لے لیا۔"

جب حضرت کے زخمی ہونے کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ تو بہت سے مرد اور عورتیں جن میں محمّد کی پیاری بیٹی فاطمہ بھی تھی۔ بھاگ کر اس جگہ پہنچے۔ اور ان کا علاج کرنے لگے۔ یہ لوگ زخمی رسُول کو اُٹھا کر مدینہ لائے۔ اور کئی روز کے علاج کے بعد اُن کو صحّت حاصل ہوئی۔ حضرت محمد کو اس شکست کا بڑا صدمہ ہُوا۔ اور قرآن کے مطالعہ سے معلُوم ہوتا ہے کہ رسُول نے اُن لوگوں کو جو اسے میدان میں چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ بڑی ملامت کی۔

حضرت محمد اور اہلِ مکّہ کے درمیان درجنوں خوفناک لڑائیاں ہوئیں۔ یہاں تک کہ حضرت محمّد نے اہلِ مکّہ کی تمام تجارت اور کاروبار کو خاک میں ملا دیا۔ جب کبھی اُن کا کوئی قافلہ وغیرہ تجارت کے لیئے جاتا تھا تو مسلمان اُس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور آن کی آن میں اُسے تباہ کر دیتے تھے۔ اہلِ مکّہ بڑے حیران تھے کہ کیا کریں۔ اور اُن کے ہاتھ سے کس طرح نجات حاصل کریں۔ مگر حضرت محمد کی صرف ایک شرط تھی۔ اور وُہ یہ کہ اہلِ قریش مسلمان ہو جاویں۔ جو اُن کو کسی حالت میں بھی منظور نہ تھا آخر اہلِ مکّہ نے پھر ایک بار مسلمانوں کے ساتھ خوفناک جنگ کرنے کی ٹھانی۔ اور دس ہزار فوج لے کر مدینہ کی طرف چلے۔ حضرت محمّد کو جب اس مہم کا حال معلُوم ہُوا۔ وُہ بھی اپنی حفاظت کے لیئے تیار ہوئے۔ مگر قریشیوں نے اُنہیں عین مدینہ کے نزدیک ہی آلیا۔ اور وہ محصُور ہو گئے۔ محاصرہ کئی ماہ تک رہا۔ مسلمان ایسے تنگ ہوئے کہ مخالفوں کے ساتھ صُلح کر لینے کا ارادہ کیا۔ بلکہ صُلح کی شرائط

لکھ بھی لیں۔ مگر پھر تھوڑی دیر بعد کاغذ پھاڑ دیا۔
قریشیوں کے لشکر میں کئی قسم کے لوگ تھے۔ حضرت محمد نے کوشش کر کے ان میں تفرقہ ڈلوا دیا۔ اور یہ سب آپس میں ہی جوت پیزار ہونے لگے۔ یہودی لوگوں نے قریشیوں اور قریشیوں نے یہودیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اور جب یہودیوں نے اہل قریش کو کہا کہ وہ یا تو لڑائی کریں گے نہیں۔ اگر کرینگے تو اُن سے کریں گے۔ اس پر اہل قریش بہت ہی خوفزدہ ہو گئے۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا۔ اور وہ یہ کہ جس قدر جلد ممکن ہوسکے۔ مکہ کو واپس بھاگ جاویں چنانچہ یہ میدان چھوڑ کر مکہ کو بھاگ گئے۔ اور مسلمانوں کی فتح ہوئی۔
قریشی لوگ لڑائی سے سخت تنگ آ گئے تھے۔ اُدھر محمد صاحب کے دل میں وطن کی محبت نے جوش مارا۔ اور وہ وطن جانے کے لئے تڑپنے لگے۔ چنانچہ آپ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ آپ مکہ کے حج کو جاوینگے۔ جب اہل قریش نے یہ سنا تو وہ بڑے گھبرائے۔ انہوں نے محمد صاحب کے پاس پیغام بھیجا۔ اور درخواست کی کہ اب لڑائی سے باز رہنا چاہیئے۔ محمد صاحب بھی دل سے یہی چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہلا بھیجا کہ وہ مکہ کا حج کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اگر اہل مکہ انہیں حج کرنے کی اجازت دیدیں تو وہ کوئی لڑائی نہ کریں گے۔ چنانچہ بمقام حدیبیہ مسلمانوں اور قریشیوں کے درمیان ایک عہدنامہ دس سال کے لئے لکھا گیا کہ اس عرصہ میں وہ آپس میں جنگ نہ کریں گے۔ محمد صاحب اپنی حسب مرضی عہدنامہ میں الفاظ لکھوانے چاہتے تھے۔ مگر سہیل قریشی نے کہا کہ نہیں۔ عہدنامہ صرف اُن کی مرضی سے ہی نہ لکھا جاویگا۔ پھر اُس نے کہا کہ حضرت محمد اس سال مکہ کا حج نہ کرسکیں گے۔ بلکہ انہیں اگلے سال آنا ہوگا۔ حضرت محمد نے ان تمام باتوں کو منظور کر لیا۔ اور علی نے عہدنامہ لکھنا شروع کیا۔

جب عہد نامہ میں حضرت کا نام آیا۔ تو علی نے پاس ادب سے محمدؐ رسول اللہ لکھا۔ اس پر سہیل بگڑ بیٹھا۔ اُس نے کہا کہ ہم محمدؐ کی رسالت کے قایل نہیں ہیں۔ ہم تو صرف محمدؐ کے ساتھ عہد نامہ کرتے ہیں۔ علی اس بات پر زور دیتا تھا کہ نہیں۔ محمد کے نام کے ساتھ رسول خدا ضرور لکھا جاویگا۔ مگر جب معاملہ زیادہ بڑھنے لگا تو حضرت محمدؐ نے علی سے کہا کہ جس طرح سہیل کہتا ہے۔ کردو۔ علی نے جواب دیا کہ وہ ایسا کبھی نہیں کریگا۔ اِس پر حضرت محمد نے خود قلم پکڑ کر اپنے نام کے آگے سے لفظ "رسول خدا" کاٹ دیا۔ اور صُلح قرار پا گئی۔

انہی ایام میں ایک شخص ابو بکر نامی مکہؐ سے بھاگ کر مدینہ آ گیا۔ اہل مکہ نے اپنے دو آدمی اِسے لانے کے لئے محمد صاحب کے پاس روانہ کئے۔ محمد صاحب کے ساتھیوں کی یہ رائے تھی کہ اُسے نہ دیا جاوے۔ مگر حضرت محمدؐ نے اُسے اہل مکہ کو دیدیا۔ جب ابو بکر راستہ میں پہنچا۔ تو اُسے خوف ہوا کہ کہیں اہل مکہؐ اُسے جان سے نہ مار ڈالیں۔ اِس لئے اُس نے اپنے گرفتار کرنے والوں کے ساتھ لڑائی شروع کردی۔ ایک کو تو اُس نے جان سے مار ڈالا۔ دُوسرا خوف کھا کر بھاگ گیا۔ اور ابو بکر پھر حضرت محمد کے پاس جا پہنچا۔ اس دفعہ اُنھوں نے اسے کہا کہ تُو میرے پاس نہ ٹھہر۔ بلکہ اپنے ساتھیوں کو مِلا کر دُوسری جگہ رہ۔ چنانچہ اُس نے مکہؐ اور مدینہ کے درمیان ڈیرہ ڈال کر راہ گیروں کو لُوٹنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ اُس کے ساتھیوں کی تعداد ۷۰ کے قریب ہو گئی۔ اِس پر اہل مکہؐ بڑے گھبرائے اور مجبوراً اُنھوں نے عہد نامہ حدیبہ کی یہ شرط منسوخ کر دی کہ محمد صاحب کو ہر شخص جو مکہؐ سے بھاگ کر اُن کے پاس آوے۔ واپس کرنا ہوگا۔ اِس شرط کے منسوخ ہوتے ہی یہ تمام آدمی جو لُوٹ مار کرتے تھے۔ مدینہ آ گئے۔ اور محمد صاحب کے ساتھ رہنے لگے۔

حضرت محمد کو مدینہ میں آئے ہوئے سات سال ہو گئے تھے۔ اس سال مسلمانوں نے مقام خیبر پر چڑھائی۔ کیونکہ یہاں یہودیوں کا بڑا گروہ تھا۔ مسلمان ایسی بے خبری سے خیبر میں پہنچے کہ یہودیوں کو اُس وقت تک کچھ معلوم نہ ہُوا۔ جب تک کہ مسلمانوں نے عین شہر کے قریب پہنچکر محاصرہ نہ کر لیا۔ اس سے یہودی بڑے گھبرائے۔ مگر اُنہوں نے مقابلہ کیا۔ اور تھوڑی سی دیر میں شکست کھا کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تمام مال و اسباب اور عورتیں لوٹ لیں۔
یہودیوں نے بڑی منّت سے حضرت محمد کو کہا کہ ہمارا سب مال و اسباب لے لو۔ مگر توریت کے تمام نسخے ہم کو دیدو۔ محمّد صاحب نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اور توریت کے تمام نسخے یہودیوں کو دیدئے۔
جنگ خیبر کے بعد محمد صاحب نے کئی بڑی لڑائیاں لڑیں۔ جن کی تعداد درجنوں تک پہنچتی ہے۔ بعض لڑائیوں میں وُہ بذاتِ خود شامل تھے۔ مگر بعض میں ان کے ساتھی ہی تھے۔ حضرت محمّد کو مکّہ جانے کی بڑی خواہش تھی۔ اس لئے جب عہدنامہ حدیبیہ کے مطابق حج کے دن آئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مکّہ چلنے کیلئے کہا یہ لوگ خوب مسلح ہو کر مکّہ پہنچے۔ عہدنامہ کے رُو سے مسلمان مکّہ میں صرف تین روز رہ سکتے تھے۔ تین روز گزرنے پر اہلِ مکّہ نے اُنہیں کہا کہ اب وہ مکّہ سے چلے جائیں مسلمانوں کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ اور اُنہوں نے غصّہ میں آکر کہا کہ مکّہ کی زمین کسی کے باپ کی نہیں ہے۔ ہم جب تک چاہینگے۔ یہاں رہینگے۔ مگر محمد صاحب نے نرمی سے قریشیوں کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ میمونہ عورت کے ساتھ شادی کر کے شب عرُوسی کے بعد مکّہ سے چلے جاوینگے۔ چلتے وقت وہ مرد عورتیں بھی جو ابھی تک مکّہ میں تھیں۔ حضرت محمد کے ساتھ مدینہ آگئیں۔ مدینہ آکر پھر لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ ایک لڑائی میں اس قدر مسلمان مارے گئے کہ مدینہ میں مسلمان عورتوں

نے زور و کر اپنی آنکھیں سوجالیں۔
کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کی یہ صلاح ہوئی کہ مکّہ پر فوجکشی کرکے اُسے فتح کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ محمد صاحب نے تمام مسافران مکّہ کی راہ بند کر دی۔ اور چند روز بعد ماہ رمضان میں دس ہزار پیدل و سوار سپاہ زیر رکاب لیکر مکّہ پر چڑھائی کی۔ جس وقت محمد صاحب کا یہ جرار لشکر حدود مکّہ میں پہنچا۔ اہل مکّہ کے ہوش اُڑ گئے۔ سب نے کہا کہ اب جسطرح بھی ہو۔ صُلح کر لینی چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ صُلح کر لے۔ جب یہ شخص محمد صاحب کی سپاہ میں آیا۔ چاروں طرف ننگی تلواریں لیکر بہادر مسلمان اس کے گرد جمع ہو گئے۔ جس سے ابوسفیان بہت ڈرا۔ حضرت محمّد نے اس سے کہا کہ اب اہل مکّہ صرف اس طرح بچ سکتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو جاویں۔ ورنہ ان کی خیر نہیں ہے۔ ابوسفیان واپس چلا گیا۔ اس پر محمد صاحب نے اپنے لشکر کے کئی حصہ کرکے حکم دیا کہ وہ فلاں فلاں مقام سے مکّہ میں داخل ہوں۔ اب مکّہ میں انہیں روکنے والا کون تھا۔ جو سامنے آیا۔ مار گرایا گیا۔ محمد صاحب اسی طرح کعبہ میں جا داخل ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت محمد نے کعبہ کے بتوں کو توڑا۔ بعض بُت اس قدر بھاری تھے کہ محمد صاحب اکیلے اُنہیں توڑ نہ سکتے تھے۔ چنانچہ علی نے مدد دی۔ اور ان دونوں نے مل کر ایک ایک بُت توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب تمام بُت توڑے جا چکے۔ تو پھر حجر اسود کی باری آئی۔ محمد صاحب نے اُسے بوسہ دیا اور اُس کے توڑنے سے باز رہے۔ اس کے بعد محمد صاحب اہل مکّہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ لوگ سخت ڈرے ہوئے تھے۔ حضرت نے سوال کیا کہ اے لوگو! مجھے کیا سمجھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے محمد! ہم تجھے ایک نیک اور برگزیدہ انسان خیال کرتے ہیں۔
فتح مکّہ کے بعد عرب میں کوئی ایسی طاقت نہ رہی۔ جو مسلمانوں کا مقابلہ کر

سکے۔ اب ہر شخص حضرت محمدؐ کی نبوّت کا قائل تھا۔ اور جن علاقوں میں ابھی تک اسلام نہ پھیلا تھا۔ اُن میں محمد صاحب نے اپنے ساتھیوں کو بڑی بڑی فوجیں دے کر روانہ کیا۔ ان مہموں میں سے ایک مہم یلیملم کی بھی ہے۔ اس کا سرگروہ خالد تھا۔ یہاں کے لوگوں نے کہا کہ وہ پہلے سے مسلمان ہیں۔ مگر خالد نے ان کا یقین نہ کیا۔ اور کئی لوگوں کے قتل کا حکم دیدیا جب ایک نوجوان کو قتل کرنے لگے۔ اُس نے کہا کہ قتل سے پہلے مجھے میری محبوبہ سے ملا لاؤ۔ چنانچہ سپاہی اُسے گرفتار شدہ عورتوں کے ایک جھُنڈ کی طرف لیگئے۔ اس نے ایک خوبصورت عورت کے سامنے کھڑے ہوکر چند نہایت ہی رقّت آمیز شعر پڑھے۔ جنکو سُنکر تمام لوگ رو پڑے۔ پھر جب اِس نوجوان کو قتل کیا گیا تو وہ عورت آکر اس کی لاش پر گر پڑی اور سرد ہوگئی۔ مہم کی واپسی پر کئی لوگوں نے یہ قصّہ محمد صاحب کو سنایا۔ اس دردناک واقعہ کو سُنکر حضرت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اُنھوں نے افسوس کرتے ہوئے کہا "کیا آپ میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا۔ جو اِن سچّے دوستوں پر رحم کرتا"! اور بہت دیر تک روتے رہے۔

فتح مکّہ کے بعد ایک بڑی لڑائی جنگ حنین کے نام سے مشہور ہے مسلمان مورخ بتاتے ہیں کہ اگرچہ بہت سے فرقوں نے حضرت محمد کی رسالت تسلیم کرلی تھی مگر قبیلہ ہوازن اور ثقیف دونوں ابھی تک ایسے تھے۔ جو برابر ان کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ ان کو قابو کرنے کے لئے محمد صاحب نے سولہ ہزار آدمیوں کے ساتھ ان پر چڑہائی کی۔ یہ لوگ بھی مقابلہ کیلئے آگئے۔ اور پہلے پہل ایسی بہادری سے لڑے کہ مسلمانوں کا جی چھوٹ گیا اور میدان سے بھاگنے لگے۔ جب محمد صاحب نے دیکھا کہ میدان ہاتھ سے جاتا ہے۔ اُنھوں نے پھر لوگوں کو جمع کرکے سخت حملے کا حکم دیا۔ اس سے مخالف ڈر گئے اور مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ نکلے۔ اسلامی لشکر نے ان کا مال واسباب خوب لوٹا

چونکہ اس لڑائی میں بہت سے اہلِ مکہ نومسلم بھی تھے - اسلئے جب تقسیم مال کا وقت آیا۔ محمد صاحب نے اِن لوگوں کو لوٹ کا مال آزادی سے دیا - اس پر اہلِ مدینہ ناراض ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ "اے محمد! ہم اتنے سالوں سے آپ کے ساتھ ہیں - مگر آپ ہم کو چھوڑ کر زیادہ مال اُن لوگوں کو دیتے ہیں - جو ابھی آپ کے ساتھ ملے ہیں - اور جنکی قربانی ہمارے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے۔" حضرت محمد نے جواب دیا کہ "اے انصار! گھبراؤ نہیں میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔" اس پر یہ لوگ خوش ہو گئے۔

چند روز بعد محمد صاحب نے کسی وجہ سے اپنی بیوی حضرت سودہ کو طلاق دینی چاہی یہ وہ عورت تھی جسکے ساتھ حضرت نے خدیجہ کے بعد شادی کی تھی - یہ عورت معمر تھی اور طلاق کے صدمہ کو برداشت نہ کر سکتی تھی - ایک روز مجبور ہو کر یہ محمد صاحب کے راستہ میں کھڑی ہو گئی - اور جب حضرت کا گذر ہوا - تو یہ ہاتھ پھیلا کر کہنے لگی :-

"اے رسُول خدا! تو میرے بڑھاپے پر رحم کر میری تمام عمر تیرے ساتھ گذری - اب میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی - میں عمر بھر تیری خدمت کرونگی - میں تجھ سے کچھ زیادہ خواہش نہیں رکھتی - میں صرف تجھ سے یہ چاہتی ہوں کہ تو مجھے اپنی بیویوں میں رکھ - اور طلاق نہ دے۔"

چنانچہ حضرت نے یہ درخواست منظور کر کے اُسے بخوشی اپنی بیویوں میں شامل رکھا نویں ہجری میں بھی محمد صاحب مختلف علاقوں کی طرف فوجیں بھیجکر اشاعت اسلام کرتے رہے - اس سال کا سب سے ضروری واقعہ یہ ہے کہ محمد صاحب اپنی تمام عورتوں سے ناراض ہو گئے - اور ایک ماہ تک اُن سے ہمکلام نہ ہوئے - لوگوں نے اس ناراضگی کی کئی وجوہات بتائی ہیں - قرآن شریف میں بھی بعض آیات اِس ناراضگی کے بارہ میں ہیں اسوقت عرب میں سوائے محمد صاحب کی نبوّت کے سوال کے اور کوئی سوال نہ تھا حضرت محمد کی طاقت اسقدر بڑھ گئی تھی کہ کوئی انسانی دماغ اسکے مقابلہ کا خیال نہ کر سکتا تھا۔

اندنوں ہر چہار طرف سے لوگوں کے گروہ کے گروہ محمّد صاحب کے مذہب میں شامل ہونے کیلئے آتے تھے۔ اور انکی نبوّت کا کلمہ پڑھتے تھے۔ بُت پرستی شراب نوشی۔ سود خواری اور بدچلنی وغیرہ جرائم میں بڑی کمی ہو رہی تھی۔ جو لوگ عورت کی ذرا قدر بھی نہ کرتے تھے۔ وہ عورتوں کے حقوق سمجھنے لگے۔ اور عرب کی زمین میں ریفارم کا نعرہ بلند ہوگیا۔

حضرت محمد کو اپنی زندگی میں کئی ایسے واقعات سے واسطہ پڑا جنکی وجہ سے اُنکے مخالف اُن پر بڑا طعن کرتے ہیں چنانچہ اِن واقعات میں سے ایک واقعہ محمّد صاحب کا زینب سے شادی کرنا ہے۔ اسکا مختصر حال یہ ہے کہ جب حضرت کی شادی خدیجہ سے ہوئی تو اُس نے اپنا ایک غلام زید بن حارث دیدیا۔ جسے محمد صاحب نے پرورش کیا اور اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ اور اسکی شادی زینب بنت حجش سے کردی۔ یہ عورت بڑی خوبصورت تھی۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ زید اور زینب کے درمیان لڑائی رہتی تھی۔ اور زید اسکو طلاق دینا چاہتا تھا۔ بہت دِنوں تک محمد صاحب نے زید کو اس ارادے سے باز رکھا جب وہ نہ مانا اور طلاق دیدیا تو محمد صاحب نے خود اس سے شادی کرلی۔ اس پر مسلمانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تب محمّد صاحب نے لوگوں کو خدا کا یہ کلام سُنایا۔ "محمد کسی کا باپ ہے۔ نہ کوئی اُسکا بیٹا۔ بلکہ وُہ تو خدا کا رسول ہے۔" یہ آیت سُنکر سب خاموش ہوگئے۔

دسویں ہجری میں محمد صاحب نے علی کو فتح یمن کیلئے روانہ کیا۔ اور اسکے ساتھ ایک بڑی سپاہ بھی بھیجی۔ حضرت علی نے بہت سا مال اور عورتیں لوٹ کر بعد ازیں مال میں بہت سا کچا سونا بھی تھا جب محمد صاحب نے اس سونے کے حصے خود کئے۔ حصے کچھ کم و بیش تھے۔ یہ دیکھکر ایک صحابی سے نہ رہا گیا اور بولا "اے محمد! خدا سے ڈر۔ حصہ لگانے میں رعایت نہ کر۔" اس پر مسلمانوں کو بڑا جوش آیا۔ ایک شخص ابوسعید نے غصّہ سے کہا کہ "اے محمد! اگر آپ حکم دیں۔ تو ابھی اس کافر کا سرتن سے جُدا کردوں۔ میری ایک ہی تلوار کافی ہے۔" محمد صاحب نے کہا "نہیں۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اِسے قتل کرنیکا ارادہ مت کر۔ میرے مخالف تو جان کا خوف رکھتے ہی ہیں کیا میرے دوستوں کی بھی جو میرے ساتھ رہتے ہیں جان محفوظ نہیں ہے۔" اِس سے پایا جاتا ہے کہ حضرت محمد کیسے فراخدل تھے۔ اور اپنے

ساتھیوں کے لئے اُن کے دل میں کس قدر ہمدردی اور رفاقت تھی۔

اسوقت محمد صاحب کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی اور اُنکا آخری وقت نزدیک تھا۔ وہ اپنے تمام دوستوں رشتہ داروں اور ساتھیوں کو لیکر حج کو گئے۔ کہتے ہیں کہ اُنکے ہمراہ ایک لاکھ بیس ہزار مرد عورتیں تھیں۔ حج کے بعد محمد صاحب نے مسلمانوں کو وعظ کرکے کہا کہ قرآن کی ہدایات پر ہمیشہ عمل کرتے رہیں۔ اس سے کبھی منحرف نہ ہوں۔ مدینہ واپس آکر حضرت محمد بیمار پڑ گئے۔ مگر اشاعت اسلام کی دُھن اس آخری وقت میں بھی لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ آپنے اُسامہ بن زید کو ایک بڑی فوج دیکر مُلک روم پر چڑھائی کیلئے بھیجا۔ اُسامہ کو چند منزلیں طے کرنے پر خبر ملی کہ محمد صاحب حالت نزع میں ہیں۔ یہ سُنکر وہ آگے نہ گیا۔ اور واپس لوٹ آیا۔ حضرت محمد بیماری کے دنوں میں حضرت عائشہ کے مکان میں تھے۔ اگرچہ بیماری نے سخت تنگ کر رکھا تھا مگر مسلمانوں کے درس تدریس کا کام آخری وقت تک جاری رہا۔ ایک روز جبکہ حالت بہت خراب ہو گئی تو محمد صاحب نے قرآن مسلمانوں کے سپرد کرکے آخری سانس لیا۔ اور دنیا کی یہ نہایت ہی بڑی شخصیت اس دُنیا سے کوچ کر گئی۔

محمد صاحب اپنے زمانہ میں اکیلا ہی نبی اور رسول خدا نہ تھا۔ بلکہ اسکی مانند اور بھی کئی شخص اور عورتیں ایسے دعووں کے دعویدار تھے۔ جنمیں ایک کے نام حسب ذیل ہیں (۱) مسیلمہ بن ثمامہ اس شخص کا کلام بڑا زبردست ہے۔ اس نے ایک دفعہ حضرت محمد کو خط لکھا جسمیں اپنے آپکو رسول خدا بیان کیا۔ حضرت نے خط پڑھکر قاصدوں سے پوچھا کہ وہ مسیلمہ کے بارہ میں کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اُسے حضرت کا شریک سمجھتے ہیں۔ یہ سُنکر حضرت بڑے خفا ہوئے۔ اور کہا اگر قاصدوں کو مارنے کا حکم نہیں ہوتا تو میں تمکو اس کفر کیلئے ضرور سزا دیتا۔ ایکبار مسیلمہ مدینہ گیا۔ اور محمد صاحب کو کہلا بھیجا کہ اگر آپ مجھے اپنے بعد خلافت دیں تو میں آپکی نبوت پر ایمان لاؤں۔ حضرت نے جواب دیا کہ خلافت تو ایک طرف میں کھجور کی ایک شاخ بھی نہ دونگا۔ یہ سُنکر مسیلمہ اپنے وطن یمامہ میں آ گیا۔ یہ محمد صاحب کے بعد کئی سال تک زندہ رہا۔ اگرچہ حضرت محمد کی حیات میں اسے کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ مگر محمد صاحب کے مرتے ہی اس نے کمال کر دیا۔ اسکے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی بڑھ گئی۔ یہ دیکھکر ابوبکر خلیفہ اول نے ۲۰ ہزار فوج اسکے کچلنے کیلئے روانہ کی۔ مسیلمہ بڑی بہادری سے لڑا مگر مارا گیا

(۲) طلیحہ بن خویلد یہ شخص قبیلہ اسد میں سے تھا۔ محمد کیطرح اس نے بھی دعوےٰ نبوت کیا۔ لیکن حضرت محمد کی زندگی میں اسکا حال خستہ ہی رہا اور اسکے مریدوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاتی تھی۔ مگر محمد صاحب کے مرتے ہی طلیحہ کی طاقت

بڑھنی شروع ہوئی۔ اور چند ہی روز میں اسکے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک بڑھ گئی۔ اور حضرت محمد نے بعض پکے پیرو بھی اسلام کو چھوڑ کر اس کے مرید بن گئے۔ جب خلیفہ اسلام نے اسکا زور بڑھتا دیکھا۔ تو اس پر چڑھائی کی۔ طلیحہ تو بھاگ کر شام کی طرف چلا گیا۔ مگر اس کا جرنیل پکڑا گیا۔ جو دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ طلیحہ کے بعد اسکے کچھ مرید تو جان سے مارے گئے۔ کچھ جان کے خوف سے مسلمان ہو گئے (۴) محمد صاحب کا تیسرا ہمعصر مرد نہ تھا۔ بلکہ عورت تھی۔ اس کا نام سجاع ہے۔ یہ بہادر عورت بنی تغلب میں پیدا ہوئی۔ اور سن بلوغ کو پہنچکر اس نے دعوےٰ نبوت کیا۔ بڑی حسین اور فصیح تھی۔ اس کے کلام میں اس قدر کشش تھی کہ ہزارہا لوگوں کے مجمع میں بولکر ان سب کو اپنا گرویدہ کر لیتی تھی۔ اس کا مکان مسیلمہ کے مکان سے کچھ بہت دور نہ تھا۔ مسیلمہ کو خوف تھا کہ کہیں وہ طاقت میں اس پر غالب نہ آجاوے۔ اس سے اس نے ایک چال سے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ اس شادی سے سجاع کے مرید بڑے ناراض ہوئے۔ مگر یہ مسیلمہ کے پھندے سے نہ نکل سکی۔ اور جب تک مسیلمہ زندہ رہا۔ اسے اس کے ماتحت رہنا پڑا۔ جب مسیلمہ مارا گیا تو اس نے پھر زور پکڑنا چاہا۔ مگر مسلمانوں نے اسے ہوش نہ لینے دیا۔ اور یہ آخری ایام میں مسلمان ہو گئی۔

حضرت محمد کی طرح دعوےٰ نبوت تو کئی آدمیوں نے کیا۔ مگر اس میں کامیابی صرف محمد صاحب کو ہی ہوئی۔ آج اُن کے ہمعصر دعویداران رسالت کا کوئی نام لیوا بھی نہیں ہے۔ مگر محمد صاحب کے نام پر کٹ مرنے والے لوگوں کی تعداد کروڑہا ہے۔ اور جبتک دنیا قایم ہے۔ اُن کا نام بھی قائم رہیگا ؛

حضرت محمد کی گیارہ بیویاں تھیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ (۱) خدیجہ (۲) سودہ (۳) عائشہ (۴) حفصہ (۵) زینب بنت خزیمہ (۶) ام سلمہ (۷) زینب بنت جحش (۸) جویریہ (۹) ام حبیبہ (۱۰) صفیہ (۱۱) میمونہ۔ ان کے علاوہ کئی ایسی عورتیں تھیں جن کے ساتھ حضرت نے نکاح نہیں کیا۔ باندیوں یا کنیزوں سے بھی آپ کا تعلق تھا ؛

دیانند

"مصلحت بین آدمی خواہ مذمّت کریں۔ خواہ تعریف۔ دھن آوے یا چلا جاوے۔
خواہ موت آج ہی آجاوے یا کئی جُگ تک زندہ رہیں۔ صاحبان استقلال
کسی صُورت میں بھی انصاف کے راستہ سے ایک قدم ادھر اُدھر نہیں ہوتے
انسانوں کا فرض ہے کہ دھرم کو کبھی ترک نہ کریں۔ نہ تو کسی آرزو کے لئے
نہ کسی خوف سے نہ لالچ سے اور نہ زندگی کے لئے۔ دھرم ہمیشہ ہے۔ دُکھ سُکھ
چند روزہ ہے۔ رُوح غیر فانی ہے مگر زندگی فانی ہے۔ دھرم ہی یکتا د
فرزانہ دوست ہے۔ جو کہ مرنے پر بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ بلکہ شرط رفاقت بجا
لاتا ہے۔ دیگر تمام چیزیں یقینی طور پر جسم کے ساتھ ہی ناش ہو جاتی ہیں۔
لیکن دھرم کا کبھی ناش نہیں ہوتا ہمیشہ سچائی کی فتح ہوتی ہے نہ کہ جھوٹ
کی۔ عالم لوگوں کے سفر کا سیدھا راستہ سچائی ہی ہے۔ راستی اور سچائی پسند
اسی راستہ سے سچائی کے مخزن تک پہنچتے ہیں۔ دُنیا میں راستی سے بڑھ کر
کوئی دھرم اور جُھوٹ سے بڑھ کر کوئی پاپ نہیں ہے۔ اس لئے انسان کو
ہمیشہ سچائی کا راستہ ہی اختیار کرنا چاہیئے"۔ (دیانند)

رشی دیانند بھارت ورش کی سرزمین پر اُس وقت پیدا ہُوا۔ جبکہ یہاں کی بیوستھا بالکل خراب ہو چُکی تھی شنکر سوامی نے جو قواعد بنائے تھے۔ وہ ماند پڑ گئے تھے۔ لوگ ان قواعد کو بُھول گئے تھے۔ بلکہ ان سے برعکس راہ پر چل رہے تھے۔ بھارت بھومی پر مسلمان اور عیسائی لوگوں کا بڑا زور تھا۔ پورانوں کی تعلیم کا آریہ جاتی میں بڑا پرچار تھا۔ تمام دھرم کرم [illegible] ہو چُکا تھا۔ آریہ لوگ جو پورانوں کی تعلیم کو دُرست مانتے تھے۔ مخول اور ہنسی کا

نشانہ بنائے جاتے تھے۔ جو ان کی تعلیم کو چھوڑتے تھے وہ یا تو مسلمان بن جاتے تھے
یا عیسائی مت قبول کر لیتے تھے۔ آریہ جاتی کے کئی بڑے بڑے پنڈت اس طرح آریہ جاتی
کی گود سے جدا ہو گئے۔ اور یہ خیال آریہ جاتی میں گونج رہا تھا کہ ویدوں کی رکھشک آریہ
جاتی اب بوڑھی ہو گئی ہے۔ اور اس کا خاتمہ اب نزدیک ہے۔ لوگوں کو ویدوں کا پتہ
تک نہ رہا تھا۔ صرف کہیں کہیں کتابوں میں ویدوں کا نام آجاتا تھا اور بس۔ وید
کہیں نہ ملتے تھے۔ اور جہاں کہیں تھے وہاں ایسی حفاظت سے رکھے ہوئے تھے کہ
دنیا کی ہوا ان تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ ورن بیوستھا کی حالت ایسی خراب ہو گئی تھی کہ شودر
تو ایک طرف کھشتری اور ویش تک بھی براہمن لوگوں کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔ غریب
شودروں کی تو بہت بری حالت تھی۔ کوئی ان سے بات تک کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ ایسا
ہی عورتوں کا حال تھا۔ انہیں عام طور پر پاؤں کی جوتی کہا جاتا تھا۔ انہیں پڑھانا
گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔ وید وغیرہ ست شاستر سننے کا ان کو ادھیکار نہ تھا۔ ملک بھر
میں ایسی کتب کی کتھا کا رواج تھا جن کی تعلیم اخلاق اور دھرم کے سراسر خلاف اور
لوگوں کو پست کرنے والی ہے۔ سوسائٹی کا شیرازہ بالکل بکھر گیا تھا۔ جو تھا اپنی ہی
ہانکتا تھا۔ نہ کوئی طریقہ تھا جس کی پابندی آریہ جاتی پر لازمی ہو۔ نہ کوئی قاعدہ تھا
جس کے آگے آریہ جاتی کے لوگ سر جھکا دیں۔ ان تمام خرابیوں کا نتیجہ یہ ہو رہا تھا
کہ آریہ ہندو لوگ اپنا دھرم چھوڑ کر دھڑا دھڑ مسلمان اور عیسائی بن رہے تھے۔ اور
اگر دیانند کی پیدائش میں چند سال کا اور وقفہ ہوتا تو آریہ جاتی کا آریہ رہنا محال تھا۔
رشی دیانند کا جنم ملک کاٹھیاواڑ گجرات کی ایک ریاست موروی میں سمت ۱۸۸۱ یا ۱۸۲۴ء
میں ہوا۔ دیانند کا باپ ریاست میں بڑا معزز سمجھا جاتا تھا۔ ذات کا وہ براہمن تھا۔
جو ہندوستان کے ہندوؤں میں سب سے اونچی خیال کی جاتی ہے۔ اس کا نام امبا شنکر
تھا۔ بڑا متمول تھا۔ اور ریاست میں بعہدہ جمعداری ملازم تھا۔ یوں بھی بہت سی جاگیر

وغیرہ تھی۔ دیانند کی پیدائش کے وقت والدین نے اس کا نام مُول شنکر رکھا۔ اور پیدائش کے وقت بڑی خوشی منائی تھی۔ کون جانتا تھا کہ یہ بچّہ بڑا ہو کر تمام بھارت ورش کو ہلا دیگا۔ اور ہزارہا سال سے قائم شدہ برائیوں اور خرابیوں کا خاتمہ کر دیگا۔ دیانند نے اپنے خاندان اور نسب کا فخر کرنا تو ایک طرف اُس وقت جبکہ اس کا شہرہ تمام ملک میں پھیلا ہُوا تھا۔ ذکر تک لوگوں سے نہیں کیا۔ اور اپنی علمیت کو ہی اپنی کامیابی کا ذریعہ بنایا۔ جب مُول شنکر بولنے لگا تو ماتا نے اسے وید منتر وغیرہ حفظ کرانے شروع کئے۔ باپ نے بھی بڑی توجہ سے اس کی پرورش کا خیال رکھا۔ آٹھویں سال اسے یگیو پویت پہنایا گیا۔ اور ایک پنڈت کے حوالے کیا گیا۔ تا کہ وہ اسے سنسکرت زبان کی ضروری تعلیم دے۔ مُول شنکر کا باپ شیو کا بڑا پوجاری تھا۔ اور اُس کی بڑی خواہش تھی کہ اُس کا بیٹا بھی بڑا ہو کر اُس کے نقش قدم پر چلتا ہُوا شیو کا پوجاری بنے اور شیو کی بھگتی میں لگا رہے۔ چنانچہ وہ بچپن میں ہی اس امر پر بڑا زور دیا تھا۔ کہ مُول شنکر وہ تمام برت رکھے جو کہ شیو کے پوجاریوں کے لئے ضروری ہیں۔ کئی بار او ما شنکر مُول شنکر سے کہا کرتا تھا کہ وہ مٹّی کا شیو لنگ بنا کر اس کی پُوجا کرے۔ اس کو کیا معلُوم تھا کہ جس بچّہ کو وہ مٹّی کے شیو لنگ کی پُوجا کرنے کے لئے کہتا ہے۔ وُہ اس قسم کی بُت پرستی کا زبردست مخالف ہوگا۔

مُول شنکر دس سال کی عُمر تک برابر شیوجی کی پُوجا کرتا رہا۔ باپ تو یہاں تک چاہتا تھا کہ وہ ابھی سے شیوراتری کا برت رکھا کرے۔ اور کتھا وغیرہ سُنکر تمام رات جاگا کرے۔ لیکن اس کی ماتا نے اِس بات کی مخالفت کی۔ اور بچّہ کی جسمانی صحّت کا خیال کر کے زیادہ سخت برت نہ رکھوائے۔ اور ماتا کی کوششوں سے اِسے صرف وہی برت رکھنے پڑے جن میں کہ پھل وغیرہ کھانے کا خُوب موقعہ ملے۔ لیکن اس کے لئے اکثر او ما شنکر اپنی پتنی کے ساتھ جھگڑا کر بیٹھتا تھا۔ اور کئی سال تک برابر یہ جد وجہد ہوتی رہی۔

جہاں کہیں شیوجی کا کیرتن ہو۔ اوما شنکر اپنے پُتر کو ضرور اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ اور ہر وقت اُس کے کان میں یہ آواز ڈالا رہتا تھا کہ شیو کے برابر کوئی نہیں ہے اور شیو کی پُوجا کرنے میں ہی کلیان ہے۔ چودہ سال کی عمر میں مُول شنکر نے یجر وید سنگھتا حفظ یاد کرلی تھی۔ اور دُوسرے ویدوں کا بھی کچھ حصہ پڑھ لیا تھا۔ اس سال ماہ ماگھ کے مہینہ میں شیو راتری کا میلہ تھا۔ اوما شنکر نے زور دیا کہ مول شنکر کو ضرور اس دفعہ برت رکھنا چاہیئے۔ اس نے اس دفعہ باپ کے کہنے سے برت رکھنے کی خواہش کی اور تمام دن کچھ نہ کھایا۔ باپ نے تو یہ برت اس لئے رکھوایا تھا کہ بیٹا برت رکھنے کا عادی ہو جاوے۔ لیکن اس برت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے آئیندہ برت نہ رکھنے کا ہی پرن کرلیا۔ سچ ہے "انسان کچھ سوچتا ہے۔ مگر ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔"

دن بھر ہنسی خوشی سے گذر گیا۔ رات کو شیو کے بھگت ایک بڑے مندر میں جمع ہوئے۔ اوما شنکر بھی اپنے بیٹے کو ساتھ لے گیا تاکہ تمام رات جاگ کر اپنے لئے نجات کا راستہ بنا دے۔ مُول شنکر کا یہ پہلا ہی برت تھا۔ اُس میں شردھا کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اُس نے تمام رات جاگ کر شیو کی بھگتی کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اور بھی بہت سے نوجوان لڑکے آئے ہوئے تھے۔ رات کے پہلے حِصّہ میں سب لوگ جاگتے رہے۔ مگر رات کے دُوسرے حصہ میں ان جاگنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی۔ اُن میں سے بہت سے مندر سے باہر جا کر سو رہے۔ مُول شنکر پر بھی نیند کا غلبہ ہُوا۔ مگر اُس نے مقابلہ کیا اور کئی بار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دے دیکر نیند کو روکا۔ کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ اُسکا باپ بھی جو شیو کا اس قدر بھگت بنا ہُوا تھا۔ نیند کی تاب نہ لاکر سو گیا ہے۔ اب مُول شنکر ہی ایک تھا جو شیو کی مُورتی کے سامنے بیٹھا جاگ رہا تھا۔ جب لوگ سو گئے اور شور بند ہو گیا۔ شیو کی مُورتی کے ساتھ ایک خاص نظارہ پیش آیا۔ جیسے خود دیانند نے اپنے ایک لیکچر میں بمقام پونا یُوں بیان کیا ہے :۔

"اتنے میں ایسا چمتکار ہُوا کہ مندر کے بِل میں سے ایک چُوہا باہر نکل کر پنڈی کے چاروں طرف پھرنے لگا۔ اور پنڈی کے اکھشت وغیرہ کھانے لگا۔ یہ چوہا پنڈی کے اُوپر بھی چڑھ جاتا تھا۔ مَیں تو جاگتا ہی تھا۔ اِس لئے مَیں نے یہ سب تماشہ دیکھا۔ اس سمے میرے چِت میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو کر سوال در سوال اُٹھنے لگے۔ مَیں نے اپنے من میں یہ شنکا اُٹھائی۔ کہ جس شیوجی کی مَیں نے کتھا سُنی تھی۔ کیا وہ مہادیو یہی ہے یا وہ کوئی اَور ہے۔ کتھا میں تو سُنا تھا کہ مہادیو مُنش کی مانند ایک دیوتا ہے۔ جس کے بیشمار گُن ہیں جو ہاتھ میں ترشول لیئے ہے اور ڈمرو بجاتا ہے اور کیلاش کا مالک ہے کیا ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ پتھر جس پر چوہا اس طرح آزادی سے چڑھتا ہے۔ پار برہم ہو؟ یہ نظارہ دیکھ کر میرے من میں کئی ترنگیں آئیں۔ اور میری بال بُدھی کو ایسا معلُوم ہُوا کہ جو شیو اپنے پاشوپت استر سے بڑے بڑے پرچنڈ دیتوں کو مارتا ہے۔ کیا اُس میں ایک ناچیز چُوہے کو بھگا دینے کی بھی شکتی نہیں ہے۔ مَیں اِن خیالات کو بہت دیر تک نہ روک سکا۔ اِس لیئے مَیں نے اپنے پتا کو جگایا۔ اور اپنی شنکا اُن کے سامنے رکھی۔"

مُول شنکر کا سوال سُن کر اوما شنکر حیران ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کی خماری بھری تھی۔ اُس نے غصّہ سے لال پیلا ہو کر پُتر کو ڈرایا کہ وہ اس قسم کے سوالات کو جانے دے مگر مُول شنکر کی اِس سے تسلّی نہ ہوئی۔ اُس نے سوال کیا کہ کیا یہ پتھر کی مُورتی جس کی پُوجا کر کے اور جس کے سامنے سر جُھکا کر ہم کہتے ہیں کہ ہم نے ترکال درشی اور سروشکتیمان شیو کی پُوجا کی۔ اُس مہادیو کا مرتبہ رکھ سکتی ہے۔ جس کی بیشمار طاقتیں ہیں۔ دیکھو اس مُورتی پر چُوہے دوڑتے پھرتے ہیں۔ اور مل مُوتر سے اِسے خراب کرتے ہیں۔ کتھا میں تو مہادیو کی طاقت کا بڑا ذکر ہے۔ وہ اِن چُوہوں کو اپنے سر پر کِس طرح کُودنے

دے سکتا ہے۔ اوما شنکر نے بیٹے کو اُن دلائل سے جو کہ عام طور پر بت پرستوں کے دماغ سے نکلا کرتی ہیں۔ شانت کرنا چاہا۔ لیکن اُسے اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور مول شنکر برابر سوال کر کے اُس کی دلائل کا کھنڈن کرتا رہا۔ جس سے باپ خاموش ہو گیا اور پھر سونے کی تیاری کرنے لگا

مناسب جواب نہ ملنے کی وجہ سے مول شنکر کی طبیعت اور بھی پریشان ہو گئی۔ اُس نے اُسی وقت گھر کا راستہ لیا۔ اور آتے ہی کھانے کو مانگا۔ ماتا نے کہا کہ "دیکھا میں نے پہلے ہی نہ کہہ دیا تھا کہ تو ابھی بچہ ہے۔ بھوکا نہ رہ سکیگا" اس کے جواب میں مول شنکر بولا "بات یہ نہیں ہے۔ مجھ پر بھوک نے غلبہ نہیں کیا۔ بلکہ میں اس لیئے کھانا مانگتا ہوں کہ میں اس برت کو رکھنا نہیں چاہتا" اس کے بعد اس نے وہ تمام حال اپنی ماتا کو کہہ سنایا۔ بھلا ماتا اس کی کیا تسلّی کر سکتی تھی۔ اُس نے خوف دلایا کہ پتا ناراض ہوگا لیکن مول شنکر نے جس کے دل سے شیوجی کی مورتی کی عزت بالکل دور ہو گئی تھی۔ اس کی ذرا پرواہ نہ کی اور کھانا کھا لیا۔ اس کے بعد وہ گھر میں پڑ کر سو گیا۔ اور صبح بہت دیر تک سوتا رہا۔ وہ برت جو مول شنکر کو شیو کا زیادہ بھگت بنانے کے لئے رکھا گیا تھا۔ اس نتیجے کے ساتھ ختم ہوا کہ شیو کی عزت کا خیال ہی اُس کے دل سے دور ہو گیا۔

صبح ہوتے ہی اوما شنکر گھر آیا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ مول شنکر نے رات ہی برت توڑ دیا اور کھانا کھا لیا۔ اُسے سخت غصّہ آیا اور اُس نے مول شنکر کو سامنے بلا کر شرمندہ کرنے کی غرض سے کہا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ پھر بحث شروع ہو گئی۔ اور اس نے ثابت کر دیا کہ مہادیو کی مورتی ہرگز وہ مہادیو نہیں ہے۔ جیسا کہ کتھا میں ذکر آیا ہے۔ باپ کا غصّہ بجائے کم ہونے کے اور بھی بڑھ گیا۔ ماتا نے بہت چاہا کہ غصّہ دور ہو جاوے۔ لیکن اُسے بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اتنے میں اوما شنکر کا چھوٹا بھائی وہاں آ گیا۔ جب اُسے سب حال معلوم ہوا۔ اُس نے اوما شنکر کو سمجھایا کہ ابھی بچّہ ہے۔ بڑا ہو کر خود ہی سمجھ جاویگا۔

اس واقعہ کے بعد مول شنکر نے کبھی کوئی برت نہ رکھا۔ اگرچہ اس کا باپ کئی دفعہ ناراض ہوا۔ لیکن اس نے اس کی بہت کم پرواہ کی۔ یہ پڑھنے میں ہی لگا رہا۔ اور [illegible] سال کے عرصہ میں نگھنٹو نروکت۔ پورو میمانسا وغیرہ گرنتھ بڑی کامیابی کے ساتھ پڑھ لیے۔ اس وقت اس کی عمر سولہ سال کی ہو گئی تھی۔

مول شنکر سے چھوٹی ایک بہن تھی جس کی اس کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ اتفاقاً ایک رات یہ اپنے باپ کے ساتھ ایک دوست کے گھر ناچ کے جلسہ میں گیا ہوا تھا۔ پیچھے سے اس لڑکی کو ہیضہ ہو گیا۔ نوکر دوڑا دوڑا آیا اور اوما شنکر کو بلا لایا۔ بہت سا علاج کیا گیا۔ کہ لڑکی کو مرض سے افاقہ ہو۔ مگر کچھ آرام نہ ہوا۔ بلکہ چار گھنٹے بیمار رہ کر یہ لڑکی موت کا شکار ہو گئی۔ کسی شخص کو مرتے دیکھنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ جو مول شنکر کو پیش آیا۔ وہ بہت ڈرا اور اس کے دل میں خیال آیا کہ "اوہ! موت کیسی بھیانک ہے جو چند منٹوں میں زندہ انسان کا خاتمہ کر دیتی ہے۔" اس کے بعد اسے اپنی موت کا خیال آیا۔ اور یہ سوچ کر کہ ایک دن اسے بھی اسی طرح جان دینی پڑیگی۔ اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور یہ اس خیال میں غرق ہو گیا کہ اس موت سے کس طرح نجات ملے۔ اور لوگ رونے پیٹنے میں مصروف تھے۔ لیکن مول شنکر اپنے خیالات میں غرق تھا۔ چنانچہ اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ گرا۔ یہ دیکھ کر اس کے باپ اور ماتا کو بڑا رنج ہوا۔ وہ دونو کہنے لگے کہ یہ بڑا پتھر دل ہے۔ کہ جسے اپنی پیاری بہن کی موت کا ذرا بھی رنج نہیں ہے۔ ابھی بہت سی رات باقی تھی۔ گھر کے کچھ ممبر تو سو گئے۔ کچھ جاگ کر روتے رہے۔ مگر مول شنکر اپنے ہی خیالات میں مست رہا۔

اس واقعہ کے تین سال بعد ایک اور نظارہ پیش آیا۔ مول شنکر کا چچا جو اسے بہت ہی پیار کرتا تھا۔ اور اس کی تعلیم میں بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ وہ بھی ہیضہ سے بیمار ہو گیا۔ اس نے کہا کہ مول شنکر کو اس کے پاس لاؤ۔ جب یہ اس کے نزدیک آیا تو اس نے

بڑے پریم سے اپنے پاس بٹھالیا۔ اور اس کی طرف دیکھ کر محبت سے رونے لگا۔ چچا
کو روتے دیکھ کر مول شنکر بھی رونے سے باز نہ رہ سکا۔ اس دفعہ یہ اس قدر رویا کہ
بہن کی موت پر نہ رونے کی شکایت دور ہو گئی۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سوج
گئیں۔ اور لوگوں نے اسے بڑی مشکل سے خاموش کیا۔ چچا کی وفات نے اس کے سامنے
موت کی ایسی خوفناک اور بھیانک شکل پیش کی کہ وہ دل ہی دل میں کانپ اٹھا۔ اور
دنیا کی تمام چیزوں سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی۔ چچا کی موت کے ایک سال
بعد تک مول شنکر برابر تعلیم حاصل کرتا رہا۔ مگر اس عرصہ میں بارہا اس کا دل اچاٹ ہو
جاتا تھا۔ اور وہ گھر سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اتنے میں ہی اس کے والدین نے اس کی
شادی کا انتظام کرنا چاہا۔ چنانچہ منگنی تو پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اب شادی کی تیاریاں ہونے
لگیں۔ جب مول شنکر کو اپنی شادی کا حال معلوم ہوا۔ دل پر بڑا صدمہ پہنچا۔ اور اس
نے ماتا پتا سے صاف کہہ دیا کہ وہ شادی کے بندھنوں میں نہ پھنسیگا۔

بھارت ورش کا ستیاناش کیوں نہ ہو۔ جہاں نوجوانوں کو اس قدر بھی آزادی نہیں
کہ وہ اپنی حسب مرضی اپنے جیون کا پروگرام بنا سکیں۔ مول شنکر کے کہنے پر لازم تو یہ
تھا کہ اما شنکر خاموش رہتا اور شادی کے خیال سے در گذر کرتا۔ تاکہ اس ہونہار
بچہ کو اپنی زندگی کو زیادہ کامیاب بنانے کے لئے تجاویز سوچنے میں سہولیت ہوتی۔
اس نے الٹا اس امر کی خفیہ کوششیں شروع کر دیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو شادی کر
دی جاوے۔ چنانچہ تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے مول شنکر کو کہا کہ
زمینداری کا کام کرے۔ مگر یہ کام اس کی حسب منشا نہ تھا۔ اور اس کے لئے اسے
لکھنا پڑھنا سب کچھ چھوڑنا پڑتا تھا۔ لہذا اس نے اس کام سے انکار کر دیا۔ اور ماتا
پر زور ڈالا کہ وہ اسے پڑھنے کے لئے بنارس بھجوا دے۔ ماتا بھلا یہ کب گوارا کر سکتی
تھی کہ اپنے بیٹے کو کاشی جیسے دور دراز شہر میں بھیج دیتی۔ البتہ اس نے اما شنکر کو اس

بات پر راضی کر لیا کہ وہ بیٹے کو اپنے شہر کے نزدیک ہی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک پنڈت کے پاس بھیج دے۔ یہ گاؤں موردی سے تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ مول شنکر ہر روز وہاں جاتا اور شام کو پڑھ کر گھر واپس آجاتا تھا۔ پنڈت جس کے پاس یہ پڑھنے جاتا تھا۔ بڑا نیک اور دھرماتما تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بڑی پریتی ہوگئی۔ اور جب ایک روز اُس نے پریم سے اس کی زندگی کا آئندہ پروگرام پوچھا۔ تو اس نے بتا دیا کہ وہ شادی وغیرہ کچھ نہ کریگا۔ بلکہ سادھو بن کر زندگی کے دن گذاریگا۔

اِس پنڈت نے یہ خبر اُما شنکر کے کان میں ڈال دی جس سے اُس نے اپنے بیٹے کو گاؤں پڑھنے جانے سے روکا۔ اور شادی کی تیاریاں زیادہ سرگرمی سے کرنے لگا۔ گھر میں شادی کا سامان آگیا۔ اور کپڑے وغیرہ سینے جانے لگے۔ مول شنکر نے دیکھا کہ اب وہ اپنے ارادے سے کسی طرح بھی باز نہ آوینگے۔ اس سے اُسے بڑا رنج ہوا اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر فقیر ہو جاویگا۔ چنانچہ اس خیال کو پختہ کر کے وہ سنہ ۱۹۰۳ بکرمی میں چُپ چاپ گھر سے نکل بھاگا۔ تاکہ وہ شادی کے بندھن میں نہ پھنسے۔ گھر سے نکل کر وہ چند کوس کے فاصلہ پر جا کر ایک برہمچاری سے ملا۔ جس نے اس کا سنسکار کر کے برہمچاری بنا لیا۔ اور نام شُدھ چیتن رکھ کر کپڑے بھی بدل دئے۔ یہاں سے یہ گھُومتا گھُومتا کوٹ کانگڑہ پہنچا۔ جہاں اسے معلوم ہُوا کہ سِدھ پور میں بڑا میلہ ہوتا ہے۔ جس میں بڑے بڑے یوگی آتے ہیں۔ یہ کسی کامل یوگی سے ملنے کے خیال پر سِدھ پور کو روانہ ہوگیا۔ راستہ میں اسے ایک یوگی ملا جو اس کے ماتا پتا سے بخوبی واقف تھا۔ مول شنکر نے اپنا تمام حال اس سے کہہ دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ سدھ پور جا رہا ہے۔ اس پر یوگی نے یہاں سے ہی اُما شنکر کو خط لکھ دیا کہ مول شنکر اس طرح سدھ پور کو جا رہا ہے۔ یہاں مول شنکر کی بڑی تلاش ہو رہی تھی اور گھر میں رونا مچا ہُوا تھا۔ جونہی اُما شنکر نے خط پڑھا۔ ریاست

کے چار سپاہی اپنے ساتھ لیکر فوراً سدھ پور کو روانہ ہو گیا۔ اور میلہ میں اپنے پُتر کی تلاش کرنے لگا۔

مُول شنکر یہاں آپہنچا تھا اور ایک شوالے میں کسی کامل یوگی کی تلاش میں اُترا ہُوا تھا۔ اُما شنکر کو اس کا پتہ لگ گیا۔ اور وہ ایک دن صبح ہی اپنے ساتھیوں کو ساتھ لئے یہاں آپہنچا۔ پُتر کو گیروے کپڑے پہنے اور ہاتھ میں تونبا لئے دیکھ کر اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ سخت غصہ آیا۔ مُول شنکر بھی پتا کو پاس کھڑے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ عزت کے خیال سے اُٹھا اور پتا کے پاؤں میں گر کر معافی مانگنے لگا۔ اُما شنکر کا غصہ فرو نہ ہوا۔ اُس نے بیٹے کا فقیرانہ کُرتہ پھاڑ ڈالا اور تونبہ زمین پر مار کر پھوڑ دیا۔ اسکے بعد اس نے مُول شنکر کو اچھے کپڑے پہنائے اور ساتھ لیکر گھر کو واپس لوٹا۔ سپاہیوں کو کہا کہ وہ بڑی ہوشیاری سے اس پر نگاہ رکھیں۔ راستہ میں مُول شنکر سوچ رہا تھا کہ گھر پہنچ کر پھر شادی کا جھمیلا ہوگا جس سے اسے سخت نفرت تھی۔ گھر اُسے کاٹ کھانے کو آتا تھا۔ اور وہ اس کوشش میں تھا کہ اگر موقعہ ملے تو بھاگ جاوے۔ چنانچہ گھر پہنچنے سے پہلے ایک رات پہرے والوں کو سوتا چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اور ایک گھنے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ تاکہ جب اُس کا باپ تلاش وغیرہ کرکے واپس چلا جاوے تو یہ بھی اپنا راستہ لے۔ جب اُما شنکر کو معلوم ہوا کہ شکار پھر ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُسے سخت غصہ آیا۔ اُس نے جنگل میں اُسے تلاش کیا۔ لیکن کچھ پتہ نہ لگا۔ آخر رنج کرتا ہوا گھر کو واپس لوٹ گیا۔ مُول شنکر درخت سے اُتر کر احمد آباد کی طرف بھاگ گیا اس کے بعد اُس نے کسی شخص کو اپنا حسب نسب نہیں بتایا۔ کیونکہ اسے خوف تھا کہ کہیں پھر آفت میں مبتلا نہ ہو جاوے۔

احمد آباد اور بڑودہ وغیرہ کی طرف گھومتے ہوئے مُول شنکر نربدا کے کنارے چل پڑا اور چانڑ دو کنیالی نامی مقام میں پہنچا۔ جہاں بہت سے سنیاسی رہتے تھے اور یہاں

پرمانند نامی ایک سنیاسی کی شاگردی میں رہ کر وِدّیا پڑھنے لگا۔ یہاں اس کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر کہیں گھر والوں کو معلوم ہو گیا تو وہ آکر پھر پکڑ لے جاوینگے۔ اس خدشہ سے نجات حاصل کرنے کے لیئے اُس نے یہ اُپاؤ سوچا کہ برہمچریہ آشرم کو چھوڑ کر سنیاس آشرم اختیار کرنا چاہیئے۔ تاکہ پھر گھر والوں کا کوئی جھگڑا ہی نہ رہے یہ نشچے پختہ کر کے اُس نے چد آشرم سوامی سے جو اس ڈیرہ میں بڑا پرسدھ تھا سنیاس لینے کیلئے کہا۔ اُس نے انکار کر دیا۔ لیکن مُول شنکر کا بڑھا ہُوا اشتیاق دیکھ کر ایک دن یہ اُسے ایک اور سنیاسی کے پاس لے گیا۔ جس کا نام پورنانند سرسوتی تھا۔ اس نے کئی ایک سوالات کے بعد مُول شنکر کو سنیاس آشرم میں داخل کر کے دیانند سرسوتی بنا دیا۔ اور اب سے بھارت ورش کے اس عظیم الشان مذہبی ریفارمر کا نام دیانند مشہور ہُوا۔ سنیاس لینے کے وقت مُول شنکر کی عُمر ۲۴ سال کی تھی۔

اس کے بعد دیانند نے وِدّیا حاصل کرنے کے لیئے بڑے بڑے سفر کیئے اور کشٹ اُٹھائے۔ وہ اونچی سے اونچی پہاڑیوں اور سرد سے سرد مقامات پر وِدّیا پڑھنے کے لیئے پہنچا۔ جہاں کہیں اسے معلوم ہُوا کہ فلاں مقام پر پنڈت رہتا ہے۔ وہاں ہی یہ پہنچا۔ اور جو کچھ وِدّیا حاصل کر سکا۔ اُس نے حاصل کی۔ بعض مقامات پر اسے سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس نے ہمّت نہ ہاری۔ ایک جگہ کا ذکر کرتے ہوئے اِس نے بیان کیا ہے ”ایک دن سورج چڑھتے ہی میں نے اپنا سفر اختیار کیا۔ اور دامن کوہ سے ہوتا ہُوا دریائے الکھ نندا کے کنارے پر جا پہنچا۔ مجھے اس دریا کے عبور کرنے کی ذرا بھی اچھیا نہ تھی۔ بلکہ میں نے اس کوہ کے دامن میں ہی اپنی رفتار جاری رکھی۔ اور میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ جنگل کی طرف ہو لیا۔ پہاڑ۔ سڑک اور ٹیلے وغیرہ سب برف سے ڈھنپے ہوئے تھے۔ دریائے الکھ نندا کے منبع تک پہنچنے میں مجھے بڑی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ کیونکہ بعض مقامات پر برف بہت ہی گھنی تھی۔

جب میں دریا کے منبع پر پہنچا۔ تو حیران ہوا کیونکہ وہاں سوائے اُونچی اونچی پہاڑیوں کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ اور نہ ہی مجھے آگے جانے کا راستہ دکھائی دیا۔ میں اسوقت سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ آخر میں نے راستہ دریافت کرنے کے لئے دریا کے اُس پار جانے کا فیصلہ کیا۔ جو کپڑے میرے بدن پر تھے وہ نہ باریک تھے۔ اور بہت کم تھے۔ سردی بہت زیادہ تھی۔ تھوڑی دیر میں یہ سردی اس قدر سخت ہو گئی کہ اس کا برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ ایک طرف سردی تھی دُوسری طرف بھوک نے تنگ کرنا شروع کیا۔ بھوک سے زیادہ بیا کل ہو کر میں نے برف کا ایک ٹکڑہ کھا لیا لیکن اس سے بھوک نے کم کیا ہونا تھا۔ آخر میں دریا میں اُترا اور پار جانے لگا۔ دریا کا پانی غضب کا ٹھنڈا تھا۔ بعض جگہوں میں بہت گہرا تھا۔ دریا برف کے چھوٹے مگر نوکیلے ٹکڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ جس سے میرے پاؤں سخت زخمی ہو گئے۔ اور دونوں پاؤں سے خون بہنے لگا۔ میرے پاؤں سردی سے بالکل سُن ہو گئے۔ میری طاقت بالکل جواب دینے لگی۔ اور سخت سردی کے سبب مجھ پر بیہوشی کی سی حالت طاری ہونے لگی۔ اور میں برف پر گرنے کو ہی تھا۔ میں نے سوچا کہ ایک دفعہ یہاں گر کر پھر قیامت تک اُٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ اور یہاں ہی برف میں سڑ کر مر جاؤنگا۔ اس خیال کے آتے ہی میرے بدن میں ہمت آئی اور میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دریا کے اُس پار جا پہنچا۔ دریا سے باہر نکل کر میری حالت اُور بھی خراب ہو گئی۔ تاہم میں نے حوصلہ کو ہاتھ سے نہ دیا۔ میرے پاؤں بڑے زخمی تھے اور ٹانگیں سرد پانی کی وجہ سے درد کرنے لگی تھیں۔ میں نے بدن کے کپڑے اُتار کر (لنگوٹ) اور پاؤں پر لپیٹ لئے۔ اور آگے چلنے کی تیاری کی۔ لیکن باوجود سخت کوششوں کے میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ آخر جب مجھے نتیجہ ہو گیا کہ میں آگے چلنے کے بالکل ناقابل ہوں۔ تو اسی حالت میں جبکہ میرا بدن ننگا تھا۔ کھڑا ہو گیا۔ اور مدد کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن میرے دل میں رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ اس نرجن جنگل میں مدد

کیلئے کون آدیگا۔ اتنے میں مجھے دُور سے دو پہاڑی جاتے ہوئے نظر آئے۔ میں نے ان کو بُلایا اور اپنا حال سُنایا۔ اُنہوں نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ مگر میں چلنے کے ناقابل تھا۔ اس لئے وہاں ہی کھڑا رہا۔ یہ دونوں پہاڑی کچھ دیر بعد چلے گئے۔ اور میں حیرانی کے ساتھ ان کی طرف دیکھتا رہا۔ آخر یہ میری نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اِس وقت میں نے سب خیالات کو ترک کر دیا۔ اور ایشور کا دھیان کرنے لگا۔ جب مجھے ہوش آیا میں نے سوچا کہ اگر واپس جاکر تعلیم حاصل کروں تو اِس طرح تکلیف اُٹھانے سے اچھا ہے یہ سوچ کر میں چلنے لگا۔ اور باسودھا ہوتا ہوُا سنگرم کے نزدیک سے گذر کر شام ہوتے ہوتے بدری نارائن جا پہنچا۔ یہاں کے راول مجھے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اور دریافت کرنے لگے۔ صُبح سے کہاں رہے؟ میں نے ان سے سب حال بیان کیا۔ اور تھوڑا سا کھانا کھا کر سو گیا۔ جس سے مجھے آرام ملا"

وِدّیا حاصل کرنے کیلئے اِس سے بڑھ کر شوق کی مثال ملنی مشکل ہے۔ دیانند نے وِدّیا حاصل کرنے کیلئے جو کشٹ اُٹھایا وہ اُس کا ہی حصہ تھا۔ مگر اُس نے یہاں پر ہی بس نہ کی سمت ۱۹۱۴ بکرمی میں اُس نے ایک اَور سفر کیا۔ جو پہلے سے بھی خطرناک تھا۔ اس سفر کا حال وُہ اپنی زبان سے یُوں بیان کرتا ہے:۔

"میرے دِل میں اِس بات کی خواہش تھی کہ میں نربدا کے منبع کو دیکھوں۔ چنانچہ میں برابر سفر کرتا ہوُا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں انسانی آبادی سے بہت دُور جا پہنچا۔ کئی گھنٹوں تک مجھے انسانی آبادی کا ذرا سا بھی نشان نہ ملا۔ دُور دُور تک کوئی گاؤں مجھے نظر نہ آیا۔ اور نہ کوئی جھونپڑی ہی دکھائی دی۔ نہ کوئی آدمی میری نظر سے گذرا۔ وہ چیزیں جو میں نے اپنے راستہ میں دیکھیں۔ صرف درخت تھے جن میں سے بعض کو مست ہاتھیوں نے جڑوں سے اُکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ اِس سے تھوڑی ہی دُور پر مجھے ایک بہت بڑا جنگل دکھائی دیا۔ جس میں گھُسنا بھی مشکل تھا۔ وہاں اِس قدر کانٹے دار درخت پاس پاس اُگے ہوئے

تھے کہ اُن کے درمیان سے گذر کر جنگل کے پار جانا سخت مشکل تھا۔ پہلے پہل تو مجھ کو اُن کے اندر سے نکلنا ناممکن نظر آتا تھا۔ لیکن بعد ازاں پیٹ کے بل گھٹنوں کے سہارے میں آہستہ آہستہ سانپ کی طرح اُن درختوں میں سے نکلا۔ اِس طرح اُس رکاوٹ اور مشکل کو حل کیا اور فتح پائی۔ لیکن اس فتح کو حاصل کرنے کیلئے مجھے نہ صرف اپنے بدن کے کپڑے ہی بطور خراج کانٹے دار درختوں کو دینے پڑے بلکہ اپنے جسم کا گوشت بھی قربان کرنا پڑا کیونکہ جس وقت میں اس جنگل سے باہر نکلا سخت زخمی ہو رہا تھا۔"

اِس طرح دیانند نے ہندوستان کے پہاڑی علاقوں کا خوب سفر کیا۔ چونکہ اُسے معلوم تھا کہ اِن پہاڑوں میں یوگی لوگ رہتے ہیں۔ اِن یوگیوں کی کشش اُسے سخت سے سخت مشکلات کے باوجود بھی ایک مقام سے دُوسرے مقام پر لیجاتی تھی۔ اور پھرتے پھرتے سمت ۱۹۱۷ بکرمی میں یہ اولوالعزم شخص متھرا میں پہنچا۔ جہاں اُسے سوامی ورجانند سرسوتی کا پتہ لگا۔ دیانند اس فاضل اجل سے تعلیم حاصل کرنے کیلئے گیا۔ اور کئی کڑی شرائط طے کر کے اُس کے شاگردوں میں شامل ہو گیا۔ ورجانند آنکھوں سے اندھا تھا۔ مگر علمیت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ دیانند اس کے پاس کئی سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا۔ یہاں اس کی تعلیمی بھوک پوری ہو گئی۔ اور اُسے مناسب خوراک ایک کافی مقدار میں مل گئی۔ دیانند سمت ۱۹۲۰ بکرمی تک یہاں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اسے اپنے گورو میں بڑی شردھا تھی۔ اور گورو بھی اس پر دل سے فدا تھا۔ اگرچہ دیانند جوان تھا۔ مگر اُس نے وِدّیا حاصل کرنے میں نہایت ہی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ ایک روز سوامی ورجانند نے کسی بات سے ناراض ہو کر دیانند کے زور سے ڈنڈے مارے۔ جس سے اُن کا ہاتھ درد کرنے لگا۔ اُس وقت تو دیانند خاموش رہا۔ مگر پھر موقعہ پا کر کہنے لگا "سوامی جی! آپ مجھے نہ مارا کریں۔ کیونکہ آپ کے ہاتھ نازک ہیں اور میرا بدن پتھر کی طرح سخت ہے۔ مجھے مارنے سے آپ کے نازک ہاتھ میں چوٹ لگتی ہے۔ مجھے اپنا تو فکر نہیں۔ مگر آپ کا کشٹ سہن نہیں کر سکتا۔"

سوامی ودرجانند نے اپنے قابل شاگرد کو بڑے پریم سے پڑھایا۔ جس وقت دیانند نے ودیا سماپت کرلی۔ وہ اپنے گورو سے علیحدہ ہونے لگا۔ چونکہ سوامی ودرجانند کو لونگ کھانے کا بڑا شوق تھا۔ اسلئے دیانند ایک تھال میں بہت سے لونگ لیکر گورو کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ودیا سماپتی پر آشیرباد حاصل کرنے کیلئے پرارتھنا کی۔ سوامی ودرجانند نے دیانند سے کہا "تمہاری یہ بھینٹ میں سویکار نہیں کرسکتا۔ میں تم سے گورو دکشا میں کوئی بڑی چیز مانگنی چاہتا ہوں" دیانند نے اُداستا سے گورو کو کہا کہ "جو کچھ اُس کے پاس ہے وہ نچھاور کرنے کو تیار ہے" اس کی یہ شردھا دیکھ کر سوامی ودرجانند نے کہا کہ "دیکھو بھارت ورش میں انیک جھوٹے مت متانتر پھیل رہے ہیں اور ویدک دھرم کی روشنی مدھم پڑ رہی ہے۔ تم کوشش کرو اور جھوٹے مت متانتروں کا مقابلہ کرکے ان کا خاتمہ کردو۔ اور اُن کی جگہ ویدک دھرم کا پرچار کرو" گورو کی یہ آگیا سُنکر دیانند نے اپنا سر جھکا دیا اور کہا کہ "ایسا ہی ہوگا" دیانند یہ الفاظ کہکر گورو سے علیحدہ ہو گیا اور آگرہ میں آ ٹھہرا۔ یہاں دو سال کے قریب رہا۔ اور یہاں سے ہی ویدک دھرم کا پرچار شروع کیا۔ آگرہ پہلی جگہ ہے۔ جہاں سے دیانند نے بُت پرستی کے برخلاف اپنی آواز بلند کی۔ رشی دیانند نے اپنی عمر میں جو کارہائے نمایاں کئے۔ اُن کا مفصّل حال بیان کرنا ان سطور میں ناممکن ہے۔ اُس نے سمت ۱۹۲۳ بکرمی سے ویدک دھرم پرچار کا بیڑا اُٹھایا۔ اور سمت ۱۹۴۰ تک برابر اس کام میں لگا رہا۔ اس عرصہ میں اُس نے تمام بھارت ورش کا دورہ کیا۔ اور بڑے بڑے شاستر ارتھ لوگوں کے ساتھ کئے۔ ان سب میں دیانند کا لوہا سب مانتے رہے۔ بنارس جو ہمیشہ سے عالموں اور پنڈتوں کا مرکز رہا ہے۔ دیانند یہاں بھی پہنچا۔ سمت ۱۹۲۶ بکرمی میں اس نے بنارس کے تمام پنڈتوں کو چیلنج دیا کہ اگر وہ بُت پرستی کو ویدوں کی رُو سے ثابت کرسکتے ہیں تو میدان میں آویں۔ مہاراجہ کاشی کے کہنے پر بنارس میں ۱۴ نومبر ۱۸۶۹ء کو بنارس کے تمام پنڈتوں کے ساتھ مباحثہ کیا اور سب کو پراست کرکے اس بات پر

مُہر لگائی کہ ویدوں میں مُورتی پُوجا کا کہیں بھی حکم نہیں ہے۔ بنارس میں اپنی علمیت کا سکّہ بٹھانے کے بعد دیانند نے دُوسرے شہروں میں دھوم مچائی۔ اس کا مقابلہ مسلمانوں عیسائیوں۔ پورانکوں۔ جینیوں۔ بودھوں۔ وام مارگیوں۔ ولبھ آچاریوں وغیرہ انیک مت متانتروالوں سے تھا۔ مگر اس نے سب کو اپنی بے نظیر علمیت سے قائل کیا۔ اور کوئی شخص اس کے سامنے دم نہ مار سکا۔

آگرہ میں رِشی دو سال تک رہا۔ اس کے بعد اُس نے گنگا کے کنارے چھ سات سال تک خوب چکر لگایا۔ اور گنگا کے کنارے تمام شہروں میں ویدک دھرم کا خوب ڈنکا بجایا بُت پرستی کا بڑا کھنڈن کیا۔ پورانوں کی زبردست مخالفت کی۔ گنگا کے کنارے پر گھومتے اور ویدک دھرم کا پرچار کرتے ہوئے اُس کے کان میں خبر پہنچی کہ سوامی ورجانند کا دیہانت ہو گیا ہے۔ اس خبر سے دیانند کے دل پر بڑا رنج ہُوا۔ اور اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ "آج دُنیا سے وِدّیا کا سُورج لوپ ہو گیا ہے"۔ سوامی ورجانند کی موت کی خبر سُنکر دیانند کے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ ویدک دھرم کے پرچار کے لیئے جگہ بہ جگہ مدرسے ہونے چاہئیں۔ جہاں نوجوان لڑکوں کو شکشا دی جاوے۔ چنانچہ ایک دفعہ اس کا گذر فرخ آباد میں ہُوا۔ اس شہر کے ایک بڑے امیر سیٹھ پنی لال نے بہت سا روپیہ صرف کر کے ایک مندر بنوایا تھا اور اُس میں شیولنگ استھاپن کرنا چاہتا تھا جب دیانند کو یہ حال معلوم ہُوا۔ اُس نے سیٹھ پنی لال کو بُت پرستی کے نقصان سمجھائے جس سے یہ شخص بُت پرستی سے نفرت کرنے لگا۔ اور اس نے اِس عمارت میں شیو کی مُورتی رکھنے کی بجائے اِسے پاٹھ شالہ بنا دیا۔ جہاں بہت سے لڑکے پڑھتے تھے۔ دیانند نے پانچ مندرجہ ذیل مقامات پر پاٹھ شالائیں جاری کیں (۱) فرخ آباد کی پاٹھ شالہ جو سات سال تک جاری رہی (۲) کاسگنج کی پاٹھ شالہ جو چار سال تک کام کرتی رہی (۳) مرزاپور کی پاٹھ شالہ جو تین سال جاری رہ کر بند ہو گئی (۴) چلیسر کی پاٹھ شالہ جو چھ سال تک جاری

کام کرتی رہی (۵) بنارس کی پاٹھ شالہ جو تقریباً ۳ سال تک بڑی خوبی سے جاری رہی مگر بعد میں ۱۸۸۰ء میں بند کر دی گئی۔ اِن پاٹھ شالاؤں میں سنسکرت اور ویدک دھرم کی شکشا پانے والے جوق در جوق آتے تھے۔ اور ان میں داخل ہوتے تھے۔ دیانند اپنی پاٹھ شالاؤں میں ودیارتھیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر بڑا خوش تھا اور اُسے تسلی تھی کہ اِن سے ویدک دھرم کے سچے پرچارک برآمد ہونگے۔

اِن پاٹھ شالاؤں میں جو ودیارتھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ اُنکو مندرجہ ذیل قواعد کی پابندی کرنی پڑتی تھی (۱) پاٹھ شالہ میں داخل ہونے سے پہلے سندھیا سیکھنی چاہیئے (۲) ہر ایک ودیارتھی کو لازمی طور پر اشٹادھیائی، مہابھاشیہ، منوسمرتی اور ویدک گرنتھوں کی تعلیم حاصل کرنی ہوگی (۳) ہر ایک ودیارتھی دو وقت سندھیا کرے۔ جو صبح کے وقت سندھیا نہ کرے۔ اُسے تمام دن کھانا نہ دیا جاوے اور نہ ہی وہ شہر میں سے مانگ کر کھا سکے (۴) کوئی ودیارتھی سوائے اس کے کہ اُسے کسی مکان پر کھانا کھانے جانا ہو کسی حالت میں بھی شہر میں نہ جائے (۵) ہر ایک ودیارتھی کو دو وقت اگنی ہوتر میں ہر روز شامل ہونا پڑتا تھا۔ رشی کی ہدایت تھی کہ جو ودیارتھی پاٹھ شالہ کے قواعد کی پابندی نہ کرے۔ اُسے سخت سزا دی جاوے۔ یہ پاٹھ شالائیں اچھا کام کرتی رہیں۔ جب رشی کلکتہ میں تھا۔ اُس نے وہاں کے بڑے بڑے کالج دیکھے اُس وقت اُس کے خیالات میں پلٹا آیا۔ اور اُس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا "بھو انگریزی اور فارسی نے تمام اچھے اچھے گھرانوں کے لڑکوں کو لے لیا ہے۔ میرے لئے غریب خاندانوں کے لڑکے رہ گئے ہیں۔ انہیں میں کیا بناؤنگا۔ اُن سے میرے مشن کی پوری نہ ہوگی"۔ چنانچہ اس کے بعد دیانند نے وید بھاشیہ کا ارادہ کر کے پاٹھ شالاؤں کو بند کر دیا۔ اور جو روپیہ تھا۔ وہ وید بھاشیہ کی اشاعت میں لگا دیا۔

گنگا کے کنارے ویدک دھرم کا پرچار کرتے ہوئے ایک دفعہ رشی کرنواس

میں آیا۔ اور بُت پرستی وغیرہ کا زور سے کھنڈن کرنے لگا۔ انہی ایام میں بردی کا ایک رئیس راؤ کرن سنگھ بھی گنگا اشنان کرنے کے لئے یہاں پہنچا۔ جب اُس نے سُنا کہ ایک سادھو مُورتی پُوجا اور گنگا اشنان وغیرہ کا بڑا کھنڈن کرتا ہے۔ اُسے غصّہ آیا اور وہ اُسکے پاس ملنے گیا۔ اس کے ساتھ کئی ایک اور بھی آدمی تھے۔ جاتے ہی یہ رشی کے قریب بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا کہ "بابا جی! تم جو گنگا وغیرہ نہانے اور مُورتی پُوجا کی نندا کرتے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر میرے سامنے تیرتھوں وغیرہ کا کھنڈن کروگے۔ تو اچھا نہ ہوگا۔ اور میں بُری طرح پیش آؤنگا" یہ الفاظ سُنکر رشی ہنسا اور اُس نے جواب دیا "راؤ صاحب! اگر شستر ارتھ کرنا ہے یعنی بہادری کے ہاتھ دکھانے ہیں۔ تو جے پور۔ جودھپور یا کسی اور ریاست کے راجہ کے پاس جاؤ۔ لیکن اگر شاستر ارتھ (مباحثہ) کا شوق ہے۔ تو اپنے گورو رنگا چاریہ کو یہاں لے آؤ۔ میں اُس سے شاستر ارتھ کرکے اُسے پراجے کرونگا" دیانند کے یہ الفاظ سُنکر راؤ کرن سنگھ کی آنکھیں غصّہ سے لال ہوگئیں۔ اُس نے اپنی تلوار پر ہاتھ رکھا۔ اور چاہا کہ ایک ہی وار میں دیانند کا خاتمہ کردے۔ مگر یہ شیر مرد ذرا نہ گھبرایا۔ بلکہ زیادہ جوشیلا ہوکر کہنے لگا "بیشک راجپوتوں کا یہی کام ہے۔ راجپوتوں کی تلوار میان سے نکل کر کبھی خُون پیئے بغیر میان میں نہیں جاتی" کرن سنگھ کا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ اور وہ تلوار نہ چلا سکا۔ اتنے میں بہت سے لوگ آگئے۔ اور کرن سنگھ شرمندہ ہوکر چلا گیا۔

لیکن اس کے دل کا غصّہ دُور نہ ہُوا۔ اور وہ رشی کو نقصان پہنچانے کی تجاویز سوچنے لگا۔ لوگوں نے رشی سے کہا کہ وہ پولیس میں اطلاع کرکے اس کا مناسب علاج کرادے لیکن دیانند نے کہا کہ جو کچھ اُس کے ساتھ گذرا ہے۔ اُسے شرمندہ کرنے کیلئے یہی کافی ہے۔ راؤ کرن سنگھ اگر ایک نیک انسان ہوتا تو سمجھ جاتا۔ مگر نامعلوم کہ اس کا خمیر کس چیز کا بنا تھا۔ وہ برابر رشی کو نقصان پہنچانے کے خیالات سوچتا رہا۔ ایک دفعہ آدھی رات

اپنے تین نوکروں کو تلواریں دیکر روانہ کیا کہ وہ رات کو سوتے میں رشی دیانند کا سر کاٹ لادیں۔ یہ شخص جاکر دیانند کی کٹیا کے گرد گھومتے رہے۔ مگر ان کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ وہ اس کے اندر جا سکیں۔ ان کے پاؤں کی چاپ سُنکر وہ مہاتما جن کی گردن کاٹنے کے لیئے آئے تھے۔ جاگ اُٹھا اور کٹیا کے دروازے پر جاکر انہیں پکارنے لگا۔ سنگھ کی آواز سُنکر یہ بزدل گیدڑ بھاگ نکلے اور پھر پیچھے مڑکر نہ دیکھا۔ اتنے میں اور لوگ بھی جاگ اُٹھے اور شہر میں شور مچ گیا کہ کرن سنگھ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتا۔ اس پر کئی راجپوت لاٹھیاں لے کر آگئے۔ اور کرن سنگھ کو گالیاں دینے لگے۔ کرن سنگھ پاس ہی ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ مگر اُس کا حوصلہ نہ پڑا کہ وہ مقابلہ پر آتا۔ بلکہ اگلے روز ہی وہاں سے وہ اپنے شہر کو بھاگ گیا۔

رشی بدستور ویدک دھرم کا پرچار اور جھوٹے مت متانتروں کا کھنڈن کرتا رہا۔ ان دنوں یہ بدن پر صرف ایک لنگوٹی رکھتا تھا۔ باقی سب کپڑے وغیرہ اس نے میلہ کُمبھ ہردوار کے موقعہ پر تیاگ دئے تھے۔ تاکہ بیخوفی سے دھرم پرچار کا کام کر سکے۔ اور کوئی خیال اسے اس راستے سے روک نہ سکے۔ سمت ۱۹۲۹ بکرمی میں سچائی اور نیکی کا اُپدیش کرتے ہوئے اس کا گذر بھاگلپور میں ہوا۔ یہاں اس نے کئی روز تک بُت پرستی وغیرہ توہمات کا کھنڈن کیا۔ کوئی شخص مقابلہ پر نہ آیا۔ یہاں سے روانہ ہوکر یہ بہادر بھارت ورش کی راجدھانی کلکتہ میں جا دھمکا۔ جہاں ان دنوں علوم وفنون کی خوب رونق تھی۔ کلکتہ میں اس کے کئی ایک لیکچر ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے بُت پرستی وغیرہ مضامین پر مباحثے کئے۔ مگر شکست کھائی۔ یہاں اس کی ملاقات برہمو سماج کے لیڈر مسٹر کیشب چندر سین کے ساتھ ہوئی۔ اور دونوں بڑے پیار اور محبت سے تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ ایک روز بابو کیشب چندر سین نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اگر رشی انگریزی زبان جانتا ہوتا تو اچھا تھا۔ اس کے جواب میں دیانند نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے بھی

افسوس ہے کہ آپ بھارت ورش کے ادھار کا دعوے کرتے ہیں لیکن بھارت ورش کی پراچین زبان سنسکرت سے واقف نہیں جس میں تمام دھارمک گرنتھ تحریر ہیں۔ یہ معقول جواب سُن کر بابو صاحب خاموش ہو گئے۔ کلکتہ میں کام کرتے ہوئے دیانند نے محسوس کیا کہ ننگے بدن پھرنے کی نسبت کپڑے پہن کر وہ زیادہ کام کر سکیگا۔ اس لیئے اس نے کپڑے پہننے شروع کر دیئے۔ اس وقت تک وہ زبان سنسکرت میں بات چیت اور مباحثات کرتا تھا۔ یہاں اس نے سوچا کہ اگر آریہ بھاشا کو اپنے خیالات کے پرچار کا ذریعہ بنایا جاوے تو ویدک دھرم پرچار میں بڑا فائدہ ہوگا۔ چنانچہ آئندہ اس نے آریہ بھاشا کو ہی اپنے خیالات کے پرچار کا ذریعہ بنایا۔

کلکتہ سے چل کر دیانند پھر صوبجات متحدہ میں دھرم پرچار کرنے لگا۔ اس دفعہ اسکا ارادہ بمبئی جانے کا تھا۔ چنانچہ مختلف مقامات پر ویدک دھرم کا ناد بجاتا ہوا پہلی بار ۲۰ اکتوبر ۱۸۷۴ء مطابق سمت ۱۹۳۱ بکرمی کو بمبئی جا پہنچا۔ یہاں اس نے بڑے زور سے ولبھ آچاریہ مت کا کھنڈن کیا۔ اور لوگوں کو بتایا کہ چونکہ اس مت کے پاکھنڈ میں پھنس کر شادی کے بعد اپنی عورتوں کو اس مت کے گرو کے پاس بھیجتے ہیں۔ وہ بڑا شرمناک کام کرتے ہیں۔ اس سے لوگوں کی رُچی اس مت کی طرف سے ہٹنے لگی۔ اپنی آمدنی کم ہوتے دیکھ کر اور لوگوں کے آزاد ہونے کا خیال کر کے اس مت کے آچاریہ گوسوامی جیون جی نے کئی طریقوں سے دیانند کا مقابلہ کرنا چاہا۔ ایک دفعہ تو زہر دیکر بھی خاتمہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ آخر شرمندہ ہوکر بمبئی چھوڑ کر مدراس کی طرف بھاگ گیا۔ اور جب تک دیانند یہاں رہا۔ اس نے اس طرف لوٹنے کا خیال بھی نہ کیا۔

بمبئی میں کام کرتے ہوئے دیانند کے دل میں خیال آیا کہ ضرور کوئی ایسی سنستھا بنانی چاہیئے۔ جو اس کے بعد بھی ویدک دھرم پرچار کا کام جاری رکھ سکے۔ وہ دوسرے

مقتوں کی مانند مٹھ یا گدیاں بنانے کے سراسر خلاف تھا۔ کیونکہ ان کا نتیجہ بالکل خراب اور نقصان دہ تھا۔ گدی سسٹم کی بجائے وہ ایک لبرل کانسٹی ٹیوشن بنانا چاہتا تھا۔ جو عوام میں بداخلاقی پھیلانے کا موجب نہ ہو سکے۔ بہت سوچ وچار کے بعد اُس نے آریہ سماج کے نام سے ایک سنستھا بنانے کا ارادہ کیا۔ اور ۱۸۷۵ء میں سب سے پہلا آریہ سماج بمبئی میں قائم جس میں عام انتخاب سے پردہان اور منتری وغیرہ مقرر کئے گئے۔ یہاں سماج قائم کر کے دیانند پونا چلا گیا۔ جہاں اُس نے کئی لیکچر مختلف مضامین پر دئے۔ اور اپنی زندگی کے بڑے بڑے واقعات پر بھی روشنی ڈالی۔ یہاں سے یہ بہادر برابر سچائی کا پرچار کرتا ہوا فرخ آباد آ گیا۔ اور یہاں سے بنارس جا پہنچا۔ جہاں یہ کئی ماہ تک اس بت پرستی کے گڑھ میں رہ کر بت پرستی کا کھنڈن کرتا رہا۔

بنارس میں چند ماہ رہ کر یہ پھر ویدک دھرم کے پرچار کے لئے کمر ہمت کس کر چل کھڑا ہوا اور جون پور۔ اجودھیا۔ لکھنؤ۔ شاہ جہانپور۔ بانس بریلی اور کرنواس وغیرہ میں سچائی کا ڈنکا بجاتا ہوا ۱۸۷۷ء کے آغاز میں دہلی دربار کے موقعہ پر جا پہنچا۔ جہاں اس نے راجاؤں اور مہاراجاؤں تک کو اُپدیش دیا اور پاکھنڈی لوگوں کا پاکھنڈ توڑا۔ یہاں اس نے دُوسرے مذہبی کام کرنے والوں کو اپنے مکان پر بلا کر خواہش ظاہر کی کہ اگر وہ سب مل کر دھرم پرچار کا کام کریں تو بڑا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اس کی دلائل کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ لیکن اس سکیم میں شامل نہ ہو سکے۔ جو سکیم یہ پیش کرتے تھے۔ اُس کو دیانند منظور نہ کرتا تھا۔ یہاں سے دیانند پھر اپنے دورہ پر روانہ ہوا۔ اور اس دفعہ پنجاب کی طرف چلا۔ میرٹھ۔ سہارنپور ہوتا ہوا وہ ماہ مارچ میں چاندا پور پہنچا جہاں ایک بڑا بھاری مذہبی میلہ تھا۔ جس میں عیسائی مسلمان۔ نانک پنتھ وغیرہ تمام مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مت کو سچا ظاہر کرنے کے لئے آئے تھے۔ دیانند نے اِس موقعہ کا خوب فائدہ اُٹھایا۔ اور ویدک دھرم کے بارہ میں وہ مدلل

تقریریں کیں کہ سب کے جوش ماند پڑ گئے۔ اور یہ خیال کر کے کہ کہیں دیانند اُن کا بالکل ہی پول نہ کھول دے۔ وہ صرف دو روز ہی رہ کر بھاگ نکلے۔ اور میدان اِس مہاں پُرش کے ہاتھ رہا۔

چاند پور سے روانہ ہو کر دیانند لدھیانہ پہنچا۔ اور کئی روز تک ویدوں کی سچائی ظاہر کرتا رہا۔ یہاں سے لاہور آیا اور بڑے جوش سے کام کیا۔ لاہور کے برہمو لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ اُن کے ساتھ مِل کر برہمو سماج کا کام کریگا۔ لیکن جب اُس نے ویدک دھرم کا ناد بجایا تو وہ اس کے مخالف ہو گئے۔ مگر ان کی مخالفت اس اولوالعزم کے راستہ میں کیا رُکاوٹ پیدا کر سکتی تھی۔ یہاں سماج قایم کر کے دیانند امرتسر میں آیا۔ یہاں یہ سردار دیال سنگھ مرحوم کا مہمان تھا۔ سردار صاحب کی عادات دیکھ کر اس نے اُسے اُپدیش کیا۔ مگر اپنا مخالف بنا لیا۔ امرتسر سکھ لوگوں کا بڑا تیرتھ ہے۔ اور یہاں بُت پرستی کا بڑا زور ہے۔ دیانند نے جونہی اپنی آواز ان خرابیوں کے برخلاف بلند کی۔ لوگوں نے اینٹوں۔ پتھروں اور گالیوں سے اس کی سیوا کی۔ لیکن وہ اپنا کام کرتا رہا۔ اور آخر سماج قایم کر کے گورداسپور۔ جالندھر۔ فیروزپور۔ راولپنڈی۔ جہلم۔ گجرات۔ وزیرآباد گوجرانوالہ۔ ملتان وغیرہ مقامات میں دھرم پرچار کرتا ہوا ماہ جولائی ۱۸۷۸ء کو رُڑکی میں جا دھمکا۔ اور یہاں خُوب زور سے بُت پرستی وغیرہ توہمات کا کھنڈن کیا۔

رُڑکی میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد پھر لوگوں کو تاریکی سے نکالنے کے لئے روانہ ہوا اور علی گڑھ۔ میرٹھ۔ دہلی۔ اجمیر۔ پُشکر۔ نصیرآباد۔ ریواڑی۔ ڈیرہ دُون۔ مرادآباد۔ بدایوں۔ بریلی۔ شاہجہانپور۔ لکھنؤ۔ فرخ آباد۔ فتح گڈھ۔ کانپور۔ الہ آباد۔ مرزاپور۔ داناپور۔ مین پوری۔ مظفر نگر۔ آگرہ اور راجپوتانہ کی ریاستوں وغیرہ میں دو سال تک لگاتار لیکچر اور اُپدیش دیتا ہوا مارچ ۱۸۸۲ء کو بمبئی میں چلا گیا۔ یہاں آریہ سماج کا جلسہ تھا۔ دیانند نے اِس جلسہ کو بارونق اور شاندار بنانے

کے لئے کئی روز اس جگہ قیام رکھا اور اس جگہ کئی لیکچر وغیرہ بھی ہوئے۔ یہاں سے روانہ ہو کر کھنڈوا۔ اندور۔ رتلام اور جاورہ ہوتا ہوا ۲۵ جولائی ۱۸۸۲ء کو ریاست اودے پور میواڑ چلا گیا۔ رشی سب سے پہلے چتوڑ پہنچا۔ اور وہاں چند روز رہ کر میواڑ میں آ گیا۔ مہارانا سجن سنگھ جی والئے ریاست اودے پور بڑی عزت سے پیش آئے۔ اور ہر روز اپدیش وغیرہ سنتے رہے۔ یہاں مہاراجہ جودھپور کا سندیسہ رشی کو ملا کہ ان کی ریاست میں بھی آ کر دھرم اپدیش کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے یہاں سے کوچ کا ارادہ کیا۔ لیکن جانے سے پہلے ایک سبھا کی بنیاد ڈالی۔ جس کا نام پرُاپکارنی سبھا رکھا۔ اور اپنے بعد اسے اپنے مشن کی پورتی کا تمام اختیار دے کر اپنی کل جائداد۔ کتب اور چھاپہ خانہ وغیرہ اس کے سپرد کر دیا۔ اور یہاں سے روانہ ہو کر ریاست شاہ پور پہنچا۔

جودھپور کے لوگوں کو بڑے بےرحم اور کمینہ جذبات سے بہت جلد متاثر ہو جانے والے بتایا جاتا ہے۔ جس وقت لوگوں نے سنا کہ ویدک دھرم کا ریفارمر وہاں جانا چاہتا ہے وہ ڈرے اور خوفزدہ ہو کر کہنے لگے کہ جودھپور میں جانا خالی از خطرہ نہیں ہے۔ لیکن اس شیر مرد نے ذرا پرواہ نہ کی۔ بلکہ کہا تو یہ کہا کہ "برائی کے درخت کو کاٹنے کے لئے ناخن کاٹنے کے اوزار کی بجائے تیز کلہاڑے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ضرور جودھپور جا کر خرابیوں اور جھوٹے مت متانتروں کے خلاف آواز اٹھاؤں گا۔" جس وقت دیانند جودھپور میں پہنچا مہاراجہ نے بڑی عزت سے استقبال کیا۔ یہاں بھی اس نے بےخوفی سے پرچار کا سلسلہ جاری رکھا۔ بد قسمتی سے راجہ جودھپور کی ایک رنڈی سے آشنائی تھی۔ اور وہ اس کے محل میں آیا جایا کرتی تھی۔ ایک دن رشی نے اس رنڈی کو محل میں سے نکلتے دیکھ لیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر اسے سخت رنج ہوا۔ اور اس نے اپنے ایک عام لیکچر میں کہا کہ "جب تک راجپوت راجے کتیوں (رنڈیوں) سے بھوگ کرنے سے باز نہ آوینگے۔ ان کے ہاں کتے کے پلے ہی پیدا ہوتے رہینگے۔" یہ الفاظ

بڑے سخت تھے۔ مگر رشی نے ان کو راجہ کے کانوں تک پہنچا دیا۔ راجہ نے آئندہ
اس رنڈی کا خیال چھوڑ دیا۔ جس کا اس بدذات کو بڑا دکھ ہوا۔ اور وہ رشی کی جان
لینے کے درپے ہو گئی۔ اسی طرح ریاست میں ایک مسلمان مصاحب تھا۔ وہ دیانند
کی سچائی بھری باتوں کی اور مذہب اسلام کی مذمت کو برداشت نہ کر سکا۔ ایک بار
اُس نے اس سے کہا کہ "اگر تم کسی مسلمان بادشاہ کے وقت میں ہوتے۔ اور اس
طرح بولتے تو تمہاری زبان کٹوا دی جاتی۔" دیانند نے گرج کر جواب دیا کہ "اگر
مسلمان بادشاہ میرے ساتھ ایسا ظلم کرتے۔ تو میں بھی اُن کی مذمت کا مناسب بندوبست
کروا دیتا۔" جس سے اُس کی زبان ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔ مگر دل میں مخالفت
کرنے لگا۔ یہ دونوں تو خون کے پیاسے تھے ہی کہ ایک اور نیا مخالف بن گیا۔ یہ شخص
چکرانگد تھا۔ اور اس کا نام نبجے سنگھ تھا۔ رشی دیانند چکرانگدوں کے مت کی
بھی مخالفت کرتا تھا۔ اور اسے سنکر اسے بڑا دکھ ہوتا تھا۔

اِن تینوں نے مل کر دیانند کو دودھ کے ساتھ کوئی ایسی زہریلی چیز پلا دی۔ جس سے
اس کا طاقتور شریر روگ میں مبتلا ہو گیا۔ پہلے پہل اس زہر خورانی کا پتہ نہ لگا۔ اور ریاست
کے ڈاکٹر ہی علاج کرتے رہے۔ مگر مرض دن بدن بڑھتا گیا۔ آخر آریہ لوگوں کو پتہ لگا۔
وہ دیانند کی خبر گیری کے لئے پہنچے۔ اور جب اُن کو زہر دئے جانے کا پتہ لگا۔ وہ بڑے
گھبرائے۔ اُسی وقت رشی کو کوہ آبو پر لیجانے کا ارادہ کیا۔ مہاراجہ جودھپور کو بھی بڑا
رنج تھا۔ جب دیانند بالکل تندرست ریاست میں آیا تھا۔ بیماری سے کمزور ہو کر
ایک پالکی میں لیٹا ہوا ریاست سے باہر نکلا۔ تو راجہ صاحب کو بڑا رنج ہوا۔ وہ
ننگے پاؤں رشی کی پالکی کے ساتھ بہت دور تک گئے۔ اور معافی مانگی۔ کوہ آبو پر پہنچکر
صحت کو کچھ آرام ہوا۔ لیکن پھر ڈاکٹروں کے مشورہ سے رشی اجمیر آ گیا۔

یہاں آتے ہی بھارت ورش کے مختلف حصوں سے لوگ مزاج پرسی کے لئے آنے

لگے۔ تاروں اور خطوط کا تو یہ حال تھا کہ گورنمنٹ کے ملازم بھی حیران ہو گئے۔ بہت کچھ علاج کیا گیا۔ لیکن زہر تمام جسم میں اپنا اثر کر چکا تھا۔ اور تمام بدن پر بڑے بڑے زخم ہو رہے تھے۔ بلکہ حلق کے اندر تک زہریلے زخم ہو گئے تھے۔ لیکن رشی نے کبھی آہ وغیرہ نہیں کی۔ ہمیشہ ایشور میں وشواس رکھا۔ اور لوگوں کو ویدک دھرم کا اپدیش کرتے رہے۔ آخر جب مرض بہت بڑھ گیا۔ اور اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا۔ تو ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو اس بہادر نے جو تمام عمر تاریکی کے برخلاف جدوجہد کرتا رہا تھا۔ یہ کہتے ہوئے دم توڑ دیا :-

"ہے دیامے! ہے سروشکتیمان ایشور! تیری یہی اچھیا ہے۔ تیری یہ اچھیا پورن ہو۔ آہا! تو نے اچھی لیلا کی"

رشی دیانند کی موت نے تمام ملک میں ایک شور محشر برپا کر دیا۔ چاروں طرف سے رنج اور ماتم کی خبریں آنے لگیں۔ اس وقت اس کے مشن کی پوستی کے لئے تمام بھارت ورش میں ایک ہزار کے لگ بھگ آریہ سماجیں قائم ہیں۔

دیانند کی عزت صرف بھارت ورش تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ یورپ۔ امریکہ تک میں اس کی علمیت کی دھوم تھی۔ کرنیل الکاٹ کو امریکہ سے اس کی ہی کشش کھینچ کر لائی تھی۔ امریکہ کے مہاتما ڈیوس نے اس کے کام سے ہی خوش ہو کر اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ "آریہ سماج روپی بھٹی میں جو دھارمک آگ دیانند نے جلائی ہے وہ تمام دنیا کے پاپوں اور گناہوں کو جلا کر خاک کر دیگی۔" دیانند کا کیرکٹر بڑا پختہ تھا۔ دنیا کا کوئی لوبھ۔ کوئی لالچ۔ کوئی خوف اور ڈر اس کے پاؤں میں لغزش نہ دے سکتا تھا۔ اس نے سچائی کو اپنے کسی بڑے سے بڑے محسن اور دوست کیلئے بھی قربان نہ کیا۔ کرنیل الکاٹ کو اس نے اسی وقت اپنے سے الگ کر دیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص بھوت پرستی کی تعلیم دیکر دنیا کے لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔

ایک بار جبکہ دیانند فرخ آباد میں تھا۔ وہاں ایک شخص شراب پی کر جھگڑا کرنے لگا جو آدمی دیانند کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے اسے مارا۔ اور اس کا تمام شراب کا نشہ اُتار دیا۔ چند روز کے بعد یہ افواہ اُڑی کہ جوالا پرشاد مقدمہ دائر کریگا۔ جن لوگوں نے اُسے مارا تھا۔ وہ رشی کے پاس گئے۔ اور سب حال بتا کر پوچھا کہ وُہ کیا گواہی دیگا؟ سچائی کے اِس دِلدادہ نے کہا۔ کہ جس طرح معاملہ گذرا ہے وُہ اُسے لفظ بہ لفظ بیان کر دیگا۔ لوگوں نے کہا کہ اس طرح کہنے سے ہم سب کو جرمانہ ہو جائیگا۔ رشی نے جواب دیا "خواہ کچھ ہو۔ دیانند جھوٹ نہیں بول سکتا۔" مگر مقدمہ وغیرہ کچھ نہ ہُوا۔

بھارت! اندھے بھارت! ایک سنیاسی تیرے اُپکار کے لئے آیا تھا۔ اور تجھے چاہ ضلالت سے نکالنا چاہتا تھا۔ افسوس کہ تُو نے اُس کی قدر نہ کی۔ اور طرح طرح کی تکالیف دیکر اُس کی جان لی۔ تُو بدقسمت ہے۔ تُو نے ایک مہاتما کو جو تیرے اُدّھار کی کوشش کرتا تھا۔ ستایا اور اُس کا خُون پیا۔ اس کی پاداش میں تجھے جو بھی سزا دی جاوے۔ تھوڑی ہے۔ تیرے لئے شرم ہے۔ کیا تجھے اس امر پر رنج نہیں آتا اور تیری پھُوٹی آنکھ سے چند آنسو بھی نہیں بہتے؟

رشی دیانند کی یُوں تو کئی تصانیف ہیں۔ مگر ان میں سے ستیارتھ پرکاش، سنسکار بِدھی اور رگ وید آدی بھاشیہ بھومِکا بہت مشہور ہیں۔ ستیارتھ پرکاش بھارت ورش کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور اس کی ہزارہا جلدیں ہر سال فروخت ہوتی ہیں۔ سنسکار بِدھی بھی ہزارہا کی تعداد میں ہر سال فروخت ہوتی ہے۔ دیگر تصانیف بھی بکثرت بکتی ہیں۔ اور ان سے بھارت ورش کا بڑا کلیان ہوتا۔

اس صابن کے استعمال سے بدن صاف اور نرم رہتا ہے۔ اور خون کبھی گندہ نہیں ہوتا۔ روزانہ استعمال سے چہرہ سیب کشمیری کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ اور انسان ہر وقت پلیگ جیسی نامراد مرض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ خارش۔ پت۔ پھوڑا۔ پھنسی وغیرہ امراض کے لئے اکسیر ہے۔ اور زخموں وغیرہ کے دھونے کے لئے نہایت مفید ہے۔ ڈاکٹر صاحبان اسے کاربالک کی بجائے استعمال کراتے ہیں۔ آج کل اس کے روزانہ استعمال سے انسان پت۔ پھوڑے۔ پھنسیاں۔ کھجلاہٹ اور ہر قسم کی جلدی امراض سے محفوظ رہ سکتا ہے ؎

قیمت فی ٹکیہ چار آنے فی بکس جس میں تین ٹکیہ ہیں ۱۲ درجن بکس ۸ر

احتیاط ہمارے نیم کے صابن کی بڑی شہرت کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے نیم کا صابن تیار کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے خریدتے وقت ڈاکٹر ایشری پرشاد کا نام اور دستخط بکس و ٹکیہ صابن پر دیکھ لیا کریں ؎

المشتہر ڈاکٹر ایشری پرشاد مالک کارخانہ ادویات نیم لاہور

پراچین شاستروں اپنشدوں اُردو ترجمہ

نیائے درشن (شاستر) ازمہامنی گوتم جی بمعہ اُردو ترجمہ اور تشریح بطور سوال و جواب ازسوامی درشنانند جی قیمت عہ

ویشیشک درشن (شاستر) ازسوامی درشنانند جی ازمہامنی کناد جی قیمت عہ/۲

سانکھیہ " " " " کپل جی ۱۲/

اپنشد پرکاش یعنی ایش۔ کین۔ کٹھ۔ پرشن۔ مُنڈک اور ماںڈوکیہ چھ اُپنشدیں بمعہ لفظی اُردو ترجمہ اور ویاکھیا (تشریح) بطور سوال و جواب ازسوامی درشنانند جی۔ ایسے عام فہم اُردو ترجمے آج تک نہیں ہوئے ہیں۔ پبلک نے انہیں بہت ہی پسند کیا ہے قیمت صرف عہ/۱۲

ویدانت درشن جلد اوّل ضخامت تقریباً چارسو صفحے کلاں ازسوامی درشنانند جی " " عہ/۱

سوامی شنکر آچاریہ کے پرم گورو گوڑ پاد آچاریہ کی ماںڈوکیہ اُپنشد لکھی ہوئی آگم پاد۔ ادیت پاد وغیرہ کارکائیں بمعہ لفظی اُردو ترجمہ اور ریویو بطور سوال و جواب ازسوامی درشنانند جی۔ اس میں پراچین ویدانت کی عظمت بطور سوال و جواب نہائیت اعلےٰ پیرائے میں دکھائی گئی ہے۔ ویدانت میں دلچسپی رکھنے والے صاحبان کو خاص طور پر اسے پڑھنا چاہیئے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

علاوہ ازیں سوامی درشنانند جی کرت دیگر پُستکیں و ٹریکٹ اور ویدک دھرم کے متعلق ہر پرکار کی پُستکیں مندروں اور گھروں کی سجاوٹ کے لئے سُندر وید منتر اور اُپدیش وغیرہ کئی پرکار کے خوبصورت رنگوں میں چھپے ہوئے منگوا سکتے ہیں۔

نوٹ

وزیر چند شرما پروپرائیٹر ویدک پُستکالیہ متصل آریہ مندر لاہور

ہماری تائیر

مصنفہ

مہاشے شو برت لعل ورمن

جسے

لالہ رامدتہ مل اینڈ سنز

تاجران کتب لوہاری دروازہ لاہور

نے

یونین سٹیم پریس لاہور میں طبع کرایا

تعداد جلد ۱۰۰۰ بار دوم قیمت فی جلد ۱۲ ر

فہرست مضامین

دیباچہ

از لالہ گوکل چند جی ایم۔ اے پروفیسر دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور

مارٹن صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اگر کسی ملک کی اخلاقی اور پولیٹیکل حالت کا اندازہ کرنا چاہو۔ تو یہ دیکھ لو کہ اس ملک میں عورتوں کی کیا منزلت ہے؟ ان کا اثر ہر ایک پہلو میں پایا جاتا ہے۔ "بیوی" اور "ماں" یہ جادو بھرے الفاظ ہیں۔ اور ان دو لفظوں میں انسانی راحت بند ہے۔ ان کی حکومت کی بنیاد محبت۔ خوبصورتی اور عقل پر ہوتی ہے۔ مگر حکومت وہ بلاشبہ کرتی ہیں۔ بیوی سے ہم صلاح لیتے ہیں۔ ماں کی اطاعت فرض سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کو برسوں گذر گئے ہوں۔ پھر بھی ہم اس کے احکام کی تعمیل کرتے رہتے ہیں کیونکہ جو خیالات ہم نے اس سے گرہن کئے ہیں۔ وہ ہمارے قدرتی جذبات سے بھی بلوان ہوتے ہیں ٭

سیموئیل لینڈر کا قول ہے۔ کہ جیسی مائیں ہوتی ہیں

ویسے ہی بچے بنتے ہیں - باپ خواہ کتنی کوشش کرے
بچہ پر وہ اثر نہیں ڈال سکتا - جو کہ ماں کی محبت بھری نگاہوں
سے اس پر پڑتا ہے - جب کہ پیار سے وہ اس کے پنگوڑے
کی طرف دیکھتی ہے -

او ٹو نے صاحب فرماتے ہیں کہ ماں کے ہاتھ میں روح
کی کنجی ہے - ماں ہی اخلاق پر نیکی اور سچائی کی مہر لگاتی اور
ہمیں حیوان سے انسان بناتی ہے - اس لئے اسے ملکۂ عالم
کا تاج پہنانا چاہیئے -

اور اگر دیکھا جائے تو اس میں مبالغہ کی بو تک نہیں - باپ
کا کام بچہ کی زندگی کی بنیاد ڈال کر ختم ہو جاتا ہے - اور اس کے صرف
ان جذبات و خیالات کا اثر بچہ پر ہو سکتا ہے جو اس وقت اس کے
دل و دماغ میں موجود تھے - مگر اس کے بعد باپ کا کوئی اثر پیدائش
سے پہلے بچہ کی زندگی پر نہیں پڑ سکتا - برعکس اس کے جب بچہ گربھ
میں ہوتا ہے - تو ماں کی تمام حرکات و سکنات - جذبات و
خیالات کا اثر ہر دم اس پر پڑتا رہتا ہے - شاستروں نے
اس بات پر بڑا زور دیا ہے - اور اس زمانہ کے حصلئے مغرب
بھی اس سچائی کے قائل ہوتے جاتے ہیں - کہ پیش از ولادت
اثرات بعد از ولادت اثرات سے بہت زیادہ زبردست
ہوتے ہیں - چنانچہ ایک مصنف لکھتا ہے - کہ اگر پیدائش
پہلے کے اثرات اچھے نہیں تو سکولوں اور کالجوں کی تمام تعلیم - سماجوں
اور سبھاؤں اور گوروؤں کے تمام اپدیش بچہ کی زندگی کو نہیں سدھار سکتے
اسواسطے یک گونہ سکولوں اور کالجوں اور تمام اصلاح کی سوسائٹیوں

سے ماں کا اثر زبردست ہے۔ یہ اثر صرف اخلاقی اور دماغی ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ جسمانی قوٰی پر بھی ہوتا ہے۔ اکبر کی ماں کی بابت مشہور ہے کہ اکبر ابھی گربھ میں تھا کہ ایک دن جب ہمایوں بادشاہ محل میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بادشاہ بیگم سرمہ اور سلائی سے اپنے پاؤں کے تلوے پر کچھ نقش و نگار کر رہی ہے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ اس کے کیا معنے تو آپ نے فرمایا کہ میں چاہتی ہوں کہ ایسے نقش و نگار میرے بچہ کے تلوے پر ہوں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اکبر کے پاؤں پر بھی ویسے ہی نشان موجود تھے یہ قدرتی اثر صرف انسان تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ حیوانات پر بھی بغیر ان کے علم اور کوشش کے برابر ویسا ہی ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب عالم جوانی میں کچھ دیر بکریاں چرایا کئے تھے۔ اخیر میں ان کی اجرت یہ مقرر ہوئی۔ کہ اب کے سال جتنے بچے چتکبرے ہونگے۔ سب کے سب تمہیں دیئے جائیں گے۔ حضرت یعقوب بڑے دانا آدمی تھے۔ انہوں نے یہ راہ نکالی کہ جہاں بھیڑیں پانی پینے جایا کرتی تھیں۔ وہاں کئی رنگ کے ڈنڈے گاڑ دیئے کئی مہینے بکریاں ان رنگ برنگ کے ڈنڈوں کو دیکھتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جب انہوں نے بچے دیئے تو ان میں تقریباً سب کے سب رنگ دار تھے ؂

اگر بے سمجھ حیوانوں پر بغیر کوشش اور محض اتفاق سے اتنا اثر ہو سکتا ہے۔ تو انسانوں کے کیا کہنے ہیں؟ ماں کے اختیار میں ہے کہ چاہے بچہ کو خوبصورت۔ شہ زور۔ عقیل اور شریف بنا دے۔ چاہے بدصورت کمزور۔ پاگل اور شریر بنا دے۔ یہی نہیں بلکہ اگر کوئی خاص وصف جو کہ

بعد میں باقاعدہ تربیت اور سخت محنت سے بھی شاید بچّہ میں اچھی طرح پیدا نہ ہو سکے۔ ماں چاہے تو بچّہ میں پیدا کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر ماں چاہتی ہے کہ بچّہ فصاحت کا پتلا بن جائے۔ تو وہ اس کو اس طرح فصیح بنا سکتی ہے کہ خود فصحا کی کتابیں پڑھے۔ اعلےٰ اعلےٰ تقریریں سُنے۔ خود لفظ تول کر بولے۔ اور ہمیشہ وضاحت اور صفائی سے گفتگو کرے اگر ماں چاہتی ہے کہ بچّہ بڑا ہو کر علم موسیقی میں ماہر ہو تو اسے خود گانا آنا چاہیئے۔ یا اسے اچھے گویوں کا راگ سنتے رہنا چاہیئے۔ بلکہ اگر اس کی صرف خواہش بھی ہوگی کہ بچّہ میں یہ گن ہو تو بلا شبہ اس خواہش کے زور سے ہی بچّہ کچھ درجہ تک فن موسیقی سے مانوس ہوگا۔ ایک یوروپین صاحب کا ذکر ہے کہ انہیں خود راگ کا بڑا شوق تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ اُن کا بچّہ جو گربھ میں تھا۔ راگی بنے۔ بدقسمتی سے ماں کو گانا بجانا نہ آتا تھا تاہم اپنے خاوند کو خوش کرنے کے لئے اس نے گانا سیکھنے کی کوشش کی۔ اور ہر روز تھوڑا بہت گاتی بجاتی رہتی تھی ساتھ ہی اس کے دل میں یہ زبردست خواہش تھی کہ بچّہ راگی بنے۔ خدا کی قدرت! جب بچّہ پیدا ہوا تو اعلےٰ درجہ کا راگی بنا۔ اس طرح ماں کے ہاتھ میں نہ صرف روح کی کنجی ہے۔ بلکہ جسم دل و دماغ کی آئندہ بہتری اور بہبودی کا دارو مدار ماں پر ہے۔ ماں اگر کوشش نہ کرے گی تو بھی بچّہ پر اس کا ضرور اثر ہوگا۔ اس صورت میں البتہ کوئی اثر اچھا ہوگا۔ کوئی برا ہوگا۔ یعنی قدرتی طور پر جو حالت ماں کی ہے۔ وہی بچّہ کی ہوگی۔ جب نپولین بوناپارٹ حمل میں تھا۔ تو اس کی ماں کو

اپنے خاوند کے ساتھ جنگ کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ کئی کئی دن رات گھوڑے پر رہنا پڑا۔ توپوں اور بندوقوں کی آواز اور خنجر و شمشیر کی چمک اس کے دل و دماغ پر اثر کرتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ نپولین ایسا جنگجو نکلا کہ معمولی سپاہی سے دنیا کا سب سے زبردست شہنشاہ ہو گیا اور اپنی جنگی حکمت اور زور و شجاعت سے سارے یورپ کو تہ و بالا کر ڈالا۔

پیدائش کے بعد بھی بچے کے دل و دماغ کو ڈھالنا ماں کے ہی ہاتھ ہوتا ہے۔ یک گونہ بچہ ماں کے دودھ کے ساتھ اس کے حمیدہ و قبیحہ اوصاف کو جذب کرتا رہتا ہے۔ باپ خاص کر جب ان کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اکثر شرماتے رہتے ہیں۔ اور بچہ زمین پر بھی گر پڑے تو اسے ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ باپ میں اس قسم کی شرم اور لاپرواہی نہیں۔ تو بھی چونکہ اس کا اکثر وقت گھر سے باہر گذرتا ہے۔ اسے بچوں کے عادات و اطوار سنوارنے کا موقعہ نہیں مل سکتا۔ علاوہ ازیں چونکہ بچے کے ساتھ ماں کی محبت زیادہ ہوتی ہے اور ماں کے ساتھ بچے کی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے بچہ ماں کے سامنے تو اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مگر باپ کے سامنے کسی قدر تکلف سے رہتا ہے۔ اور اکثر اپنے اندرونی بھاوؤں کو ظاہر نہیں ہونے دیتا اس لئے اگر باپ اپنے بچوں کی تربیت میں دلچسپی لے بھی۔ اور اس کے لئے وقت بھی دے۔ تو بھی چونکہ اسے اچھی طرح بچوں کے خصائل معلوم نہیں۔ اس واسطے وہ ان کی ترتیب کا کام ایسی خوبی اور خوش اسلوبی سے نہیں کر سکتا جس طرح ماں کر سکتی ہے۔

کیونکہ بچے نہ ماؤں سے کچھ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ ہی کوشش کرکے کچھ چھپا سکتے ہیں۔ نہ صرف ان کی ہوشیاری اور تجربہ کاری بچوں کے دل کے تمام پردے اٹھا لیتی ہے۔ بلکہ ان کی ممتا۔ محبت اور ہمدردی کے سامنے وہ پردے خود ہی نہیں ٹھہر سکتے۔ اس سے واضح ہے کہ نہ صرف پیدائش سے پہلے بچہ کی تربیت اور بہبودی کا سارا دار و مدار ماں پر ہوتا ہے۔ بلکہ اوائل عمر میں جس وقت ابھی بچہ کا دل و دماغ نئے برتن یا کورے کاغذ کی طرح اثر پذیر ہوتا ہے۔ اس وقت بھی اس کی تربیت کا تقریباً سارا بوجھ ماں کے سر پر ہوتا ہے۔ بعض وقت مذہبی تعلیم گاہوں پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ فلاں بچہ اتنی مدت یہاں یا وہاں رہ کر بھی ٹھیک نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے عادات و اطوار میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ یہ معترض لوگوں کی نادانی اور جہالت کا ثبوت ہے۔ کہ وہ ایسے اعتراض کرتے ہیں۔ ریت کی بنیاد پر سنگ مرمر کا رفیع الشان محل تعمیر نہیں ہوسکتا۔ ایسے متمرد بچے یا تو ابتدا میں ہی ماں کی شفقت و محبت و تربیت کے اثر سے محروم ہوگئے۔ یا اگر ان کی مائیں زندہ بھی رہیں۔ تو بچے پیدا کرنے کے بالکل نا قابل تھیں انہیں صرف وشنے بھوگنا ہی آتا تھا۔ بچوں کی طبیعت و خصائل اور ان کے سدھار کے طریقوں سے وہ بالکل ناواقف تھیں۔ وہ ان کے دل میں ابتدا سے ہی گندے خیالات۔ بودے جذبات۔ عیش و عشرت کی محبت اور محنت کی نفرت پیدا کرتی رہیں۔ بعد میں کس کی طاقت میں ہے۔ کہ ان تمام بیماریوں کو بچہ کے خون اور گوشت پوست

سے جدا کرکے اس کی اخلاقی اور دماغی صحت کو پھر بحال کرے ؛

مائیں بچوں کی جسمانی - دماغی اور اخلاقی زندگی کی بنیاد ڈالتی ہیں - اور اس بنیاد پر اُن کی جسمانی - دماغی اور اخلاقی کا محل بناتی اور مختلف اوصاف سے اس کو سنوارتی اور اس میں نقش و نگار کرتی ہیں ؛

مہابھارت کے بن پرو - ادھیائے ۲۰۵ میں راجہ یودھشٹر مارکنڈے رشی سے سوال کرتا ہے کہ مجھے استریوں کی مہماں کا ورنن کرکے سناؤ اور سوال کرتے کرتے خود ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ عورت کی بزرگی اور تعریف سے بھرا ہوا ہے ؛

एतम [illegible]वथा नाथा[illegible] [illegible]म्प इदम्नुत ॥
कु[illegible]दश मासां[illegible] कांर्थ संन्धाम्यांतया: ॥१०॥
ना[illegible] कालेन संभूय किमद्भुत [illegible]ततः
नशत[illegible] प[illegible] [illegible]यवेद [illegible]मनुत्तामपि ॥ ११
प्रजापत[illegible] सुतान्ना[illegible] [illegible]खेन महता विभो ।
[illegible] ॥ १२ ॥

عورتیں جو کہ خاوند کی محبت میں غرق ہوتی ہیں - سچ بولتی ہیں دس مہینے گربھ کو پیٹ میں دھارن کرتی ہیں اور بڑا دکھ اٹھا کر اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر وقت پا کر نہایت ہی تکلیف سے اولاد کو پیدا کرتی ہیں - اس سے بڑھ کر اور کیا اچنبھا ہو سکتا ہے ؛

مارکنڈے جی مہاراج جواب میں فرماتے ہیں :-

मातृस्तु गौरवादन्ये पितृनन्यतुमेनिरे ।
दुष्करं दामते माता विवर्धयति या प्रजाः ॥

بعض کہتے ہیں ماں بڑی ہے۔ بعض کہتے ہیں باپ بڑا ہے میری رائے میں ماں بڑی ہے کیونکہ ماں ہی اولاد بڑھانے کا سخت مشکل کام کرتی ہے ؛

آدی پرو۔ ادھیائے ۷۴ میں استری جاتی کی مہماں ورنن کرتے ہوئے ویاس جی مہاراج فرماتے ہیں کہ

आत्मनोजन्मन क्षेत्र पुण्यं रामाः सनातनं ।
ऋषि णा मपि काशक्तिः स्रष्टुं रामामृते प्रजा ॥

استری ہی شروع سے اپنے پیدا ہونے کا مقدس چشمہ ہے رشیوں کی بھی کیا طاقت ہے کہ ماتاؤں کے بغیر اچھی اولاد پیدا کرسکیں؟ ان تمام پرمانوں سے واضح ہے کہ اولاد کی تمام قسم کی جسمانی۔ دماغی اور اخلاقی بہتری ماں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اگر بچوں کی تربیت اور سدھار کی کنجی ماں کے ہاتھ میں ہے تو ظاہر ہے کہ ساری قوم اور سارے ملک کی بہتری کا دار و مدار ماتاؤں پر ہے۔

سپارٹا نے فن جنگ میں کمال حاصل کیا۔ شجاعت اور بہادری کا تاج دنیا سے پہنا تو ماتاؤں کی بدولت۔ جب سپارٹا کے نوجوان لڑائی کو نکلتے تھے۔ تو ماتائیں کہتی تھیں۔ ؎

جیتے تو خیر۔ ہار کے جیتے نہ آئیو

انگلستان اگر آج ہم پر حکمران ہے۔ تو اپنی ماؤں کی بدولت

پُرانا آریہ ورت اگر فخرِ جہاں تھا تو ان ہی دیویوں کی بدولت جن میں سے بعض کے حالات اس کتاب کے لکھ۔ مصنف نے پبلک کے سامنے رکھے ہیں۔

مذکورہ بالا سطور سے لازمی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ہمارے موجودہ تنزل و ادبار کی تہ میں ہماری ماتاؤں کی پس افتادہ حالت ہے۔

مارٹن صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

عورتیں خواہ آزاد ہوں خواہ غلام۔ حکومت ان ہی کی ہے۔ کیونکہ ہمارے جذبات ان کے ہاتھ میں ہیں وہ ہماری قید وکعب ہوں یا ساتھی صلاح کار ہوں یا بار بردار۔ ان کا اثر ہم پر ضرور ہوتا ہے اور جو کچھ وہ خود ہوتی ہیں۔ ہمیں بھی ویسا ہی بنا لیتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ہماری عزت کو ان کی عزت سے اور ہمارے اخلاق کو ان کے اخلاق سے وابستہ کر دیا ہے اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ مرد جب عورت کو گرائیگا۔ خود بھی گرے گا۔ اور اگر ان کو عروج ہوگا تو خود بھی ترقی کرے گا۔ دنیا کے دو حصوں یعنی مشرق و مغرب کی طرف نظر کرو۔ مشرق تنزل تحت الثریٰ میں ہے۔ مغرب ترقی کے نصف النہار پر ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ مشرق میں عورت غلام ہے اور مغرب میں معزز و ممتاز ہے ؏

جو کچھ مارٹن نے لکھا ہے۔ لفظ بلفظ درست ہے۔ مشرق جو طلوع آفتاب کی جگہ ہے اس وقت قعر تاریکی میں اس وجہ سے غلطاں ہے کہ یہاں ماتاؤں کی روشنی نہیں پڑی۔

جو کام ماتائیں ممالک یورپ و امریکہ میں کر رہی ہیں - وہ یہاں نہیں ہو رہا - یہاں کے گھروں میں وہ راحت وہ مسرت وہ آنند اور وہ شانتی نام کو نہیں - جن سے اہل مغرب کے ہوم فردوس کے نمونے بن رہے ہیں - یہاں کے بچوں میں وہ اولوالعزمی - وہ جرات - وہ بلند حوصلگی نہیں جو اس وقت یوروپ اور امریکہ کے بچوں میں پائی جاتی ہے - اس کی وجہ وہی ہے جو مارٹن صاحب نے بتائی ہے - ایشیا میں عورتیں غلام ہیں - اور کوئی شخص امید نہیں کر سکتا کہ غلام کبھی اپنے آقا کو خواہ وہ آقا زبردستی سے آقا بنا ہوا ہو یا بچ مچ کا ہو کبھی وعظ و پند کرنے کی جرات کر سکتا ہے - یا آقا کبھی گوارا کر سکتا ہے کہ غلام کی بات وہ خواہ وہ کیسی اچھی ہو - توجہ اور دھیان سے سُنے - جہاں ماتائیں محبوس و مستور ہوں مردوں کی کھیتوں یا اُن کے پاؤں کی جوتیاں ہوں - جہاں ان کو کمزوری تلون مزاجی - کند ذہنی کا پتلا سمجھا جاتا ہو - وہاں وہ استانیوں کا درجہ - ہادیوں کا مرتبہ - گورنروں کی پوزیشن کس طرح حاصل کر سکتی ہیں !

مگر یہ امر ہے کہ جہاں عورت کا راج نہیں - وہاں راحت کا راج نہیں - جہاں عورت کی حکومت نہیں - وہاں شانتی اور شائستگی کی حکومت نہیں - جہاں عورت کی عزت نہیں - میں سچ کہتا ہوں - وہاں سنجیدگی - پاکیزگی - ادب و اخلاق کی عزت نہیں دیا اور انوگرہ ہمدردی اور شفقت - رفاقت اور محبت کی پروا نہیں اور ذرا غور کرکے دیکھا جائے تو کوئی قوم ان اوصاف کے بغیر طیور

و وحوش سے بہتر نہیں - کوئی ملک صحرائے اعظم و سنسان بیابان سے اچھا نہیں ‡

اس لئے میں ان اوراق کے پاٹھکوں سے نہایت زور سے اپیل کرتا ہوں کہ سب سے پہلے استری جاتی کی تعظیم کرنا سیکھیں[1] مہابھارت میں لکھا ہے کہ

सु संक्रुधोऽपि रामाणां न कुर्याद प्रियंनरः ।
रतिं प्रीतिं च धर्मंश्च तास्वा यत्तमवेक्ष्यहि ॥

خفا ہوکر بھی عورتوں پرسختی کا ای نہ کرے - کیونکہ راحت محبت اور دہرم ان ہی کے ہاتھ میں ہے - اور منو بھگوان نے فرمایا ہے. کہ

यत्र नार्यस्तु पूज्यन्ते रमन्ते तत्र देवता ।
यत्रै तास्तु न पूज्यन्तेसर्वास्तत्राफलाः क्रियाः ॥

جہاں استریوں کی پوجا ہوتی ہے - وہاں دیوتا واس کرتے ہیں- جہاں ان کی پوجا نہیں ہوتی - وہاں سب کیا کرایا نشپھل ہوجاتا ہے -

افسوس کا مقام ہے کہ مردوں کے بار بار کہنے سے استریاں خود اپنے آپ کو کمزور اور ناکارہ سمجھنے لگ گئی ہیں- اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان کی تعظیم و تکریم ابھی سے کرنا شروع کردیا جائے- تاکہ ان

---

[1] اسی مضمون کے متعلق راقم کی کتاب "عورت کی بزرگی" میں مفصل بحث ہے ‡ اور وید آدی شاستروں کے پرمان دیئے گئے ‡ کیسر رام کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور سے مل سکتی ہے- قیمت صرف ۴ر

میں خود داری کا خیال پیدا ہو جائے اور اپنے آپ کو بہتر کرنے کے لئے وہ ابھی سے کوشش شروع کر دیں۔

تعظیم کے بعد تعلیم کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ سادھارن لوگ تو شاید یہ کہتے کہ پہلے تعلیم کا سوال ہونا چاہیئے اور تعظیم پھر خود بخود ہو رہے گی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تعلیم سے پہلے تعظیم کا ہونا لازمی ہے۔ تاکہ ان میں اپنے آپ کو بہتر بنانے کا جوش پیدا ہو۔ ترقی کا کوئی زینہ نہیں ہے۔ جس میں عورت نہیں چڑھ سکتی۔ اگر بالفرض آپ اس کی حد سے بھی عزت کریں گے۔ تو وہ فوراً کوشش کر کے اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کر دے گی۔ اس لئے پہلے ان کی عزت و توقیر شروع کرو۔ اور ساتھ ہی ان کو تعلیم دو۔ تعلیم کے بغیر لڑکی اچھی لڑکی۔ بیوی اچھی بیوی اور ماتا اچھی ماتا نہیں بن سکتی۔ اعلےٰ تعلیم کا دروازہ ان کے لئے بند نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ دروازہ غیر معمولی روحوں کے لئے چھوڑ کر معمولی اور کار آمد تعلیم کا دروازہ سب کے لئے کھولنا چاہیئے۔ اپنی ذاتی صفائی۔ فرائض خانہ داری۔ بچوں کی تربیت[1] ۔ حفظان صحت کی تعلیم ہر ایک عورت کو ہونی چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنے خاوند کی پیاری اپنے گھر کی رانی۔ اور اپنے بچوں کی سچی ماں اور سچی استانی بن سکے

میں اخیر میں اپنی بہنوں اور ماتاؤں سے نہایت ادب سے التجا

[1] اس کے لئے راقم کی اسی نام کی کتاب ۵ ر کو لالہ کبیر رام گوآہم بیٹو بک لمیٹیڈ لاہور سے مل سکتی ہے۔

کرتا ہوں کہ وہ اپنے مشن کو سمجھیں - اپنی طاقتوں کو سمجھیں - دنیا کا راج اصل میں ان کا ہے - مگر غفلت اور ناقابلیت کی وجہ سے ان سے چھن رہا ہے - ذرا ہوش سنبھالیں - اور وہ گھروں کی شہزادیاں - شہروں کی آبادیاں اور خستہ دلوں کی شادیاں ہیں - مفصلہ ذیل اوراق جو میرے جادو نگار دوست کی قلم سے نکلے ہیں - استری جاتی کے کارنامے نمایاں سے پُر ہیں - اپنی قدیم زمانہ کی بہنوں کی وِدّیا - بدھی متتا - پتی بھاؤ دھرم اور دوسرے اعلےٰ گنوں کی طرف نظر ڈالیں - اور اس کی نظیر پھر اس زمانہ میں پیدا کر دیں تا کہ نہ صرف سیتا اور دروپدی - دمینتی اور ساوتری گارگی اور میتری پھر واپس آ جائیں - بلکہ رام اور کرشن - یودھشٹر اور بکرم - ارجن اور بھیم - گوتم اور کناد - ویاس اور کالی داس پھر ایک دفعہ اس سرزمین سے پیدا ہوں اور یہ ویش پھر اپنی پرانی عظمت کو حاصل کرے ؏

ایشور کریں کہ میری دعا قبول ہو -

اوم ؂

دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور گوکل چند

(از مصنف)

ان معدودے چند صفحات کی جو نہایت خلوص اور صدق دلی کے ساتھ پبلک کو نذر کئے جا رہے ہیں یہ غرض ہے۔ کہ ہندوں کے موجودہ نسل کو ان کے بزرگوں کے انسانی شان کی یاد دہانی کیجائے۔ جہاں اور لوگ دوسری طرح پر قوم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ میں نے اپنی کوشش کو اسی حقیر خدمت تک محدود رکھا ہے اور میں شکریہ کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ ہندو پبلک نے کم از کم ان کو قبولیت کی عزت بھی بخشی ہے۔

اس سے پہلے میں نے بارہ حصوں میں ایک مقبول عام سلسلہ "بھارت کی شجاع و عالم استریوں کے کارنامے" کے نام سے لکھا تھا جو جالندھر کے مطبع ستیہ دھرم پرچارک نے شائع کیا تھا۔ اس کو اس کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح بہت سی پاک دیویوں کے چرتر جن کو راجپوتانہ سے نسبت ہے ہمارے راجستھان میں آگئے ہیں۔ کرم دیوی کا بیان دونوں میں کچھ اختلاف کے ساتھ شامل ہے۔ اسی طرح "ستی" کے چرتر کے ساتھ بھی سلوک کیا گیا ہے۔ باقی سب بیانات پر اس رسالہ کے ترتیب دینے میں مجھے رامائن۔ مہابھارت۔

اُونس انفلوینس اِن دی ایسٹ' اور ستی منڈل سے مدد لینی پڑی تھی۔ نظم کا حصہ زیادہ تر طبعزاد ہے۔ باصرف کہیں کہیں مرحوم مرزا انیس کے قابل قدر مرثیہ سے عاریت لیا گیا ہے۔

اگر پبلک اس سلسلہ کو اسی طرح قدر دانی کی نگاہ سے دیکھتی رہی۔ تو ہم ہمیشہ کوشش کرتا رہوں گا۔ کہ اس قسم کی تالیفات میں مصروف رہوں۔ میری اصلی غرض اُن کے لکھنے کی صرف یہ ہے کہ ہندوؤں میں قومی جذبات پیدا ہوں۔ اور اگر اس مقصد کی تکمیل میں ذرا بھی کامیابی حاصل ہوئی۔ تو میں اپنی سعی مشکور سمجھوں گا ؏

اس کے و نیز اور اس قسم کی کتابوں کے ترجمے ہندی میں بھی ہو رہے ہیں ؏

شیوبرت لال ورمن

اس قسم کی دوسری کتابیں

(۱) سیتی دیویاں
(۲) ستی پرتاپ
(۳) راجستھان کی ہیرانیاں
(۴) سیتی استریاں
(۵) بھارت کی شجاع و عالم استریوں کے کارنامے

مصنف کی دو دو باتیں

ہماری ماتائیں!! پیارے ناظرین! ان دو مختصر مگر مبارک لفظوں میں کیسی کچھ پاک تاثیر بھری ہوئی ہے۔ ہم سب کی ماتائیں ہیں۔ ہم سب ماتاؤں کی گود میں پلے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ماتا کے پاک نام میں کیسا جادو کا اثر موجود ہے جسکو سنتے ہی خوشی سے ہم سر تعظیم خم کر لینے کو مجبور ہوتے ہیں۔ ماتا کی الفت میں جو تقدیس و برکت ہے۔ وہ زمینی نہیں بلکہ آسمانی ہے نہ صرف ہم لوگوں نے ماتا کے پیٹ سے جنم لیا ہے۔ بلکہ ہم وہی ہیں جو کچھ ہم کو ماتا نے بنایا۔ ہمارا گوشت پوست ہمارا وجود سب کچھ ماتاؤں کا ہے۔ اور ہم کبھی اس گہرے قرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے جو بحیثیت اولاد ہمارے اوپر ہے ہم نے اپنی اپنی ماتاؤں کو دیکھ لیا۔ ہم میں سے کتنے اُن دیویوں کی خاک قدم کو اب بھی آنکھوں سے لگا کر ان کے آشیرباد سے اپنا جنم سپھل کرتے ہیں۔ ہم موجودہ نسل یعنی اپنے بچوں کی ماتاؤں کو بھی دیکھتے ہیں مگر ہم میں سے ایسے آدمی شاذ نکلیں گے جو قدیم ماتاؤں کے انسانی کمال شوہر پرستی۔ نفس کشی۔ قومی خدمت اور دھرم بھاؤ سے واقف ہونگے ؛

ان کی واقفیت کے لئے یہ چند صفحات محبت و پریم کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں۔ لوگ اُن کو پڑھیں اوروں کو پڑھاویں اپنے گھر کی بہو بیٹیوں اور اپنے بچوں کی ماتاؤں کو سنائیں ہم کو یقین ہے وہ اس سہل و آسان کام سے ایک قسم کی قیمتی خدمت انجام دینگے۔ جو اور کسی ذریعہ سے غیر ممکن ہے ؛

ہمارا یہ سلسلہ کبھی ختم ہونیوالا نہیں ہے۔ ہم پوران۔ اپنشد۔ برہمن موجودہ اتہاس سے اس قسم کی سوانحات نکالکر برابر بالکل برائے نام قیمت پر محض قومی فلاح کی نظر سے لکھتے رہینگے اور جو لوگ ان کو ہمارے گھروں کی استریوں کو گوشگذار کراتے رہینگے وہ ہمارے کام میں مہمت دینے والے و مددگار سمجھے جاوینگے۔ ایشور کریں۔ ہم میں پھر اچھی ماتائیں آئیں اور بھارت کو نیک و پترستان پردان کریں ؛

(شیوبرت لال ورمن)

(۱) سوکنیا

واہ اے بانوئے ذیشان تیری ہمت کے خدا ! اسکو کہتے ہیں محبت اسی کہتے ہیں وفا ! !
عورتوں کا ہے یہی فرض جو کچھ تونے کیا - اے عفیفہ تیری عفت کا صلہ دیگا خدا ! !

ہند کی پاک زمین تجھ پہ فدا ہوتی ہے
نام لے لے کے تیرا تیرے لئے روتی ہے

منو کے ایک لڑکے کا نام شربا تی تھا سوکنیا اس کی اکلوتی لڑکی تھی - اس کے سوا اور کوئی اُس کی اولاد نہیں تھی - سوکنیا بہت حسین تھی - اور ماں باپ نے نہایت لاڈ و پیار سے پالا تھا -
راجدھانی سے تھوڑے فاصلہ پر ایک لمبا چوڑا تالاب واقعہ تھا اس کا پانی بہت صاف و خوشگوار تھا - پانی کے اندر طرح طرح کے خوبصورت کنول کھلے ہوئے تھے - اور اس کے ارد گرد ہر چہار طرف کدمب - تمال

کٹھل - سوپاری - جامن - آم وغیرہ کے درخت لگے ہوئے تھے - اُن
کی ڈالیوں پر مینا - طوطا - مور - کوئل - کبوتر وغیرہ بیٹھے ہوئے خوشی سے
کلول کر رہے تھے - اس تالاب کے پاس ایک جنگل بھی تھا - جو شیر چیتے
اور مختلف قسم کے جنگلی جانوروں کا مسکن تھا - اسی جنگل کے درمیان
ایک خوبصورت باغ کے اندر بھرگو رشی کے پتر چیون منی کا آشرم تھا
منی ابتدائے عمر سے دنیاوی تفکرات سے آزاد ہو کر اس جگہ پرماتما کی
یاد میں اپنی زندگی بسر کر رہا تھا -

دور چشم خلق سے حق سے قرین
وسط صحرا میں تھا وہ مسکن گزین
حرص دنیا مل گئی تھی خاک میں
تھا تقدس اس کی ذات پاک میں
ابتدائے ہوش سے وہ ذی شعور
اہل دنیا سے رہا کرتا تھا دور

اُس سچے مرتاض نے اپنے آپ کو یاد الٰہی میں اس قدر گم کر دیا
تھا کہ اس کو تن بدن تک کا بھی ہوش نہیں تھا - عرصہ تک سمادھی کی
حالت میں محو رہنے کی وجہ سے اس کے جسم پر گرد و غبار جم گیا تھا جس سے
دیکھنے والے کو مشکل سے تمیز ہوتی تھی کہ آیا یہ آدمی ہے یا مٹی کا تودہ ہے
اس کی آنکھیں البتہ کچھ کھلی اور کچھ ڈھکی ہوئی تھیں -

اتفاق وقت مہاراجہ شریاتی معہ اپنی رانی کے اس جنگل میں تفریح
کے لیے آیا ہوا تھا - لیکن سوکنیا ساتھ تھی - راجہ اور رانی تو تالاب کے
پاس ایک جگہ پر بیٹھ گئے - مگر سوکنیا اپنی سکھیوں کو ساتھ لیے ہوئے سیر
کرتے کرتے اس مقام پر آئی جہاں منی اپنی سمادھی میں بیٹھا ہوا تھا -

الٹےپن کے دن بھی عجیب ہوتے ہیں اس نے دیکھا ایک مٹی کے تودہ پر چند پرند بیٹھے ہوئے ہیں۔ شاہزادی اس طرف متوجہ ہوئی۔ پرند تو اڑ گئے۔ اس نے تقاضائے عمر کی وجہ سے یوں ہی منی کی نیم کھلی ہوئی آنکھوں میں سینک ڈال دیا۔ غضب تو ہو گیا! آنکھوں سے خون کا فوارہ جاری ہوا اور درد کی وجہ سے منی کراہنے لگا۔ سولنیا ڈر گئی۔ وہ کیا جانتی تھی سا انسان بھی کبھی اس شکل میں رہ سکتا ہے! وہ گھبرائی ہوئی راجہ کے پاس آکر بیٹھ گئی اور کہنے لگی "پتاجی! میں نے ایک مٹی کے تودہ میں دو سوراخ دیکھ کر سینک ڈال دیئے ہیں سے خون بہہ رہا ہے اور کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ خبر نہیں اس کے اندر کیا ہے اور کون ہے؟"

راجہ نے بھولی بھالی لڑکی کی باتیں سُنکر سر پیٹ لیا۔ ہو نہ ہو اس نے غلطی سے اُون رشی کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ پریشان ہکا بکا بنکر وہ خود دوڑتا ہوا اس جگہ آیا۔ لہو آنکھوں سے جاری تھا۔ اور درد سے تپسوی کراہ رہا تھا۔ راجہ نے ہاتھ باندھ کر کہا "مہامنی! میری کمسن و نادان لڑکی سے نادانستہ خطا ہو گئی۔ آپ غصہ نہ کیجیئے گا۔ انجان کی بھول چوک سادھو معاف کر دیتے ہیں۔ میں شریاتی اس دیش کا راجہ ہوں۔ آپ جو فرمایئے اسی طرح آپ کی ٹہل سیوا کا انتظام کر دیا جائے"

منی نے کہا "کرم کی گتی پربل ہے۔ کون کس کو خطاوار ٹھہرائے اور پھر اس کا نتیجہ ہی کیا ہے؟ مجھے کمسن لڑکی کے کام پر غصہ نہیں ہے۔ فکر صرف اس قدر ہے کہ اندھے کی لاٹھی و بیکس کا سہارا کون بنیگا؟"

راجہ نے کہا "اس کی آپ فکر نہ کریں۔ میرے نوکر چاکر آپ کی خدمت میں حاضر رہینگے" منی نے جواب دیا "یہ سچ ہے مگر اس بے بسی کی حالت میں کوئی کسی کی اُمید نہیں کر سکتا۔ ایشور کسی کو برا دن نہ دکھائے! غیر تو

غیر خویش و بیگانے پاس نہیں پھٹکتے بھلا تمہارے نوکر کیا مجھے مدد دیسکینگے؟

کسی کا کب کوئی روز سیہ میں ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انسان سے

ہاں ایک بات ہو سکتی ہے۔ اگر سچ مچ تجھ کو میرا خیال ہے اور اس نادانستگی کی خطا کی تلافی منظور ہے تو سوکنیا کی میرے ساتھ شادی کر دے میں اُس کے سہارے اپنی زندگی کو بسر کر لونگا"۔

راجہ منی کی باتیں سنکر دنگ ہو گیا۔ اندھا فقیر اور حسین سوکنیا سے شادی کرنا چاہتا ہے! رہے جھونپڑے میں خواب دیکھے محلوں کا! اُس پر رنج کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کیا کہتا۔ خاموشی و سکوت سے فقیر کی باتوں پر تھوڑا غور کرتا رہا۔ کچھ جواب نہیں دیا۔ سوچتا سوچتا تالاب کے کنارے چلا آیا جہاں اُس کے وزیر امرا انتظار کر رہے تھے سب اُسکو دیکھ کر تعظیم سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ راجہ نے سوکنیا کی غلطی اور مُنی کی درخواست کا قصہ کہہ سنایا سب تصویر حیرت بنے ہوئے اس کو سُن رہے تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا رائے دے۔ ایک طرف کمسن وحسین لڑکی کا خیال دوسری طرف مُنی کے دُکھ درد کا دھیان! سب بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے راجہ کے چہرہ کا رنگ فق تھا۔

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

اتنے میں سوکنیا خود دربار میں آ گئی اور سب کو ایک سرے سے فکر میں محو دیکھ کر سادگی سے کہنے لگی "پتا جی! میں نے بھولکر اپرادھ کیا مجھے مُنی کی درخواست کے ساتھ اتفاق ہے۔ آپ کچھ فکر نہ کریں۔ سارا تردد فضول ہے۔ میں خوشی کے ساتھ عہد کرتی ہوں۔ کہ آج سے آدن

منی میرا پتی ہے۔ میں جنگل میں اپنے پتی کے ساتھ رہکر عبادت الٰہی میں مددگار رہونگی اور اس کی خدمت کو چکروتی مہاراجہ کے محلوں کی آسائش پر ترجیح دونگی۔"

یہ کیا ہوا! راجہ کے دکھ کا جام اگر اب تک لبریز نہیں ہوا تھا۔ تو راجکماری کی بات سنکر چھلک اٹھا۔ بدنصیب کنیا! تو کیا کہتی ہے شیروں کی ماند میں اندھے کے ساتھ رہنا تجھ ایسی نازک بدن و ناز و نعم سے پلی ہوئی جمیلہ کے لئے کب موزوں ہے!

یہہ حسن و جوانی اور اس پر یہ غم
ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم

سوکنیا نے کہا "اس کی کوئی فکر نہیں منی نے نہایت مہربانی کی مجھے اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ ذرا سوچئے تو سہی جس کو دنیا کی محبت ذرہ بھی نہیں جس نے نفس پر قابو پالیا ہے۔ وہ عورت کو ساتھ رکھنا صرف ضرورت و مصلحت وقت سمجھتا ہوگا! پھر اس میں میرا خود کتنا اپکار ہے! میرے قصور کی تلافی ہوجائیگی اور پتی کی سیوا کا پھل میرے لوک پرلوک کو سدھار دیگا۔"

وزیروں نے اس سے مخاطب ہوکر کہا "راجکماری! اس ضد سے باز آ۔ جنگل کی خوفناک زندگی۔ فقر و فاقہ کے ساتھ گذارہ۔ عریانی چھپانے کے لئے درخت کے چھال! ہائے تیرا دل کیسے گوارا کرسکیگا" سوکنیا ہنسی تمہاری نگاہ صرف تھوڑے فاصلہ پر جاتی ہے۔ دنیا کے عارضی سامان میری طبیعت کو خوش نہیں کرسکتے۔ میری زندگی شوہر کی اطاعت ہوگی۔ میرا جسم پتی کا سایہ بنیگا۔ میری غذا اس کی میٹھی میٹھی باتیں ہونگی۔ میرا لباس پتی کا ظل عاطفت ہوگا۔ میں نے عہد کرلیا۔ میرا عہد

پاروتی کی پرتگیا ہے۔ جس نے کہا تھا۔

برون شبنہو نہیں رہوں کنواری،

یعنی اگر شادی کرونگی تو شبنہو کے ساتھ ورنہ کنواری رہونگی۔ میں اُون مہاتما کی جورو بن چکی۔ تم شبھاب سے رشتہ نہ سمجھو اور میں ابھی سے شاہی لباس و زیور اُتارے دیتی ہوں۔"

یہ کہکر راجکماری نے ایک ایک کرکے زیور اتار دیئے اور سبھا کے دیکھتے دیکھتے درخت کی چھال سے جسم کو ڈھک لیا۔

کوئی کیا کرسکتا تھا استریاتی نے سر پیٹ لیا۔ رانی رونے لگی۔ بدبخت سوکنیا! تو ہمارے لئے جیتے جی مرگئی۔" اور سچ مچ سوکنیا ایک عالیشان درخت کی شاخ کی طرح خودبخود کٹ کر علیحدہ ہوگئی اور اسی روز بدحیثیت برکمد و بار سے محروم درخت کے ساتھ پیوند ہونے کے لئے تیار بھی ہوگئی۔

سوکنیا راجہ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی "پتاجی! یہ سنسار اسار ہے دُنیا بھوگ بلاس کے لئے نہیں بنی ہے صرف نادان ایسا سمجھتے ہیں ہم صرف پاک فرض ادا کرنے کے لئے یہاں آتے ہیں۔ بھائی بندھ خویش اقارب سب جھوٹے رشتہ ہیں۔ انسان صرف دھرم کا خیال رکھے۔ دھرم میں جیئے۔ دھرم میں مرے۔ تم مجھے ایک بدحیثیت سادھو کے ساتھ نہیں بیاہ رہے ہو۔ جس کے ساتھ رہنے کی ہوس راجکماریوں کو ہو کیا وہ ننگا و بچا ہے۔ یہ وہ فرقہ ہے جس کے آستان کی خاک بادشاہ تک چومتے ہیں۔

درویش و غنی بندۂ ایں خاک دراند
آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند

یہہ صاحب کمال۔ دنیا کو راستی و راستکاری کا دان عطا کرتے ہیں جو کسی راجہ کے پاس سے بھی نہیں ملتا چلو مجھے اب ہی کو سونپ دو"
اور سب کو یقین ہو گیا کہ سوکنیا کے دل پر منی کی محبت کا خیال حاوی ہو گیا اور اب وہ کسی کے کہنے سننے کو نہ مانیگی۔
سنسار کی لیلا وچتر ہے۔ دم میں کیا ہو جائیگا۔ کوئی نہیں جانتا
شریاتی نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا اور آشرم میں لاکر منی کے حوالہ کیا۔ لو لونڈی حاضر ہے" اور اس کے ساتھ بہت کچھ زر و مال اسباب نوکر چاکر دینے چاہے۔ جن کے لینے سے رشی نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ آنکھ کے بدلے آنکھ مل گئی۔ اب مجھے کس بات کی فکر ہے۔ میں اب سوکنیا کی آنکھوں سے دیکھوں گا میری ضرورتیں خود بخود رفع ہو جائینگی میں زیادہ شوق سے پرماتما کی عبادت کرونگا۔ سوکنیا سے بہتر دولت اور کیا مجھے مل سکتی ہے۔

زن خوب فرمانبرو پارسا
کند مرد درویش را بادشاہ
برو پنج نوبت بزن بر درت
کہ یار موافق بود در برت

سوکنیا باپ سے مخاطب ہو کر بولی موجود رخت کے پھل کھا کر اور چشموں کا پانی پیکر چند روز کی زندگی بسر کر سکتے ہیں اُن کو دنیاوی سامان کی کیا ضرورت ہے۔ ہم فقیر ہیں۔ فقر ہمارا فخر ہے۔ ناداری ہماری اصلی عزت ہے"
راجا رانی سب حیران! یہ بھی عجیب تبدیلی ہے۔ گھنٹوں میں کیسے انسان اس طرح بدل جاتا ہے اور شریاتی و اس کی رانی نے منی پتنی کو

گود سے چمٹا کر روتے ہوئے اشیرباد دیا "بیٹری! تیرا سوہاگ اٹل ہو۔ تجھ کو ستی وساوتری کی طرح دنیا میں نیکنامی ملے!!" اور سادھو کچھ ساتھ راجکماری کے بیاہنے کا رنج ان کے دلوں سے یک قلم دور ہو گیا۔ یہ دیویاں ہیں جو دونوں کل کو پوتر کرتی ہیں۔ جن کے نام لینے سے انسان میں بھترتا آتی ہے۔ اور اب راجہ کو اپنی اکلوتی بیٹی پر پہلے سے بھی زیادہ ناز تھا۔

ماں کون۔ باپ کون۔ عطا کبریا کی ہے
اولاد ایسی ملنی عنایت خدا کی ہے

سیر وشکار کرنیوالی جماعت خوشی ومہاجرت کے آنسو بہا کر راجدھانی کو روانہ ہوئی اور سوکنیا نے شوہر کے پاؤں چوم کر روتی ہوئی اپنے قصور کی معافی چاہی۔ اور دونوں خوشی خوشی اپنے دن کاٹنے لگے۔

سوکنیا کی زندگی کا دستور العمل یہ تھا۔ صبح شوہر کو نہلا دھلا کر وہ درختوں کی لکڑیاں چن لاتی۔ مرد وعورت دونوں ملکر ہون کرتے پھر پھل پھول لا کر اس کو کھلایا کرتی۔ اسی طرح شام کو ہون سندھیا و بھوجن کے بعد اس کے آرام کے لئے بستر تیار کر دیتی۔ اور ہر وقت حتیٰ کہ رات کو بھی منتظر رہتی کہ کہیں منی کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے جاڑے کے دنوں میں آگ ہر وقت جلتی رہتی تھی اور گرمیوں میں وہ دن کو پنکھا جھل کر اس کو راضی رکھتی تھی۔ دن کو جب کبھی فرصت ملتی پران و اپنشد پڑھ کر اس کو سناتی رہتی۔ جو کوئی اتیھی آتا۔ اس کا آدر ستکار کرتی۔ آشرم کے ہرن۔ پاڑھے۔ شیر۔ چیتے اس کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور ان کے دلوں میں اس کے پیار کی حکومت تھی کیا کوئی نوکر جا کر منی کی اس طرح خدمت کر سکتا تھا! رام رام کہو! ان میں یہ

نفس کشی اور بھیہ پریم کمال ا
ہندو سستریو! بھارت کو ایسی ہی ماؤں پر فخر رہا ہے اور جب تک
ایسی عورتیں اس دیش میں پیدا ہوتی ہیں اس کو مطلق مخالف
حالات کی پرواہ نہیں ہے۔
ایک دن صبح کے وقت جب سوکنیا درختوں سے گری ہوئی لکڑیاں
چن رہی تھی۔ اسونی کمار کا ادھر سے گذر ہوا جنگل میں منگل کا سروپ
دیکھ کر حیرت میں آگیا۔ یہ کون دیوی ہے جو درختوں کی چھال تن سے
لپیٹے ہوئے اس طرح بیباکی سے پھر رہی ہے۔ اس کے منہ سے بیساختہ
نکل گیا۔

اے فلک دیکھ زمین پر یہ ستارہ کیسا!

سوکنیا نے سر اونچا کیا۔ اسونی کمار متحیر ہو کر کھڑا تھا۔ اس نے
پوچھا "اے نیکبخت! سچ بتا تو کون ہے؟ اس سنسان جنگل میں تیرا
کام کیا؟ اس فقیرانہ وضع کی تجھ کو کیا ضرورت ہوئی؟ تیرے ماں باپ
دھنیہ ہیں۔ تیرا پتی کوئی نہایت خوش نصیب شخص ہوگا۔ تیری پیشانی
سے خود خوش قسمتی کا نور جھلک رہا ہے۔"
سوکنیا بولی "مہاتمن! میں راجہ شریاتی کی بیٹی اور اوتن رشی کی
پتنی ہوں۔ جنگل ہمارا گھر ہے۔ پھل پھول ہماری غذا اور چھال ہماری
پوشش ہے آپ مہربانی کر کے آشرم میں جائیے۔ وہاں ہمارا
پتی موجود ہے جو اتیتھی ستکار (مہمان نوازی) کے فرائض سے
ناواقف نہیں ہے۔"
اسونی کمار کو اس سادگی کا جواب سنکر حیرت ہوئی۔ سندری!
میں اسونی کمار ہوں۔ تیرا باپ کیسا تھا جس نے اندھے تپسوی

سے تیری شادی کردی؟ اس جنگل میں تیری حیثیت اس بجلی کی ہے
جو گھنے اور کالی گھٹاؤں کے درمیان رہ رہ کر چمک اٹھتی ہے۔ تو اس
قابل تھی کہ کسی راجہ کے ساتھ سنگھاسن کو زیب دیتی۔ تیرا جسم
خوبصورت لباس اور قیمتی زیوروں سے آراستہ ہوتا۔ جنگل کے دکھ اور درد
تجھ کو کیسے نصیب ہوئے۔ چیتھڑوں میں لال کو کس نادان نے لپیٹا۔ کرم
کی بات انوکھی ہے۔ تو ایک نکمے پتی کے پلے پڑی ہے وہ کیا تیری خدمت
کرسکیگا؟ راج کنیا! سچ مچ یہ وضع یہ جنگل یہ شوہر تیرے شایاں نہیں
زندگی اس ہیئت گدائی میں ناحق برباد ہو رہی ہے۔ بہتر ہو کہ اندھے کی
محبت کو ترک کرکے تو کسی محل کو زینت دے"۔

اتنا سننا تھا کہ منی پتنی کی آنکھیں غصہ سے لال ہوگئیں مگر استقلال
وصبر کے ساتھ اُس نے ضبط کرکے جواب دیا۔ "اشونی کمار! آپ رشیوں
میں افضل و پرستش کے قابل سمجھے جاتے ہو تم کو سورج کے پتر
ہونے کا غرور ہے۔ مگر آج تم ایک پتی ورت استری کو ایسا ادھرم
سکھانے آئے ہو۔ اپنے من کو پاک کرو۔ ورنہ سورج کی جلنے والی
دھوپ تم کو جلا کر خاک کردیگی۔ یا زمین تمہارے ناپاک شریر کو کسی
گہرے خندق میں مدفون کردیگی۔ بزرگ اور رشی کی شان میں ایسے
گستاخانہ کلام کرنا تمہارے کس آچاریہ نے سکھایا ہے؟ قدرو بڑوں
کی برائی کرنے سے ڈرو پرائی استری کے دھرم بگاڑنے سے اور سب
سے زیادہ ڈرو پتی ورت استری کے غصہ و انتقام کی آگ سے
کہیں دم کے دم میں ایشور کے غضب کی آگ برسانے والی تلوار
تمہارا خاتمہ نہ کردے"۔

معنیں نے رشی سمجھکر تمہارا خیر مقدم کیا اور آشرم میں چلنے کی

دعوت دی۔ احسان فراموش مرد! یہہ کیا کمینہ حرکت و نا قابل معافی گستاخی ہے!"

سوکنیا کی باتوں نے اشونی کمار کے دل کو جڑ سے ہلا دیا۔ انہوں نے معذرت کے لہجہ میں کہا "پتی ورتے! تو دھنیہ ہے۔ دیوی! تیرا ساہس دھنیہ ہے۔ ہم نے صرف امتحاناً ایسی باتیں کہی تھیں۔ میں تجھ سے بہت خوش ہوں۔ جو خدمت میرے قابل ہے بتا دے۔ میں انجام دونگا۔ دُنیا مجھ کو کامل وید کہتی ہے۔ اگر تیری خواہش ہو تو میں اون رشی کو آنکھ دے سکونگا و تندرست بنا دونگا۔"

سوکنیا نے گردن نیچی کر لی اور پھر خاموشی سے آشرم میں آکر شوہر سے مخاطب ہوکر کہنے لگی "بھگون! اشونی کمار آشرم میں آئے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں میں مُنی کی آنکھ درست کر دونگا۔ فرمایئے۔ آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ اون نے کہا "جلدی کر اس بزرگ کو جلد میرے پاس لے آ۔" سوکنیا گئی اور اس کو لے آئی۔ اون نے خیر مقدم کیا اور رشی کے معالجہ سے صرف اون کی آنکھیں ہی کٹورے کی طرح نہیں کھل گئیں بلکہ اس کی کھوئی ہوئی تندرستی واپس آئی اور وہ جوانوں کی طرح معلوم ہونے لگا۔ اون منی اُن کی اس مہربانی سے خوش ہوکر کہنے لگا "پربھو! تم نے میرا بڑا اپکار کیا ہے۔ اس کے عوض میں میں کیا خدمت انجام دے سکتا ہوں؟" اشونی کمار نے کہا "آپ تکلیف گوارہ کرکے ایک مرتبہ ہمارے یگیہ میں شرکت فرمایئے۔ اس سے ہماری عزت ہوگی۔ اور اون نے خوشی خوشی منظور کر لیا۔

کچھ دنوں بعد شریاتی اور اس کی رانی کو سوکنیا کے دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ رتھ پر بیٹھ کر وہ رشی کے آشرم میں آیا۔ یہاں کیا دیکھتا ہے۔ کہ

سوکنیا ایک حسین نوجوان تیجسوی شوہر کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہون کر رہی ہے۔ اس کو تعجب ہوا "کہیں لڑکی نے کوئی کمینہ حرکت تو نہیں کی؟" ماں باپ کے لئے اس سے زیادہ اور کوئی مصیبت نہیں ہے کہ ان کی لڑکی سے نامعقول حرکت سرزد ہو جائے۔ وہ دور کھڑا ہو سوچ رہا تھا۔ اور اپنی قسمت پر بار بار لعنت کرتا تھا۔ جب ہون ختم ہوا سوکنیا نے سر اٹھایا۔ فاصلہ پر راجہ اور رانی دکھائی دیئے اس نے دوڑ کر فرط محبت سے گلے ملنا چاہا مگر والدین کی سرد مہری دیکھ کر وہیں کھڑی ہو گئی ماں کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ باپ نے غصہ کے لہجہ میں کہا "پتری! اون رشی کہاں گئے؟ جلد جواب دے۔ میں دیر سے کھڑا ہوا اسی فکر میں غلطاں و پیچاں ہوں" سوکنیا شوہر کا ہاتھ پکڑ کر لے آئی اور ماں سے مخاطب ہو کر کہنے لگی "یہ اون رشی تمہارا داماد حاضر ہے اشونی کمار کے علاج نے اس کی حالت تبدیل کر دی۔ آپ فکر نہ کرنا۔

گھبرائی ہو کیوں۔ ہوش کو کیوں کھوتی ہو ماتا
ہنسنے کا جو وقت آیا تو تم روتی ہو ماتا"

اور پھر منی نے سارا حال کہہ کر دونوں کی تسلی کی۔ یہ سنکر رانی نے رو کر بیٹی کو چھاتی سے لگا لیا۔ سوکنیا آج تو میری کوکھ سے پھر پیدا ہوئی ہے میری کوکھ مبارک ہے تو سچ مچ دوسری ساوتری ہے" اور دونوں ماں باپ نے بہت خوشی منائی۔ سارے جنگل کے رشی اکٹھا ہوئے خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ ہر چہار طرف سوکنیا اور اون کی کیرتی پھیل گئی۔ جس نے سنا ان کی محبت کی سراہنا کی اور ہم کو بھی امید کرنی چاہیئے۔ ہمارے پڑھنے والے اس کتھا کو پڑھ کر اپنے گھروں کی استریوں کو سنا بینگے اور ہماری پراچین ماتاؤں کی پوتر تا کے سنسکار ہوم

ازسرنو زندہ کرینگے - سو گئیا تو دھنیہ تھی ۔ تیرا پتی ورت دھرم دھنیہ تھا
گر نام تیرا ورد ہمیں صبح و مسا ہو
محتاجوں کو راحت ہو مریضوں کو شفا ہو

---

(۲) مہارانی بدولا

اے ناخلف! ذرا تو میری ہمت کر نظر ۔ کیوں پست ہمتی ہے ہے تجھکو عدو کا ڈر؟
مردی کا کیا رہا نہیں خون میں تیرے اثر؟ دشمن کا چاک تیغ سے کر جا کے تو جگر!
چڑھ دوڑ - تو چڑھا کے ابھی آستین کو
رجپوت ہے تو جا کے اُلٹ دے زمین کو

بدولا کا جنم کشتریوں کے شاشوت بنس میں ہوا - اس کل کے کشتریوں کا دعوے تھا کہ اگر سر جائے تو جائے مگر کبھی بغیر دشمن کو مغلوب کئے ہوئے رن سے نہ پھرینگے - بدولا میں اپنے کل کی ساری خوبیاں اور ہمت و دلیری کے جملہ اوصاف کوٹ کوٹ کر بھرے تھے - اس کی شادی شور بیر راجہ کے ساتھ ہوئی تھی جو مارواڑ کے جنوب میں کسی قدیم سلطنت کا والی تھا - اس شجاع کی وفات پر سنجے نامی اس کا لڑکا تخت پر بیٹھا مگر یہ ہمت کا پست عقل کا کند اور راج نیتی سے ناواقف تھا اس پر طرہ یہ کہ ہمیشہ ناچ رنگ کو پسند کرتا تھا - اس حالت کو دیکھ کر سندھ کے راجہ نے اس پر چڑھائی کی - سنجے کو شکست ملی - اس کی فوج منتشر ہو گئی

اور سینئے جان چھپا کر ایک پہاڑی کی چوٹی پر جا کر خیمہ زن ہوا۔
جب بدولا نے جو شوہر کی وفات کے بعد پرماتما کے دھیان میں رہتی تھی یہ کیفیت دیکھی اس کی آنکھوں میں خون بھر آیا۔ وہ پڑھی لکھی تھی۔ شاستر اور نیتی کے مضمون کو خوب سمجھتی تھی۔ وہ اس جگہ چلی آئی جہاں سنجے پڑا ہوا تھا۔ اس نے اس کو لعنت ملامت کی۔ جن آتشی لفظوں میں بدولا نے اپنے لڑکے کو مخاطب کیا ہے۔ وہ ہماری خوش قسمتی سے مہا بھارت میں محفوظ ہیں۔ ان کو سنکر بزدل سے بزدل آدمی کے دل میں بھی حرارت آجاتی ہے۔ یہ تقریر پورے ۴۲ صفحوں میں قلمبند ہے مگر ہم اس سے کچھ انتخاب کرکے نذر ناظرین کرتے ہیں۔
بدولا کہتی ہے "اے دشمنوں کو خوشی دینے والے! تو میرا لڑکا نہیں ہے اس کوکھ سے آگ کو پیدا ہونا چاہئے تھا جو دشمنوں کو جلا دیتی۔ سنجے! تو کس کی بوند سے پیدا ہوا ہے نہ تو اپنے باپ کا ہے نہ ماں کا تجھ میں حرارت نہیں ہے نہ غصہ ہے تیرا کون مردوں میں شمار کریگا؟ کیا تو ہیجڑا ہے جو میدان چھوڑ آیا ہے؟ یہ مایوسی کشتری کے لئے ننگ ہے۔ اگر تو اپنی بہتری چاہتا ہے تو اپنے بوجھ کو خود سنبھال۔ اپنی روح کو ناپاک مت کر۔ ذلت کی زندگی مکروہ ہے۔ اٹھ اپنے خوف کو ترک کر۔ کشتری کا بیٹا ایشور یہ کا خواہشمند ہوتا ہے وہ کسی کا محتاج بننا نہیں چاہتا۔ شیر کی طرح جنگل میں پھرتا ہوا سب کو اپنے پنجہ کے تلے لانا چاہتا ہے۔ کشتری نیچے یا درمیانی حصہ میں رہنا پسند نہیں کرتا وہ ہمیشہ بزرگی وعزت کی شکھر پر نظر آئیگا۔ بہتر ہے کہ تو ایک دفعہ مشتعل ہو کر شعلہ کی طرح بھڑک اٹھ نہ کہ سسک سسک کر تیرا دم نکلے۔ یہ کیا کمینہ حرکت ہے؟ تیرے ایسا کمزور دل والا ہیجڑا کیا کام کریگا۔ کیا وہ ہرم کریگا۔

چاہئے تھا کہ تو ہاتھ سے تلوار کو نچاتا ہوا میدان میں کوندتی ہوئی بجلی کی شکل میں نظر آتا مرتا خواہ مارتا اور لوگ عش عش کرتے۔

چہ جا ہو کہ حق ماں کا ادا کر گیا سنجے
کس شان سے ہاں لڑتا ہوا مر گیا سنجے

جس میں ہمت نہیں۔ مردمی نہیں۔ شرم نہیں۔ وہ بیحیا نہ مرد ہے نہ عورت ہے۔ نہ اس سے دوستوں کو مدد ملیگی۔ نہ رعیت پناہ میں رہیگی۔ نہ باپ کا نام زندہ ہوگا نہ ماں کی چھاتی ٹھنڈی ہوگی۔ یہ جلا وطنی یہ مصیبت یہ آرام و آسایش سے محرومیت۔ کس کو پسند ہے؟ سنجے تو مرد بن۔ عورتوں کا لباس مت پہن۔ میری خواہش ہے۔

جا خوف نہ کر چھکے حریفوں کے چھڑا دے
جرأت کا مزہ اُن کو ذرا جا کے چکھا دے
تلوار ہر سمت کھڑکتی نظر آئے
ہر چار طرف آگ بھڑکتی نظر آئے
یہ غصّے کے اندوہ کے اور طیش کے دن ہیں
مایوس نہ ہو۔ تیرے ہی عیش کے دن ہیں
اس طرح پہ لڑنا یہ زمانے کا چلن ہے
دشمن کو زبون کرنا گھرانے کا چلن ہے

(۵) کیا عورتوں میں تو مجھے شرمندہ کریگا؟
کچھ غم نہیں۔ لڑ جا کے جیئےگا کہ مریگا

سنجے ماں کی بات سنکر اٹھ کھڑا ہوا۔ "دنیا میں تجھ کو کیا سکھ ملیگا جب تیرا لڑکا جان سے مارا جائیگا؟ زندگی کے سامان پھر تیرے لئے کس کام آئینگے؟" بدرولا نے جواب دیا۔ "کم سمجھ لڑکے مرنا جینا تو روز لگا ہی رہتا ہے

اس کو کون روک سکتا ہے! جو میدان میں مرتا ہے سورگ پاتا ہے جو
رن سے بھاگتا ہے نرک کا بھاگی ہوتا ہے۔ کشتری جب تک لڑائی میں
دادِ شجاعت نہیں دیتا۔ ماں باپ کا مقروض رہتا ہے۔ تو کمزور آدمیوں
کی وضع مت اختیار کر۔ ایسا ہو کہ براہمن بھکشو تیرا اشارہ پائیں تو کیوں کسی
کا بھروسہ کرے! جو قوت بازو پر گھمنڈ رکھتا ہوا دنیا میں کام کرتا ہے
وہ لوک پرلوک کا لیش پاتا ہے۔ ماں فخر سے کہتی ہے۔ یہ میرا بیٹا ہے جس
کی آنکھ شیر کے سامنے بھی نہیں جھپکتی "

"نانا سندھ کے راجہ کے پاس فوج کثیر ہے۔ مگر ہوشیار کشتری اپنے
خاص ملک میں دشمن کو کھلا کھلا کر مار سکتا ہے اس لئے تو مستعدی سے
ہاتھ میں تلوار لے اور اپنے سپاہیوں کو اکٹھا کر کے دشمن کا مقابلہ کر۔ اور
بزدلوں کی طرح موت سے مت ڈر"

سنجے نے یہ باتیں سنکر کہا "عضہ وراں! تجھ کو صرف لڑنے بھڑنے
ہی کی سوجھتی ہے۔ تیرا دل پتھر کا بنا ہے۔ تیرا کلیجہ آہنی ہے۔ تو اس طرح
بات کرتی ہے۔ جیسے میں تیرا لڑکا ہی نہیں ہوں اور نہ تو میری ماں ہے
اگر میں مر گیا تو یہ راج لیکر تو کیا کرے گی؟

بدولا نے جواب دیا۔ "مجھے راج کاج کا خیال نہیں۔ تو بے عزتی کی
راہ میں جا رہا ہے۔ تیرے باپ دادا کبھی اس راہ پر نہیں چلے تھے۔
کشتری اس لئے پیدا ہوا ہے کہ سب کی حفاظت کرے۔ کشتری کے زور
بازو پر برہمن ویش شودر کی زندگی کا انحصار ہے کشتری آگ ہے جس کو
دیکھ کر جنگل کے شیر و چیتے تک پاس آنے کی ہمت نہیں کرتے اگر یہ
آگ بجھ جائے تو پھر دنیا کا کیا حال ہوگا! اس لئے تو جا اور میدان کو دشمنوں
کی لاش سے پاٹ دے۔ ان کی کثیر تعداد کا خیال نہ کر۔

جب وقت آوے۔ جان کو نہیں جان سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں"

سنجے نے کہا:۔ ماں! بیٹے کے سامنے اس قسم کے غصہ کا اظہار نہ کر۔ مہربانی سے پیش آ اور میں تیری حکم عدولی نہ کرونگا"

ماں بولی:۔ اب جا کر میرے دل کو قرار آیا ہے۔ میری سخت کلامی کی غرض صرف یہ تھی کہ تجھ میں ہمت پیدا ہو۔ میں تیری عزت کروں گی مگر اس وقت جبکہ سندھ کی فوج پامال ہو جائیگی اور دنیا میں مشہور ہوگا کہ سنجے نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر اپنے دھرم کو قائم رکھا"

سنجے نے پوچھا:۔ دیکھ میرے پاس نہ دولت ہے نہ آدمی ہیں۔ میں ایسی حالت میں کس طرح فتح پا سکونگا؟ اپنی حالت کو دیکھ کر میں نے راج کا خیال اسی طرح ترک کر دیا ہے جس طرح بدکار شخص اپنی بدی کے نتیجہ سے گھبراتا ہے۔ تجھ میں عقل و تمیز ہے۔ بتا میں کیا کروں اور کس طرح دشمن پر فتح پاؤں؟"

ماں نے جواب دیا:۔ غصہ۔ خوف و بزدلی ان تینوں کی وجہ سے ناکامیابی ہوتی ہے۔ اگر کوئی یہ امید رکھے کہ غصہ سے کام نکل جائیگا۔ تو وہ نادان ہے۔ کامیابی کی نسبت پھر بھی کسی کو یقین نہیں ہو سکتا تاہم انسان کو کرم کرنا چاہیئے۔ کام ہمت و مستعدی سے کر اور اس کا پھل ایشور کے حوالہ کر۔ میں دیکھتی ہوں۔ اب تو صلاح و مشورہ کے قابل بن گیا ہے اس لئے میں تجھ کو کہتی ہوں جس طرح سورج پورب پچھم۔ اوتر۔ دکن سب اطراف کو اپنی کرنوں سے گھیر لیتا ہے تو بھی اپنی طاقت کو کام میں لا۔ تیرے راج میں ایسے آدمی ہیں جن میں دانش کا اجمان ہے۔ وہ دشمن کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کو اپنے جھنڈے کے نیچے قائم کر تاکہ یہ بھی

خواہشمند ہوں ان کو روپیہ یا لالچ دیکر اپنا مطیع کر جن کو دشمنوں سے زک پہنچا ہے جو حسد اور انتقام کی آگ سے جل رہے ہیں ان کو یقین دلاتا رہ کہ ان کے ساتھ تیری پوری ہمدردی ہے وہ تیرا ساتھ دینگے"

جس طرح میں نے لعنت ملامت کر کے تجھ کو میدان جنگ کے لئے تیار کیا ہے تو بھی کشتری اور راجپوتوں کو بلا کر مہربانی کے لہجہ میں سخت وسست کہہ مگر ہر شخص کا مزاج پہچان اور اسی پہلو سے اس کو اپنا تابع کر لے۔ اس طرح تیرے پاس چند روز میں کافی تعداد جمع ہو جائیگی جہاں تو نے ارادہ کیا تیرے خیال۔ تیری طبیعت اور تیرے حوصلہ سے ہمدردی رکھنے والے آپ ہی آپ چاروں طرف سے آجائینگے۔ تو اُن کا سردار پیشوا بن جا۔ اور جب دشمن سنینگے کہ یہاں مرنے و مارنے کا انتظام ہو گیا ہے تو اس خبر سے ان میں خود کمزوری پیدا ہوگی۔ راجا پر طرح طرح کی مصیبتیں آتی رہتی ہیں۔ مگر وہ کبھی اپنے دل کی اضطرابی کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ راج رعایا۔ فوج۔ مشیر سب ڈر جاتے ہیں۔ مگر راجہ اپنی باتوں سے ان کو ڈھارس دیتا رہتا ہے۔ بعض دشمنوں سے مل جاتے ہیں بعض راجہ کی حمایت چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض گھبرا کر لڑنے سے انکار بھی کر دیتے ہیں۔ مگر یاد رکھ۔ ان سب کا انتظام راجہ کے ہاتھ میں ہے۔ راجہ اگر انسانی طبیعتوں کے میلان سے واقف ہے۔ تو وہ ہر ایک کے ساتھ جداگانہ برتاؤ کرتا و کراتا ہوا اپنی حمایت پر قائم رکھ سکتا ہے۔ اور یہہ سب اس کے لئے اپنا سر دینے کو راضی ہو جاتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ملینگے۔ جو محض تیری ذات کے خیال سے تیرے دوست ہو جائینگے۔ ان پر تو پورا پورا یقین رکھ سکتا ہے۔ لیکن اتنا اختیار ان کو بھی نہ دینا چاہیے کہ وقت پر وہ دھوکا دے سکیں کسی کو خوف زدہ مت کر۔ اپنے رنج سے

اوروں کو کبھی پریشان مت بنا مصیبتیں آئیں۔ آفتوں کا سامنا ہو لیکن تیرا دل ان کی نگاہ میں پہاڑ کی طرح مضبوط نظر آئے اور وہ کبھی تیرا ساتھ نہ چھوڑ بیٹھے۔ اگر تو نے میری باتیں اچھی طرح ذہن نشین کر لی ہیں تو تجھ کو پھر بھی فتح حاصل ہوگی۔ جا ہمت کی کمر چست باندھ میرے پاس خزانہ ہے جس کا علم اور کسی کو نہیں ہے بس سب کچھ تجھ کو دیدوں گی اس خزانہ کی میری نگاہ میں قدر نہیں ہے میری دولت تو وہ فرزند ہے جو ہیرے و الماس کی کنی کی طرح دمکتا ہوا دشمنوں کے کلیجہ کو پاش پاش کر کے اپنے باپ کے نام کو روشن کرتا ہے"

ان باتوں کو سنکر سنجے کی ڈھارس بندھ گئی اور اس نے کہا " تو میری بیجی مشہور ہے۔ میں اب تک خوف سے گھبرایا ہوا تھا۔ مگر تیری باتوں نے میرے سوئے ہوئے دل کو جگا دیا۔ میں جاتا ہوں لوہے سے و ہا بجاتا ہوا یا تو دشمن کا ستیا ناس لگا دونگا۔ یا لڑائی میں میری جان جائیگی دونوں حالتوں میں میرا بھلا ہو گا۔

جاتا ہوں رن کو فوج ہے گو میرے پاس کم
آگے بڑھا کے پھر نہیں ہٹنے کا یہ قدم"

یہ کہہ کر لڑکے نے اونچی پہاڑی پر جا کر اپنا جھنڈا بلند کیا ہزاروں آدمیوں کی تعداد اس کے تلے آ کر ٹھہر گئی۔ راجہ نے سب کو مخاطب کر کے کہا" دوستو! ذلت و غلامی کی زندگی موت سے بدتر ہے۔ جیتے جی اپنے عزیزوں کو تکلیف میں چھوڑنا اپنے ملک کو دشمنوں کے ہاتھ سے ذلیل و خوار کرانا صرف نامرد و کمینوں کا کام ہوا کرتا ہے۔ میں تمہارے راجہ کی حیثیت میں جان دینے چلا ہوں۔ وہ جان تمہاری اور تمہارے دیس کی ہے اور تم پر قربان ہونیکے لئے تیار ہے۔ دیس کی سیوا میں

سب سے پہلے میں تمہارا پیش امام ہوں۔ کہو تمہاری کیا رائے ہے ؟"
اور سب نے یک زبان ہو کر کہا "ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں اور ہم
میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو میدان سے منہ موڑے" راجہ
نے کہا "شاباش! جہاں اتنی ہمت و مستعدی ہوتی ہے۔ وہاں یقینی
فتح شاہی جھنڈے کا قدم چومتی ہے آؤ۔ اپنے ملک سے لوٹیروں و
غارتگروں کو دو بھگا دیں۔ اور ساری فوج سیلاب کی طرح پہاڑ سے
نیچے اوتری۔ دشمنوں کو جاسوسوں نے پہلے سے خبر دے رکھی تھی کہ
سنجے استقلال و ثابت قدمی سے حملہ کریگا۔ وہ تیار تھے۔ مگر جب سنجے
کے آدمی امنڈتے ہوئے سمندر کی طرح آگے بڑھے میدان کو دشمنوں کی
لاشوں سے پاٹ دیا۔ دشمن چلائے۔

کب کوئی لڑ سکیگا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی ہیں صفیں کہ سمندر کی موج ہے"

ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سب بھاگ نکلے۔ ان کے خیمے۔ مال
دولت۔ مویشی سب سنجے کے ہاتھ آئے۔ اور جس وقت بدولا نے
اپنے لڑکے کی فتحیابی کی خبر سنی وہ خود میدان میں چلی آئی۔ اور سب
کے سامنے اس کے ماتھے کو چوم کر کہنے لگی "تو اپنے سچے باپ کا بیٹا
بدولا کی آنکھوں کا تارا ہے اور راج کرنے کا مستحق ہے" بیٹے نے
ماں کے پاؤں کو بوسہ دیا اور ساری فوج نے خوشی کے شادیانے
بجائے۔

یہ مہارانی بدولا کے مختصر حالات ہیں۔ یہ کشترانی دیویوں کے
دل و دماغ کی ایک روشن مثال تھی۔ جس ملک میں ایسی ماتائیں
ہوں کیا اس کے لڑکے [illegible] ناخلف۔ نالایق اور نکمے ہو سکتے ہیں؟

ماتاؤں کی نصیحت ان کو دھرم کی راہ پر قایم رکھیگی اور وہ اپنی کل کے بھوشن بنینگے و دیش بھگتی میں سب سے آگے نظر آینگے۔

بدوالا تو دھنیہ تھی تیرا ساہس دھنیہ تھا۔ ایشور کرے اب بھی تیری ہمت و قابلیت کی ماتائیں بھارت ورش میں پیدا ہوں۔ صرف تیرے ایسی ماتائیں قابل اولاد پیدا کرسکتی ہیں ورنہ میں تو

باقی نہ نام ہے نہ کہیں کچھ نشان ہے
ہم ہیں ذلیل و خوار ہر اک نوجوان ہے
کیا اپنے دست و پا کی یہ طاقت دکھائینگے
ان سے تو اپنے کپڑے سنبھالے نہ جائینگے
یہ سب نکمے ہیں کوئی ان میں جواں نہیں
وہ شان وہ تمیز کسی میں عیاں نہیں
باتیں بناتے پھرتے ہیں دن رات کو بکر
کرتوت کچھ نہیں ہے نہ ہمت کی خو نہ بو
بگلے بھگت ہیں ان کا نہیں کوئی اعتبار
جھوٹے ہیں انکے جھوٹ سے ہے جھوٹ شرمسار
کمزور دل ہیں سست ہیں نادان و نابکار
دنیا کے دین کے کام کا دلمیں نہیں ہے پیار
ننگ وطن ہیں قوم کا پاس انہیں کچھ نہیں
عقبیٰ کا حق کا خوف و ہراس انمیں کچھ نہیں
خود مطلبی ہیں شہرت و دولت پہ ہیں فدا
انمیں نہ مردمی ہے نہ اخلاص و نے وفا
اپنوں سے ان کو دشمنی و بغض بیہرت

حالت ہو ایسی پھر کہو کب اپنی خبر ہے
ہمدرد کوئی دہر میں پیش نظر نہیں
نادانوں کو تباہی کی اپنے خبر نہیں

(۳) بملا

یہ دیویاں ہیں ان کا نہیں کوئی ہے ہمسر اخلاص و وفا میں کوئی کب ان سے ہے بہتر
ٹل جائے زمین یہ نہیں ٹلنے کی قدم بھر اے لوگو! پرستش کرو تم سر کو جھکا کر
بے شبہ جماعت ہے یہ ارباب یقین کی
افلاک کی زینت ہے تو رونق ہے زمین کی

گجرات میں ایک جے شنکھر نامی راجہ گذرا ہے۔ اس فرمانروا کی پنچاسر نامی راج میں حکومت تھی۔ کہتے ہیں وہ ۶۹۵ھ میں راج کرتا تھا۔ اس کے وقت میں شہر خوب آباد اور رونق پر تھا۔ ہر قسم کے آدمی اس کی قدردانی کا شہرہ سن کر پنچاسر میں آباد ہو گئے تھے جے شنکھر دھرماتما بہادر۔ عالم۔ صاحب اقبال اور جنجسوی تھا۔ گو وہ کرم کی طرح اس کی سبھا میں نورتن نہ رہے ہوں مگر پھر بھی دو چار عالموں کے نام اب تک دنیا کو یاد ہیں جو اس کے دربار کی زینت تھے۔ ان میں سے شنکر نامی شاعر سب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ اپنے نظم میں راجہ جے شنکھر کی خداداد قابلیت کو لافانیت کا جامہ پہنا گیا ہے۔ بملا اس کی بہن تھی۔ یہ راجکماری نہ صرف خوبصورتی میں لافانی

تھی۔ بلکہ ہر قسم کی ضروری علم وتہذیب میں کمال رکھتی تھی۔ پوران وید
ودھرم شاستر وغیرہ کے مضامین سے اچھی طرح واقف تھی جے شنکہر
کی خواہش تھی کہ کسی قابل نوجوان کے ساتھ اس کی شادی کر دیجائے
مگر اس کی نظروں میں کوئی بر بملا کے قابل نہیں جنچتا تھا۔ کئی ایک راجکمار
اس کے ہاتھ کے سایل ہوئے۔ مگر بھائی نے اپنی بہن کی کسی کے ساتھ
شادی نہیں کی۔ بھائی اور بہن کے درمیان غیر معمولی پیار تھا۔ جب کبھی
وہ بملا کی شادی کا ذکر کرتا۔ مسکراتی ہوئی ساجکماری اپنی بھاوج کو سنا
کر کہتی "بھائی کا دل میری طرف سے پھر گیا ہے تب تو اس قدر میرے
گھر سے نکالنے کی فکر پڑی ہوئی ہے" اور اس کی بھولی بھالی باتیں سنکر
سب ہنس پڑتے۔ پھر بھی وہ اس کی شادی سے غافل نہیں تھے۔
بیٹیاں پرائے گھر کی امانت کہلاتی ہیں۔ ہندو گھرانوں میں ان کا اپنے
گھر جاکر رہنا ضروری سمجھا جاتا ہے ؛

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ملتان کا مہاراجہ پربھاس کشمیر جاتے
ہوئے اپنی رانی و بال بچوں کو ساتھ لئے ہوئے پنچاسر کی طرف سے گذرا۔
جے شنکہر نے اس کو اپنے گھر مہمان رکھا اور بڑے اصرار سے ایک مہینہ
تک وہاں قیام کرنے کے لئے مجبور کیا۔ ملتان کے راجہ کا لڑکا سُرپال بہت
خوبصورت نیک اور شجاع نوجوان تھا۔ تیغ زنی۔ تیر اندازی۔ بھالا
مارنے اور جنگجوئی کے دوسرے فن میں بھی وہ خوب ماہر تھا۔ سیر وشکار
میں اس کو خاص دلچسپی تھی۔ ایک روز جے شنکہر اس نوجوان مہمان کو
اپنے سلح خانہ کے نئے نئے ہتھیار دکھا رہا تھا۔ اتفاق سے اس کی رانی
کی زبان سے نکل گیا "میں نے کبھی شیر کا شکار نہیں دیکھا۔ آپ دونوں
ایک مرتبہ ہم سب لوگوں کو اس کا تماشہ دکھلا دو"۔ بہادروں کو عورتوں کی

بات کا بہت پاس ہوتا ہے اس نے منسکر کہا وہ بہت اچھا۔ یہ موسم بھی خوشگوار ہے۔ اور ایک نہیں دو تماشہ دکھلانیوالے موجود ہیں ۔"

دوسرے روز جنگل کی تیاری کر دیگئی۔ بملا بھی ساتھ تھی۔ اور بھائی بھاوج دونوں چاہتے تھے کہ اگر سرپال سے اس کا بیاہ ہو جائے تو جوڑی اچھی ہے۔ مگر مشکل یہ تھا بملا کی طبیعت کچھ عجیب قسم کی واقعہ ہوئی تھی ابھی تک دنیا کے تعلقات کی طرف اس کی توجہ تک نہیں گئی تھی۔ جے شنکر نے سوچا راجپوتنی کے دل کو تابع کرنے کیلئے شجاعت اور دلیری کے کرتب دکھانے سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا ممکن ہے شیر کے شکار میں سرپال کا بانکپن اور بے خوفی دیکھ کر اس کا دل ادھر متوجہ ہو جائے اور اس وجہ سے اور بھی شکار کی تجویز کو ان دونوں نے پسند کیا تھا۔ ملتان اور پچھاسر کے محل کی رانیاں راجکماریوں کے ساتھ ایک مچان پر بیٹھا دیگئیں جو کسی اونچے درخت سے ملا کر بنایا گیا تھا۔ جے شنکر اور سرپال ہاتھی پر سوار تھے۔ دربار وغیرہ بھی ساتھ تھے شیر کا پتہ لگایا گیا۔ ندی کے کنارے سنسان گوشہ میں ایک زبردست شیر سو رہا تھا۔ جے شنکر نے نشانہ تاک کر تیر مارا۔ شیر چونک کر اٹھ کھڑا ہو مگر بجائے اس کے کہ مقابلہ پر آئے چھلانگ بھر کر ایک طرف ہو رہا۔ جے شنکر نے ہاتھی کو اس کے پیچھے ہول دیا۔ اور جب شیر نے دیکھا کہ منکوے والے ساتھ ہیں وہ دوسری طرف جھکا۔ اتنے میں جے شنکر کے تیر نے پھر کمان سے جست کیا۔ مگر وار خالی گیا۔ شیر ہی تو تھا غضبناک گرجتا ہوا وہ ہاتھی پر جھپٹا۔ راجہ تیر نہ چلا سکا بھالے سے اس کا مقابلہ کرنا چاہا۔ شیر نے بھالا اور جے شنکر دونوں کو ہاتھ سے پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ شیر اوپر اور جے شنکر تلے نہایت خوف کا مقام اور جان جوکھم کا خطرہ تھا۔ سرپال نے ایک تیر تاک کر لگایا۔

اور پھر بھالا ہاتھ میں لیکر شیر پر کود پڑا۔ شیر کا کام تو بھالے اور سرپال کے حملہ سے وہیں ختم ہو گیا۔ جے شنکھر کی جان بچ گئی۔ غصہ کی حالت میں آدمی کا حسن اور بھی بھڑک اٹھتا ہے۔ سرپال کی بہادری نے بملا کے دل کو اس کی طرف مائل کر دیا۔ اور اسوقت سے اس کو خواہش ہوئی۔ کہ اگر شادی ہو تو اسی بہادر راجپوت کے ساتھ۔ عورتیں راز و نیاز کی باتوں کو خوب سمجھتی ہیں جے شنکھر کی رانی بھانپ گئی کہ بملا اب اپنے آپے میں نہیں رہی اور اس نے رمز و کنایہ میں اسی وقت سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

مہمانوں کو پنچاسر میں رہتے ایک مہینہ گذر گیا۔ آخر جے شنکھر نے بڑی عزت کے ساتھ ان کو ملتان جانے کی رخصت دی۔ اور دو چار روز کا وقفہ دیکر سرپال کے واسطے ناریل کا رسم روانہ کیا گیا جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ "میں اپنی لڑکی بیاہنا چاہتا ہوں"۔ بھاٹ سب سامان لیکر گیا۔ اور مناسب وقت پر ان دونوں کی شادی کر دیگئی اور یہ چاند و سورج کی جوڑی گٹھ بندھن کی رسم ادا ہونے کے بعد پنچاسر ہی میں رہی۔

یہاں لاٹ دیش کے راجہ نے جو برسوں سے والی پنچاسر کے نیچا دکھانے کی تاک میں لگ رہا تھا۔ اس کو لڑنے کے لئے چیلنج دیا۔ جے شنکھر نے اس کی تنبیہ کے لئے اپنے سپہ سالار کو روانہ کیا۔ مگر اس کی مدد کے لئے پیچھے سے سرپال سے بھی درخواست کی یہ بہادر شخص اسی وقت دشمن کے مقابلہ کے لئے پنچاسر سے چلا۔ مگر اس کے پہنچنے سے پہلے لاٹ دیش کی فوج نے گجرات کے سپہ سالار کا کام تمام کر دیا تھا۔ اور اس کی بچی کھچی فوج تتر بتر ہوئے ہی کو تھی۔ سرپال نے دیکھ فوج کے پانوں اکھڑنے والے ہیں دو چار لمحہ کے بعد پھر کسی کی خبر تک

نہ ملیگی۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر جھٹ پٹ گجرات کے جھنڈے کو بلند کرا دیا۔ اور قبل اس کے کہ منتشر اور مغلوب فوج پیٹھ دکھاتی اُس نے کڑک کر کہا۔

ہاں دوستو! حق نے تو شجاعت تمہیں دی ہے عزت تمہیں بخشی ہے شرافت تمہیں دی ہے
دم بھر میں کرو حشر بپا قوت تمہیں دی ہے۔ پامال عدو ہوویں یہ جرأت تمہیں دی ہے
روباہوں کے حملوں سے ترود تمہیں کیا ہے
ہمت کرو ہمت کا مددگار خدا ہے

تم خوب لڑو کھول کے دل خوب کرو زور۔ گرجو صفت رعد جوانان سلحشور
چھا جائے بہ ہر سمت گھٹا ڈھالوں کی گھنگھور۔ تیروں کے برسنے سے ہو بادل کی طرح شور
ہر چار طرف آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار کھڑکتی نظر آئے

سُرپال کی آواز سُنتے ہی ان نیم مردوں کی جان میں جان آئی سب کی ڈھارس بندھ گئی اور سب یک دل ہوکر دشمنوں پر جا گرے اور دم کے دم میں اُن کی کامیابی کی امید کو ملیا میٹ کر دیا اور گو ان لوگوں نے بھی دل کھول کر لڑائی کی۔ مگر سرپال کی ہمت وجرات نے ان کو خاک وخون میں ملا دیا۔ دنیا میں ہمت اور استقلال عجیب چیز ہے۔ لاٹ دیش کی فوج بھاگ نکلی۔ کچھ دور تک اُن کا تعاقب کیا گیا زیادہ پیچھا کرنا نامناسب سمجھ کر سُرپال پیچا سر میں واپس آیا۔ جے شکھر نے کئی میل سے آکر اس کا خیر مقدم کیا۔ اور اس فتحیابی کی خوشی میں سارے شہر میں شادیانے بجنے لگے۔ بملا بھی اپنے شوہر کی شہرت و نیکنامی کو سُنکر باغ باغ ہوگئی۔

بملا اور سُرپال کا ملاپ سونے اور سوہاگے کا میل تھا۔ دونوں ایک

دوسرے پر شیدا اور ایک دوسرے کے دلدادہ تھے۔ اور ایک جان دو قالب کی مصداق اُن پر صادق ہوتی ہے۔

ایک گجراتی شاعر نے اُن کی باہمی محبت اور تعلقات کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

"جس طرح رام و سیتا ایک دوسرے پر مفتون تھے"
"جس کرشن و رکمنی باہمی تعشق کا دم بھرتے تھے"
"جو کیفیت نل کی دمینتی کے ساتھ تھی"
"ویسے ہی سُر پال اور بملا کی حالت تھی"

وقت آیا جب وہ رخصت ہو کر ملتان آئے اور عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ باپ کے مرنے کے کچھ عرصہ بعد سُرپال ملتان کے سنگھاسن پر بیٹھا اور راجہ رانی دونوں اپنے اپنے فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے لگے۔

شنکر گجرات کا شاعر کہتا ہے کہ بملا کی شادی ہو کر اپنے شوہر کے گھر جانے بعد گجرات کی سلطنت ہر پہلو سے ترقی کرتی ہوئی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اس کی خوشحالی دیکھ کر قرب و جوار کے راجاؤں کو حسد ہوا۔ اور افسوس! دشمنوں کی رقابت نے اس کو برباد ہی کر کے چھوڑا کلیانی نگری (لاٹ دیش) کا راجہ بھوبٹر جس کو سُرپال نے شکست فاش دی تھی۔ اس فکر میں ہوا۔ کہ کسی طرح جے شنکھ کو غارت و تباہ کردے۔ مگر اس کو سُرپال کا خوف تھا۔ اس نے میدان جنگ میں دیکھتے دیکھتے اس طرح اس کے چھکے چھڑا دیئے تھے کہ اس کی ذاتی شجاعت و ہمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ چکا تھا۔ وہ جانتا تھا جب تک سُرپال ساتھ ہے پنجاسر کا ہاتھ آنا محال ہے اور اس ارادہ سے اس نے

چاہا کہ جے شکھر اور شرپال کے درمیان نفاق پیدا کرا دے۔ اپنے مطلب کے حاصل کرنے کے لئے راجے سب کچھ کر گذرتے ہیں۔
اس نے وزیروں سے صلاح لیکر اس کے نام ایک خط لکھوایا جس میں جے شکھر سے علیحدہ ہو جانے پر شرپال کو مختلف قسم کے ذاتی مفاد دکھلائے گئے تھے۔ اور یہ ذکر کیا گیا تھا۔ کہ اس وسیع ملک کا کچھ حصہ اس کے حصہ میں آجائیگا۔
جس وقت اس کا ایلچی پہنچا۔ شرپال بملا ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ خط راجہ کے ہاتھ میں دیا گیا۔ اس کو پڑھ کر حیرت ہوئی مگر بملا کی رائے لینے اور اس کی دلی منشا جانچنے کے خیال سے وہ خط اس کے ہاتھ میں دیا گیا۔ پڑھتے ہی بملا کی تیور بدل گئی۔ اس نے غصے سے کاغذ کو پھینک دیا۔ راجہ نے پوچھا "کیوں کیا حال ہے؟ راج کاج کے معاملات میں اس قسم کی باتیں ہمیشہ پیش آیا کرتی ہیں غصہ کی کیا ضرورت ہے؟" بملا نے جواب دیا "اس خط کا لکھا جانا تم دونوں کے لئے باعث شرم ہے۔ کوئی شخص کبھی ایسی تحریر کی جرأت نہیں کرتا۔ جب تک اس کو اچھی طرح معلوم نہ ہو جائے۔ کہ اس کا اثر ضرور ہوگا۔ میں نہیں جانتی۔ اس معاملہ میں تم سے اور بھوبڑ سے کیا کیا باتیں ہوئی ہیں۔ لیکن ایسے لفظوں میں تم کو لالچ دینا بدیہی ثبوت ہے۔ تم اس بات کو شاید نہیں جانتے۔ میں نے اس شرپال کے ساتھ شادی کی ہے جو نیک۔ دھرماتما۔ شجاع اور بہادر ہے۔ بھوبڑ کہتا ہے "تمہارے بیٹے کو پنچاسر کی گدی پر بٹھاؤں گا" خوب میرا لڑکا اگر کوئی ہوگا بھی تو وہ اپنی رعایا کی خون کی قیمت دیکر۔ لالچ۔ فریب و دغا بازی میں پھنس کر اپنے قریبی رشتہ دار کا تخت اس طرح چھیننے کی

فکر نہ کریگا۔ میرے پیٹ سے کبھی ایسا لڑکا نہ پیدا ہوگا جو مجھ کو بدکاری
سے عورتوں میں شرمندہ کریگا۔ یہ سچ ہے۔ اب میں گجرات دیش کی
نہیں رہی ہوں مجھے ملتان سے زیادہ محبت ہونی چاہیئے۔ مگر میں
کبھی اس طرح رشوت لیکر "وشواس گھات" کی صلاح نہ دونگی۔ انسان
کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی۔ راجاؤں کے لئے قناعت کرنا سخت
گناہ ہے۔ ان کو اپنی مقبوضات کے بڑھانے کی فکر میں رہنا دھرم
ہے۔ میں ان سب باتوں کو جانتی ہوں۔ مگر نتیجہ کار بد کا کار بد ہے
تم اپنے راج کو بڑھاؤ۔ اپنا رعب وداب جماؤ۔ دشمنوں کو مغلوب
کرکے ان کا ملک چھین لو۔ مگر انصاف کو ہاتھ سے نہ دو۔" یہ کہہ کر بملا
اٹھی اور قریب تھا کہ وہ نفرت سے دوسرے کمرہ میں چلی جاتی۔ مگر
سر پال نے ہاتھ پکڑ کر کہا "و بملا تو استریوں میں مبارک ہے میں تیری
رائے سے بالکل متفق ہوں آج نہیں پرسوں سوچ سمجھ کر اس کا جواب
لکھوں گا۔ تم خاطر جمع رکھو۔ بملا کا شوہر کبھی کوئی ایسا کام نہ کریگا جو
دنیا میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے" بملا نے اپنے شوہر کا
ہاتھ پکڑ لیا اور اس کی باتوں کو سنکر خوشی ظاہر کی ؛

دوسرے دن بملا نے خود بھوبڑ کے نام خط لکھوایا جس کا مختصر
مضمون یہ تھا "مہاراجن! آپ نے جس خیال کو پیش نظر رکھکر میرے
ساتھ مہربانی کا سلوک کرنا چاہا ہے۔ میں اس سے ناواقف نہیں ہوں
آپ کی مہربانی کی قدر کرتا ہوں۔ مگر جو چیز سرپال یا اس کی فوج کو اپنا
مددگار بنا سکتی ہے۔ وہ صرف دھرم ہے۔ آپ جانتے ہیں جے سنگھ کے
ساتھ میرے کیا تعلقات ہیں اور یہ آپ کے خاموش رکھنے کیلئے کافی تھے"
جس وقت یہ خط مہبر بھوبڑ کے سپہ سالار نے پڑھا اس کو سخت

بیچاپ ہوا۔ اُس نے خط لیکر اپنے راجہ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اور اُس نے اس دفعہ کثیر فوج لیکر خود پنجاسر پر حملہ کیا۔ بدفعات لڑائیاں ہوتی رہیں۔ جن میں سر پال اور جے شنکھر کی فوج کو ہمیشہ شکست ملتی رہی آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ جے شنکھر کے دل سے گجرات میں حکومت کرنیکی ہوس ہمیشہ کیلئے دور ہو گئی۔ ساری فوج کٹ گئی۔ صرف چند منتخب و جانباز آدمیوں کی جتھا ساتھ رہی۔ یہ کچھ عرصہ تک اپنے راجہ کیلئے جان دیتے رہے۔ آخر جب یہ سب مر گئے۔ جے شنکھر اور سر پال کو اپنی رانیوں کی جان بچانے کی فکر پڑ گئی۔

جے شنکھر کی رانی حمل سے تھی۔ اس نے ایک دن دشمنوں سے گھر جانے کے بعد سر پال سے کہا "اب وقت نازک ہے۔ تم ہماری اور مہارانی کو جنگل میں کسی پوشیدہ جگہ میں لیجا کر چھپا آؤ۔ ایسا نہ ہو ان کو تکلیف دیجائے" اور سر پال نے دونوں کو گھوڑوں پر سوار کر کے چند آدمیوں کے ساتھ جنگل کا راستہ لیا اور اس کے ساتھ دس یا بیس بھیل تھے۔ جو راج بھگتی کے لئے ہمیشہ سے مشہور ہیں۔ اُس نے عورتوں کو لے جا کر ایک گھنے جنگل میں بھیلوں کے حوالہ کیا۔ اور آپ پھر لڑنے کے لئے واپس روانہ ہوا۔ مگر راہ میں خبر ملی "جے شنکھر نے لڑ کر میدان میں جان دی اور پنجاسر کے قلعہ پر بھی دشمنوں کا قبضہ ہو گیا" اس خبر نے اس کے حواس باختہ کر دیئے۔ وہ اسی وقت پھر جنگل کی طرف لوٹا تاکہ خود رانیوں کی حفاظت کر سکے۔

مگر جس وقت سر پال رانیوں کو چھپانے کے لئے جنگل کی طرف جا رہا تھا۔ بھوبڑ کے جاسوسوں نے اس کو دیکھ لیا تھا۔ اور بھوبڑ کا ساجکمار کرن نظر بچاتا ہوا۔ اس کے گھوڑے کے سم کے نشان کی

مدد سے تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گیا جہاں مصیبت زدہ رانیاں تھیں۔ بھیلوں کی تعداد قلیل تھی۔ وہ اس کا کیا مقابلہ کر سکتے؟ مگر جب ان کو معلوم ہو گیا کہ کرن اپنے آدمیوں کے ساتھ اس طرف آرہا ہے انہوں نے جلدی سے حاملہ رانی کو تو ایک کھوکھلے درخت کے تنہ میں بٹھا کر چھپا دیا۔ مگر بملا کو موقعہ نہیں ملا کہ وہ اس جگہ سے چلی جاتی۔ اتنے میں تعاقب کرنے والی جماعت وہاں پہنچ ہی تو گئی۔ بھیل بملا کے چاروں طرف ہو گئے۔ تلوار سے تلوار بجنے لگی۔ مگر دو چار دس آدمی ایک ہجوم کے ساتھ کیا لڑ سکتے ہیں! وفادار بھیل ایک ایک کر کے مارے گئے۔ صرف ایک آدمی ان میں سے مصیبت کا واقعہ سنانے کے لئے بچ رہا تھا۔ دشمنوں نے بملا کو گھیر لیا۔ وہ اپنی بے بسی کی حالت کو دیکھ کر خوف میں آگئی۔ اس بیچاری کے ہاتھ میں تلوار نہیں تھی۔ چاہا کہ کسی بھیل کی تلوار اٹھا کر اپنے کلیجہ میں بھونک لے اور اس طرح ننگ و ناموس کو بچالے۔ مگر کرن اس کے ارادہ کو بھانپ گیا۔ تلوار اسی وقت چھین لی گئی۔ بملا پر رنج و مایوسی کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس کی آنکھ سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہوا۔ کرن اس کے حسن کو حیرت سے کھڑے دیکھتا رہا اور اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کہ یہ بملا ہے! کیونکہ بملا کا حسن خود اس کی شخصیت کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے مخاطب ہو کر کہا "سندری! یہ رنج فضول ہے۔ اب تو میرے ہاتھ میں ہے"! بملا نے کہا "یہ بتا دے میرا شوہر کہاں گیا۔ وہ کہاں گیا جو اپنی استری کی حفاظت نہیں کرتا"؟ کرن نے جواب دیا آپ تم اس کا خیال چھوڑ دو ... "طرف دیکھو"! کسی نیک استری

کے لئے ان باتوں سے زیادہ اور کوئی چیز دکھدائی نہیں ہوتی۔ اس کی آنکھیں غصّہ سے لال ہوگئیں۔ اس نے اپنا ہاتھ منہ کی طرف کیا اور کرن نے اسی وقت اس کی انگلی سے الماس کی انگوٹھی چھین لی۔ اور کہا "ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا۔ یہ پیاری پیاری جان اس طرح دنیا سے رخصت نہیں ہوسکتی"۔

کرن نے بملا کو گرفتار کر کے ایک محل میں اُتارا اس کی محافظت و نگرانی کے لئے ہوشیار عورتیں مقرر کیں تاکہ یہ خودکشی نہ کرسکے۔ وہ خود اس کے پاس روزانہ آتا۔ اظہار تعشق کرتا۔ اور جواب میں لعنت و ملامت کے الفاظ سُنکر سرنگوں ہو کر واپس جاتا۔ ایک روز اس نے سماجت و لجاجت کے لہجہ میں کہا "میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ جس طرح آپ کی مرضی ہو ویسا کیجئے میں قسم کھاتا ہوں۔ میری طرف سے کبھی سختی نہ کی جائیگی۔ صرف مجھ کو اپنا غلام سمجھئے" اور قبل اس کے کہ بملا اس کی باتوں کا جواب دیتی وہ سر جھکا کر چلا گیا۔

کرن گو نوجوان تھا۔ مگر دل میں اس قدر تیزی نہیں تھی۔ اس نے سوچا اب یہ کہاں جاسکتی ہے۔ وقت اس کے خیالات میں تبدیلی پیدا کردیگا۔ اور میری خدمات اپنے اثر سے خالی نہ رہینگی۔ مگر وہ غلطی پر تھا۔ ستی بپت ورت استریوں کے ست بھنگ کرنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔ یہ استقلال یہ ہمت اور یہ وفاداری کس میں ہوسکتی ہے! پھر ایشور ایسے نیک بختوں کا حامی رہتا ہے۔ وہ کئی روز کے بعد آ کر پھر اسی لہجہ میں گفتگو کرنے لگا۔ بملا کہنے لگی "پہاڑ چاہے زمین دوز ہو جائے۔ سمندر خشک

ہوکر ریگستان بن جائے۔ سورج مشرق کے عوض مغرب سے نکلنے لگے۔ چاند اپنے خواص کو چھوڑ کر آگ برسانے لگے۔ مگر نرملا کبھی اپنے ست سے منحرف نہ ہوگی۔ کچھ پروا نہیں بسک بسک کر دم نکل جائے۔ ہزاروں مصیبتیں سر پر پڑیں۔ مگر نرملا نے اپنے پران پتی کے ساتھ جو عہد کیا ہے اُسے فراموش نہ کریگی کرن! تو راجپوت ہے۔ میں دیکھتی ہوں تجھ میں نیک اوصاف بھی ہیں۔ لیکن اس جنون سے باز آ اور اب کرن کو یقین ہو گیا۔ کہ "یہ عورت جب تک سرپال کے مرنے کی خبر نہ سن لیگی۔ میری طرف مطلق التفات نہ کریگی۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہے کسی نہ کسی دن وہ خود آکر مجھ کو بلا لیجائیگا" اور اس نے غریب کے ستانے کے لئے ایک اور تدبیر سوچ نکالی۔

چنانچہ راجہ کے محل کا ایک راجپوت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ بے حد درجہ کا خود غرض اور بد باطن تھا۔ یہ روزانہ نرملا کے پاس آجایا کرتا تھا۔ اور ہمولی کی صحبت نے نرملا کو اس سے مانوس کر رکھا تھا ایک دن وہ روتا ہوا محل میں آیا۔ نرملا نے پوچھا "تجھ پر کیا آفت آئی جو اس قدر بلاپ کر رہا ہے؟" مکار راجپوت بولا "بائی! کیا کہوں۔ راجہ تو ہمارا مر ہی چکا تھا۔ جنگل میں درندہ شیر نے سرپال کا کام بھی تمام کر دیا" اس خبر نے نرملا کے دل کو سخت صدمہ پہنچایا۔ "بھائی! تو کیا کہتا ہے؟ کیا سچ مچ سرپال نے اس سنسار سے کوچ کر دیا؟" اور جب راجپوت نے کہا "کہ ہاں ایسا ہی ہوا ہے" تو وہ دیوی اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔

کہو یہ قافلہ والوں سے ہم بھی آتے ہیں
چلے نہ جاؤ خدا را قدم بڑھائے ہوئے

پران ناتھ! تم نے اتنی جلدی کر دی بملا کو آخری درشن بھی نہیں دیا۔ کچھ غم نہیں جس امید پر بملا جیتی تھی اُس کا رشتہ کٹ گیا" اور اُس نے راجپوت سے کہا "بھائی! تو جے شنکر کا نمک خوار و میرا قومی بھائی ہے۔ جا۔ ابھی ابھی چتا بنانے کا انتظام کر دے۔ اور اپنے اس آخری فرض سے سبکدوش ہو جا۔ بملا آج ہی اپنے شوہر کے ساتھ ملنے کے لیئے جائیگی"۔

راجپوت کا دل ان باتوں کو سنکر کانپ اُٹھا۔ اُس نے کرن کو جا کر سارا حال کہہ سنایا وہ آیا اور سنسار کی بے ثباتی کو بیان کرتے ہوئے آخری دفعہ اس سے کہا "نیکبخت تو بہت دھرماتما ہے۔ مگر یہ خودکشی آتم گھات" ہے اس سے باز آ۔ کرن کو اپنا غلام سمجھ۔ اس کی خدمت تیرے دل سے اس رنج کو محو کر دیگی"۔ اور بملا نے غصے سے جواب دیا "بدذات بیجا یہ کیا گفتگو ہے! اب تک تیری آنکھیں نہیں کھلیں۔ تو نہیں جانتا۔ سیتا کو نظر بد دیکھنے کی وجہ سے راون کا کُل ناش ہو گیا۔ دروپدی کی بے عزتی نے کورو خاندان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ رینو کی آنسوؤں نے اکیس مرتبہ پرسرام کے ہاتھ سے کشتریوں کو غارت کرایا۔ مورکھ اگیانی! تو اس خام خیالی سے باز آ۔ پرائی استری کو نظر بد سے دیکھنے والا پُرش برباد ہو جاتا ہے۔ زبان کو اپنے اختیار میں کر۔ ورنہ تیری بھی سخت درگتی ہو جائیگی"۔ کرن سا بہادر کشتری ان لفظوں کو سنکر خوف میں آ گیا۔ وہ تھرا اٹھا مگر دل کی لگی بُری ہوتی ہے۔ اس نے سوچا "کیا عجب چتا کی مشتعل آگ دیکھ کر یہ گھبرائیگی اس وقت میرا کہنا مان جائیگی"۔

بملا کی آنکھوں میں خون بھر آیا۔ چہرہ غیر معمولی نور سے چمکنے لگا۔

اب وہ نازک بدن عورت نہیں رہی تھی۔ اس کو کسی کا خوف باقی نہیں رہا تھا۔ وہ محل سے خود بخود باہر نکل آئی۔ اس کے حکم سے لکڑیوں کا انبار اکٹھا کیا گیا۔ سارے علاقہ میں دھوم مچ گئی۔ بملا تیسرے پہر ستی ہوگی اور جوق جوق آدمی دیکھنے کے لیے چاروں طرف سے آنے لگے۔ نمک حرام راجپوت وکرن دونوں کا دل دھک دھک کرتا تھا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح چتا نہ تیار کی جائے۔ بملا سے کہہ دیا جائے کہ سُرپال نہیں مرا مگر ہمت نہیں پڑتی تھی اور ستی کی قوت ارادی اُن سے اس طرح کام کر رہی تھی جیسے شعبدہ باز کے ہاتھ کی کٹھ پتلی ناچتی ہے ؛

اب آپ کچھ سُرپال کا بھی حال سن لیجیے۔

پنچا نم راج کی موت کی خبر سنکر وہ جنگل کی طرف آئیں آیا ساتھیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ رانیوں کا کہیں پتہ نہیں۔ یا ایشور! یہ کیا ماجرا ہے ایک طرف تو راجہ مارا گیا۔ کیا اب استری بھی ہاتھ سے جائیگی!

اتنے میں ایک بھیل نظر آیا۔ اس نے کہا "راجکمار! یہ تیرے ساتھی ہیں جنہوں نے اپنے نمک کا حق ادا کیا۔ رانی تو بچ گئی۔ جنگل میں محفوظ ہے۔ مگر بملا کو کرن کے آدمی پکڑ لے گئے۔ میں نے اس واقعہ سے آپ کو خبر دینے کے لیے جان بچائی تھی۔ اور چونکہ میں بملا کی رکشا میں پران نہیں تیاگ سکا تھا۔ ادھرم کی راہ میں پڑ گیا تھا۔ اب اس شریر کو زندہ نہ رکھونگا" یہ کہہ کر اس نے اپنے کلیجہ میں کٹار بھونک لی اور وہاں ہی ڈھیر ہو گیا۔ گو یہ بھیل جاہل تھے۔ مگر جن کو اپنے فرض کا ایسا پیار ہو۔ جو استریوں کی حمایت کے دھرم کو اس طرح سمجھتے ہوں وہ لاکھوں پڑھے لکھے آدمیوں سے اچھے ہیں!

سُرپال نے جھک کر حیرت سے بھیل کو دیکھا۔ زخم کاری لگ گیا تھا۔ اس نے چاہا کسی طرح یہ ہوش میں آئے۔ مگر دیکھتے دیکھتے وہ وہاں ہی ٹھنڈا ہو گیا۔

بملا کی گرفتاری کی خبر سے اس کے تلوؤں میں آگ لگ گئی۔ وہ اس کی تلاش میں نکلا۔ کلیانی نگری کے ادھر ادھر تبدیل لباس کئے وبھیس بنائے ہوئے گھومتا رہا کہ کہیں پران پیاری کا پتہ لگے استریوں سے مل ملا کر وہ برابر پتہ لیتا رہا۔ مگر اب تک اس کو چھوڑانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ایک روز اس نے گاؤں کے آدمیوں کو کہتے ہوئے سنا کہ آج ملتان کی رانی چتا میں جلائی جائیگی۔ کیونکہ سُرپال کے مرنے کی خبر سُنکر وہ اب زندہ نہیں رہنا چاہتی ہے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اب ستی ہونے میں صرف گھنٹوں کا دقفہ رہ گیا۔ ہائے سُرپال! تو کیا کر سکتا ہے تو شہر سے بہت دور ہے کیسے اتنا فاصلہ طے کر کے پہنچیگا۔ اور پھر بھی دشمنوں کے ہاتھ سے خود کس طرح جانبر ہو سکیگا!

تیسرے پہر کا وقت ہے۔ لکڑیوں کا انبار لگ چکا ہے اُس کی چوٹی پر ایک شکیل سندری مُکلف لباس پہنے ہوئے بیخوفی سے بیٹھی ہوئی ہے وہ عام ہندو عورتوں کی طرح ایشور سے دعا مانگ رہی ہے پرماتمن! تیری جے ہو۔ پربھو! جب جب میں سنسار میں آؤں۔ سُرپال میرا پتی ہو۔ میں اس کے قدموں کی دھولی کو آنکھوں سے لگاؤں۔ پتی سیوا کی عزت مجھے ہمیشہ نصیب ہو" پرارتھنا کے بعد شہر کی عام مرد و عورتیں ستی کے پاؤں چھونے کے لئے اور اس کے ہاتھ سے سپاری وغیرہ پانے کی ہوس میں آگے بڑھتی ہیں۔ ایک قسم کا بلڑ مچ جاتا ہے۔ بملا سب کو پرساد تقسیم کرتی ہے۔ اس رسم کے ادا

ہونے کے بعد چتا کے جلانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اگنی سنسکار کا سمے آگیا ہے۔ وہ دیکھو آگ لگ گئی۔ حاضرین میں ایک طرح کا جوش برپا ہوگیا۔ اتنے میں دور سے آواز سنائی دیتی ہے! خبردار! خبردار! جلدی نہ کرو۔ اور ایک تیز شہسوار گھوڑے پر چڑھا ہوا۔ ہوا سے باتیں کرتا ہوا دوڑا چلا آرہا ہے۔ خبردار! خبردار! جلدی نہ کرو۔ وہ یکبارگی چتا کے قریب پہنچ گیا۔ گھوڑے سے اتر کر ایک چھلانگ ماری اور بملا کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر چتا سے باہر لا کر رکھ دیا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی۔ یہ کون شخص ہے۔ جس نے ایک جلتی ہوئی ستی کو اس طرح چتا سے الگ کردیا۔ بملا خود حیران ہے! سب دم بخود ایک دوسرے کو تاک رہے ہیں۔ اتنے میں ستی دیوی کی نگاہ اس مرد پر پڑی۔ وہ پران پتی! پران پیارے! اور پھر دوسرے لمحہ میں بملا سرپال کے گلے سے مل کر رونے لگی۔

یہ واقعہ لمحوں کے تھے۔ بیان کرنے میں زیادہ دیر لگتی ہے۔

سرپال نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں سرپال ہوں۔ کرن! تو نے یہ کیا کیا؟ جہاں ایسا ادھرم ہو۔ کیا وہ دیش کبھی سرسبز ہو سکتا ہے؟

صرف یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلنے پائے تھے۔ کہ اس ہجوم میں شور برپا ہوگیا۔ پکڑو۔ پکڑو۔ گرفتار کرو۔ جانے نہ پاوے۔ مگر مستقل مزاج شہسوار اسی وقت دیکھتے دیکھتے گھوڑے پر کود گیا۔ بملا کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ ہر چند دشمنوں نے تعاقب کیا۔ مگر سب بے سود! وہ اپنے جنگلی مسکن میں آیا۔ جہاں چھے شکھر کی رانی رہتی تھی اور یہاں آکر اس نے آرام کیا۔

نہ صرف پنجا سر پر دشمنوں کا قبضہ ہوگیا۔ بلکہ ملتان بھی سرپال

کے ہاتھ سے نکل گیا اور سُرپال کو مجبوراً کچھ عرصہ تک جنگل میں رہنا پڑا۔ یہاں مرد و عورت دونوں نے اپنی مصیبتیں بیان کیں اور ایشور کی مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے احسامندی کے آنسو بہائے

ہمت و استقلال والے آدمی ایشور کی کرپا سے کبھی نراش نہیں ہوتے۔ سُرپال نے آہستہ آہستہ بھیلوں کی فوج اکٹھا کی اور دشمنوں کو اپنے مُلک سے باہر نکال کر پھر ملتان میں راج کرنے لگا۔

جنگل میں روپ سندری رجے شکھر کی رانی، کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کی پہاڑ کی وادیوں میں پرورش کی گئی۔ یہ بھی عمر پاکر حوصلہ و مستعدی کے ساتھ بھیس بدل کر عرصہ تک اپنے راج کے حالات معلوم کرتا رہا۔ آخر سُرپال کی مدد سے وہ بھی اپنے موروثی سلطنت پر قابض ہوگیا اور ان سب کے پھر اچھے دن پھرے۔

بملا نے کرن کی قید میں اپنی تندرستی خراب کر لی تھی۔ اس کا جسم روز بروز گھلتا گیا۔ آخر ایک دن اس نے دوپہر کے وقت اپنے شوہر کو بلا بھیجا "سُوامی! آج میرا اس دنیا سے کوچ ہوگا۔ میری قسمت میں بدا تھا کہ میرے شریر کا داہ کرم تمہارے ہاتھ سے ہو۔ اسلئے ایشور نے مجھے جلتی چتا سے بچا لیا تھا۔ اور میں سچ مچ بھاگوان ہوں۔ کیونکہ آپ کے سامنے سنسار سے جاتی ہوں آپ میرے لئے کچھ سوچ نہ کرنا۔ دنیا میں ہم لوگ ایسے ہی جیتے مرتے رہتے ہیں ایشور کرے جب جب میں پیدا ہوں۔ تمہارے ساتھ بیاہی جاؤں! لو! اب میں جاتی ہوں رام رام!"

اس قدر کہنے کے بعد اس کی زبان بند ہوگئی۔ آنکھ کی پتلی پھرنے لگی اور تھوڑی دیر میں بملا کا جسم ٹھنڈا ہوگیا۔ سُرپال کو سخت رنج ہوا

مگر کوئی کیا کرسکتا ہے!

سادھوی ہملا! تو دھنیہ تھی! اب ہم میں تیرے ایسی نیک و پت ورتا استریاں کہاں ہیں!! جب اچھی ماتائیں نہیں ہیں تو کوئی ہندوستان میں کیسے اچھی اولاد کی امید کر سکے!

ان دیویوں سے خالی یہ بُت خانہ ہوگیا
ڈیوڑھی اور اس خانہ بھی ویرانہ ہوگیا
مسمار اپنی ہستی کا کاشانہ ہوگیا
خالی بہادروں سے جلو خانہ ہوگیا
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے بادِ بہاری نکل گئی۔

(۴) بھوگ وتی

نیک و بد میں دیکھ لو تم فرق ہے دن رات کا
گھر میں گر ہو لکشمی پھر خوف ہے کس بات کا

بھوگ وتی پورب دیس کے کسی راجہ جیراج کی لڑکی تھی۔ اس کا مزاج حد درجہ کا نیک تھا۔ اور حسن سیرت و حسن صورت دونوں میں اس کو کمال حاصل تھا۔ وید۔ پوران۔ نیائے۔ کابیہ وغیرہ سب جانتی

تھی - لوک پرلوک کی باتوں سے باخبر تھی - اورکمسنی کے زمانہ میں اکثر بوڑھی بوڑھی عورتیں استری دھرم کے متعلق اس کی باتیں سنکر دنگ رہ جاتی تھیں - بعض عورتیں کہہ دیا کرتی تھیں - بھوگ وتی تو ایسی باتیں کرتی ہے - جیسے ماں کے پیٹ سے سب کچھ سیکھ آئی ہے! بھوگ وتی مسکراتی اور سب کو اپنی باتوں سے خوش رکھتی -

اس کی خوبصورتی کا شہرہ سنکر سورسین راجہ نے چاہا کہ اگر اس کے لڑکے ناگ راج کا بیاہ بھوگ وتی سے ہوجائے تو اچھا ہے - ایک نیک بہو گھر میں آجائیگی - ناگ راج اسم بامسمٰی تھا جتنی ہی بھوگ وتی حسین تھی اتنا ہی یہ بدصورت تھا - مزاج کا چڑچڑا - بدمزاج - کالا کلوٹا - آبنوس کا کندہ بنا ہوا تھا - اس کی شادی حسین بھوگ وتی سے کرنا گویا طوطی را بازاغے درقفس کردن کا مضمون تھا - پہلے تو یہ ارادہ یوں ہی کمزور سا تھا - مگر بڑوں کی بات - جب راجہ مہاراجہ ضد پر آجاتے ہیں تو اپنی ٹیک پوری کرکے چھوڑتے ہیں - جیراج نے راجہ کو سمجھایا - مگر سورسین نے ایک نہ مانی - چاہے کچھ ہوجائے - بھوگ وتی ضرور ناگ راج سے بیاہ دیجائے - انکار میں کشت و خون کا خوف تھا - سورسین کے پاس فوج بہت تھی - جے راج بیچارہ کمزور تھا - اس میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی - آخر مجبور سنگ آمد سخت آمد - غریب نے اپنی بیٹی دینی منظور کرلی -

کہتے ہیں کہ ناگ راج کی بدصورتی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ اس کو اپنے سسرال میں جانے سے عار تھا - یہ خیال تھا - کہ مبادا کہیں کسی کی زبان سے کوئی کلمہ نہ نکل جائے - اور پھر اس کے غصہ کی آگ مشتعل ہوجائے - اس لئے روایات و نیز نوشتہ جات کہتے ہیں کہ

اس نے شادی کے لئے تلوار بھیجدی تھی۔ راجپوتوں میں پہلے شاید
ایسا رواج رہا ہوگا۔ وہ اپنی شخصیت کا قائمقام تلوار کو سمجھتے ہونگے
اور اسی تلوار کے ساتھ قابل رحم بھوگ وتی کے پھیرے ہوگئے۔
شادی ہونے کو تو ہوگئی۔ مگر سورسین اور اس کی رانی بھوگ وتی
کو دیکھ کر اکثر رو پڑتے تھے۔ یہ نیک بخت جس روز سے شوہر کے گھر
آئی ساس سسر اور تمام لونڈی باندیوں کو اپنی خوش کلامی اور دلجوئی
سے خوش رکھتی۔ سورسین کی رانی بھوگ وتی کو ناگ راج کے پاس
جانے نہیں دیتی تھی خوف تھا کہیں اس کی شکل دیکھ کر وہ ڈر نہ جائے
اور وہ اس کے شوہر کا ذکر کرتے بھی شرماتی تھی۔ اس طرح بہت دن گذر
گئے۔ بھوگ وتی حیران تھی کہ یہ شادی کیسی ہے! اس کو تعجب تھا۔
مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ عملاً شوہر سے وہ علیحدہ رکھی جاتی ہے۔
اس کو سخت افسوس ہوا اور آخرکار اس نے ساس سے عرض کیا کہ
تمہارا خوف بالکل بیجا ہے۔ میں کمسن بچہ نہیں ہوں آخر تم کب تک
اس طرح کا خیال کروگی مجھے ذرا بھی فکر نہیں ہے"۔ ساس نے بہو کو
گود میں لیکر ہمدردی کے آنسو بہائے۔ "بیٹی! کیا کہوں میرا پتر تیرے
لائق نہیں ہے۔ نہ صرف اس کی صورت شکل ڈراونی ہے۔ بلکہ اس کے
عادات مکروہ ہیں۔ کیسے طبیعت گوارا کرے کہ تجھے ایسی دیوی کو اس
کے پاس بھیجوں"۔ بھوگ وتی نے ساس کے پاؤں کو چھو کر کہا "ماتا!
استری پرش کا سنبندھ آپ سمجھتی ہو۔ استری اپنے پرش کی اردھانگی
ہے۔ میری نظر میں وہ قابل پرستش ہیں۔ میں کس طرح خوف یا نفرت
کروں۔ پرماتما نے کچھ سوچ سمجھ کر اس قسم کے سنبندھ کو پیدا کیا ہے
آپ سایہ کو کب تن سے جدا رکھ سکتی ہو۔ سایہ جسم سے کبھی بھی

جدا نہیں ہوتا۔صرف اندھیرے میں نظر نہیں آتا۔میں تو اسیوقت سے اپنے پتی کی داسی ہو چکی جب سے میں نے پرتگیا کی ہے۔آپ ذرا بھی تامل نہ کرو۔مجھے پتی کی سیوا سے نہ روکو۔" رانی کو بھوگ وتی کی بات سنکر تعجب ہوا۔اس نے ساری باتیں راجہ اور پھر اپنے لڑکے کو سنائیں۔اور آخر الذکر کو اپنی بیاہتا بیوی سے ملنے کے لئے تیار کیا۔

بھوگ وتی نہایت شردھا و بھگتی سے اپنے پتی کے پاس گئی۔ اور اس کو خدمت سے راضی کر لیا۔غریب ناگ راج کو بد صورت ہو مگر اوروں کے برتاؤ نے اس کو اور بھی برانگیختہ خاطر بنا رکھا تھا۔وہ دل ہی دل میں کل دنیا سے نفرت کرنے لگا تھا۔اس کی زندگی وبال جان تھی۔کوئی ایسا بھی ساتھی یا دوست نہیں تھا جس سے وہ اپنے دل کا حال کہتا یا اس کی ہمدردی حاصل کرتا۔بھوگ وتی کے غیر معمولی حسن و برتاؤ کو دیکھ کر وہ دل ہی دل میں پہلے شرمندہ ہوا کرتا تھا۔ آخر اس دیوی نے اپنی خوش سلوکی سے اس کی جھجک کو دور کر دیا۔ اور وہ اس نیک رانی کی صحبت کو سورگ سمجھنے لگا۔اس کی کائنات بھوگ وتی بن گئی۔اور اس جمیلہ کے فیضان صحبت کا یہ اثر ہوا کہ اس کی عادات و حرکات میں سخت تبدیلی واقعہ ہو گئی۔ناگ اب آدمی بن گیا۔ایک روز راجکمار پوچھنے لگا "سنتی! مجھ سے سب ڈرتے و نفرت کرتے ہیں۔تو کیوں نہیں ڈرتی؟" اس نے کہا "کوئی اپنی خاص ذات سے نفرت نہیں کرتا۔تم میرے لئے دیوتا ہو۔ میرے پران پتی ہو۔میرے سب کچھ ہو۔میں تم سے نفرت کر کے کہاں جاؤنگی۔جن لوگوں کو تم سے نفرت ہے وہ تمہارے اندر کے گنوں کو نہیں جانتے۔میں سمجھتی ہوں اور ان کی قدر کرتی ہوں"

ان باتوں کو سنکر ناگ سا سخت مزاج آدمی جھکا - کہ اپنی بیوی کے پاؤں کو چھو کر احسا مندی جتلائے - مگر اس نے ہاتھ پکڑ کر کہا "مجھے کیا نرک میں دھکیلو گے" غرضیکہ اس طرح رات دن اس کے ساتھ رہ کر بھوگ وتی نے اس کو کچھ کا کچھ بنا دیا - ماں باپ حیران کہ کیا تبدیلی آ گئی! پہلے سورسین کا ارادہ تھا - کہ اس کے بعد تخت و تاج کا مالک دوسرا لڑکا ہوگا - مگر جب اس کی دبی ہوئی ذاتی قابلیت موقع پا کر ابھرنے لگی - اور وہ خاموشی سے اپنی لیاقت کا اظہار کرنے لگا - راجہ کو خیال ہوا وراثت سے محروم کرنا سخت ظلم ہوگا اور اس لیئے اپنے جیتے جی اس نے ناگ کو تخت پر بٹھا کر خود جنگل کا راستہ لیا - ناگ نے بڑی عمدگی سے باپ کے بعد راج کاج کو سنبھالا - رعیت شاد تھی - ملک آباد تھا - رانی بھوگ وتی اس کی مشیر تھی - منجھلا بھائی اگرچہ دل ہی دل میں کڑھتا تھا - کہ برخلاف امید وہ تخت سے محروم کیا گیا مگر رانی اس کے اور نیز راجہ کے اور بھائیوں کے ساتھ اس طرح خوش سلوکی سے پیش آتی تھی - کہ وہ اپنی ماں کی مہربانیوں کو بھی بھول گئے تھے ؛

انسان کی ظاہری شکل و صورت پر اندرونی خیال کا بہت اثر پڑتا ہے - دیکھو ایک شانت چت والے نیک آدمی کی صورت کیسی ہے اور پھر ایک غصہ ور کی طرف نگاہ کرو - جس کے ہونٹ کانپ رہے ہیں - دونوں تصویریں تم کو بتا دینگی کہ آدمی کی طرف خیال کی طاقت سے دم کے دم میں کیا بن جاتا ہے - اور جب یہ حالت دیر تک قائم رہیگی تو کیا اثر ہوگا - کسی بدصورت آدمی کو کہو تو نیک بن جا - تیرے خیالات نیک ہوں - نیکوں کی صحبت اختیار کر - سونے و بیٹھنے کے

کمروں کو خوبصورت و نیک آدمیوں کی تصویروں سے آراستہ کرلے
اس کا نتیجہ کچھ دنوں بعد یہ ہونے لگیگا کہ اس کے خال وخط میں بھی
فرق آجائیگا۔ انسان کی جسمی بناوٹ میں جہاں اس کی غذا کا اثر
ہوتا ہے۔ وہاں اندرونی خیالات بھی کم موثر نہیں ہوتے کہا جاتا ہے
ہر ساتویں برس انسان کے جسم کی ساری ہڈیاں۔چمڑا۔خون بدل جاتا
ہے۔ مگر ہم سے ایک سادہو کہتا تھا کہ یہ تبدیلی صرف سال دو سال
کے اندر آجاتی ہے۔ بھوگ وتی نے اس قدرتی قانون کی مدد سے
اپنے شوہر میں تبدیلی پیدا کردی اور وہ بڑا دھرماتما راجہ بن گیا۔
ایک مرتبہ ناگ راجہ کے دل میں گوداوری کی طرف جاکر تفریح
کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے بھوگ وتی کو بھی ساتھ لیا۔ اور
وہاں کچھ عرصہ تک ٹھہر کر رشیوں کے ست سنگ سے مستفید
ہوتا رہا۔ یہاں اس کی شکل وصورت میں اور بھی تبدیلی پیدا ہوگئی
جب وہ اُدھر سے واپس آیا۔ بھائی نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر رکھا
تھا۔ تخت کی ہوس نے اس کو دیوانہ بنادیا تھا شہر سے کچھ فاصلہ پر
راہ میں اس نے ناگ راجہ کے ساتھ مزاحمت کی۔ راجہ کو یہ نمک حرامی
دیکھ کر غصہ آیا۔ قریب تھا۔ کہ لڑائی کی نوبت آجائے۔ ہر دو طرف
خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ناگ راجہ نے دل میں ٹھان لی تھی کہ
مرتد و نمک حرام کو بغاوت کا مزہ چکھایا جائے جس وقت وہ گھوڑے
کو ایڑ لگا کر بھائی کے مقابلہ میں آیا۔ اور اُدھر سے وہ بھی مرنے مارنے
پر مستعد تھا۔ اتنے میں خیمہ کی طرف سے ایک نازک بدن عورت دوڑتی
ہوئی آکر دونوں گھوڑوں کے درمیان کھڑی ہوگئی "میں تم کو کبھی لڑنے
دوں گی۔ اگر ضرورت ہو تو پہلے عورت پر ہاتھ چلاکر پھر ایک دوسرے

کا خون خرابہ کرو"
ان سیدھے سادھے لفظوں نے جادو کا اثر کیا۔ چمکتی ہوئی تلواریں گو میان میں نہیں گئیں۔ مگر نیچے کی طرف جھک گئیں۔۔ دونوں حیرت سے اُس استری کو دیکھنے لگے۔ یہ بھوگ وتی رانی تھی۔ اس نے دیور کی طرف متوجہ ہو کر کہا" بھائی! اس لڑائی جھگڑے کا کیا مطلب ہے کیا تم راج چاہتے ہو؟ اگر یہ بات ہے تو تم نے پہلے کیوں نہیں ظاہر کیا۔ تم غلطی کر رہے ہو۔ بڑے بھائی کو مار کر تم کو چین نہ ملیگا۔ رعایا تم کو زندہ نہ چھوڑیگی۔ اس کے سوا اس لڑائی میں تم کو کب فتح کی امید ہو سکتی ہے! بہتر ہے یہ تلوار کسی نیک و بہتر کام میں استعمال کیجائے"۔ یہ کہکر وہ اُسی وقت شوہر کی طرف مخاطب ہوئی" پران پتی! بھائی قوت بازو ہے۔ لعنت ہے اس راج پر جو بھائی کے خون کے معاوضے میں ملے۔ بھائی بہت بڑی نعمت ہے۔

سلف سے عالموں نے اے ہنرور
کہا ہے قوت بازو برادر

آج گو یہ مقابلہ پر اڑا ہے مگر تمہارا چھوٹا بھائی بیٹے کے سمان ہے غلطی کی ہے جس خاندان کے بھائی قتل ہوجاتے ہیں اس کی کیا خاک بہتری ہوتی ہے۔ ان کو معاف کرو۔ لڑنے جھگڑنے کے لئے اور دشمن موجود ہیں۔ میرا کہنا مانو تلوار کو فوراً میان میں کرو"
بھوگ وتی اس طرح بات کر رہی تھی جیسے کوئی دیوتا حکیمانہ طریقہ میں حکم دے رہا ہو۔ ناگ راجہ نے اسی وقت تلوار کو میان میں کر لیا اور بھائی نے بھی اس کی پیروی کی۔ لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ جب دونوں اپنے خیموں کو واپس جانے لگے۔ بھوگ وتی نے ہم تم

میں سے کسی نے اب تک کوئی بات نہیں کی۔ میں تم دونوں سے درخواست کرتی ہوں کہ کم از کم تین دن کیلئے لڑائی موقوف رکھو"
خیمہ میں پہنچکر راجہ نے بھوگ وتی سے پوچھا کہ "اب کیا کرنا چاہیئے؟ اس نے کہا "بغیر سوچے سمجھے کوئی کام کرنا سخت غلطی ہے۔ نوجوان بھائی نہیں سمجھتا کہ اس کی بھلائی کس بات میں ہے۔ تم ایک کام کرو۔ کل دھرم وچیتر ناٹک کا تماشا کراؤ۔ اور اس کے دیکھنے کے لئے اپنے سب بھائیوں کو مع ان کے ساتھیوں کو بلا بھیجو" ایسی ہی کیا گیا اور جب تماشہ دکھانیوالے اس ایکٹ کو کرنے لگے۔ جہاں دھرو اپنے سوتیلے بھائی کے انتقام کے لئے جان دینے کو مستعد ہو گیا۔ ناگ راج کے چاروں بھائیوں سے نہ رہا گیا۔ وہ دوڑ کر ناگ راجہ کے پاؤں پر گرے "پربھو! ہم نمکحرام ہیں آپ ہمارے راجہ بھائی اور باپ ہو یہ تلوار حاضر ہے اس سے ہماری گردن مار کر پاپ سے نجات دیجیئے ناگ راجہ نے چاروں کو گلے سے لپٹا لیا۔ اور دو بھائیوں کو ایک طرف اور دو کو دوسری طرف بٹھا کر کہنے لگا " تمہاری موت میں ہماری بربادی اور تمہاری زندگی میں ہماری آبادی ہے کوئی مضائقہ نہیں میں تمہارا انتظام کر دونگا"

دوسرے دن پانچوں بھائی راجدھانی کی طرف واپس آئے راجہ رانی ہاتھی پر تھے۔ چاروں بھائی گھوڑوں پر ارد گرد سوار تھے شہر والے چونکہ اس بغاوت کی خبر سے ناواقف نہیں تھے۔ جب اس نیک نتیجہ کو سنا بڑی خوشی منائی؛

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

اس خوشی کی یادگار میں ناگ راجہ نے از سر نو اپنی تخت نشینی

کا جلسہ کیا اور بھوگ وتی کی رائے سے چاروں بھائیوں کو چار علاقوں کی صوبہ داری عطا کی۔
راجہ ورانی عرصہ تک خوشی کے ساتھ راج کرتے رہے۔ رانی کے اصل سگھڑاپا نے ناگ کے ظاہر و باطن کو بھی سگھڑ بنا دیا۔ اور دنیا ناگ راجہ کی نگاہ میں سورگ دھام بن گئی۔
سچ ہے جہاں پت ورتا استریاں ہوتی ہیں۔ وہاں آپ ہی پرماتما کی طرف سے خیر و برکت آتی ہے۔
بھوگ وتی تو دھنیہ تھی تیری بدھی متا دھنیہ تھی۔ ایشور کرے تیرے دل و دماغ کی مائیں پھر بھی بھارت کو زینت بخشیں۔

مطلوب ہو اس طرح کا طالب ہو تو ایسا
صاحب ہو تو ایسا جو مصاحب ہو تو ایسا

رباعی

لکچر میں نہیں نہ انجمن میں ڈھونڈھو
تعلیم۔ نہ وعظ و نے سخن میں ڈھونڈھو
قومی اصلاح کا جو گُر ہو مطلوب
اچھی ماتاؤں کے بچپن میں ڈھونڈھو

دیگر

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا اصلاح کا اپنے کیا سرانجام کیا؟
ناکام رہے نہ کام نکلا کچھ بھی کیا کرنا تھا ہم کو اور کیا کام کیا

دیگر

کیوں ملک میں آفت و محن ہے اب تک ویرانہ بنا یہ کیوں چمن ہے اب تک
ہم اسلئے دہر میں ہیں آوارہ و خوار سدھرا نہیں اپنا کچھ چلن ہے اب تک

اس حسن کو اس خوبی کو اس شان کو دیکھو عفت کے مروت کے تو سامان کو دیکھو
اس علم و عمل اور اس عرفان کو دیکھو اس حوصلہ اس ہمت و ارمان کو دیکھو
نقشہ کسی انسان کو اگر دے تو حق ایسا
عالم کے مرقع میں نہیں اک ورق ایسا

مریچی سکم دیس کے رہنے والی تھی جو بھوٹان و نیپال کے قریب واقعہ ہے۔ اس کے باپ کا نام لیش لال سنگھ تھا۔ جو سرحد پہ امن و امان قایم رکھنے کے لئے سرکار کی طرف سے نامور تھا۔ یہ قوم کا لیپچا تھا۔ جو اس طرف اپنی خوبصورتی کے لیے بہت مشہور ہے۔ اور یہ قوم بھی حد درجہ کی امن پسند نرم دل اور مہمان نواز سمجھی جاتی ہے۔ شاذ و نادر ہی لڑائی جھگڑے کی نوبت آتی ہے ورنہ یہ عام طور پر اپنی سلامت روی کے لئے ممتاز ہے۔ تاہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ بزدل ہیں اور انسانی خوبیوں سے محروم ہیں۔ زمانہ کے الٹ پھیر سے انسان کی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اس پر کسی کا اختیار نہیں ہے ورنہ لیپچا قوم کے لوگ جہاں بہت سے نیک اوصاف کے لئے مشہور ہیں وہاں آزادی کے بھی دلدادہ ہیں اور اکثر جان کی قیمت دے دے کر بیچاروں نے اب تک

اپنی قومی آزادی کو قائم کر رکھا تھا۔
مرپچی اس شریف قوم میں سے تھی۔ یہ حسن صورت و حسن سیرت میں کامل تھی۔ بیس برس کی عمر ہو چکی تھی۔ مگر یہ چھرپہ کے قاعدوں کی سختی کے ساتھ پابندی کرتی ہوئی اب تک اس کو دنیا کے راہ رسم سے واقفیت نہیں تھی۔ جس طرح اس کی ظاہری صورت پاکیزہ تھی۔ ویسے ہی دل بھی پاک تھا۔ اور اپنے دھرم کے موافق وہ بدھ دیو کے مندر میں رہ کر پرستش کی رسم ادا کرتی رہتی۔ اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ کے شغل میں مصروف رہتی تھی۔ لیش لال سنگھ نے ایام طفولیت سے ہی اس کی تربیت کا اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ نہ صرف بدھ مذہب کے اصول و فلسفہ سے باخبر تھی۔ بلکہ ایک ہندو سنیاسی سے ہندوؤں کے درشن اور شاستر بھی سنسکرت زبان میں پڑھ لئے تھے۔ اور اس کے پاس ہندی اور سنسکرت کی کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ وہ مندر کے ارد گرد میلوں تک چپہ چپہ زمین سے واقف تھی اور اس کا باپ اس کو قابل تعظیم برہمہ چارنی سمجھ کر عزت سے پیش آتا تھا۔ اس کے سوا کوہستانی اطراف میں یوں بھی لڑکیوں کو نسبتاً زیادہ آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اور سن شعور کے بعد مشکل سے ماں باپ ان کے بیوہاریں مخل ہوتے ہیں۔
جہاں مرپچی میں مذہبی تقدیس و دھرم کا پیار کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہاں دنیا کے مکر و فریب سے ناواقف رہ کر بھی وہ مصلحت وقت کے خیال سے اس حد تک قابلیت حاصل کر لی تھی۔ کہ ضرورت پر اپنی حفاظت کر سکے۔ پہاڑی عورتیں ہوشیار ہوتی ہیں وہ مسلح ہو کر رہتیں۔ لیکن ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں تلوار یا چھری رکھ

سکیں۔ پہلے ان میں ظلم کے برداشت کرنے کی طاقت کم تھی۔ فاقہ
کشی کی اذیت سے مر جانا قبول تھا۔ مگر اپنی آزادی دوسروں کے
ہاتھ میں دینا کبھی منظور نہیں تھا۔ اور جب کبھی کسی مفسد دل بری
نگاہ یا ظلم کے ہاتھ نے دست درازی کی عورتوں کی چھری نے اسی
وقت بدکار کے پیٹ کو چاک کر دیا۔ اور وہ سسک کر وہاں ہی
ڈھیر ہو گیا۔ سکم کی پہاڑی کنیائیں بالخصوص کبھی اس قسم کے معاملہ
میں درگذر نہیں کرتی تھیں۔ جان رہے یا جائے۔ کلنک کا ٹیکا نہ
لگنے پائے۔ نہ کوئی شخص ان پر سختی کر سکے۔ مریچی کی لڑائی ان پانچ
اندرونی دشمنوں سے رہتی تھی جو بدھ و غیر ہندو مذہب کے موافق
نہایت قوی ہیکل اور جان لینے والے ظالم ہیں۔ وہاں کی بیاہی
عورتیں چاہے بے ہتھیار ہیں۔ مگر بدھ منار کی کنیاؤں کا جوڑا چھری
سے کبھی خالی نہیں رہتا تھا اور اس لئے مریچی بھی اس قاعدہ سے
مستثنیٰ نہیں تھی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ مریچی اپنی بہن کے ساتھ گھومنے پھرنے
گئی ہوئی تھی۔ جب وہ سیر سے واپس آئی ایک انگریز اس طرف چکر
لگاتا ہوا نظر پڑا۔ مریچی اپنے گھر گئی۔ مگر انگریز نے آواز دیا اور وہ بےخوفی سے
اس کے پاس چلی آئی۔ صاحب بہادر بہت خوش ہو گئے۔ مریچی کا حسن
واس کی غیر معمولی متانت دیکھ کر رعب میں آ گئے۔ غریب عورت دو چار
منٹ کے بعد واپس جانے کو ہوئی تب صاحب نے جرأت کر کے کہا
میں اب اس دیس کی حکومت پر مقرر ہوا ہوں۔ میں تم کو بہت
پسند کرتا ہوں اور بہت خوش ہوں گا۔ اگر تم ہمیشہ میرے پاس رہو گی
مریچی خاموش۔ کچھ نہ بولی۔ تب صاحب نے مزید جرأت کر کے اس

کو لالچ و دھمکی دینی شروع کی۔ مریچی نے اس پر بھی کچھ لب نہ کھولا تب انگریز ہنستا ہوا اس کے نزدیک آنے لگا۔ مریچی اس کی حرکات دیکھ کر دم بخود پیچھے ہٹنے لگی۔ مگر صاحب نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مریچی نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور جب وہ زیادہ شرارت کی طرف مائل ہوا۔ مریچی نے ہمت کرکے کہا "دُشٹ! خبردار۔ الگ رہنا ہمارے شریر کو ہاتھ نہ لگانا! ورنہ سخت ندامت و مصیبت اٹھائیگا" صاحب دیوانہ بن گیا تھا۔ بولا "سندری! تو ہمارے مدد کی کس قدر محتاج ہے۔ تجھ کو اب کوئی میرے پنجہ سے نہیں بچا سکتا" یہ کہہ کر اُس نے مریچی کا بایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے کتنا چھوڑانا چاہا۔ مگر آخر نازک بدن عورت تھی۔ مجبور ہو کر اس نے اپنے کیس سے چھرے کو نکال کر اس بزدل کی چھاتی میں بھونک دیا "تو نہیں مانتا ہے تو لے۔ ادہم پاپی مرا۔ تیری یہی سزا ہے" اور انگریز زمین پر گر پڑا۔ مریچی بے خوفی سے اپنے گھر میں چلی آئی۔ یہ اعلےٰ درجہ کے نمونہ کی بہادری ہے جو ایک عورت اپنی عفت بچانے کے لئے عمل میں لا سکتی ہے۔ اور مریچی اس شجاعت اور بے خوفی کیلئے کس قدر شاباشی کی مستحق ہے

ستی عورتیں اسی طرح اپنے ست کو بچا لیتی ہیں۔ ہندو عورتوں کے دل میں یہ نقش ہوا رہتا ہے۔ کہ جو استری اس طرح دھرم کی رکشا کرتی ہے وہ سورگ کو جاتی ہے۔ اور اس میں مطلق شک بھی نہیں ہے

اس واقعہ کے چند روز بعد انگریز سکھ کو اپنی پالیسی کے زیر رسوخ لا کر مختلف تدبیروں سے اس کے تابع و تسخیر کرنے کی فکر میں رہنے لگے۔ اس مندر پر بھی چھاپہ مارا گیا۔ جہاں مریچی رہتی تھی کئی ایک شہسوار مسلح عورتیں اپنے دیش، و دھرم کی حفاظت کے لئے دشمنوں

سے لڑنے کے لئے نکلیں۔ مریچھی بھی ان میں سے ایک تھی میدان میں
بارہا لڑائیاں لڑی گئیں اور ان شجاع و بہادر استریوں نے خوب داد
شجاعت دی۔

ایک دن انگریز کپتان بہت سے سواروں کو آتے ہوئے دیکھ کر
متعجب ہوا۔ اس کو امید نہیں تھی کہ اس علاقہ میں اتنے آدمی اکٹھا ہو
سکیں گے۔ اس نے گھوڑے کو آگے کے لئے ایڑ لگائی اور کچھ دور نکل گیا
تھا۔ کہ گھوڑے کا قدم پھنس گیا۔ انگریز مجبور ہو کر نیچے کود پڑا اسی وقت
سنسناتی ہوئی تیر نے اس کے پاؤں کو زخمی کر دیا۔ اور وہ لنگڑانے
لگا۔ اس کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر گیا۔ اور چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کس
دشمن نے اس کو مجروح کیا ہے۔ اتنے میں ایک نوجوان عورت سپاہیانہ
لباس پہنے نظر آئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں کمان اور دوسرے میں کٹار
تھی۔ اور وہ دوڑتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ کپتان کو سخت تعجب
ہوا۔ اس نے تلوار ہاتھ میں لیکر اس سے کہا "بہادر لڑکی! میں استری
پر تلوار نہیں اٹھانا چاہتا۔ بہتر ہے تو اپنا ہتھیار ابھی رکھ دے" لڑکی
نے غصہ کے لہجہ میں جواب دیا "ظالم۔ تو نے ہمارے دھرم مندر کو
مسمار کرنا چاہا۔ اگر ذات خاص کی حفاظت کا خیال ہوتا۔ تو دوسری
بات تھی۔ اس وقت دھرم اور مندر کا سوال پیش ہے میں تجھ کو زندہ
نہ چھوڑوں گی" ابھی یہ گفتگو مشکل سے ختم ہونے پائی تھی کہ مقابل کی
سمت سے کثیر التعداد عورتیں اس طرف جھک پڑیں۔ انگریز کو جان
بچانا سخت مشکل ہو گیا اس نے امان مانگتے ہوئے کہا "دلیر لڑکی!
میں نے بیشک ادہم کام کیا۔ آج تو کرپا کر کے میری جان بچا دے"
لڑکی نے کہا "پاؤں تلے آئے ہوئے سانپ کو نہ کچلنا حماقت ہے

جاں بیت چکی ہوئے گھربار کو چھوڑ دینا نادانی ہے۔ مکار پاکھنڈی!
تو کسی طرح رحم کا مستحق نہیں ہے" صاحب نے کہا میں تمہاری شرنا گت
آیا ہوں بھکشا مانگتا ہوں۔ استری بولی "کیا چاہتا ہے جلد بتا۔ ہم لوگ
دشمنوں کے برتاؤ کو کبھی کبھی بھول بھی جاتے ہیں" اس نے کہا "یہ
بتاؤ تم کس کی لڑکی ہو؟ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ اور آجکل کی
لڑنے والی جماعت کون ہے؟" جواب دیا گیا "لڑنیوالی سب عورتیں
ہیں۔ میرا نام مریچی ہے۔ اور میرا باپ پیش پال سنگھ کہلاتا ہے"
صاحب نے تلوار کو ٹیک کر کہا "اب جو کچھ تم کو منظور ہے کرو۔
تم کو اختیار ہے" مریچی کے دل میں اس کی باتیں سنکر دیا آئی اور
اس نے کٹار کو زمین پر ٹیک کر کہا "اچھا! تم اب چلے جاؤ ہمارے
ملک میں کبھی آنے کا ارادہ نہ کرو" اور انگریز کی تلوار ہاتھ میں لیکر وہ
اور استریوں کے ساتھ مندر کو چلی گئی۔

یہ سچا واقعہ بہت پورانا نہیں ہے۔ اب تک اکثر لوگوں کو یاد ہے
اس قسم کی بہادر عورتیں اس ملک میں ہوا کرتی تھیں۔ مگر افسوس!
اب وہ نسل غایب ہوئی جاتی ہے اور کون جانے۔ پھر بھی کبھی بھارت
میں ایسی سچی بہادر و نیک عورتیں پیدا ہونگی!

رباعی

عورات کی دل سے عزو توقیر کرو
انسان ہیں یہ۔ ایسی تدبیر کرو
یہ چاہیں تو قوم کو کریں دم میں نہال
اصلاح میں ان کے اب نہ تاخیر کرو

(۶) کلاوتی

کیا خُلق ہے کیا رفق ہے کیا طرز ہے کیا شان   سیرت میں ملک کہئیے گو صورتِ انسان
اس نفس کشی ایسی وفاداری کے قربان   دینداری ہے تقویٰ ہے یہی دین ہے ایمان

رتبے میں زیادہ ملک و حور سے یہ ہیں
جلوے ہیں فزوں۔ روشنئے طور سے یہ ہیں

کرن سنگھ راجپوتانہ کے کسی صوبہ کا راجہ تھا۔ کلاوتی اس کی رانی تھی۔ جس زمانہ میں علاؤالدین خلجی جیسلمیر کو برباد کر کے چتوڑ کی طرف دوبارہ محاصرہ کرنے کے لئے آرہا تھا۔ راہ میں کرن سنگھ کے علاقہ سے ہو کر گذرا علاؤالدین مجسم قہر الٰہی تھا۔ جدھر رُخ کرتا تھا۔ اسی طرف بربادی مچ جاتی تھی۔ راہ میں جدھر سے اس کی فوج نکلتی تھی گاؤں قصبے جلا دیئے جاتے تھے۔ کھیت اُجاڑ دیئے جاتے تھے۔ اور ہزاروں معصوموں کے سر گاجر مولی کی طرح کاٹ دئے جاتے تھے۔ دو تین مغلیہ بادشاہوں کے سوا باقی تمام مسلمان بادشاہ وہ اودھم مچا گئے ہیں جن کے خیال کرنے سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ مگر وہ جو کام کر گئے مذہب کی آڑ میں کر گئے علاؤالدین کو دین اسلام سے اس قدر اُنس نہیں تھا۔ یہ خود چاہتا تھا۔ کہ کسی اور مذہب کو اپنے نام سے جاری کرے اس نے بھی اس قدر جور و ستم کیئے ہیں کہ تواریخ پڑھنے والے ہمیشہ اس کے نام کو کراہیت سے یاد کرتے رہینگے۔ یہ بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ اس نے

اپنی لوٹ مار صرف ہندوستان یا راجپوتانہ ہی تک محدود نہیں رکھی بلکہ اس کی فوج ہر چہار طرف کشت و خون کرتے ہوئے ٹڈی دل کی طرح سیت بندرامیشور تک گئی تھی اور وہاں بھی اس جور و تعدی کی یادگار میں سینکڑوں مندر توڑ کر ایک مسجد بنا آئی تھی۔

جس وقت علاؤالدین لوٹ مار کرتا کرن سنگھ کے علاقہ سے گذرا راجپوت راجہ اس کا مقابلہ کرنا مناسب سمجھ کر مزاحم ہوا سخت لڑائی ہوئی۔ راجہ کمزور تھا۔ فوج بھی بہت کم تھی۔ گو شجاعت گھٹی میں پڑی تھی۔ مگر راجپوت اتفاق و باہمی اتحاد کے فائدوں سے ناواقف ہو چلے تھے۔ اور اس لئے اس قدر بھی فوج اکٹھا نہیں کر سکتے تھے۔ جو ضرورت پر دشمن کا مقابلہ کرتی۔ تاہم کرن سنگھ نے اپنی ذاتی شجاعت و دلیری سے حریف کے چھکے چھوڑا دیئے۔ علاؤالدین کو انے گنے راجپوتوں سے ایک مہم کے راہ میں زک اٹھا کر سخت حیرت ہوئی۔ اس نے نشانہ تاک کر کرن سنگھ کو تیر مارا۔ تیر کے لگتے ہی کرن سنگھ زمین پر آرہا۔ آج کل کی طرح فوج کی شکست و فتح صرف سردار کی ذات سے وابستہ ہوا کرتی تھی۔ کرن سنگھ کے گھوڑے کو خالی دیکھ کر ڑمچ گیا۔ پیادہ و سوار سب بیدل ہوگئے۔ کرن سنگھ بیچارہ کے تو ہوش و حواس بھی نہیں درست تھے۔ مسلمان تاک میں تھے کہ کسی طرح زخمی راجہ کو گرفتار کر لیں اور وہ بےخوفی سے آگے بڑھے آرہے تھے۔ مگر خیریت یہ تھی کہ اس کی رانی کلاوتی ساتھ میدان جنگ میں آئی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو تو اسی وقت ڈولی میں سوار کیا۔ اور آپ اس کی جگہ آکر سپاہیوں کو اکسانے اور لڑنے کے لئے تحریک کرنے لگی۔ وہ خود

مسلح تھی اور اس کی کمان سے جو تیر نکلتے تھے۔ ایک دو کو بیکام کر کے چھوڑتے تھے۔ کون بزدل مرد تھا جو ایسی دلیر عورت کے زیر کمان رہکر پیٹھ دکھلاتا۔ خوب گتھم گتھا ہونے لگی۔ دم کے دم میں ہر دو طرف کے ہزاروں آدمی زمین پر لیٹ رہے۔ چند منچلے مسلمان ڈولی کی طرف جھکے۔ رانی نے تلوار ہاتھ میں لیکر ان سب کو تن تنہا مار گرایا اور اس طرح شام تک برابر لڑتی رہی ؂

شام کے وقت جب لڑائی موقوف ہو گئی۔ علاؤ الدین کی فوج تو بالعوض قیام کرنے کے راجپوتوں کے خوف سے آگے کو روانہ ہوئی اور بانکے راجپوتوں نے اپنی راجدھانی میں آکر دم لیا۔

کرن سنگھ کے جسم سے تیر نکال لیا گیا۔ مگر وہ تکلیف میں تھا۔ ویدوں کو دوا علاج کے لئے بلایا گیا۔ ان سب نے بالاتفاق کہا کہ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اب کوئی علاج کارگر نہیں ہو گا۔ ہاں اگر کسی طرح کوئی آدمی راجہ کا خون چوس لے تو یہ بچ جائے۔ مگر زہر چوسنے والا یقیناً مر جائیگا۔ کرن سنگھ کو منظور نہیں تھا۔ کہ کوئی شخص اس کے لئے جان دے۔ (غالباً اس موقعہ پر زہر چوسنے کا کوئی اوزار نہ رہا ہو گا) ؂

تھوڑی رات جانے پر جب راجہ سو رہا۔ کلاوتی نے دوا سونگھا کر اس کو بیہوش کر دیا اور خود اپنے منہ سے اس کا زہر چوسنے لگی۔ کرن سنگھ کو خبر تک نہیں ہوئی۔ اور اس نے تھوڑے عرصہ میں اس کا کل زہر چوس کر پھینک دیا۔ راجہ تو بچ گیا۔ مگر صبح کو دو تین گھنٹہ دن چڑھنے کے بعد کلاوتی کی حالت غیر ہونے لگی۔ جب دیکھا۔ کہ اب وقت

قریب آتا جاتا ہے۔ اس نے کرن سنگھ سے کہا "راجن! میں آپ کی استری اور رعیت ہوں۔ میرے ایسے ہزاروں جانیں آپ پر نثار ہوں۔ مجھے گوارا نہیں تھا کہ میرے جیتے جی میرا سرتاج دنیا سے کوچ کرے۔ میں نے آپ کا زہر چوس لیا ہے۔ اور اب اس کے اثر سے تھوڑی دیر میں میرا اس سنسار سے کوچ ہوگا۔ آپ اپنا پاؤں مجھے دیجیے تاکہ میں آپ کا قدم پکڑے ہوئے اس شریر کو تیاگ سکوں۔"

شریف و عصمت پرست رانی کا وقت آچکا تھا۔ کسی قسم کی تدبیر اس کو موت کے پنجہ سے نہیں بچا سکتی تھی۔ اس کے پت ورت بھاؤ کو دیکھکر مسرور کرن سنگھ نے پاؤں آگے بڑھایا اس نے دونوں ہاتھوں سے تھام کر مت کے قریب لگا لیا۔ اور اس طرح تھوڑی دیر میں پران تیاگ کردیے۔

کرن سنگھ گو اچھا ہو گیا۔ مگر اپنی پیاری رانی کی جدائی سے وہ ہمیشہ غمگین رہا۔ کچھ تو زہر کا اثر تھا اور کچھ اس واقعہ نے اس کے دل کو صدمہ پہنچایا۔ مابعد کی زندگی میں اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی علامت نہیں دیکھی گئی۔ اسکے کوئی اولاد نہیں تھی۔ مگر لوگوں کے اصرار کرنے پر بھی اس نے شادی نہیں کی اور آخر عمر میں پہنچکر دنیا سے سدھار گیا۔

یہ اس قسم کی مبارک نفس دیویاں تھیں۔ جن کی وجہ سے بھارت کو خاص طرح کی تقدیس کا درجہ حاصل تھا!

اس طرح کا دل سوز نہ ہوگا کوئی زنہار
دیکھا کبھی دنیا میں نہ یہہ انس نہ یہ پیار
بلبل کو بھی یہہ عشق گلستاں نہیں ہوتا
پروانہ بھی یوں شمع پہ قرباں نہیں ہوتا

(۷) سولوچنا

ہمچو ہندو زن کسے در عاشقی مردانہ نیست
سوختن بر شمع محفل کار ہر پروانہ نیست

سولوچنا راون کے بہادر لڑکے میگھناد کے ساتھ بیاہی ہوئی تھی۔ یہ مزاج کی نیک طبیعت کی حلیم و دل کی پارسا تھی ساس کی خدمت اس طرح کرتی تھی گویا وہ اُسی کی لڑکی تھی نندوں کے ساتھ بڑی محبت و پیار سے پیش آتی تھی۔ شوہر پرستی میں اسوقت اپنی آپ ہی نظیر تھی ؂

جس وقت راون مہارانی سیتا کو ہر لے آیا سولوچنا نے سُنکر بہت افسوس کیا۔ اُس نے اپنے شوہر اندرجیت میگھناد سے کہا:۔ آپ کے باپ نے یہ سخت ظلم کیا۔ شری رامچندر جی کی مہارانی پت ورتا استری ہے اور اخلاق وحسن میں ثانی نہیں رکھتی۔ شوہر کی غیر حاضری میں پرائی عورت کو اس طرح لے آنا سخت پاپ ہے۔ گو بڑوں کی حرف گیری کرنا بُرا ہے لیکن اب مجھے معلوم ہوتا ہے اس دیس و اس خاندان کی خیر نہیں ہے۔ کیونکہ بزرگوں کا قول ہے " پرائی استری کی خواہش سے کل کا ناش ہو جاتا ہے۔ لوک اور پرلوک دونوں بگڑ جاتے ہیں۔ جو کوئی سادھوؤں سے عداوت

کرے۔ گورو کے حکم کو نہ مانے۔ جیو کی ہنسا کرے۔ ایشور کی نندیا سے پرسن ہو۔ سدگرنتھوں کو تیاگ کرے اور غیر کی بہو بیٹی کو بری نگاہ سے دیکھے وہ اس سنسار میں منشیہ کے آکار کا پشو ہے اور پرتھوی اس کا بوجھ نہیں سہہ سکتی۔ مہاراج! کیا لنکا میں کوئی بدھی مان منتری نہیں رہا ہے۔ جو راون کو سمجھا کر دھرم کے مارگ پر لائے؟"

میگھ ناد نے اپنی استری کی بات سنکر کہا "تو سچ کہتی ہے تیری بات صحیح ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ باپ بیٹے کا رشتہ عجیب ہے۔ پھر یہی نہیں میں راون کی پرجا ہوں اگر اس کا حکم نہ مانوں تو راج کے باشندوں پر برا اثر پڑتا ہے اگر چپ رہتا ہوں تو بھی نہیں نبتا۔ منتری دیوان سب سمجھا چکے۔ میری ماں نے بھی بارہا بہت کچھ منت سماجت کیا۔ مگر سب بے سود۔ میں اس کا بیٹا ہوں نیتی چاہتی ہے کہ باپ اور راجہ کی غلطی میں بھی ساتھ دیا جائے اس لئے تن بہ تقدیر میں خواہ مخواہ اس کی ضد کے موافق عمل کر رہا ہوں۔ یہ تن جائے چاہے رہے۔ مگر نیتی کے برودھ مجھ سے کام نہ ہوگا۔ سکھ دکھ۔ دشمن۔ دوست سب اپنے کرم کے ہی نتیجے ہیں تو کچھ فکر نہ کر جو ہونیوالا ہے وہ ہو کر رہیگا۔ اس پر کسی کا اختیار نہیں۔ انسان کو راضی برضا رہنا چاہیئے۔"

راون کی اس غلطی کا نتیجہ لامحالہ ہوئی بھگوان رامچندر جی نے سمندر پر پل باندھ کر لنکا پار کیا اور بندر و ریچھوں کی فوج نے میدان جنگ میں وہ کرتب دکھائے کہ راکشسوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ راون کے

کئی لڑکے مارے گئے۔ جب کنبھ کرن کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ میگھ ناد (اندر جیت) کی باری آئی۔ یہ بڑا شجاع اور جوانمرد آدمی تھا۔ ارد گرد کے بانکے جنگجو اس کا نام سنکر کانپ اٹھتے تھے۔ آتے ہی اس نے بار ہا اجودھیا کی فوج کو پسپا کر دیا۔ مگر آخر وہ لکشمن کے تیر نے اس کے سر کو دھڑ سے الگ کر دیا۔ یہ لنکا کا چشم و چراغ تھا۔ راون جانتا تھا رامچندر جی کی فوج میں اس کے قوت بازو کا ایک آدمی بھی نہیں رہا تھا۔ مگر لکشمن برہمچاری نے اس کو خاک و خون میں ملا دیا۔

سولوچنا اپنے رنگ محل میں بیٹھی سکھیوں سے بات چیت کر رہی تھی۔ اس کو بھی اپنے پتی کے باہو بل پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ اور وہ کہہ رہی تھی کہ آج میگھ ناد اپنی مردانگی کے جوہر دکھا رہا ہوگا۔ اتنے میں خبر آئی وہ مارا گیا۔ سولوچنا اسی وقت ہنڈولے سے زمین پر گر پڑی۔ بیہوش ہو گئی۔ سکھیوں نے پانی چھڑکا۔ پنکھا کیا۔ اس نے آنکھ کھول دی اور اپنے شوہر کی مہربانیوں اور اس کی جوانمردی کے دعوؤں کو یاد کر کے رونے لگی ''پران ناتھ! تم نے کیسے جلد پران تیاگ کیا۔ تمہارا تو دنیا میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ تم نے ہزاروں راجاؤں کو زیر کیا تھا۔ تم کہتے تھے۔ میرا مارنے والا سنسار میں کوئی نہیں۔ مجھ کو صرف وہ شخص مار سکیگا۔ جس نے اکھنڈ برہمچریہ کا پالن کیا ہو۔ رامچندر جی کے لشکر میں تو کوئی برہمچاری نہیں ہے۔ سب بیاہے واستری والے ہیں پتی! کیا تمہاری بات غلط تھی؟'' سامنے سے آواز آئی ''اندرجیت کو لکشمن سومترا کے بیٹے نے قتل کیا۔ یہ وہ دھرماتما شخص ہے جس نے شادی ہونے پر بھی کبھی استری کا منہ نہیں دیکھا۔ نیند۔ بھوک پیاس اس کے بس میں ہے۔ جس کے دل و زبان سچائی پر عاشق ہیں۔ یہ

سبھا اندر یوں کے جیتنے والا اندرجیت کے قتل کا باعث ہوا"
یہ سنکر سولوچنا پھر رونے لگی۔ تمام محل میں کہرام مچ گیا۔ چرندو پرند جو اس دیوی سے مانوس تھے آنسو بہانے لگے۔ درو دیوار سے حسرت برسنے لگی۔ آخر سکھیوں نے دنیا کی بے ثباتی کی یاددہانی کرتے ہوئے اس کی تسلی کی۔ سلوچنا اٹھی اور سکھیوں کو ساتھ لیکر راون کی سبھا میں گئی۔ مندودری اس کی ساس بھی ساتھ تھی۔ سلوچنا نے سسر کا پاؤں چھوکر کہا "مہاراج! آج ایشور نے میرا سوہاگ چھین لیا۔ میرا سرتاج اس دنیا سے چل بسا۔ اجازت ہو میں بھی کوچ کی تیاری کروں"
بلکتی ہوئی بہو کو دیکھ کر راون کے سر پر رنج کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ افسوس کرنے لگا "سندری! تو غم نہ کھا میں تیرے پتی کا ابھی انتقام لیتا ہوں" مگر ستی سلوچنا خوب جانتی تھی کہ ان لفظوں میں اس کے سئے کہاں تک تسلی کا سامان تھا۔ وہ پہلے ہی سے جانتی تھی کہ مہارانی سیتا کی آہ نے لنکا کی بربادی کا سامان پیدا کر دیا ہے اور راون کی خود موت قریب ہے۔

بترس از آہِ مظلومان کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

اس راون کی طرف سے منہ پھیر لیا اور مندودری کی طرف دیکھنے لگی۔
مندودری اس کے مافی الضمیر کو سمجھ گئی۔ اس نے بہو سے کہا :-
پیاری! میں کیا کروں؟

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے
دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے

تو آپ شری رامچندر جی کے پاس جا۔ اور اُن سے اپنے شوہر کا سر مانگ لا۔ وہ نیک۔ خوش اخلاق۔ استری ورت اور نیتی جاننے والے ہیں۔ تیری کبھی بے عزتی نہ کریں گے اس کے سوا وبھیشن تیرا سسر وہاں موجود ہے۔" یہ صلاح سن کر راون دنگ ہو گیا۔ اور سلوچنا اُس کو سر جھکا کر رام چندر جی کے خیمہ کی طرف روانہ ہوئی۔ میگھ ناد کے قتل کے بعد دونوں فوجیں اپنے اپنے خیمہ میں جا چکی تھیں صرف ایک ہی آدھ گھنٹہ گذرا ہو گا۔

سلوچنا بے خوفی سے رامچندر جی کے خیمہ کی طرف گئی۔ جاسوس نے پہلے سے خبر دے رکھی تھی۔ جب وہ سامنے آ کر پرنام کرنے کے بعد رونے لگی رامچندر جی نے کہا۔ "پتری! تو کیا چاہتی ہے؟ جس بات کی آرزو ہو۔ مجھ سے کہہ" سلوچنا نے کہا "سوامی! میں اپنے پتی کا سر چاہتی ہوں۔ تاکہ اُس کو گود میں لے کر میں بھی دنیا سے کوچ کروں" رام چندر جی نے کہا "پتری! تو دھنیہ ہے! تو عورتوں میں ممتاز ہے۔ تیرے پت ورت دھرم کی کہانی ہمیشہ لوگ خوشی سے سنا کریں گے" اور ان کا اشارہ پا کر سگریو دوڑے اور سر ڈھونڈھ کر اٹھا لائے شوہر کا سر دیکھتے ہی سلوچنا ڈھاڑیں مار کر رونے لگی "پران ناتھ! یہ تمہاری کیا حالت ہے۔ ابھاگی سلوچنا کو یہی دن دیکھنا بدا تھا۔ یہ

کھلنا تھا۔ کہ میگھ* ناد کے سر میں حرکت پیدا ہوئی۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اور کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ لوگوں کو سخت تعجب معلوم ہوا۔ اور جن لوگوں نے سلوچنا کی بیرحمی کی طرف نگاہ کیا سب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ اس موقعہ پر پھر رامچندر جی نے اُس کو کچھ اُپدیش کیا تھا۔

سلوچنا سر کو گود سے چمٹائے سمندر کے کنارے آئی۔ میگھ ناد کا دھڑ وہاں موجود تھا۔ سر کو دھڑ سے ملا کر رکھ دیا پھر چتا تیار کی گئی اور وہ ستی شوہر کے سر کو گود میں لے کر اس میں جا بیٹھی۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے اور وہ ثابت قدم عورت اُس پر استقلال کے ساتھ بیٹھی رہی۔ سب سے پہلے کپڑوں میں آگ لگی۔ پھر اس کے کیس جلنے لگے۔ ہاتھ پاؤں سے شعلے نکلنے لگے۔ اور وہ یوں ہی بیٹھی رہی۔ اور سب کے دیکھتے دیکھتے اسی طرح شوہر کی لاش کے ساتھ جل کر خاک ہو گئی۔

* آجکل کے بعض سائنس دان بھی کہتے ہیں۔ کہ سر کٹنے پر کچھ دیر بعد روح غائب ہوتی ہے۔ اور جب کبھی کوئی مانوس آواز اس کو مخاطب کرتی ہے۔ اس میں خود بخود حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ امریکہ میں دو تین موقعوں پر ایسے واردات دیکھنے میں آئے۔
(دیکھو آبیہ گزٹ مطبوعہ ۱۹۰۵ء)

(۸) رینوکا

شوہر کے قتل سے نہیں جیتر بچا جو اس — بیٹے کو بلا ؤ ابھی آئے ماں کے پاس
دشمن سے انتقام پدر لے وہ حق شناس — خوف عدو کرے نہ وہ دل میں ذرا ہراس
اماں کی مانگ اوجڑ گئی۔ صدمہ گذر گیا
بیٹے ۔ تمہیں خبر بھی نہیں۔ باپ مر گیا

ترتیا جگ میں پرسین جیت رینوک نام ایک راجہ گذرا ہے۔ رینوکا اس کی دختر نیک اختر تھی۔ چونکہ وہ بہت سلیم الطبع۔ دھرماتما اور نیک تھی۔ باپ نے لڑکی کی رائے لیکر اس کی شادی جمد گنی نامی رشی سے کردی جو اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم۔ ویدوں کا مفسر اور علم الاشیا کا واقف کار گذرا ہے۔ رینوکا کی دوسری اور چھوٹی بہن مہاراجہ سہسر ارجن کو بیاہی تھی۔ جو اس وقت دنیا میں بہت بڑا اقبال مند اور ذی رسوخ حکمران تھا۔ اور جس کی شجاعت و اقبال مندی کا ڈنکا بجتا تھا۔

رینوکا کے بطن سے وسو۔ پرتھو وغیرہ پانچ لڑکے پیدا ہوئے تھے ان میں پرشو جس کو تواریخ میں پرشورام کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ سب میں زیادہ صاحب ہمت اور عالی دماغ تھا۔ اس کی ابتدائی تعلیم خود رینوکا نے کی تھی۔ رینوکا گو نہایت نیک تھی۔ مگر راجہ کی لڑکی ہونے کی وجہ سے انسانی کمال کا مہاج اس نے صرف کشتریوں کی

شجاعت و دلیری میں سمجھ رکھا تھا۔ اس میں حد درجہ کی خودداری تھی اور اس لئے اس کی تعلیم کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ پرشورام میں کشتری پن کے سارے اوصاف نمایاں شکل میں نشو و نما پا گئے۔ رینوکا بات بات میں اس کو سمجھایا کرتی تھی کہ لڑکے میں ماں باپ کی عزت اور اطاعت کا ہونا حد درجہ کی سعادت ہے اور اس لئے پرشورام جہاں شجاع بیباک اور آزاد مزاج تھے۔ وہاں باپ و ماں کی فرمانبرداری کو سب پر مقدم سمجھتے تھے ؛

ایک موقعہ پر رشی اور ان کی بیوی میں کسی خاص سبب سے اَن بن ہو گئی۔ جمدگنی نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ ماں کا سر کاٹ لو۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ پرشورام کے آنے پر وہی درخواست ان سے بھی کی گئی۔ اور ماں کا رُخ پا کر پرشورام نے اسی وقت تلوار ہاتھ میں لی تا کہ باپ کی تعمیل حکم ہو جائے۔ مگر رشی نے اس کی فرمانبرداری اور تادیب سے متاثر ہو کر کہا "بیٹے! میں تیرے فرزندانہ اطاعت سے خوش ہوں جو کچھ تو مانگیگا۔ میں دینے کو تیار ہوں" اور نوجوان نے کہا "میری ماں کی جان بخشی کی جائے" اور رشی نے اس کو معاف کیا اور پھر ہنسی خوشی سے وہ سب لوگ آشرم میں رہنے لگے۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مہاراجن جمدگنی کے ہاں آ کر مہمان ہوا۔ مہمان نوازی ہندوؤں کے مذہب میں بہت بڑا ضروری و پاک فرض تسلیم کی گئی ہے۔ رشی منی نے ہر طرح اس کے ساتھ سلوک کیا مگر کام دھینو گائے کو دیکھ کر راجہ کی نیت میں فتور آ گیا ؛

بدزد طمع دیدۂ ہوشمند در آرد شرہ مرغ و ماہی بہ بند

راجہ اپنے کشتری پن کے نشہ میں چور تھا۔ اس نے سمجھا بہ حیثیت

رشی کی اس کے سامنے کیا حقیقت ہے۔ اس لئے جس گائے کے دودھ سے آشرم کے رہنے والوں کی پرورش ہوتی تھی۔ اُس کو اُس نے زبردستی چھین لیا اور اپنی راجدھانی کا راستہ لیا ؎

جمدگنی بیچارہ دیکھتے ہی رہ گیا۔ اُس سے کیا ہوسکتا تھا۔ آخر جس وقت پرشورام اس کا پانچواں لڑکا گھر پر آیا اس نے سارا قصہ کہہ سنایا پرشورام غصہ مجسم تھا۔ باپ کی ذلت اور گائے سے محروم کئے جانے کے خیال نے اس کے جسم میں آگ لگادی۔ آنکھیں غصہ سے لال ہوگئیں اور اُسی وقت اُس نے سہسرارجن پر تن تنہا دھاوا کردیا۔ گائے کی آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آشرم کی جدائی اس کے لئے شاق تھی۔ پرشورام محل کے قریب آپہنچا۔ اس نے بہ آواز بلند للکار کر کہا "مغرور کشتری! تجھ کو اپنے قوت بازو کا یہ گھمنڈ کہ معصوم رشیوں کو آرام سے جنگل میں نہیں رہنے دیتا۔ اور ان کے مویشی کو چھین لاتا ہے۔ تو نے رشیوں کو بالکل ہی کمزور سمجھ رکھا ہے! نادان! یہ مت خیال کر۔ سادگی کی زندگی بسر کرنیوالے سادھو بالکل ہی نکمے ہوتے ہیں۔ میں اُن کی حمایت میں تم سے لڑنے آیا ہوں۔ تم نے میرے باپ کی گائے زبردستی لے لی۔ اس کی عزت و دیرینہ سالی کا مطلق خیال نہیں کیا۔ نہ تم کو آشرم والوں کی حالت پر رحم آیا۔ اگر ہمت رکھتے ہو تو ایک ایک کرکے میرے سامنے آؤ" اور کرت ویریہ کا لڑکا مقابل ہوا۔ لڑائی ہونے لگی۔ پرشورام میں غضب کی طاقت تھی۔ راجکمار مارا گیا اور پھر رشی پتر کے تیروں نے سہسرارجن کے ہاتھ کاٹ کر پھینک دیئے اور گائے کو آشرم میں واپس لایا ؎

سہسرارجن کے لڑکوں کو پرشورام کے ہاتھ سے شکست کھاکر

چھپکا رہنا کب گوارا تھا۔ جس وقت پرشورام جنگل میں لکڑیاں چننے گیا ہوا تھا۔ سہسترارجن کے لڑکے باپ کا انتقام لینے کی نیت سے آشرم میں دھمکے۔ میدان خالی پایا۔ اور گو جمدگنی خود کسی سے طاقت میں کم نہیں تھا مگر تپ کی وجہ سے کمزور ہو رہا تھا۔ شاہزادوں نے جھپٹ کر اس کا کام تلوار سے ختم کر دیا۔ جس وقت وہ جان کندنی کی حالت میں تھا متواتر رام رام کہتا رہا جس سے شاید یہ مراد تھی کہ اگر پرشورام وہاں ہوتا تو کبھی یہ کیفیت نہ ہوتی یا آنکہ اس نے مرتے وقت بیٹے کو بدلہ لینے کی وصیت کی ٭

رینوکا شوہر کی وفات سے سر و چھاتی پیٹ رہی تھی۔ سر کے بال بکھرے ہوئے آنکھوں سے آنسوؤں کے تار جاری تھے وہ چلا چلا کر پرشورام کا نام لے رہی تھی۔ اور رو رو کر کہتی جاتی تھی کہ کشتریوں سے باپ کے خون کا بدلہ لے ٭

اتنے میں پرشورام بھی جنگل سے لکڑیاں لیکر واپس آیا۔ باپ خاک و خون میں لت پت پڑا تھا۔ نبض چھوٹ چکی تھی۔ جسم ٹھنڈا ہو گیا تھا رینوکا لاش کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ پرشورام کو دیکھکر وہ اور بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اس نے کہا دو پرشورام! دیکھ تیرے باپ کی یہ حالت تیری ماں اس طرح رانڈ کر دی گئی۔ جا تو کشتریوں کو اس ظلم کا مزہ چکھا دے ٭

پیری سے تیرے باپ میں کمزوری تھی لاریب
مشہور ہے دنیا میں کہ اک پیری و صد عیب
بدعت کیا۔ بوڑھے پہ جو ہاتھ اس نے اٹھایا
بنیاد کو اس گھر کی ستمگار نے ڈھایا

تو جاکے مزہ اس کو حماقت کا چکھا دے
مغرور کا سر کاٹ کے مٹی میں ملا دے
اور دشت میں ہو موجزن اک خون کا دریا
جس میں ہوں حبابوں کی طرح سے سر اورا

اس طرح روتی ہوئی اور پرشورام کو باپ کا بدلہ لینے کی ہدایت کرتی ہوئی دیوی رینوکا نے اکیس مرتبہ ہاتھ سے اپنی چھاتی کو کوٹا اور اکیس ہی دفعہ چیخ مار کر روئی پھر آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ بھی شوہر کے ساتھ پرلوک کو سدھار گئی:-

پرشورام پر رنج کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مگر اس نے اس وقت صبر کرکے ماں باپ کا مرتک سنسکار کیا۔ اور جب اس سے فراغت ملی۔ وہ دشمن سے بدلہ لینے کے لئے جنگل کی دہکتی آگ کی طرح گھر سے باہر نکلا۔

کون اُس کے مقابلے کی تاب لا سکتا تھا۔ جدہر وہ رُخ کرتا تھا۔ پرے کے پرے صاف ہو جاتے تھے۔

پلٹا تھا جب وہ معرکۂ کارزار میں
ہوتا تھا غل کہ شیر ہے بپھرا کچھار میں

اس کی ماں نے اکیس مرتبہ سینہ کوٹا تھا اور اکیس دفعہ اس بہادر شخص نے کشتریوں کا ستیا ناس لگایا۔ جوانمردوں کی ساری شیخی کر کری ہوگئی۔ وہ اپنی مردمی بھول گئے۔ وہ مغرور کشتری نسل کے نوجوان جو آتے ہوئے تیر کے مقابل میں سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ پرشورام کے نام سے لرزتے لگے۔ اس

نے بیچ بیچ زمین کو کشتریوں سے بیخ کر دیا ؛
مہشمتر ارجن کی اولاد کا نام و نشان تک نہ رہا۔ اور
نوبت پہنچکا ہیں اس نے اس قدر کشتری قتل کئے کہ ان کے خون
سے جھیل لبریز ہو گئے ؛
یہ کشتریوں کا اس قدر دشمن ہو گیا کہ ان کے نام تک سے چڑ ہتا
تھا۔ آخر جب اس حد تک نوبت پہنچی کشیپ رشی نے اس کو سمجہا بجھا کر ٹھنڈا
کیا اور وہ رشی کی صلاح کے موافق مہندر پربت پر تپ کرنے کے
لیئے چلا گیا ؛
پرسشورام کا طریقہ کیا تھا یہاں بحث طلب مضمون نہیں ہے جس
طرح رینوکا نے اُس کو بنایا تھا جیسی اُس کی تربیت کی تھی۔ وہ ویسا
بن گیا تھا ؛
ماں کا اثر لڑکوں کی آیندہ زندگی پر کیسا پڑتا ہے۔ یہ ہم
پرشورام کی زندگی میں اچھی طرح دیکھتے ہیں۔
مبارک ہیں وہ ماتائیں جو تربیت پذیر اور ماں باپ کی عزت
قایم رکھنے والی اولاد پیدا کرتی ہیں ؛

جننی جننی بھگت جن - وا داتا - وا شور
نا تو رہتی بانجھنی - ہیتر بھا انیں کور

زنان بار دار اے مرد ہوشیار
اگر وقت ولادت مار زانید
ازاں بہتر بہ نزدیک خردمند
کہ فرزندانِ ناہموار زانید

(۹) ستیہ وتی

راضی ہوں میں جو مجھ پہ گذرنا ہے گذر جائے
شوہر میرا دم توڑ کے مجلس میں مر جائے

بنگال کے مالدہ نامی ضلع میں راماننّد سوامی ایک ویشنو بھگت رہتا تھا یہ شخص چیتن دیو کا چیلا تھا اس کو مختلف رئیسوں کی طرف سے گانوں اور جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔ جن کی آمدنی سے سادھو ویشنوؤں کی بہت بڑی تعداد کی پرورش ہوتی تھی۔ راماننّد اپنے نیک عادات اور عابدانہ طرزِ معاشرت کی وجہ سے نہ صرف ہر دلعزیز بلکہ سب کی نظروں میں قابل تعظیم سمجھا جاتا تھا۔ اس کی عورت کا نام سوتیتی تھا۔ اور وہ بھی اپنے شوہر کی طرح پارسا اور دینداد تھی۔ اس عورت کا یہ اصول تھا کہ جب تک گھر کے سب آدمی اور مہمانوں کی جماعت کھانا نہیں کھا لیتی تھی۔ تب تک یہ پانی تک نہیں پیتی تھی۔ اس نیک بخت کے بطن سے ایک لڑکی و ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکی کا نام پربھاوتی اور لڑکے کا پرماننّد تھا ستیہ وتی جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اسی پرماننّد کی استری تھی۔ گھر میں ایشور کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا۔ کسی بات کی کمی نہیں تھی۔ سب لوگ عزت آبرو اور خوشی سے گذران کرتے تھے۔ مگر یہ دنیا بڑی سخت دنیا ہے۔ اس کی حالت ایک وضع پر نہیں رہتی۔ کبھی دن ہے

کبھی رات ہے کبھی صبح ہے کبھی شام ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی میں دکھ اور سکھ دو متضاد حالتیں بھی لازمی ہیں۔ انسان کی ایک طرح کبھی نہیں گذرتی ؎

ہے عالم فانی کی عجب صبح عجب شام گہہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
ماتم کا کبھی غل ہے عشرت کا کبھی دور ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور

بدقسمتی سے بنگال میں سخت قحط نمودار تھا۔ علاوہ پانی کی کمی سے انسان کتوں کی موت مرنے لگے۔ اسوقت ملک میں انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج تھا۔ زمین کی پیداوار کچھ نہیں۔ مگر سرکار کو اپنے محصول اور زر لگان کی پڑی ہوئی تھی پیدا ہو یا نہ ہو اس کی کچھ پرواہ نہیں مگر زمیندار سرکار کی مالگذاری ضرور بیباق کرے۔ دیوی سنگھ نامی ایک شخص اس محکمہ کا افسر بد بلا تھا۔ اس نے ہزاروں کے گھر برباد کرا دیئے عزت داروں کو بے آبرو کرا دیا۔ عورتوں کے زیور بکوائے۔ مرد و عورت برہنہ مادر زاد کرا کے ان کو سخت سے سخت سزائیں دی جاتیں تھیں سارا ملک پریشان ہو رہا تھا۔ مگر کسی کی کچھ نہیں چل سکتی تھی۔ گورا نند کی زمین کا کبھی لگان نہیں لیا گیا تھا۔ مگر چونکہ اس کے گھر بہت سے آدمیوں اور غریب محتاجوں کا ہجوم رہا کرتا تھا اور وہ غریبوں کی خورش پوشش کا انتظام کیا کرتا تھا۔ کمپنی کے ملازم سمجھنے لگے کہ یہ مالدار ہے اور اس سے مالگذاری وصول کرنے کی ٹھہرا دی۔ رامانند کے دل میں خوف پیدا ہوا ایسا نہ ہو ظالم اس کی آبرو برباد کریں۔ مجبور بیچارے نے رانی بھوانی نامی اسوقت کی ایک مشہور رئیسہ سے احتیاطاً پچاس ہزار روپیہ قرض لے لئے اور تقاضا کرنے پر تین برس کا لگان بھی ادا کر دیا مگر دیوی سنگھ کی ہوس زیادہ ہوتی گئی اس کے حکم سے رامانند کا گھر لوٹ

لیا گیا۔ اور اس کی گرفتاری کا حکم دیا گیا کیونکہ اس نے اپنی ناداری ظاہر کر دی تھی۔ بیچارے سخت بدحواس اور مخوف ہو گئے۔ پرمانند نے باپ سے کہا "آپ فکر نہ کریں میں یہاں رہونگا۔ آپ ماتا بہن اور استری کو لیکر رنگ پور میں کسی شاگرد کے گھر چلے جائیے میں یہاں تن تنہا جو کچھ افتاد پڑیگی جھیل لونگا"۔

راما نند اپنے کنبہ کو ساتھ لئے ہوئے رنگ پور جا رہا تھا۔ دیوی سنگھ کے سپاہیوں کو خبر مل گئی۔ وہ بیچارے دھر لئے گئے سپاہیوں نے اُن کو بے عزت کرنا شروع کیا۔ ایک طرف بوڑھا راما نند سسک رہا تھا۔ دوسری طرف اس کے گھر کی عورتیں ڈھاریں مار کر رو رہی تھیں۔ پرمانند اس حالت کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے غصہ سے کہا "پشاچ ادھم! یہ کیا کرتا ہے۔ تجھ کو ایشور کا بھی ڈر نہیں۔ نر اپرادھ ستریوں کے کشٹ دینے سے بھی نہیں ڈرتا" یہ کہکر وہ چھری لے کر دیوی سنگھ پر جھپٹا اور اگر سپاہیوں نے اس کو پکڑ نہ لیا ہوتا تو اُسی وقت دیوی سنگھ کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ پرمانند قید کر دیا گیا اور خاردار سونٹوں سے اُس پر مار پیٹ شروع ہوئی۔ مگر پرمانند کا چہرہ غصہ سے ہمیشہ لال بنا رہا۔

راما نند اور عورتوں کو تو رہائی مل گئی۔ مگر پرمانند پر جو مصیبت نازل ہوئی اس کا بیان مشکل ہے وہ بھی ظلم کا کچھ عجیب زمانہ تھا! گھر والوں نے اُس دکھیا کے دکھ کا قصہ سنا مگر کوئی کیا کر سکتا تھا۔ ستیہ وتی پر تو رنج کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ رات دن متفکر رہتی تھی رنگ پور میں کئی ہفتہ گذرے مگر بیچارے پرمانند کی رہائی کی کوئی تدبیر نہیں سوجھی۔

رنگ پور میں بھی دیوی سنگھ کے سپاہی موجود تھے۔ اُن کو خبر ملی کہ ستیہ وتی نامی ایک نہایت حسین عورت آئی ہوئی ہے۔ چونکہ دیوی

سنگھ بہت بدچلن اور بدمعاش شخص تھا۔ اس کے کمینہ مزاج ماتحت اس کے خوش رکھنے کے لیئے قابل اعتراض تدبیریں عمل میں لاتے تھے۔
ستیہ وتی کی عمر اس وقت پچیس برس کی تھی۔ اور باوجودیکہ اس وقت کی مصیبتوں کے سبب سے اس کا دل دن رات فکرمند رہتا تھا تاہم اس کے ظاہری حسن کو کوئی زوال نہیں پہنچا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا وہ ابھی تیرہ چودہ برس سے زیادہ عمر کی نہیں ہے۔ جب راما نند کو معلوم ہوا کہ دیوی سنگھ کے بدنیت ملازم اس کے آبرو کے پیچھے پڑ گئے ہیں وہ غریب اپنی سنرلوں کو ساتھ لیکر دیناج پور کے جنگلوں میں چلا گیا جنگل کے دُکھ کیا کم ہوتے ہیں۔ وہاں بھی اُن کو چین نہیں ملا۔ ستیہ وتی نے اپنے دل میں پورا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ کہ اگر ظالموں کے پنجے سے رہائی نہیں ہوتی تو آخر اس کی جان پہ نوبت آئیگی۔ اور وہ اپنی زندگی کو دھرم پہ قربان کریگی۔

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
ہم نے اپنے دل میں ٹھانی اور ہے

اس طرح تین برس گذر گئے۔ یہ خبر ملی کہ کمپنی کے سپاہی اس طرف آرہے ہیں۔ راما نند نے یہ خبر پاکر کہا: ستیہ وتی بیٹی! تو ان دو معتمد نوکروں کے ساتھ جاکر کاشی میں کچھ دن بسر کر اور جلدی کر۔ موذی جنگل میں بھی چین نہ لینے دینگے۔ یہ نوکر معتمد و ایماندار ہیں۔" ستیہ وتی نے خوف سے جواب دیا " پتا جی! مجھے اب اس زندگی کی مطلق ہوس نہیں۔ اپنی دشمنوں کے ظلم سے جانبر نہ ہو سکا ہوگا۔ بیوہ کی زندگی ہی کیا ہوتی ہے۔ آپ میرے ماں باپ ہیں۔ لڑکی کو ماں باپ کی گود میں خوف نہیں ہوتا۔ میں آپ کو چھوڑکر کہاں جاسکتی ہوں۔ کیا آپ جانتے

ہیں میں کاشی میں محفوظ رہ سکتی ہوں۔ کبھی نہیں۔ وہاں بھی میرا کرم ساتھ ہوگا۔ یہاں تو آپ کو دیکھ کر ڈھارس رہتی ہے۔ وہاں کس کا سہارا ہوگا؟ اگر آپ کو قید کرینگے تو میں بھی قید میں رہونگی اور وہیں آپ کے ساتھ ساتھ دکھ سہوں گی۔" راما نند نے جواب دیا "بیٹی! دیوی سنگھ نے اچھے اچھے گھرانے کی عورتوں کی آبرو ریزی کردی ہے اس کا مجھے خوف ہے اور کسی بات کا نہیں،" ستیہ وتی نے اپنے آنسو پونچھ کر کہا "آپ اپنی بیٹی کی ہمت نہیں جانتے۔ دیوی سنگھ کوئی چیز نہیں۔ اس کا کیا مقدور ہے کہ میرے سامنے نگاہ کرسکے۔ میں اس کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتی آپ خاطر جمع رکھئے۔ میری عزت جان کے ساتھ ہے مجھے افسوس صرف اس بات کا ہے کہ میری تقدیر نے آپ سب کو بھی مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔" یہ کہکر ستیہ وتی رونے لگی اور رنج کے غلبہ سے بیہوش کر زمین پر گر پڑی۔ جب ہوش آیا۔ وہ بلاپ کرنے لگی "پرماتمن! تونے مجھے اس قدر سندرتا کیوں دی؟ کیا اور کوئی قسمت والی استری اس کی ادھکاری نہیں تھی۔" اس طرح رنج کرنے کے بعد اس نے قینچی سے اپنے سر کے تمام بال تراش ڈالے۔ رامانند نے سمجھا کہیں وہ خودکشی نہ کر بیٹھے۔ اس نے ہاتھ پکڑ لیا اور تسلی و تشفی کی باتیں کرنے لگا۔

ستیہ وتی کے دل کو اس وقت سخت صدمہ پہنچ رہا تھا اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "پرمیشور! عورتیں مردوں کے ساتھ جل کر ستی ہوجاتی ہیں۔ میں کیسی بدقسمت ہوں کہ شوہر اذیت و آفت برداشت کرکے دنیا سے سدھار جائے اور میں جیتی رہوں افسوس تو یہ ہے کہ اس کی بھی ٹھیک ٹھیک خبر نہیں ملتی۔ نہیں تو میں

دم کے دم میں اپنی زندگی کا فیصلہ کردوں - اس حالت سے تو موت ہی بدرجہا قابل ترجیح ہوتی ہے۔

قسمت کا جو لکھا ہے الہٰی شتاب ہو
یا موت آئے یا رفع اضطراب ہو"

راما نند کو اپنے پُتر بہو کی تکلیف دیکھ کر سخت رنج ہوا - اس نے کہا "بیٹیا! تو اسقدر فکر نہ کر تجھ کو جسقدر اپنے شوہر کا خیال ہے مجھے اس سے کم نہیں ہے - مگر کیا کروں - اپنا کچھ بس نہیں چلتا مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے خواہ مخواہ سنگ آمد سخت آمد صبر کرنا پڑتا ہے -

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

خیریت اسی میں ہے - کہ ہم سب قسمت پر صابر ہو کر کسی طرح وقت کو کاٹ لیں"

ستیہ وتی نے دیکھا کہ راما نند کے ساتھ رہنے میں اس کے لئے بھی خیریت نہیں ہے - مجبوراً اس نے ایک ضعیفہ عورت اور ایک مرد کے ساتھ جنگل کے وسط میں جا کر ایک پتوں کا جھونپڑا بنا لیا اور وہیں قیام پذیر ہوئی - گرمی آئی - اس نے جنگل کے پھل پھول کھا کر دن بسر کر دیئے جاڑا آیا اس کے تن ڈھانپنے کے لئے کمل کا ٹکڑا بھی پاس نہیں تھا صرف ایک دھوتی اس کی برہنگی چھپانے کے لئے باقی رہ گئی تھی - پرماتمن! سنسار کی لیلا وچتر ہے! ابھی کل کا دن تھا کہ اس معصومہ کی ناز و نعمت کے ساتھ پرورش ہوتی تھی - آج تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا تک پاس نہیں تھا - وہاں دیوی سنگھ کے سپاہی آئے اور راما نند کو گرفتار کر کے لے گئے اس غریب کی دیرینہ سالی کا بھی لحاظ نہیں کیا گیا - ستیہ وتی نے

اس خبر کو سنا۔ کیا کر سکتی تھی! کیا اختیار تھا! ایک تو بے بسی اور دوسرے عورت! سر پیٹ پیٹ کر رونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سوچنے لگی میں اب کیا کروں! اب تو دنیا میں میرے لئے کوئی سہارا نہیں رہا! میں کس کے آسرے جیوں۔ یہ زندگی اب وبال ہے۔ آتم گھات کرنا پاپ ہے۔ ادھرم کی موت دوسرے جنم میں اور بھی مصیبت لاتی ہے۔

وہ اسی طرح دیر تک غور کرتی رہی۔ ایسا معلوم ہوا کوئی طاقت اس کے دل کے اندر داخل ہو کر کہہ رہی ہے۔

کیا نہیں ابلا کر سکے۔ کیا نہیں سندہ سمائے
کیا نہیں پاوک میں جرے۔ کال کاہ نہیں کھائے''

اس کے چہرہ پر تلملاہٹ آگئی۔ اس نے سوچا۔ کیا استری کی طاقت اس طرح غیر محدود ہے۔ کیا سچ مچ استری ہی کو شکتی کہا گیا ہے۔ میں بھی آخر عورت ہوں۔ اگر عورت شکتی ہے اور سب کچھ کر سکتی ہے۔ تو میں بھی اپنے شوہر اور سسر کو چھڑا لاؤں گی اور کوئی شخص مجھے نہ روک سکیگا۔ میں غالب آؤں گی اور ایشور میری مدد کریگا!''

ستیہ وتی نے مردانہ لباس زیب تن کر لیا۔ بوڑھی لونڈی اور ہر دو معتمد نوکروں کو ساتھ لیا اور اس جیلخانہ کے پھاٹک پر آئی جہاں اس کا سسر قید تھا۔ رام سنگھ نامی ایک ہندوستانی جیلخانہ کا محافظ تھا ستیہ وتی نے جھک کر سلام کیا۔ رام سنگھ نے سر سے پاؤں تک اس کو دیکھا۔ نوجوان کے عضو خوبصورتی کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے تھے متحیر ہو کر اس نے پوچھا" چھوکرے! تو کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ یہاں کیوں آیا ہے؟ کیا کام ہے؟" اور اس لڑکے نے کہا" حضور امیر نام نانک ہے۔ گیا کے ضلع کا باشندہ ہوں۔ میرا باپ پورنیا کے ضلع میں زمیندار

تھا۔ وہ مر گیا۔ خانہ ویرانی ہو گئی۔ میں نوکری کی تلاش میں بھٹکتا ہوا یہاں آ رہا ہوں۔ اگر آپ میرے گذارے کی صورت پیدا کر دیں تو احسان ہوگا۔" رام سنگھ مزاج کا نیک تھا۔ لڑکے کے حسن۔ آداب اور خوش سلیقگی کو دیکھ کر اس نے کہا "اچھا تو میرے یہاں رہا کر۔ میں تیری تنخواہ مقرر کر دونگا۔" اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ نانک کی منہ مانگی مراد بر آئی اُس نے رام سنگھ کی نوکری کر لی۔ صبح شام بڑے شوق سے بھنگ تیار کر کے اس کو پلاتا۔ رام سنگھ بڑا خوش ہو گیا رفتہ رفتہ اس کے دل میں اتنی جگہ پیدا ہو گئی کہ وہ رام سنگھ کے گھر میں بھی آنے جانے لگا اور اسکی عورت کا منظور نظر بن گیا۔ اب وہ قید خانہ میں بھی کبھی کبھی ضرورت کے وقت آیا جایا کرتا۔ راما نند کے ساتھ اشارہ میں بات چیت بھی ہونے لگی۔ اور گو چوکی پہرہ کا انتظام احتیاط و ہوشیاری کیساتھ کیا جاتا تھا مگر نانک نے راما نند کو یقین دلایا کہ مستعدی و ہوشیاری سے پھر بھی وہ آزاد ہو کر باہر نکل سکتا ہے۔

ایک دن رات کے وقت موقع پا کر وہ جیلخانہ میں آیا۔ ہتھکڑی کاٹ کر بڈھے کو دیوار پر چڑھا دیا اور جیلخانہ کی دوسری طرف نکال دیا۔ اور ہمت بخش لفظوں میں اس کو حوصلہ دیکر جنگل میں پہنچا دیا جہاں دونوں نے جسم پر بھبوت ملکر جوگیوں کا بھیس بنا لیا۔

پھر ان اتنے گنے غریب آدمیوں کا قافلہ دوسری طرف روانہ ہوا رام سنگھ کو صبح جا کر خبر لگی۔ بھگیلوں کے پیچھے آدمی روانہ کئے گئے تعاقب کا انتظام معقول طور پر کیا گیا مگر

چو مرغ از قفس رفت و بگست قید
نہ آید بسعیٔ تو ہرگز بہ صید

ساری کوشش رائگاں گئی۔ نہ کہیں نانک کا پتہ لگا۔ نہ راما نند کا۔
راما نند قید کی مصیبتوں سے دبلا پتلا ہو گیا تھا ستیہ وتی نے اسکو
ایک جگہ ٹھہرا دیا۔ اور آپ اپ کسی اور ارادہ سے دوسری طرف کو چل نکلی
جنگل کے وسط میں ایک شیو کا مندر واقع تھا۔ اور اس میں ایک بیوہ
عورت اپنے خیال کے موافق پرستش اور عبادت میں مصروف نظر آئی
ستیہ وتی نے اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اس کو اپنی سرگذشت سنا کر
مدد کی طالب ہوئی۔ ایشور کی قدرت وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی اس
کو سارے حالات ظلم وستم کے معلوم تھے۔ اس نے ستیہ وتی سے کہا
کہ تیرا شوہر پرمانند زندہ ہے۔ کلکتہ میں قید ہے۔ تو نے جس طرح
استقلال اور ہمت سے راما نند کو نجات دی ہے۔ اس کو بھی چھڑا
لائیگی "

یہ خبر سنکر ستیہ وتی کے چہرہ پر رنج کے علامات ظاہر ہوئے
اس کو دیکھکر اس یوگنی نے کہا پتری! تو فکر کیوں کرتی ہے؟ ہم
سب لوگ دنیا میں کسی غرض کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ ہماری حالت
کٹھ پتلی کی طرح ہے جو کہاڑی کے ہاتھ میں حرکت کر رہی ہے

چاہے کین۔ کراوے۔ سوئی
بہ گتہ۔ اُمان۔ جان کوئی کوئی

جس کام کو تو نے شروع کیا ہے اس کو پورا کرکے تب دم لے
جا۔ کلکتہ کا سفر کر۔ ایشور کوئی نہ کوئی سامان پیدا کریگا۔ اور تیرا مقصد
پورا ہوگا۔

مفلسی سمجھ بوجھ والے انسان کی بھی مددگار ہوتی ہے جہاں
دولت وحشمت ناکامیاب ہوتے ہیں۔ وہاں ناداری غالب کامیاب

ہوتی ہے۔ آرام طلب زرداروں کا دماغ کبھی کبھی اسقدر سوچ نہیں سکتا۔ غریب مصیبت کے وقت کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لیتے ہیں غریب ستیہ وتی یتیم لڑکے کا بھیس بنائے مانگتے کھاتے کلکتہ کی طرف روانہ ہوئی۔ رات دن برابر راہ طے کرتی رہی۔ لڑکے کے پوشاک کی وجہ سے کسی نے اس کی مزاحمت نہیں کی آخر وہ کلکتہ میں آئی اور رام کرشن نامی ایک ذی رسوخ آدمی کے یہاں جاکر ملازمت کر لی پرمانند کی مخلصی اسوقت تک غیر ممکن تھی جب تک سپریم کوٹ اس کے حق میں سفارش یا فیصلہ نہ کرے کلکتہ کا جیلخانہ اور قسم کا تھا۔ یہاں کسی کی دال نہیں گل سکتی تھی۔ ستیہ وتی سخت متفکر رہنے لگی۔ رام کرشن سے امید نکلتی نہ دیکھکر اس کی نوکری چھوڑ دی۔

آخر ایک موقع پہ گنگا گوبند سنگھ نامی ذی رسوخ امیر کمپنی کے منصبدار کی ماں کے شرادھ کا وقت آیا۔ ہزاروں برہمن اس کے یہاں نیوتہ کھانے گئے۔ منجملہ اُن کے ایک غریب برہمن کا لڑکا بھی شامل تھا۔ وہ کئی روز سے اس کے مکان کے سامنے ایک درخت کے نیچے بیٹھا رہتا تھا۔ کئی دن سے کچھ کھانا نہیں کھایا تھا۔ لوگ پاس آکر سب سامان لاتے مگر وہ کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ گنگا گوبند سنگھ کو اس برہمن پتر کی ضد سے خبر دیگئی۔ اس نے بھی کھانے کا سامان بھجوادیا مگر لڑکے نے مطلق اس کی طرف التفات نہ کیا۔

آخر شرادھ کا دن آیا۔ ہزاروں برہمنوں کو دکشنا تقسیم ہونے لگا سب دعائیں دیتے ہوئے اپنے اپنے گھر گئے۔ کیسے ممکن تھا کہ ماں کے شرادھ کے موقع اور ایک برہمن کا لڑکا درخت کے تلے کئی دن سے بھوکا پڑا رہے! جب سب لوگ کھا پی کر چلے گئے۔ گنگا گوبند سنگھ اس

کے پاس خود آیا "برہمن پتر! تجھ کو کیوں ضد ہے۔ تو کھانا کیوں نہیں کھاتا
جو کچھ تیری آرزو ہو مجھ سے کہہ اگر میرے اختیار میں ہے تو میں فکر کرونگا"
لڑکے نے یہ باتیں سُنکر سر اونچا کیا۔ آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اور اس
نے اس سے کہا "میرا رشتہ دار دیوی سنگھ کے ظلم کی وجہ سے قید میں
ہے اس کی رہائی کی تدبیر بتاؤ" اور جب گنگا گوبند سنگھ نے راما نند اور
اس کے لڑکے کے قید ہونے کا قصہ سنا۔ اس نے جواب دیا "مجھے سارا
حال معلوم ہے۔ تو اُٹھ۔ اس وقت چلکر شرادھ بھوجن کر لے میں خود
اس کا انتظام کر دونگا"

قصہ کوتاہ ستیہ وتی نے کھانا کھایا اور کئی دن بعد کوشش و سفارش
کرنے پر موقعہ ملا کہ پرما نند کو رہائی مل گئی۔ وہ رام کرشن کے گھر آکر دریافت
کرنے لگا کہ کس پیارے رشتہ دار کی مدد سے اس کو قید سے چھٹکارا ملا
ہے؟ اور ایک بد حیثیت سیلا کچیلا! مگر گورے جسم کا لڑکا پیش کیا گیا۔ وہ
دیکھنے میں خوبصورت تھا۔ مگر جسم پر تمام مٹی ملی ہوئی تھی۔ ستیہ وتی سے
علیحدہ ہوئے کئی برس گذر چکے تھے۔ وہ اُس کو یکایک پہچان نہ سکا مگر
شکل و صورت سے آشنا معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے احسانمندی جتلانے
کے خیال سے ہاتھ باندھ کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہا ستیہ وتی اسی وقت
پاؤں پر گر پڑی "پران ناتھ! میں آپ کی ابھاگی داسی ستیہ وتی ہوں"
شوہر و بیوی کا ملاپ حد درجہ کا رقت انگیز۔ اس کا بیان مشکل ہے
دونوں گلے ملکر خوب روئے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے کا
آنند ہوا۔ بارہ برس گذر چکے تھے۔ جب سے ستیہ وتی نے شوہر کا منہ
نہیں دیکھا تھا۔

ستیہ وتی نے پھر کہا "پران ناتھ! آپ دُکھ میں تھے۔ میرے پاپی

پران نہیں نکلے۔ میں اب تک بیچارگی کی زندگی بسر کرتی رہی۔ آپ معاف کرنا" پرماننَد نے ان باتوں پر پریم کے آنسو بہائے۔ دیکھنے والے حیران! یہ کس قسم کی عورت ہے۔ یہ تو دیوی ہے جس نے اپنے پتی کی سیوا میں اتنے کشٹ برداشت کئے۔ رام کرشن وغیرہ سب نے ان کا بہت کچھ آدر ستکار کیا۔

ستیہ وتی نے پھر شوہر سے مخاطب ہو کہا "پران ناتھ! جلدی کیجئے۔ آپ کے ماں باپ یاد کر رہے ہیں"

شوہر کو ساتھ لے کر ستیہ وتی رنگپور کے جنگل میں آئی۔ جہاں اس نیک و پاک دامن یوگنی کے زیر سایہ راماننَد مقیم تھا۔ سب ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوئے۔ سب نے یک زبان ہو کر ستیہ وتی کے اتساہ کی تعریف کی اور یوگنی نے دعا دیا "ستیہ وتی! تو سچی دیوی ہے۔ تیرا ساہس دھنیہ ہے۔ تو سوہاگ وتی اور پتر وتی ہو۔ اور پرماتما تم دونوں کو سکھ سمپت دان کریں"

یہاں تک ہم کو ستیہ وتی و پرماننَد کے حال ملتے ہیں۔ آگے کا پتہ نہیں چلتا۔ اور نہ اس کے کہنے کی ہم کو ضرورت ہے۔ جس طرح ان سب کے دن پھرے ایشور کرے۔ ہم سب لوگوں کے بھی دن پھریں۔

جس طرح انہیں بہم ملایا
بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

(۱۰) چندر کانتا (یوپی)

دوہے

(۱) پت ورتا میلی بھلی گلے کانچ کی پوت
سب سکھین میں یوں لپٹے[۱] جیوں رَبی[۲] شش کی جوت
(۲) پت ورتا میلی بھلی کالی کوچل کوروپ
پت ورتا کے روپ پر واروں[۳] لاکھ سروپ

۱ه چمکتی ہے ۲ه سورج چاند ۳ه قربان کروں

۱۸۰۰ء میں راجہ چیت سنگھ بنارس کا فرمانروا تھا۔ یہ شخص نیک دھرماتما اور علم و ہنر کا قدردان تھا۔ اس کی راج سبھا میں اکثر لایق فایق پنڈت و عالموں کا مجمع رہا کرتا تھا۔ اسی راجہ کے پنڈتوں میں ایک شخص دیو شرما نامی مشہور سنسکرت کا عالم تھا۔ جو اپنی سلیم الطبعی و مذہبی پابندی کیلئے سب میں زیادہ ممتاز تھا۔ اس کی استری کا نام ساوتری تھا۔
ساوتری کے بطن سے نند کشور نامی لڑکا اور چندر کانتا نامی ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ چندر کانتا اپنے اخلاق و چال بیوہار کی وجہ سے ماں باپ و اڑوسی پڑوسی کی نگاہوں میں ہر دلعزیز تھی۔ وہ نہ صرف حسین تھی۔ بلکہ ظاہری حسن کے ساتھ اس میں انسانیت کا کمال بھی نمایاں شکل میں نمودار تھا۔ جہاں وہ سنسکرت کی عالمہ سمجھی جاتی تھی اسکے ساتھ ہی ساتھ ویدک شاستر کے علم میں اسکو سب سے زیادہ واقفیت تھی اور وہ خود کشتہ جات معجون وغیرہ خود بنایا کرتی تھی جب چندر کانتا سیانی ہوگئی ماں باپ نے کاشی کے ایک مشہور پنڈت کرشن شاستری کے لڑکے بال کرشنا شاستری

کیساتھ اس کا بیاہ کر دیا - کرشن شاستری کو چیت سنگھ نے بہت کچھ
جگہ جاگیر وغیرہ دے رکھی تھی - بال شاستری کو شاستروں میں بہت ابھیاس تھا
اور راجہ اس کی قابلیت - علم مجلسی وہ دیگر اوصاف کو دیکھکر بہت خوش
رہتا تھا - چندرکانتا اپنے شوہر کے گھر آکر ساس سسر - نند
جیٹھانی سب کی خدمت کرتی اور سب اس کے سلوک سے خوش
تھے - اور ساس و نندوں کی ناموافقت کی شکایت اس کے گھر
میں کبھی نہیں سُنی گئی - جو روپے شوہر سے اس کو ملتے وہ غریبوں کی
خیرات میں صرف کر دیتی اور اپنے گھر میں ایک دوائی خانہ بنا رکھا تھا
صبح پوجا کرنے کے بعد محلوں کی استریاں و بچے آکر مفت دوا لیجاتے
چیت و کوار کے نوراتر کے دنوں میں وہ نو دن برابر ہندو عورتوں کو اپنے
یہاں بلا کر کتھا سنایا کرتی اور دھرم کرم کی باتیں بتاتی رہتی - اس
قسم کی عادات و اطوار کسی آدمی کے ہر دلعزیز بنانے کے لیئے کافی ہیں
سب اس کو دیوی کہتے - بال شاستری اپنی بیوی کی ہوشیاری
و علمیت سے بہت خوش تھا اور جب کبھی اس کا ذکر ہوتا تو وہ
اپنی قسمت کو سراہنے لگتا -

لیکن دنیا بالکل سکھ کی جگہ نہیں ہے - باغ میں جہاں گلاب
ہے - وہاں کانٹا بھی ہے - آم کے ساتھ ببول بھی رہتا ہے - شہد اچھی
چیز ہے مگر ساتھ ہی ساتھ مکھیوں کے ڈنک کا خوف رہتا ہے - ۱۷۸۰ء
میں سارے بنارس پر یکبارگی تباہی آگئی - مشہور تھا - کہ چیت سنگھ
کے پاس بہت دولت ہے - وارن ہیسٹنگز صاحب گورنر جنرل کے منہ
میں پانی بھر آیا - اس نے بہانہ بہانہ ساڑھے بائیس لاکھ روپیہ کے علاوہ
پانچ لاکھ روپیہ اور طلب کئے - بیچارے راجہ نے اس کو بھیجدیا - مگر اس

کی ہوس اور بڑھ گئی۔ اب کی اس نے پچاس لاکھ کا مطالبہ کیا اور
اس کے وصول کرنے کے لئے خود بنارس آپہنچا۔ غریب چیت سنگھ
کے پاس اتنی دولت نہیں تھی۔ ہیسٹنگز نے اس کو کہلا بھیجا کہ تم انگریزوں
کے دشمنوں کے ساتھ خط وکتابت رکھتے ہو۔ اور اس الزام میں
اس کو گدی سے اوتار دیا۔ اور چالیس لاکھ روپیہ کی بات چیت کر کے
اس کے بھانجے کو دیوانی و فوجداری کے اختیارات عطا کئے۔ چیت
سنگھ کا کچھ نہ پوچھو وہ قید میں رہا۔ پھر کسی طرح نکلکر چنار گڈھ آیا۔ اور
وہاں سے بھاگ کر مہاراجہ سندھیا کے یہاں پناہ لی۔ اس کی اولاد اب
تک آگرہ میں پنشن خوار ہے اور کاشی کے چھتے میں رہتی ہے ایک شخص
گنگا گوبند سنگھ اس راجہ کا ملازم تھا۔ اس نے موقعہ پا کر اپنا رسوخ
بہت کچھ بڑھا لیا تھا۔ اور جا بیجا طور پر روپیہ وصول کرنے کی نیت سے
اکثر آدمیوں کو قید کرا دیا تھا اور لارڈ ہیسٹنگز کا منظور نظر بن گیا تھا
اس کی ہوس کے پورا کرنے کے لئے بنارس کے جاگیردار منصب داروں
نے اپنے استریوں کے زیور تک فروخت کرڈالے مگر اس ظالم کی سیری
نہیں ہوئی منجملہ اور لوگوں کے اس نے بال شاستری کو بھی کلکتہ میں
قید کرا دیا تھا۔ اور چونکہ سب مال و متاع ظالموں کے دست برد سے محفوظ نہیں
رہ سکا تھا۔ اس کے گھر والے روٹیوں کو محتاج ہو گئے۔ انقلاب کے
وقت ایسا ہی ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔

جس دن سے شوہر قید ہوا تھا۔ چندر کانتا سخت دکھی رہتی تھی
دن میں صرف ایک مرتبہ روکھی سوکھی کھا لیتی اور رات کو پتھر کی چٹان
پر پڑ کر سو رہتی۔ ساس سسر ہمیشہ تسلی دیا کرتے تھے مگر باتوں سے کیا
ہو سکتی ہے! وہ رات دن اسی سوچ میں رہا کرتی تھی۔ کہتی

خلاصی کس طرح کرا دی جائے۔ مگر یہ کیسے ممکن تھا؟ آخر ایک روز رات کے وقت وہ روتی ہوئی ایشور کے چرنوں میں پرارتھنا کرنے لگی۔ اسی حالت میں صبح ہوگئی اور اس نے اٹھ کر ساس وسسر کے پاؤں کو چھو کر عرض کیا کہ مجھے کلکتہ جانے کی اجازت دیجئے میں خود اپنے شوہر کے چھوڑنے کی فکر کروں گی۔" وہ بولے " تو کمزور نازک بدن عورت کیا کر سکیگی۔ گرو گوبند سنگھ کے رسوخ کو کون پامال کر سکتا ہے؟ اور پھر راہ میں وکلکتہ کے شہر میں بڑے بڑے کتنے خطرات ہیں؟" چندر کانتا نے کہا" یہ سب سچ ہے لیکن دنیا میں ایک اور بھی طاقت ہے۔ جو سب سے افضل ہے۔ میں اسی کے بھروسہ پر گھر سے نکلوں گی۔ وہ میرا بیڑا پار کریگا۔ رہا خطرات کا خوف۔ دھرماتما استری کی بے عزتی کرنے کی کسی شخص میں طاقت نہیں ہے میں اس کی مطلق نہیں پرواہ کرتی۔ پرماتما میری مدد کریگا۔ اور اب میں اس کی مدد و مہربانی کا پورا پورا یقین کرکے گھر سے باہر نکلوں گی اور جب تک پتی کو نہ چھوڑا لاؤں گی مجھ کو گھر میں رہنا حرام ہے۔" چندر کانتا نے اس موقعہ پر بہت سی باتیں دھرم کی بتائیں جن کو ہم طوالت کے لحاظ سے نظر انداز کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساس و سسر نے روتے ہوئے اپنی بہو کو جانے کی اجازت دی۔ اور اس نے دونوں کو نمسکار کرکے

نہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی
نکل گھر سے بس راہ جنگل کی لی

پا پیادہ نہ کوئی سنگ نہ ساتھی ایک نوجوان کمسن عورت کا گھر سے باہر نکلنا قابل غور مضمون ہے۔ رام نگر سے گذرتی ہوئی وہ چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچی ایک شخص سامنے آرہا تھا۔ اس سے پوچھا" بھائی!

کلکتہ کی راہ اگر جانتا ہے تو بتا وے۔" اس نے کہا وہ دنیا بڑی ہے جدھر سینگ سمائے اُدھر چلی جا۔" غریب دکھیا اس بات سے شرمائی اور ایشور کے سہارے تن بہ تقدیر پورب کو روانہ ہوئی۔ پرماتما مستقل ارادہ کی خود مدد کرتے ہیں۔ وہ برابر بلا وسواس منزلیں طے کرتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ ایک دن راہ میں طوفان آیا۔ چاروں طرف گھنگھور گھٹا میں چھا گئیں۔ بجلی چمکنے لگی۔ بادل گرجنے لگے۔ موسلا دھار پانی برسنا شروع ہوا۔ تھر تھر کانپتی ہوئی وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ کپڑے پانی سے تر ہو گئے تھے۔ ہوا کے چلنے کے سبب سے سردی پڑ رہی تھی۔ اور بیچاری چندرکانتا کانپتی ہوئی درخت سے لگ کر بیٹھی تھی۔ ایشور! تیری لیلا اپرم پار ہے۔ یہ مصیبت درحقیقت ہماری آزمائش اور مضبوطی کے لئے آتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد آسمان صاف ہو گیا۔ سورج نکل آیا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے سے ایک شیر آ رہا ہے۔ مگر اس کا اس کو مطلق خوف نہ تھا۔ جان سے پیاری کیا چیز ہوتی ہے مگر وہ جان پتی کے ساتھ تھی اگر شیر نے مار دیا تو کیا ہرج ہے؟ شیر کے پیچھے پیچھے ایک شکاری بھی آ رہا تھا اس نے شیر کو گولی کا نشانہ بنایا۔ شیر زمین پر آ رہا۔ اور شکاری ایک درخت کے نیچے ایک حسین عورت کو دیکھکر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ عورت کو شیر کا خوف نہ تھا۔ مگر اس آدمی کی طرف سے اس کے دل میں خوف سمایا۔ وہ اس کا حسن دیکھ کو باولا ہو گیا۔ سُندری! تو اس جنگل میں کیا کر رہی ہے؟ مجھے تو اپنا غلام سمجھ! اور میرے گھر کو چل کر آباد کر!

چندرکانتا نے کہا "بھائی! تو نے شیر کے پنجہ سے میری جان بچائی ہے میں تیری احسان مند ہوں۔ جان بچانے والا باپ کی حیثیت

رکھتا ہے۔ تو نظر بد سے مجھ کو مت دیکھ۔ ورنہ جس ایشور نے شیر کو تیرے ہاتھ سے قتل کرایا ہے۔ اس میں تیری خبر لینے کی بھی طاقت ہے۔ میں پت ورت استری ہوں۔ بھگوان کے سہارے گھر سے نکلی ہوں!" شکاری تو کسی اور خیال میں چور تھا۔ اس کی بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔ اور چاہا کہ ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لیجائے مگر اسی وقت بجلی چمکی اس کی کڑک کی آواز سے زمین و آسمان گونج اُٹھے۔ چندر کانتا نے آنکھ اٹھائی۔ شکاری اس کے پاؤں کے تلے بیجان پڑا تھا۔ چندر کانتا اسی وقت گھٹنا ٹیک کر زمین پر گر پڑی "پربھو! تو بیکسوں کا ساتھی غریبوں کا مددگار۔ لاوارثوں کا ماں باپ ہے۔ تیری مہماں کون برنن کرسکتا ہے!!!"

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پورب کی طرف چل نکلی۔ راہ میں رام پور ایک گاؤں ملا۔ اس کے قریب ایک شوالا نظر پڑا۔ جہاں بہت سے مرد و عورت پوجا کرنے کے لیئے موجود تھے۔ شوالے سے ملحق ایک دھرم شالہ بھی تھی۔ جہاں مسافر آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ چندر کانتا اس میں جا کر مقیم ہوئی۔ اس گاؤں کا راجہ بدچلن تھا۔ اس کے پاس چند ایسی بد معاش عورتیں نوکر تھیں جو مندر میں محض پردیسی عورتوں کے خراب کرنے کی نیت سے آیا جایا کرتی تھیں۔ چندر کانتا حسین تھی ان کی نگاہ اس پر پڑی "یہ تو کوئی بڑی روپ وتی استری ہے راجہ اس کو دیکھ کر پرسن ہو جائیگا!" یہ سوچکر ایک عورت اس غریب کے پاس آکر کہنے لگی "بیٹی! تو اکیلے یہاں کہاں رہیگی پاس ہی میرا مکان ہے۔ وہاں چل رات آرام سے بسر کر پھر صبح جہاں کا ارادہ ہو وہاں چلی جانا" چندر کانتا دل میں خوش ہوئی ساتھ ساتھ چل کھڑی ہوئی تھوڑے فاصلہ پر ایک باغ

واقع تھا۔ اس کے بیچ میں ایک شاندار کوٹھی بنی تھی۔ عورت نے
چندرکانتا کو لاکر اس میں ٹھہرایا۔
ایک عورت نے چندرکانتا کے کھانے کا انتظام کر دیا جب وہ
فارغ ہوئی ایک کمرے میں کوٹھے پر اس کے سونے کے لیئے پلنگ
بچھوا دیا گیا ابھی اس نے مشکل سے سونے کی تیاری کی تھی آہٹ
پاکر وہ عورت کسی کمرے میں جا چھپی اور گاؤں کا راجہ اس میں داخل ہوا
چندرکانتا کی اب جاکر آنکھیں کھلیں اس نے سوچا یہ عورت خراب ہے
اور اسی طرح استریوں کو بگاڑتی رہتی ہے۔ وہ اسی غور و فکر میں تھی کہ
راجہ اس کے قریب آکر کہنے لگا " روپ سندری! تو سچ مچ پٹ رانی
ہونے کے قابل ہے۔ یہ قیمتی ہار میں تیرے گلے میں ڈال دیتا ہوں
آج سے تو اس مکان کو ہمیشہ کے لیئے اپنا سمجھ اور میں تیری خوشی و
آرام کا خیال رکھوں گا" چندرکانتا کو اب ایشور میں زیادہ وشواس
ہو چلا تھا۔ اس نے ہار کو ہاتھ سے جھڑک کر کہا " راجن! خبردار مجھ سے
اسطرح کی بات نہ کرو۔ میں سیتا دروپدی اور دمینتی کے قسم کی عورت ہوں

معصوم ہوں بیوطن و زار و حزین ہوں
مظلوم ہوں بیکس ہوں گنہگار نہیں ہوں

غریب و بیکس سمجھ کر مت بھولنا۔ میرا مددگار پرماتما ہے۔ جس نے
راون کو برباد کیا۔ جس نے دروپدی کی لاج رکھی جس نے دمینتی کی عصمت
کو بچایا وہ اب تک زندہ ہے اور چندرکانتا کی بھی حفاظت کریگا"
چندرکانتا کے لفظوں میں زیادہ زور تھا راجہ کانپ اٹھا۔ مگر اس
نے سوچا کہ کچھ دن یہاں رہنے کے بعد اس کا مزاج درست ہو جائیگا۔
اور اس نے اس سے کہا " اچھا! ابھی راہ کی ماندگی سے تمہارے عقل

وحواس درست نہیں ہیں پھر میں آکر لوں گا" وہ بولی " تو پاپی ہے
اس طرح بیکس عورت کو کوئی نہیں ستاتا مجھ کو یہاں سے جانے دے
ورنہ تیری خیریت نہیں ہے۔ مجھے اپنی زندگی دوبھر ہے" راجہ تو چپکے
سے چلا گیا۔ اب وہ عورت آئی جو سندر سے چندر کانتا کو لائی تھی۔
اس کو دیکھ کر ستی کی آنکھیں غصہ سے لال ہو گئیں۔ دشٹا پاپی!
یہ کیا ڈھنگ ہے؟" بدمعاش عورت نے بات چیت کرنا مصلحت
نہیں سمجھا وہاں سے الٹے پاؤں لوٹی اور زینہ کا دروازہ بند کردیا۔ چندر
کانتا نے سمجھا "میں قید کردی گئی ہوں"

غریب تھوڑی دیر کے لئے پھر زمین پر متھا ٹیک کر پورے دو گھنٹہ
تک پرارتھنا کرتی رہی۔ اتنے میں سب لوگ سو گئے۔ آسمان بادلوں
سے صاف ہو گیا۔ خوب چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ اس نے بغور دیکھا۔
ایک درخت کی شاخ کھڑکی سے ملی ہوئی نظر پڑی جان میں جان آئی
اور وہیں اس نے دھوتی کس کر اس ڈالی کا سہارا لیا اور تھوڑی دیر
میں زمین پر آ رہی۔ باغ کی دیواریں قد آدم اونچی تھیں۔ مگر نا امیدی
نے اس کو عجیب ہمت دے رکھی تھی۔ وہ اچھل کر چڑھ گئی۔ اور دو چار
منٹ کے بعد دوسری طرف آ رہی اور وہاں سے بے ساختہ بھاگ نکلی
تھوڑی دیر بعد ایک دریا نظر پڑا۔ اب کیا کیا جائے! مگر اس نے کہا "میں
ابھی مرنے والی نہیں ہوں۔ ایشور میرے ساتھ ہے۔ کچھ غم نہیں۔ دریا
مجھے روک نہ سکیگا" اور وہ رام کا نام لیکر کود پڑی۔ کسی قدر تیرنا جانتی
تھی اور تھوڑی دیر بعد کنارے پر آ رہی اور ایشور کا شکریہ ادا کیا۔

وہ رات بھر برابر چلتی رہی۔ خوف تھا۔ کہیں ظالم راجہ اسکا تعاقب
نہ کرے۔ اور جب صبح کا ستارہ نمودار ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔

تھکی ہوئی چندر کانتا زمین پر لیٹ گئی۔ ماندگی کی وجہ سے نیند آ گئی اور وہ اس وقت بیدار ہوئی جب دو گھنٹے دن چڑھ آیا۔ ہر چہار طرف جنگل ہی جنگل نظر آتا تھا۔ اس نے غور کیا "میرا حسن میری راہ میں رکاوٹ ہے بغیر بھیس بدلے کام نہ نکلیگا" اور اسی وقت اس نے سارے جسم میں مٹی مل لی۔ اور یوگنیوں کی شکل بنائے ہوئے کلکتہ میں داخل ہو گئی۔

وہاں ایک دیوستھان میں ڈیرہ جمایا۔ سنسکرت کی عالمہ تھی۔ ویدک شاستر خوب جانتی تھی۔ دو چار گھنٹوں کے بعد سارے شہر میں دھوم مچ گئی۔ کہ ایک نہایت عالم یوگنی آئی ہوئی ہے۔ ٹھٹ کے ٹھٹ آدمی اس کے پاس آنے لگے۔ اور اس کے اپدیش کو سنکر متعجب ہوتے تھے۔ وہ عرصہ تک وہاں مقیم رہی۔ ہزاروں مرد و عورت کا اس کے ہاتھ سے علاج ہوا اور چونکہ قریب قریب سب کو شفا ہو جاتی تھی۔ ہر کس و ناکس اس کا مداح بن گیا۔

چونکہ اس کے پاس ہر قسم و ہر درجہ کے آدمی آنے لگے تھے۔ اس نے بات بات میں بال شاستری کا حال دریافت کر لیا۔ لوگوں نے کہا "وہ اچھا ہے مگر قید میں ہے"

اتفاق سے لارڈ ہیسٹنگز کے درباریوں میں سے کسی معزز شخص کی عورت سخت بیمار ہو گئی۔ حکیم۔ وید اور ڈاکٹروں نے جواب دیدیا لوگوں نے صلاح دی یوگنی کی دوا آزمائش کرنی چاہئے۔ وہ اپنی استری کو لیکر آیا۔ چندر کانتا نے اس کو دو دن اپنے پاس رکھا تیسرے دن اس کا مرض کم ہونا شروع ہوا۔ اور ایک ہفتہ کے بعد گو نقاہت تو ضرور باقی رہ گئی تھی۔ مگر وہ بالکل اچھی ہو گئی۔ درباری بہت خوش ہوا۔ اس کی عورت نہایت احسانمند ہوئی۔ دونوں نے ہاتھ باندھکر دیوی! کچھ ہماری

سیوا قبول کرے"

چندر کانتا بیغرضانہ معالجہ کیا کرتی تھی کسی سے کچھ لیتی دیتی نہیں تھی ان کی طرف دیکھکر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ دونوں نے پوچھا "آپ کے اسقدر غمگین ہونیکا کیا باعث ہے؟" اور تب ستی نے ان سے اپنے شوہر کی قید کی کیفیت سنائی۔ درباری نے غصہ سے کہا کہ "گنگا گوبند سنگھ واقعی سخت موذی ہے اس نے کتنے معصوموں کے گھر برباد کرا دیئے۔ لیکن کچھ پرواہ نہیں میں جلد اس کا انتظام سوچوں گا"

درباری کو ہیسٹنگز کے دربار میں بہت رسوخ تھا۔ اس نے کوشش کرکے اس کی رہائی کا پروانہ حاصل کیا۔ اور خود جیلخانہ میں جاکر بال شاستری کی سنائی کرا دی۔ لیکن اسکو یہ نہیں تبلایا کہ اس کی رہائی کی تحریک کرنیوالی اس کی خاص بیوی ہے بلکہ اس نے کہا کہ ایک یوگنی نے بیچ بچاؤ کرکے اس کو چھوڑا دیا ہے۔ بال شاستری نے جو کہ نہایت متقی ودیندار شخص تھا۔ ایسی دیوی کے درشن کرنا اور اس کے پاس آکر اپنی احسانمندی جتلانا مناسب سمجھا۔ یوگنی نے اس کو دیکھا۔ آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔ بال شاستری حیران! یہ کون عورت ہے؟ شکل وصورت تو چندر کانتا سے ملتی ہے۔ مگر وہ یہاں کہاں آسکتی ہے؟ ممکن ہے اس کی شباہت کی کوئی اور ہی ہو۔ مگر اس کے دل میں بھی اس قسم کی کشش پیدا ہوئی آخر اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے پوچھا "یہ یوگنی کون ہے؟" اور بھیس بدلے ہوئے کانتا نے اس کے پاؤں کی طرف جھک کر کہا "پران ناتھ! یہ آپ کی داسی چندر کانتا ہے" مرد وعورت دونوں کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے ساتھ آدمیوں کا ہجوم تھا حجاب مانع کار ہوا۔ آخر ایکانت میں جاکر استری پورش گلے ملے۔ اور اس نے اپنی مصیبت

کی کہانی کہہ سنائی۔ لارڈ ہیسٹنگز کا درباری دونوں کے پاؤں پر گر پڑا
پریم اور سچائی کا یہ جوڑا دنیا میں کہاں دیکھنے میں آتا ہے! ایسے پرانیوں
کے درشن ماتر سے پاپ کٹتے ہیں۔ تمہارا پوتر جیون تمہارا پرسپر پریم دھنیہ
ہے۔ اور دھنیہ ہے بھارت ورش۔ جہاں ایسی پاک روحیں پیدا ہوتی ہیں"۔
یہ کہکر وہ شخص ان کو اپنے گھر لایا۔ کچھ دنوں اپنے یہاں رکھکر پھر
سواری کا انتظام کرا دیا۔ اسوقت ریل جاری نہیں ہوئی تھی۔ ایک مہینہ
کے بعد بال شاستری اور چندر کانتا دونوں گھر پہنچے۔ ماں باپ سے مل کر
بہت خوش ہوئے۔ ایشور کا شکریہ ادا کیا اور جب چندر کانتا نے اپنے
راہ کی مصیبت کہہ سنائی۔ ان سب نے ملکر ایشور کے دھنیاد کے
آنسو بہائے۔ بنارس کے گلی کوچوں میں چندر کانتا کے پت ورت دھرم
کی ہر چہار طرف تعریف ہونے لگی اور کرشن شاستری کی کمتر بہو کو کوئی
بہو نہیں کہتا تھا۔ بلکہ وہ ستی ماتا کہلاتی تھی۔

استری پورش دونوں ساتھ ساتھ خوشی سے دن بسر کرنے لگے
برسوں کے بعد ان کے بطن سے منی سندر نامی لڑکا پیدا ہوا۔ جو اپنے
ماں باپ کے قدم بہ قدم چلنے والا نکلا۔

پیارے پڑھنے والو! ایشور کرے ہمارے تمہارے گھروں میں بھی
ایسی پت ورتا استریاں پیدا ہوں اور وہ بھارت کو اپنی پاکی و پوترتائی سے
سورگ دھام بنادیں۔

تقدیس ہے جس میں وہی رہبر ہو ہمارا
جس گھر میں ستی ہو وہی گھر ہو ہمارا

راں وجیا

سینے میں میرے تیر لگاؤ تو غم نہیں
ڈر ہے تمہارے ہاتھوں کو صدمہ نہ ہو کہیں

اجودھیا پوری میں سورسین نامی ایک دولتمند گرہست رہتا تھا اس کے باپ دادا شاہی منصب دار تھے۔ گھر میں ایشور کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا۔ کئی گاؤں کی زمینداری بھی تھی۔ دروازہ پر ہاتھی جھومتے تھے۔ کثیر التعداد آدمیوں کی پرورش اس کے ہاتھ سے ہوا کرتی تھی۔

وجیا اس شخص کی استری حد درجہ کی پارسا اور نیک چلن تھی۔ اس کا دل پاک تھا۔ دن کا بیشتر حصہ پوجا پاٹھ میں صرف ہوتا تھا۔ صبح نہانے دھونے کے بعد وہ اپنے لڑکے لڑکیوں کے ساتھ مندر میں جاکر کتھا وارتا سنتی۔ وہ خود دھرم شاستروں سے واقف تھی۔ رات کو رامائن و مہابھارت کے قصے اپنے بچوں کو سناتی اور ان کو دھرم پر قائم رہنے کی تعلیم دیا کرتی تھی گھر کے کاروبار کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس میں وجیا کا ہاتھ نہ رہتا ہو۔ اڑوس پڑوس کے لوگ اس کے حسن سلوک سے خوش تھے۔ وہ سب کے گاڑھے کام آیا کرتی اور جب کسی پر مصیبت پڑتی۔ وجیا کی فیاضی ان کی مشکلوں کو آسان کر دیتی تھی۔ سورسین اس عورت کی نیکی و ستودہ صفاتی کو دیکھ کر خوش تھا۔ وہ عام طور پر لکشمی کہلاتی تھی۔ اور سب اس کو تعظیم و پیار کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مگر افسوس! اس دیوی کی زندگی میں ایک ایسا حسرتناک واقعہ

پیش آیا - جس سے اس کی ساری خوشی رنج میں تبدیل ہوگئی -
سورسین بد قسمتی سے بُرے آدمیوں کی صحبت میں رہنے لگا - وجیا کے چال چلن نے اس پہ یہ اثر ڈال رکھا تھا کہ وہ دونوں وقت باقاعدہ ہون سندھیا کرتا اور مندر میں جا کر اپنے عقیدہ کے موافق ایشور کی اُپاسنا کیا کرتا - مگر صحبت بد نے اس کے دل کو کچھ کا کچھ بنا دیا - اگلی خو بو جاتی رہی رفتہ رفتہ یہاں تک حالت میں تغیر واقعہ ہُوا - کہ اُس نے نتیہ کرم کرنا بھی چھوڑ دیا - وجیا ڈر گئی - مبادا یہ تبدیلی کسی آفت کی باعث نہ ہو جب وہ شوہر سے سندھیا وغیرہ کے لئے کہتی وہ بیماری کا بہانہ کر دیتا - وجیا خاموش ہو جاتی بیچاری کیا کرتی اکیا اختیار تھا ! جہاں سمجھانے بجھانے سے کام نہیں چلتا - وہاں مجبوراً آدمی کو سکوت اختیار کرنا پڑتا ہے
بُری صحبت نے سورسین کو بالکل کسی کام کا نہیں رکھا - یہ وہ سخت بلا ہے - جو انسان کو خراب کئے بغیر کل نہیں لیتی -

پسر نوح با بدان بہ نشست
خاندان نبوتش گم شد

خراب وقت آیا - ہاتھی گھوڑے مال اسباب سب بک بکا گئے کل علاقے ایک ایک کر کے ہاتھ سے جاتے رہے - سورسین کنگال و مفلس ہو گیا - جس خاندان کے سہارے سینکڑوں گھرانے پلتے تھے - اس کی یہ حالت ہو گئی کہ نان شبینہ کو محتاج ہو گیا - وجیا نے شوہر کو بہت کچھ سمجھایا مگر وہ تو کسی اور دھن میں تھا - اس پر تو کوئی اور ہی بھوت سوار تھا - وہ کب کسی کی سننے لگا تھا - دکھیا اپنا زیور و اثاثہ بیچ کر کنبہ کی پرورش کرنے لگی - مگر آخر یہ حالت بھی کب تک رہ سکتی تھی - وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہتی تھی - پہلے تو سورسین اس کا بہت پاس

ادب کیا کرتا تھا۔ مگر عادتوں کے بگڑنے سے اس میں روز بروز بیحیائی اور شوخ چشمی آتی گئی۔ وجیانے دیکھا سمجھانے سے معاملہ اور بھی خراب ہو جائیگا۔ مجبور چپ ہو رہی۔ مگر پتی کی سیوا ویسے ہی کرتی رہی اور اس کے حکم کی تعمیل میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔

کچھ دنوں بعد سورسین کی یہ حالت ہو گئی کہ لوگ اس کو بدمست و مخمور پاکر گلی سے اٹھا لاتے۔ وہ جب نشہ کے ترنگ میں ہوتا۔ اول جلول بک دیتا کبھی کبھی وجیا کو گالیاں بھی سنا دیتا۔ مگر وہ سکوت و خاموشی سے برداشت کر لیتی۔ اپنے بچوں کو البتہ اس کی نظر سے غایب رکھتی تھی تاکہ کہیں باپ کی بداخلاقی کا ان پر اثر نہ پڑے۔ سورسین اپنے آپے میں نہیں رہا تھا۔ وہ ریچھ کی طرح ناچنے لگتا۔ غریب عورت کو صلواتیں سناتا۔ مگر جب وہ تھک کر کھاٹ پر لیٹ رہتا وہ بیچاری چین نہیں لیتی تھی۔ محبت و پریم سے اس کا منہ دیکھتی رہتی تھی جب وہ نیند میں چور ہو جاتا وہ اکیلی تنہائی کی جگہ میں جا کر روتی اور ایشور سے اس کے راہ راست پر آنے کی دعائیں مانگا کرتی۔

حالانکہ گھر کی جائداد تلف ہو چکی تھی۔ مگر اس نیکبخت عورت نے اپنی خاندانی شان کو ویسے ہی برابر قایم رکھا۔ اس کے لڑکے صبح کو اٹھ کر ویسے ہی ماتا کے ساتھ مندر کو جاتے اور عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کرتے۔ وجیا اپنی ضرورت کو کسی پر ظاہر کرنا یا کسی سے مدد مانگنا خلاف شان سمجھتی تھی۔ صبر اور برداشت یہ نیک طبیعتوں کے اصلی اوصاف ہیں۔ وہ گھبراتی نہیں تھی۔ اور جب کبھی لڑکے باپ کے برخلاف ناشائستہ کلمے استعمال کرتے وہ ان کو باز رکھتی اور کہا کرتی تھی یہ انسانی طبیعت کے جذبات اکثر اس طرح اوبھر کھڑے ہوتے ہیں۔ جب ان کا جوش گھٹ جائیگا۔ اور

جب وہ کمزور ہو جائینگے - میرا پتی پھر اپنی اصلی حالت پر آجائیگا۔"
ایک دفعہ بڑے لڑکے نے ترش رو ہو کر کہا "باپ نے ہماری موروثی جائداد برباد کر دی - ہم کو مفلس بنا دیا - ہم بھکاری ہو گئے - ان کو ہا ذرا پاس نہیں کہ ہماری کیا حالت ہو گی - کیا ہم در بدر بھیکھ مانگتے پھریں"
وجیا نے بیٹے کی چشم نمائی کی اور کہا " وہ لڑکا کیسا جو باپ کی حرف گیری کرے

بزرگش نخوانند اہل خرد
کہ نام بزرگاں بزشتی برد

دنیا میں اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے - روپیہ پیسہ ہاتھ کا میل ہے - لوگ روز امیر اور روز غریب ہوتے رہتے ہیں - اس کی کیا فکر ہے! افسوس یہہ ہے کہ جس اجودھیا میں رام ایسے لائق لڑکے ہو گذرے ہیں - وہاں آج ایک لڑکا اپنے باپ کی نندا کرتا ہے - تجھے نہیں معلوم دشرتھ نے رام کو بھکھاری کا لباس پہنا کر جنگل کی طرف روانہ کر دیا تھا - اور اس سعادتمند فرزند نے اُف تک نہیں کیا - ایک تو ہے جو باپ کا عیب دیکھتا ہے"
لڑکا شرمندہ ہوا - اُس دن سے پھر اُس گھر میں کسی نے سورسین کی نسبت بُرا کلمہ زبان پر آنے نہیں دیا -

سورسین کی عادت تھی جب وہ نشہ میں ہوتا - اپنی نیک عورت کی تعریف کیا کرتا " میری بیوی ساکشات دیوی ہے - وہ ایشور کے بھجن دھیان میں رہتی ہے اور کبھی کسی کو برا بھلا نہیں کہتی " اس کے دوستوں نے کہا " ہم لوگوں کو بھی ذرا ایسی دیوی کے درشن کرا دو" اور سورسین نے منظور کر لیا -

ایک دن سورسین کے دوستوں کا مجمع اس کے گھر پر اکٹھا ہوا - وجیا کو تردد ہوا - اس نے دل میں کہا " اب خیر نہیں ہے - ایشور سہا ینا

کریں"۔ سورسین نے آتے ہی اس سے کہا "آج میرے متر دوست آئے ہیں۔ میں نے اُن کی دعوت دی ہے۔ تو جلد کھانے پینے کا سامان تیار کر"۔ وجیا نے کہا "بہت اچھا" اور غریب اسی وقت فکر میں ہوگئی گھر میں کچھ سامان نہیں تھا مگر شوہر کی فرمانبرداری منظور تھی۔ آج تک بیچاری نے کسی سے کچھ مانگا نہیں تھا۔ زیور ایک ایک کرکے اتر گئے تھے۔ صرف ناک میں نتھ باقی رہ گئی تھی۔ اس نے کسی عورت کے ہاتھ اس کو گرو رکھ کر سامان منگانے کے لئے بھیجا۔ اتنے میں کچھ دیر ہوگئی سورسین نے دوسری دفعہ یاد دہانی کی۔ بیچاری جلدی جلدی انتظام کرنے لگی۔ گھر کی لونڈی باندیاں سب الگ ہو چکی تھیں۔ سارا کام کاج اسی کو کرنا پڑتا تھا۔ وہ رسوئی میں پوری بنا رہی تھی۔ سورسین تیسری دفعہ پھر آیا دیر کی وجہ سے اس کے دماغ کی حرارت کا پارہ چڑھ گیا تھا۔ اس نے پوچھا "کھانا تیار ہو گیا؟" وجیا نے کہا "پوری تیار ہو گئی ہے۔ آگ میں چھونکے دیتی ہوں"۔ سورسین سخت جھنجلایا نشہ میں ہونے کی وجہ سے اس نے عورت کو ایک لات کھینچ کر مار دیا۔ غریب وجیا کا سر دیوار سے ٹکرا گیا اور اس کے سر سے خون بہ کثرت نکلنے لگا۔ سورسین چونکہ نشہ میں تھا۔ مارتے وقت وہ سنبھل نہ سکا۔ زمین پر گر پڑا۔ وجیا کو چوٹ سخت آ گئی مگر اس نے اپنے زخم کی طرف مطلق خیال نہیں کیا۔ شوہر کو زمین پر گرا ہوا دیکھ کر وہ اس کی طرف دوڑی کہ کہیں اس کو تکلیف تو نہیں ہوئی ہے اور اس کو دونوں ہاتھ سے اٹھانے لگی۔ سورسین کی نگاہ استری کے سر کی طرف گئی جس میں سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اس کا نشہ اسی وقت ہرن ہو گیا۔ اُس نے سمجھا مجھ سے سخت غلطی ہوئی۔ میں نے نشہ کی حالت میں اپنی بیچاری استری کو سخت صدمہ پہنچایا۔ وہ اسی وقت

ڈھاریں مار کر رونے اور اپنے کئے پر پچھتانے لگا۔ اس نے عورت کے سر کو پکڑ کر پٹی باندھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی اپنی حالت پر پچھتاتا اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتا جاتا تھا۔ وجیا کو اپنے زخم کا اس قدر خیال نہیں تھا جتنا اپنے شوہر کے آرام کا تھا۔ اس نے کہا "میں اچھی ہوں۔ آپ کچھ فکر نہ کریں۔ میرا سر درد جلد دور ہو جائیگا۔ کہیں آپ کو تو زخم نہیں لگا؟" ان لفظوں نے اور بھی سورسین کے دل کو صدمہ پہنچایا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر وجیا سے کہا "سندری! معاف کر۔ میں نے بڑا اپرادھ کیا۔ میں نے اپنی شیطنت سے سب کچھ ناش کر دیا۔ آج میں نے سب سے ادھم کام کیا ہے۔ اب میں کبھی ایسی حرکت نہ کرونگا" یہ کہہ کر وہ اپنی استری کے پاؤں پر گرنے لگا۔ وجیا نے کہا "ناتھ! یہ کیا حرکت ہے۔ تم میرے دیوتا ہو۔ میرا دھرم ہے۔ تمہارے پاؤں پہ پڑوں۔ تم مجھ کو کاٹو میں نہ گھسیٹو۔ کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو تمہاری داسی ہوں۔ تم کو اختیار ہے۔ مجھے مارو خواہ مجھے پیار کرو۔ میں کبھی تمہاری شکایت نہیں کرتی"

سورسین سخت شرمندہ ہوا۔ اس نے قسم کھائی۔ کہ "آج سے میں اب کبھی افیون وغیرہ استعمال نہ کرونگا" اور جب اس نے اپنی استری کے سر پر پٹی باندھ لی وہ باہر آیا اور اپنے دوستوں سے معافی مانگی اور آئندہ پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے کا اقرار کیا۔

دوسرا دن آیا۔ وجیا بیمار ہو کر کھاٹ پہ پڑی تھی۔ بخار زور کا چڑھا تھا۔ اس کے ہوش و حواس بجا نہیں تھے۔ وہ بخار کے جوش میں بک بھک رہی تھی۔ سورسین کھاٹ کے پاس بیٹھا ہوا اس کے دوا علاج میں مشغول تھا۔ وجیا کبھی بیٹے سے کہتی "نندن! دیکھو باپ کی نندیا نہ کرو وہ تمہارے دیوتا ہیں باپ کا نام دھرنا بیٹوں کے لئے اچھا نہیں" کبھی،

وہ بیٹی سے مخاطب ہوتی "چمپا! دیکھ تیرا باپ آتا ہوگا جلدی ان کھانے کی فکر کر۔ ایسا نہ ہو وہ دکھی ہوں"
غرضیکہ وہ اپنے بخار میں اسی طرح شوہر کی محبت اور خدمت کا ہی ذکر کیا کرتی۔ سورسین کے دل پر جیسے رنج کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس نے اپنی بدچلنی سے کبھی سچی ہمدرد عورت کو صدمہ پہنچایا۔ وہ دل ہی میں افسوس کرتا رہا۔
آخر کئی دن کے بعد وجیا کا تپ اترا۔ شوہر کو سرہانے پاکر اس کا دل باغ باغ ہوگیا۔ "پران پتی! میری بیماری نے تم کو بہت دکھ دیا۔ تم جاؤ۔ باہر جاکر طبیعت بہلاؤ۔ چمپا دن بھر میرے پاس آتے رہینگی"
مگر سورسین نے اس کی بات نہیں مانی۔ وہ اپنی کمینہ حرکت اور وجیا کی شرافت کا خیال کرکے اکثر روتا رہتا۔ اور سچے دل سے اس نیکبخت کی صحت کے لئے دعائیں مانگا کرتا۔
ہفتہ دو ہفتہ گذرے۔ مفلسی سے بدتر کوئی عذاب نہیں۔ گھر میں جو ہر قلابازیاں کرتے تھے۔ مگر جب پڑوس کی عورتوں کو وجیا کی علالت کی خبر ملی وہ اس کے پاس آکر گھنٹوں بیٹھنے لگیں اور سدی ضروری چیزیں چمپا کو دیجانیں۔ نیکی کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ وجیا نے ان کی مصیبت میں ہمدردی ظاہر کی تھی کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کے کام نہ آتیں۔
سورسین کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے کیسے اپنا بنا بنایا گھر برباد کرو! اگر وجیا اس قدر نیک و شیل سوبھاو والی نہ ہوتی اس کا و اسکے لڑکوں کا کیا حال ہوتا
دو تین ہفتوں کے بعد وجیا اچھی ہوئی۔ اسوقت سے سورسین کی حالت کچھ ایسی تبدیلی ہوگئی کہ وہ ہر وقت وجیا کے حکم کا منتظر رہتا جو کچھ وہ دیوی کہتی۔ وہ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار ہوجاتا۔
وجیا نے اچھے ہونے پر اپنے قرض دیئے ہوئے روپیہ وصول کرکے

سوریسین کو کاروبار کرنے کی تاکید کی - نیک چلنی کفایت شعاری اور نیک
عورت کی صلاح سے برس دو برس بعد اس کی حالت بہت کچھ سنبھل گئی
اور گو پہلی سی حالت تو نہیں ہوئی مگر وہ اپنے کھانے پینے سے خوش تھے
اور سوریسین کا گھر دنیا میں اچھا سورگ دھام بن گیا -

ممکن نہیں وہ گھر کبھی پابند بلا ہو
اس طرح اگر اس میں کوئی اہل وفا ہو

(۱۲) دروپدی

دکھ میں سکھ میں سچ ساتھی ہو ایسی پیا دلدار کہاں؟ رنج میں غم میں ساتھ نہ چھوڑیں ایسی سچی یار کہاں؟
دلمیں گہری ہمدردی ہو وہ دلبر غمخوار کہاں؟ ظلم سہیں اور لب نہ ہلائیں ایسی نیکوکار کہاں؟
ان کے قدم کی خاک پاک کو ہم آنکھوں سے لگا دینگے
جان سے دل سے ان پہ فدا ہو گن ہم ان کا گاوینگے

دروپد پنچال دیش کا راجہ تھا - پنچال دیش کو آجکل روہیلکھنڈ* کہتے ہیں - اس واسطے ملک کے دو اولاد تھی - درشٹدیومن اور دروپدی سابق الذکر راجکمار دروپدی سے بڑا تھا - مگر بھائی بہن دونوں کی پرورش و پرداخت ساتھ ساتھ ہوئی تھی -

دروپدی حسن صورت و حسن سیرت میں لاثانی تھی - اس کی آنکھیں کنول کی طرح خوشنما اور سورج کی طرح روشن تھیں جسم کا رنگ سانولا تھا بال نیلے اور گھونگروالے تھے - بدن سے ہمیشہ ایک قسم کی خوشبو برآمد ہوا کرتی تھی -

* پنچال دیش [illegible]

دیش دیش کے راجہ اس حسین شاہزادی کے ہاتھ کے شایق تھے۔ درو پد کی خواہش تھی کہ اس کی دختر اپنے لئے خود خاوند منتخب کرے اس ارادہ سے اس نے سوئمبر کا اعلان کیا تاکہ ہر ملک کے شاہزادے آکر شریک ہوں۔ اور دروپدی ان میں سے جس کو لایق سمجھے اس کے ساتھ بیاہی جائے اور اس نظر سے کہ کہیں ظاہری حسن کے دھوکہ میں شاہزادی کو فریب نہ ہو اس نے ایک سخت کمان تیار کی۔ اور اوپر ایک ہر وقت چکر کھانے والی مچھلی کی شکل بنوائی اور اشتہار دیا جو شخص نیچے شیشہ میں مچھلی کا عکس دیکھ کر اسی خاص کمان سے مچھلی کی آنکھ کو تیر کا نشانہ بناویگا شاہزادی اس کے ساتھ بیاہی جاوے گی۔

راجے۔ مہاراجے۔ راجکمار اس اعلان کو سنکر پنچال دیش کی راجدہانی میں آئے۔ دروپد نے سب کی مہمانداری کی اور ان کے قیام کے لئے سنگ مرمر اور سونے چاندی کے محل خالی کر دیئے جن کے صحن۔ دالان اور سیڑھیوں پر قیمتی کپڑے بچھے تھے سارے محلات میں سونے کے پھاٹک لگے تھے تاکہ کثیر التعداد آدمی آسانی سے داخل ہو سکیں اور باہر جاسکیں

جب مقررہ دن آپہنچا برہمن۔ کشتری۔ رشی۔ منی سب وہاں آئے بعض تو اس غرض سے گئے تھے۔ کہ تیر اندازی کا کرتب دیکھینگے اور بعضوں کا خیال تھا کہ ہم اپنی قوت سے دروپدی کو بیاہ لائینگے۔

تماشہ گاہ وسیع میدان میں بنایا گیا تھا۔ زمین چورس اور صاف تھی۔ چاروں طرف عارضی دیواریں کھڑی تھیں۔ مگر ہر سمت تعداد کثیر میں محراب دار دروازے لگے تھے تاکہ ہوا کے آنے جانے میں رکاوٹ نہ ہو۔ جابجا باجے بج رہے تھے۔ کیوڑے اور گلاب کے فوارے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹ رہے تھے جن کی خوشبو کی مہک سے

تماشائیوں کے دماغ معطر تھے۔ دروازوں پر بندھن وار بندھے ہوئے تھے۔ جن کو دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو جاتی تھی۔
جب وقت قریب پہنچا۔ شاہزادی مکلف لباس پہنے زیور و جواہرات میں غرق۔ ہاتھ میں زرین ہار لئے ہوئے اس مجمع میں پہنچی اور آ کر تخت پر بیٹھ گئی جو اسی کی نشست کے لئے بنایا گیا تھا۔ سب نے اس زمانہ کی رسم کے موافق سر جھکا کر اس کے غیر معمولی حسن کی تعریف کی اور شاہزادی نے مسکراتے ہوئے اور شرم سے گردن نیچے کئے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا جس نے اس کو نظر بھر کر دیکھا۔ پھر دوسری طرف آنکھ نہیں کی۔

حسینے بہ جبینے۔ دل فریبے
ملایک صورتے طاؤس زیبے
کہ بعد از دیدنش صورت نہ بندد
وجود پارسایاں را شکیبے

سب تصویر حیرت بنے ہوئے ٹکٹکی باندھ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک خاموشی اور سکوت کا عالم طاری تھا۔ اتنے میں شاہزادہ درشٹ دیومن اٹھا۔ اور بہ آواز بلند سارے مجمع کو مخاطب کرکے کہا وہ صاحبو! اس مجمع میں ہر رتبہ کے لوگ موجود ہیں۔ میں ان سے عرض کرتا ہوں۔ یہ کمان ہے اوپر مچھلی چکر لگا رہی ہے اس کا عکس نیچے شیشہ میں اچھی طرح دکھائی دے رہا ہے یہ پانچ تیر رکھے ہوئے ہیں۔ جو کوئی ان میں سے کسی ایک تیر سے بھی مچھلی کی آنکھ کو نشانہ بناویگا۔ میری بہن دروپدی اس کی بیوی ہوگی۔ یہ شخص کسی قوم کسی فرقہ کسی ملک اور کسی حیثیت کا ہو۔ آج ہر شخص کو موقعہ ہے۔ کہ وہ نیکنامی اور شہرت حاصل کرے۔ اتنا یہ کہہ کر درشٹ دیومن بیٹھ گیا۔

شاہزادے جو دروپدی کے بیمثال حسن سے متاثر ہو چکے تھے اٹھے اور اپنے تیراندازی کے کرتب دکھانے کے لئے آمادہ ہوئے ششوپت مشہور تیرانداز کمان جھکانے لگا اور اس کوشش میں منہ کے بل گر پڑا۔ جرا سندھ مگدھ کے بانکے لڑکے نے بھی کمان ہاتھ میں لی اور اس کو وزنی پاکر جھٹ سے زمین پر رکھ دیا اور شرم سے اسی وقت اپنے راج کی طرف کوچ کر دیا۔ شالیہ والئے مدرا نے بھی قوت آزمائی کی مگر اس نے منہ کی کھائی۔ کمان کیا تھی۔ بلا کی سخت تھی۔ ہزاروں شاہزادے اٹھے اور اپنی کوشش میں ناکامیاب ہوکر نادم اور منفعل ہوئے۔

درشٹ دیومن نے دوسری دفعہ پھر کھڑے ہوکر کہا صاحبو! جن جن کشتریوں نے زور آزمائی کی سب ناکامیاب رہے۔ کیا اب برہمن یا اور کسی قسم کے لوگ کوشش کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں؟ کسی نے کہا ہاں اور کسی نے کہا نہیں۔ مگر اسی وقت ایک نوجوان شخص برہمن کا لباس پہنے ہوئے اٹھا اور دروپدی کی خوشنما مسکراہٹ میں ایک قسم کی تحریک محسوس کرتے ہوئے وہ اچھل کر اس مقام خاص پر جاکر کھڑا ہو گیا اور چشم زدن میں ایک ہی تیر سے مچھلی کی آنکھ بیدھ دی تیر کا نشانہ پر لگنا تھا کہ تڑانے کی آواز بلند ہوئی اور برہمنوں کے تحسین و آفرین کی صدا سے درو دیوار گونج اٹھے۔ جس کی غرض شاباشی کے سوا یہ بھی تھی۔ کہ دیکھا جو کام کشتریوں سے نہیں ہو سکا اس کو ایک بدحیثیت برہمن نے انجام دیا۔ برہمن و کشتریوں کی رقابت نئی بات نہیں ہے جب وقت سے ورن آشرم بگڑنا شروع ہوا۔ ان میں برابر خانہ جنگیاں ہونے لگیں اور ملک خودغرضی اور نفسانیت کے

ہاتھ غلام بن گیا۔

درروپدی نے اس نوجوان کی شکل وصورت پسند کی اور خوشی خوشی دونوں ہاتھ سے طلائی "جیمال" اس کے گلے میں ڈال دیا۔

یہ نوجوان کون تھا! کیا سچ مچ وہ برہمن تھا؟ نہیں۔ مجمع میں کئی آدمیوں کے دلوں میں اس کی قومیت کی نسبت شک وشبہے واقعہ ہوئے۔ وہ برہمن پجاری نہیں تھا۔ بلکہ ایک مصیبت زدہ شاہزادہ تھا جو تبدیل ہیبت میں پنچال دیش آیا تھا۔ اور تحقیقات کے نتیجہ نے اس شبہ کو صحیح ثابت کردیا۔

نوجوان بہادر ارجن پانڈو نامی بڑے مہاراجہ کا لڑکا اور یودھشٹر کا چھوٹا بھائی تھا۔ یودھشٹر۔ بھیم۔ ارجن۔ نکل سہدیو پانچوں بھائی دریودھن کے حسد و دشمنی سے بھاگ کر اس طرف چلے آئے تھے۔ کیونکہ مہاراجہ دھرتراشٹ دریودھن کے اندھے باپ نے ہستنا پور کا علاقہ ان سے چھین لیا تھا اور یہ بیکسی سے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔

اور جب شاہ درروپد کو ارجن کی شاہی نسل کا حال معلوم ہوا۔ وہ دل میں نہایت خوش ہوا۔ شہر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور دھوم دھام سے درروپدی اور ارجن کی شادی کردی گئی۔ اور موقع سے پھر وہ ہستنا پور میں جاکر آباد ہو گئے۔

یہاں درروپدی کے بطن سے چار لڑکے پیدا ہوئے جن کی ہنسی اور کھیل کی آواز سے مکان کے در و دیوار گونجتے تھے۔ ماں۔ باپ عزیز و اقارب۔ ان کو دیکھ کر خوش تھے۔ کیونکہ یہ بچے نہایت تندرست وجیہ اور پیارے تھے۔

لیکن یہ خوشی کی حالت بہت دن تک قایم نہ رہ سکی - دریودہن بالطبع نہایت کینہ دوز اور بد باطن شخص تھا - وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح یودھشٹر سے دل کا بخار نکالے - وہ دل ہی دل میں آپس کی ہر دلعزیزی اور راستبازی کو دیکھ کر جلا جاتا تھا اور وقت بیوقت تکلیف دینے کے سامان بھی پیدا کر دیا تھا - اندھے مہاراجہ کا کچھ بس نہیں چلتا تھا - آخرکار اس کو موقعہ مل گیا - اور اس نے یودھشٹر کے ساتھ ایسی بدسلوکی و بیجا کارروائی کی جس کا نتیجہ جنگ مہابھارت ہے -

قرینہ سے معلوم ہوتا ہے اس وقت کے طرزِ معاشرت میں جُوا کھیلنا برا نہیں سمجھا جاتا تھا - راجے مہاراجے بالخصوص اس میں اپنی تفریح تلاش کرتے تھے - ایک خوبصورت مکان اس غرض سے تعمیر کیا گیا تھا جس میں تنو کھیلنے لگے تھے - یودھشٹر قمار بازی میں مشہور تھا - دریودھن نے کہلا بھیجا " آؤ آج ہم اور تم بازی بدکر جُوا کھیلیں "

راجپوت لڑائی اور جُوا کے وقت انکار کا لفظ زبان پر نہیں لاتے تھے یہ کسر شان میں داخل تھا - یودھشٹر نے کھیلنا شروع کیا - پانسہ میں سیسہ پلایا ہوا تھا - یودھشٹر کو اس سے واقفیت نہیں تھی - وہ برابر ہارتا گیا - نوکر چاکر - دھن دولت - راج پاٹ سب ہار گیا - اس غریب کو کیا خبر کہ دھوکے کا کھیل ہو رہا ہے - اس نے کہا " آج میری قسمت کا پلہ اونچا ہو گیا ہے "

اب کچھ باقی نہیں رہا - ہاتھی گھوڑے سب ہاتھ سے نکل گئے -

یودھشٹر محجوب و نادم تھا -

دریودہن نے کہا " اب کیا صلاح ہے ؟ دروپدی کو داؤں پر لگا دو "
سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوئے اور کمزور دل یودھشٹر لالچ کے دام

میں پھنس گیا۔ شاید نیک بخت دروپدی کی قسمت سے پانسہ پلٹ جائے اور وہ ہاری ہوئی بازی جیت لے۔

بروز و طرح دیدۂ ہوشمند
در آرد شرہ مرغ و ماہی بہ بند

اس دفعہ بھی پانسہ نے بازی نہیں دی۔ اب جاکر یودھشٹر نے دیکھا سخت غلطی ہوئی۔ "ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا" مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔

وہ لوگ جو عورتوں کی بے عزتی کی شرمناک کارروائی کیا کرتے ہیں متنبہ ہو جائیں۔ بھارت کی زوال کی ابتدا عورت کی بے عزتی کے ساتھ شروع ہوئی ہے۔ عورت کی بیعزتی ہی قوم کی خستہ حالی۔ بربادی اور خرابی کا نشوونما ہو رہا ہے اور اگر یہی وطیرہ رہا تو عورتوں کی ذلت اور حقارت میں دیر پا تما وہ دن نہ دکھائے) آریہ قوم کے خاتمہ کا سامان نظر آرہا ہے!

جو عورتوں کی ہتک کرتا ہے وہ بدذات۔ مردود خلایق ہے۔ جو قوم عورتوں پر ظلم و ستم روا رکھتی ہے وہ غریب۔ محتاج و غلام ہو جاتی ہے۔ اور دنیا کی قومیں اس کو لات سے روندتی ہیں۔ گوتم بدھ نے سچ کہا تھا۔ کہ "جو اپنی عورتوں کی عزت کرتے ہیں ان کے لئے زوال کا خوف نہیں ہے"۔ مگر لوگوں نے اس نصیحت کو نہیں سنا۔ اس کے برخلاف کام کیا۔ اور آج ان کی کیفیت دیکھتے ہو۔ عیاں راچہ بیان! اگر اب بھی دیش کی بھلائی منظور ہے تو استری جاتی کی عزت کرو اور ان کی بھلائی کی تدبیریں سوچو!

افسوس! یودھشٹر دروپدی کو ہار گیا! دریودھن اور اس بے غیرت شخص کے بھائی ہند مارے خوشی کے پھولے نہیں سمائے۔ اسی نے زور

سے کہا دروپدی کو گھسیٹتے ہوئے لاؤ۔ وہ مکان میں جھاڑو دے اور لونڈیوں کے ساتھ رہے۔" جب دروپدی نے یہ پیغام سنا اس کو یقین نہیں ہوا۔ کہ یودھشٹر کبھی ایسی غلطی کر سکیگا۔ اور دریودھن کشتری کہلاتے ہوئے بھی اس کی ہتک کریگا۔ دوسری دفعہ آدمی پھر گیا۔ وہ نہیں آئی۔ تیسری دفعہ دوشاسن گیا اور اس نے لفظ بہ لفظ دریودھن کے حکم کی تعمیل کی۔

دنیا کے غیر شائستہ و نا مہذب قوموں میں بھی کبھی نہیں دیکھا گیا۔ کہ کوئی شخص کسی شاہزادی کے گیسو اور ساڑھی پکڑ کر گھسیٹتا ہوا سر دربار لے آئے! دروپدی کے ہوش و حواس درست تھے۔ وہ آئی اور غرور و تمکنت سے مجمع کے سامنے کھڑی ہو گئی سب دم بخود تھے۔ بھیم کے ہونٹھ غصہ سے ہل رہے تھے اس نے کہا "اگر میں بھیم ہوں تو دوشاسن کا خون پیونگا" یودھشٹر نے مصلحت وقت دیکھکر آنکھوں کے اشارہ سے منع کیا۔ ارجن اور بھیم خاموش ہو رہے۔ مگر دریودھن کی جماعت میں شانت کا کہاں گذر! اس نے کہا "لونڈی! دیکھ۔ آج سے تو ہمارے مکانوں میں جھاڑو دیگی" شریف کھشترانی غصہ اور تمکنت کی نگاہ سے تکتی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر سارا دربار کھلبلا اٹھا اور اس بدسلوکی کے ختم کرنے کی سفارش ہونے لگی۔

دریودھن کب کسی کی سننے والا تھا! اس نے اس کو جوئے میں جیتا تھا۔ آج سے اس پر اس کا قبضہ تھا۔ جو جی میں آویگا کریگا۔ جب دھرتراشٹ نے سنا چلاتا ہوا مجمع میں آیا۔ اس شرمناک کارروائی پر لعنت ملامت کرنے لگا۔ بھیشم پتامہ موجود تھا۔ اس نے کہا "یاد رکھو! اس گناہ کی سزا نہایت سخت ہوگی۔ جہاں اس قسم کے کام کئے جاتے ہیں۔ وہاں سے نہ صرف خیر و برکت اٹھ جاتی ہے بلکہ شانتی بھی جاتی رہتی ہے اور انسان

بری طرح سے اپنی زندگی کا خاتمہ دیکھتا ہے"

رنج بجا ؤ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جلا وطنی میں زندگی بسر کریں اور یودھشٹر نے اپنے بھائیوں کے ساتھ جنگل کا راستہ لیا۔ درو پدی نے کہا "میں بھی ساتھ ساتھ چلوں گی۔ چاہے جنگل ہو یا محل مجھے علیحدہ رہنا منظور نہیں ہے"

کنتی یودھشٹر کی ماں تھی۔ جب اس نے سنا۔ لڑکے نئی مصیبت میں مبتلا ہو گئے اس کو سخت رنج ہوا۔ مگر کیا کرتی؟ سنسار کے واقعات پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔ جب لڑکے اس سے ملنے کے لئے آئے کنتی نے سب کو معمولی نصیحت کر کے اپنی دعا کے ساتھ رخصت کیا۔ مگر درو پدی سے کہا "بیٹی! تیری وجہ سے مجھ کو اطمینان ہے۔ کہ میرے لڑکوں کو تکلیف نہ ہوگی۔ تو عورتوں کے دھرم سے آگاہ ہے اور تیرا برتاؤ ان کے زخموں پر مرہم رکھیگا۔ عورت کی حیثیت مردوں کے درمیان رانی ایکی ہے۔ وہ سب کو اپنے اثر کے ماتحت رکھ کر شانتی و آرام سے سب کو خوش رکھ سکتی ہے۔ مرد ہزار عقلمند ہوں۔ ہزار بہادر ہوں۔ مگر زندگی کے متعلق ان سے خوش گذران کرنے کی امید رکھنا عبث اور فضول خیال ہے۔ عورت تھوڑے ہی میں سب کچھ کر سکتی ہے۔

وہ لکشمی ہے اس کے ہاتھ میں برکت ہے۔ اس لئے اے بیٹی! جہاں تو ہے وہاں کیوں میرے بیٹوں کو تکلیف ہونے لگی! جا اپنے دھرم پر قایم رہ اور مصیبت کے وقت ان کی دلجوئی کر"

پانڈو بہادر اور شجاع تھے۔ اور ان کے دوست لاکھوں کی تعداد میں مدد کرنے کے لئے ہر وقت موجود تھے۔ مگر وہ سکوت اور خاموشی سے اپنی قسمت پر راضی ہو گئے اور خوشی سے جلاوطنی کی تیاری کر لی۔ آج کل کے شائستہ آدمی اس پر تعجب کرتے ہیں اور کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص جو ایسے

میں اس طرح مال و دولت ہار کر جلا وطنی اختیار کر لیگا!! اگر وہ وقت اور تھا۔ سچائی آریہ قوم کا خاصہ تھی۔ چاہے جوا ہو یا اور طرح۔ وہ کبھی ادہرم کرنے پر کمر باندھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ جھوٹ سے ان کو نفرت تھی۔ ان کا دیوہار سچا تھا۔ دنیاوی حشمت و جاہ و جلال کے لئے غلط و باطل کارروائی کرنا ان کو کبھی پسند نہیں تھا۔

لارڈ کرزن صاحب بہادر ہمارے حاکم ہو کر بھی آج ہم کو جھوٹا! بتلاتے تھے۔ ذرا اس ایک واقعہ پر نظر ڈال کر دیکھیں۔ ہم میں سچائی کا معیار کیسا زبردست تھا۔ کیا آجکل کے یوروپین اسٹیٹسمین (مدبر) میں اس طرح کہیں سچائی کا پیار نظر آتا ہے؟

شروع شروع میں دروپدی کے لئے جنگل کی زندگی سخت تکلیف دہ ثابت ہوئی کیونکہ اس نے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ وہ بیچاری ان مصیبتوں سے کب آشنا تھی! مگر

بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد

وہ تن بہ تقدیر راضی ہو گئی۔ اس نے دیکھا دنیا میں گنہگار و پاپی آدمی عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر نیک اور راستباز تکلیف جھیلتے ہیں۔ کیا الٹا تماشہ ہے۔ ایک روز جب پانڈوا اداس بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا بھی خیال اسی قسم کا تھا۔ دروپدی نے اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کیا اور اسوقت جو کلمے اس کی زبان سے برآمد ہوئے تھے قابل غور ہیں:۔

مہاراج! ایشور اور اس کے بندوں میں ماں باپ اور لڑکوں کا رشتہ ہے۔ جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کے سکھ دکھ کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ایشور بھی ان کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ ماں بیٹے کو گود میں لیکر چراغ سے نیچے کے بچھڑے میں لفتر ملاتی ہے

تاکہ اس کو صحت حاصل ہو۔ پھوڑہ بچے کی بد پرہیزی اور بے احتیاطی سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہی تھا۔ قدرت میں ہر کام کے لئے جزا و سزا مقرر ہے۔ اگر لڑکے کے کھانے پینے رکھنے بیٹھنے میں احتیاط کی جاتی۔ تو یہ مرض کیوں ہوتا! اسی طرح ہم لوگ اکثر دیدہ و دانستہ اور کبھی کبھی غلطی سے بڑے کام کر بیٹھتے ہیں۔ جن کی سزا لابدی ہوتی ہے۔ ایشور اپنی دیا سے ان کا پھل دیتا ہے اور جب تک یہ پھل بھوگ نہیں لیا جاتا۔ تب تک من کی صفائی بھی نہیں ہوتی۔ یہ گویا ایک طرح پر گناہ کا قدرتی کفارہ ہے۔ اس لئے اس پر بد دل ہونے یا شکوہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ راضی بہ رضا رہنا اعلےٰ درجہ کا دھرم ہے؟

اس طرح دیر تک گفتگو کرنے کے بعد عقلمند اور عالم خاتون نے مضمون کو بدل دیا۔ اور ان سے متوجہ ہو کر کہا " ہم ذیل میں اس کے خاص لفظوں کا ترجمہ کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔

کرم سے ہم پر مصیبت آتی ہے۔ کرم سے ہم سکھ کے بھاگی ہوتے ہیں اس لئے کرم تکھبہ ہے منشیہ کرم کرنے سے بندھن میں پڑتا ہے اور کرم کرنے سے آزاد ہوتا ہے۔ اس لئے کرم کرنا بہت ضروری ہے کرم اپنے سلسلہ سے انادی ہے۔ نہ اس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ کیونکہ سرشٹی کا پرواہ ہمیشہ سے ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کب سے ہے؟ اس وجہ سے کرم کرنا قدرت کا اصول ہے کون شخص سست رہ سکتا ہے! کرم کرنے سے کسی کو چارہ نہیں ہے۔ پرکرتی کے ذرات گردش میں ہیں۔ سب میں تغیر و تبدیل کی حالت طاری ہے۔ اس لئے یقیناً ہم سب کو کرم کرنا چاہیئے۔ کسان زمین جوتتا ہے ہل چلاتا

ہے۔ دانہ بوتا ہے۔ سورج چاند اس کو پکاتے ہیں۔ بادل درخت کو
قوت بخشتا ہے۔ جب دانہ کا وقت آتا ہے۔ کسان خوش ہو کر فصل کاٹتا
ہے۔ کھیتی اسی کیلئے پھل دیتی ہے۔ جو محنت کرتا ہے۔ اس خیال سے
آپ بھی فکر و تردد چھوڑ کر کام کرو تاکہ مصیبت دور ہو"!

باتوں باتوں میں کہاں تک دکھ درد کم ہو سکتا ہے؟ ایام جلا وطنی
میں شاہزادوں نے کیسی کیسی آفتوں کا سامنا کیا۔ جن کا تفصیلی بیان مہابھارت
موجود ہے۔ مگر دروپدی ہمیشہ ان کے ساتھ تھی۔ بات سے حذیت
سے اور توجہ سے ہر وقت ان کے غم غلط کرنے کی فکریں سوچتی رہتی تھی
اور ان کا دل مایوسی و رنج کی تاریکی کے وقت کبھی کبھی امید کی خوش کرنے
والی شعاعوں سے منوّر ہو جاتا تھا!

بارہویں برس کے خاتم پر ان کو ایک نہایت رنج دینے والی مصیبت
کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا تذکرہ یہاں پر قابل بیان ہے۔ دروپدی جنگل
کی مصیبت کے وقت بھی روز بروز زیادہ حسین ہوتی گئی۔ ایک جنگلی
سردار نے اس کو دیکھ لیا اور موقعہ کے وقت شاہزادی کو پکڑ لے گیا۔
پانڈوں نے تھوڑی دیر کے بعد اس واقعہ سے اطلاع پائی۔ سردار کا
تعاقب کیا گیا اور اس کو شکست دیکر بہادر راجپوت دروپدی کو چھوڑا لائے۔
اور سردار کو میدان جنگ میں شکست دیکر گرفتار کر لیا۔ جب یودھشٹر
کے سامنے پیش کیا گیا اس نے کہا "میں پانڈوں کا غلام ہوں" تب جاکر
یودھشٹر نے دروپدی کی سفارش پر اس شرط کے ساتھ آزادی بخشی کہ وہ
ان کی نسبت کسی اطلاع نہ دیگا۔

دروپدی کا غصہ فرو ہو گیا۔ اس نے کہا "اس نے اپنی گستاخی کی
کافی سزا پائی۔ ہم کو انعام و سزا میں ہمیشہ اعتدال سے کام لینا چاہیئے"!

ہارد بھنٹر کی بھی یہی رائے تھی۔ اس نے سردار سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو اب تم آزاد ہو۔ لیکن کتنے شرم کی بات ہے۔ کہ تم نے ایک غریب خاتون کے ساتھ ظلم و بدبخت کا سلوک کیا۔ کیا اس برتاؤ سے تم کو شرم نہ کرنا چاہیئے؟ مرد کبھی بھی ایسا نہیں کرتے۔ اب تم شانتی سے اپنے گھر جاؤ۔ لیکن آیندہ کے لئے احتیاط رکھو۔ اب ایسا نہ ہونے پاوے۔" سردار شرمندہ ہو کر رنج و ندامت کے ساتھ ان سے رخصت ہوا۔

جلاوطنی کے بارہ برس ختم ہو گئے۔ تیرھواں برس تبدیل ہیئت میں کسی شہر میں گذارنا تھا۔ اس کے بعد بھیراں کو اپنی حکومت و سلطنت کے واپس مانگنے کی اجازت تھی۔ لیکن مانگنے و پانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے جو بھیکھ منگوں کی طرح مانگتے ہیں ان کے ساتھ بھیکھ منگوں ہی کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہے۔ نامہ و پیام کا سلسلہ جاری ہوا۔ آدھی سلطنت کا دعوے پیش کیا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اگر اب بھی نصف راج دیدیا گیا تو لڑائی جھگڑے سے پرہیز کیا جائیگا۔

مگر دریودھن نے کہا "میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی زمین نہ دونگا" آخر فریقین نے کہا "سوائے جنگ کے اب اور کسی طرح سے اس کا فیصلہ نہ ہوگا۔" آخر تمام دیش کے راجے مہاراجے کورکشیتر کے میدان میں جمع ہوئے۔ کوئی کسی کا اور کوئی کسی کا جانب دار بن گیا۔

یہ لڑائی نہایت خوفناک قسم کی تھی مہابھارت اور تھانیسر کا میدان کئی لڑائیوں کے لئے مشہور ہے۔ اور قریب قریب سب ہی اپنے طور غریب ہندوستان کے لئے رنج و مصیبت لائیں اس جنگ میں کوروں کو شکست ہوئی اور مخالف فریق سب کے سب مارے گئے۔ پانچ پانڈو اور سپاہی ہستناپور آئے جہاں دھرت راشٹر کا لا ... ان کے ساتھ

نہایت رقت خیز تھا۔

مہابھارت کی فتحیابی کے بعد دروپدی پر ایک اور غیر معمولی مصیبت واقع ہوئی۔ اس کے لڑکے نوجوان و بالغ ہو گئے تھے۔ جب دریودھن میدان جنگ سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ رہا تھا۔ اسوتتھاما نے سمجھا "اگر میں ارجن کے لڑکوں کا سر کاٹ لاؤں تو شاید مرتے وقت اس کو آرام ملیگا" اور اس ارادہ سے اس نے چھپ کر معصوم بچوں کا سر کاٹ کر دو نتے ہوئے دریودھن کے پاس اٹھا لایا۔ اس نے لعنت ملامت کی اور کہا "ان معصوموں سے مجھ کو دشمنی نہیں تھی۔ مجھے تو ان کے باپ اور چچا سے رنج تھا"

دروپدی کے دل کو لڑکوں کے قتل سے سخت صدمہ پہنچا۔ اس نے کہا "جب تک میرے بچوں کا قاتل نہ مارا جائیگا مجھے چین نہ آویگا" اس کے عہد کو سنکر پانڈوں نے اسوتتھاما کو گرفتار کیا۔ مگر جب اس کو شاہزادی کے سامنے پیش کیا اس کو دیکھ کر دروپدی نے کہا "تو تو گورو کا لڑکا ہے۔ تجھ کو کیا قتل کراؤں" آخر کار اس کے ماتھے سے چند خون کے قطرے ٹپکائے گئے اور اس کا قیمتی الماس جس کا نام آجکل کوہ نور ہے۔ چھین کر دروپدی کو دیا گیا۔ شاہزادی نے وہ ہیرا ارجن کو دیا کہ "یہ تیرے تاج کے لایق ہے" اور قاتل کو آزادی عطا کی۔

اس کے بعد مہاراجہ یودھشٹر کی تخت نشینی کا جلسہ کیا گیا۔ مگر پانڈوں میں سے کوئی دل میں خوش نہیں تھا۔ عزیز و اقارب۔ خویش و یگانوں کی موت نے دنیا کو تیرہ و تاریک بنا رکھا تھا۔ اس لئے آخر میں وہ سب سوچ سمجھتے ہمالیہ پربت پر جاکر برف میں گل گئے۔ اور دروپدی نے بھی ان سب کے ساتھ جان دیدی۔

وردپدی کے ذات میں ایک خاص قسم کی تقدیس تھی جو اور کسی ہستی کے چہرے میں نظر نہ آئیگی - یہ نہایت نیک خاتون تھی - یہ نہ صرف حد درجہ کی عالم تھی بلکہ شاہی خزانہ کا حساب کتاب بھی رکھتی تھی - اور ہاتھی گھوڑوں وغیرہ کے انتظام کا کام اس کے سپرد تھا -

آج اس نیک عورت کو مرے کتنے ہزار برس ہو گئے - مگر اس کا مبارک نام آج تک زندہ ہے - اور لوگ اس کے تذکرے کو برکت کا باعث سمجھتے ہیں !

(۱۳) مہارانی دمینتی

ہے ہے یہ بیوفائی تمہیں کیسے بھا گئی — تقصیر کیا تھی - دل میں جو وحشت سما گئی
جاگی تمام رات تھی میں نیند آ گئی — تم چھوڑ بھاگے مجھ پہ گھٹا غم کی چھا گئی

میں تیرہ سخت ہجر کی راتوں میں روؤنگی
رو رو کے اس جدائی میں جان اپنی کھوؤنگی

قدیم زمانہ میں صوبہ برار کا نام ودربھ تھا - بھیم وہاں کا راجہ تھا - اس کی دلیری اور جانبازی کی ہر چہار طرف دھوم تھی - دشمن اس کے تذکرہ سے لرزتے تھے - مگر رعایا اس کو جان سے پیار کرتی تھی - اس فرمانروا کی دختر نیک اختر حسن صورت اور حسن سیرت میں بے مثال تھی -

شاہزادی کا نام دمینتی تھا - اس کی خوبصورتی شہرہ آفاق تھی اور دنیا کے مصور اس کے خط و خال اور سراپا کو قدرت کی صناعی کا کمال

کیا کرتے تھے وہ اپنے گھر میں ماں باپ بھائی بند سب کو پیاری تھی اور راجہ رانی اور شاہزادوں نے اس کو اپنی آنکھوں کا تارا بنا رکھا تھا۔ جب اس کی عمر تیرہ برس کی ہوئی۔ راجہ نے اس کی دلبستگی کا سامان مہیا کر دیا۔ سینکڑوں باندیاں ہر وقت خدمت کے لئے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھیں۔ اور ہر قسم کے زیور و جواہرات سے آراستہ ہو کر دمینتی سہیلیوں کے مجمع میں اس طرح نظر آتی تھی۔ جیسے ستاروں کے درمیان نورانی چاند دنیا میں کوئی عورت ایسی حسین نہیں تھی جیسی دمینتی تھی۔ اور سب لوگ اس کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔

جس طرح دمینتی سب حسینوں میں خوبصورت سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح نل۔ ویر سین نشادہ دیش کے راجہ کا لڑکا بھی سب میں اچھا اور قابل خیال کیا جاتا تھا۔ نل۔ وید۔ ویدانگ۔ شاستر۔ دھرم۔ اپنشد جوتش وغیرہ علوم سے ماہر تھا اور فوج کشی کے فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اس میں عیب صرف یہ تھا کہ جوا کھیلا کرتا تھا۔ اور اس بدعادت کی وجہ سے اس کو بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ جس وقت وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد راج کاج کا کام کرنے لگا۔ اس وقت بھی وہ جوا کھیلنے کا شایق رہا۔

دمینتی کا بے نظیر حسن اور نل کی دانائی اور ہمہ دانی کا چاروں طرف چرچا ہونے لگا۔ یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے اوصاف سن کر غائبانہ عاشق بن گئے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اور جب ان کے دوستوں کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی جا بجا نل

دمینتی کی محبت کا تذکرہ ہونے لگا۔
دمینتی کی کچھ دنوں بعد ایسی حالت ہوگئی کہ صبر و قرار جاتا رہا اور جب بھیم کو خبر ملی کہ شاہزادی اکثر بیمار رہا کرتی ہے اور اس کو نشاد دیش کے راجہ کا سودا ہے اس نے سوئمبر کی قدیم اور شائستہ رسم کے ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ لڑکی کی طرف سے شادی کا پیغام بھجوانا اس زمانہ کے آداب و طرز معاشرت کے قاعدوں کے برخلاف تھا۔
جب سوئمبر کا دن آیا۔ تمام ملکوں کے شاہزادے و دربھ دیش کی راجدھانی میں مجتمع ہوگئے بھیم نے سب کی آؤ بھگت کی۔ شاعر لکھتا ہے۔ راجاؤں اور شاہزادوں کی مجلس مثل کوہستانی جنگل کے معلوم ہوتی تھی جس میں اس قدر شیر۔ چیتے یکجا ہوئے تھے۔ ان سب کے جسم سڈول تھے۔ آنکھوں سے بیچینی اور چنچل پن کا اظہار ہوتا تھا سب نک سک سے درست اور خوبصورت تھے اور ان کے چہرے اس طرح چمکتے تھے جیسے آسمان میں ستارے چمکتے ہیں۔ اور جب دمینتی اس مجلس میں داخل ہوئی۔ ان سب شاہزادوں کی نگاہ۔ اس کی طرف گئی۔ کیونکہ سب دل سے اس حسین شاہزادی کے ہاتھ کے شائق تھے؟!
مگر دمینتی نے نل کو پسند کیا۔ اس نے شرماتے ہوئے اور آنکھیں نیچی کئے ہوئے اس کے گلے میں پھولوں کا ہار (جیمال) ڈالدیا۔ نل کو قسمت نے کامیابی عطا کی۔ دوسرے نوجوان مایوس ہو کر واپس گئے۔ اور بھیم نے دوسرے ہی دن نل اور دمینتی کا بیاہ کر دیا
شادی کے بعد نئی دلہن اپنے شوہر کے گھر گئی۔ یہاں عرصہ تک ان کی زندگی عیش و آرام سے بسر ہوئی۔ وہ اک دوسرے کو دل سے

چاہتے تھے اور جہاں اس طرح دو چاہنے والے دل ملتے ہیں۔ اسی کو "سورگ وصلم" اور "وکنٹھ" کہتے ہیں۔ دو خوبصورت لڑکے اس شادی کے نتیجے تھے۔ اور جب وہ اپنے ننھے ننھے پاؤں سے چلتے اور تتلاتی ہوئی زبان سے باتیں کرتے۔ ماں باپ کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگتا۔

مگر افسوس! اس دنیا کی خوشی غم سے خالی نہیں ہے۔ شہد کے شیریں و لذیذ چھتے کے ارد گرد ڈسنے والی مکھیاں رہتی ہیں اور گلاب و کنول کی خوبصورت و ملایم پنکھڑیوں کے تلے کانٹا چھپا رہتا ہے۔ نل میں ایک قابل نفرت عیب تھا۔ شادی کے بعد گو اس نے کچھ دنوں سے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ مگر وہ بد عادت دل کے پردوں میں چور کی طرح چھپی ہوئی موجود تھی۔ پشکر نامی اس کا دوست نما دشمن نل کے دھوکہ دینے کی غرض سے آیا۔ نل نے پہلے تو بہت کچھ پس و پیش کیا مگر کرم کی گتی "دسنسکار کا پربھاؤ پربل ہے" وہ کھیلنے پر راضی ہو گیا۔ اور دم کے دم میں سب کچھ کھو بیٹھا۔ دمینتی نے حسرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ مشیروں نے بہت کچھ اشاروں سے و باتوں سے سمجھایا۔ مگر نل پر جوئے کا بھوت "سوار تھا"۔ اس نے کسی کی طرف دھیان نہیں دیا نہ کسی کی سنی۔

دمینتی نے پردھان کو بلایا۔ اس نے راے دی کہ نل راج تک ہار گیا۔ مہارانی کو اب اس ملک میں رہنا مناسب نہیں۔ بہتر ہے۔ کہ وہ لڑکوں کو لیکر ودربھ نگر کو چلی جائے۔ مگر دمینتی نے کہا کیسے ممکن ہے کہ موت تک ساتھ رہنے کی قسم کھانے والی عورت۔ تکلیف اور مصیبت کے وقت اپنے شوہر کو چھوڑ دے! میں اپنے سوامی اسکے سُکھ دُکھ کی شریک ہوں۔ چاہے مصیبت کا پہاڑ ہم پر آکر گرے

مگر میں کبھی اس کو نہ چھوڑوں گی"۔
راجہ نل زر۔جواہرات۔ لباس۔ لشکر۔خیمہ۔یہاں تک کہ راج بھی ہار گیا اور بدذات پشکر نے ہنسکر کہا "ابھی اور کھیلو" نل نے کہا اب ہمارے پاس کچھ نہیں رہا" تب پشکر نے مسکراتے ہوئے کہا "دمینتی کو کیوں نہیں لگاتے"۔ نل گو قمار بازی کے ہاتھوں آسان شکار بن گیا تھا۔ مگر ایسی کمینہ حرکت کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس نے جواب دیا۔ 'نہیں' اور یہ کہہ کر اپنے مکان سے باہر نکل آیا۔
اب غریب کہاں جائے؟ اور کیا کرے؟ اس بدعادت نے اُسکو کہیں کا نہ رکھا۔ اپنے راج میں اس کی حیثیت بھیک منگے کی ہوگئی۔ اس زمانہ کا طرز معاشرت اور طرح کا تھا۔ لوگ بات کے دھنی تھے۔ قول کا پاس کرتے تھے۔ آجکل اس قسم کی ہارجیت کو ویسی نگاہ سے کبھی نہیں دیکھتے۔ نل نے اپنی حالت کو محسوس کرکے شاہی لباس بدن سے اتار دیا۔ اور ایک دھوتی کمر سے باندھ کر پاپیادہ۔ برہنہ تن دوست و احباب سے رخصت ہوکر شہر سے روانہ ہوا۔ دمینتی نے اپنے شوہر کی تقلید کی اُس نے بھی زیور و لباس اتار دیئے۔ اور سایہ کی طرح شوہر کے ساتھ ہوئی۔ جو لوگ اس بری عادت کے غلام ہیں وہ لوگ یاد رکھیں۔

جوئے کی بدی ہے آشکارا
راجہ نل سلطنت کو ہارا

شہر سے باہر نکل کر تین دن تک متواتر وہ بدنصیب شخص دمینتی کو دور دیش چلے جانے کی ترغیب دیتا رہا۔ مگر دمینتی نے کہا سایہ تن سے کیسے جدا ہو؟" مایوس و مصیبت زدہ نل نے اپنے ہاتھ سے اس راہ کی

طرف اشارہ کیا جو ودربھ دیش کو جاتی تھی۔ دمینتی نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف نگاہ کیا اور رو کر کہا "میں تم سے جدا نہ ہونگی۔ مصیبت کے وقت تم کو تسلی دوں گی اور تمہاری خدمت کیا کروں گی" مگر نل کا رنج اس نازک بدن کی تکلیفوں کو دیکھ کر اور زیادہ ہوتا تھا۔

تیسری رات کو ہر دو جلا وطن جنگل میں درخت کے سایہ کے تلے ٹھہرے۔ تین دن سے برابر بھوکے پیاسے تھے۔ راہ کی ماندگی سے تھک گئے تھے۔ دونوں زمین پر لیٹ رہے۔ دمینتی کو نیند آگئی۔ نل کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ اپنی بے بسی پر خیال کرتا تھا۔ کیا تھا کیا ہوگیا۔ راج پاٹ چھوٹا۔ دوست احباب الگ ہوگئے۔ خوشخوار درندوں سے جنگل میں ٹھہرنے کی جگہ ملی۔ یہ سب کچھ ہوا۔ وہ اس سے بھی زیادہ مصیبت برداشت کر سکتا تھا مگر دمینتی کے دکھ درد کا خیال اس کو زیادہ ستاتا تھا۔ اس نے دل میں سوچا اگر میں اسکو چھوڑ کر چلا جاؤں تو وہ خواہ مخواہ اپنے باپ کے گھر کی طرف چلی جائیگی اور وہاں خوش رہیگی۔

رات اندھیری تھی۔ مفلوک و ستم رسیدہ نل نے دمینتی کے لیٹے ہوئے مہارانی کیطرف نگاہ کیا۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ اس نے سوچا۔ دمینتی کو چھوڑ کر چلا جانا آسان ہے۔ مگر جب وہ چلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا قدم آگے بڑھنے سے انکار کرنے لگا۔ دمینتی کی بے کسی و بے بسی کے خیال اور اس کی اگلی محبت کی یاد نے دل کو تڑپا دیا اور نل کا پاؤں تھوڑی دیر کے لئے زمین میں گڑ گیا۔

مگر بد حواس راجہ نے ان خیالات کو ابھرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ اور دیر تک آنسو بہانے کے بعد اس نے سینہ پر جبر کا پتھر دھر لیا اور چپکے سے ایکطرف راہی ہوگیا۔

صبح کو دمینتی نے آنکھیں کھولیں۔ خواب پریشان نے اُس کو نیند کی حالت میں بھی پریشان کر رکھا تھا۔ اُس نے کروٹ بدلا تاکہ نل سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھے۔ نل نظر نہیں آیا۔ دمینتی زور سے چیخ اُٹھی۔ اُس کو اصلی واقعہ سے خبر ہو گئی۔ اور دوسرے لمحہ میں بیہوش ہو کر زمین پر لیٹ رہی۔ جب ہوش آیا۔ وہ چلانے لگی دُرِھار پران پتی! میں نے کیا اپرادھ کیا تھا؟ تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا۔ اس ویرانہ میں میرا کون ہے؟ راجہ! میں کیسے سمجھوں تو چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ امر غیر ممکن ہے۔ تو درختوں کی اوٹ میں چھپا ہے۔ زیادہ امتحان مت کر۔ جلد آ جا۔ اور اپنی روتی ہوئی دمینتی کو ڈھارس دے۔ ارے تو جواب کیوں نہیں دیتا! تجھ میں ایسی سنگدلی کہاں سے آ گئی۔ پران پتی! آکر مجھے ڈھارس دے!" مگر نل نہیں آیا۔ دمینتی پر رنج کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ اِدھر اُدھر درختوں کی آڑ میں تلاش کرنے لگی۔ دوسری دفعہ پھر اُسپر بیہوشی کی حالت طاری ہوئی۔ اور ہوش آنے پر پھر ویسے ہی چیخنے و چلانے لگی۔ قریب درخت کے کھوکھلے میں ایک زبردست اژدھا تھا۔ اُس نے مظلوم کی آواز سنی اور پیچھے سے آ کر اُس کی گردن سے لپٹ گیا۔ دمینتی نے سوچا آخری وقت آ گیا۔ مایوسی اور نا اُمیدی نے اُس کی آواز کو دوگنی قوت عطا کی۔ تیسری دفعہ وہ زور سے چلائی "راجہ! جلد آ کر بچاؤ۔ ورنہ دم کے دم میں کام تمام ہے" مگر نل کہاں تھا جو آتا۔ وہ تو اسوقت کوسوں دور تھا رشتۂ حیات ابھی باقی تھا۔ ایک بہلیا شکار کی تلاش میں کانپا لگا رہا تھا اُس نے شاہزادی کی آواز کو سُنا اور اُسی وقت اُس جگہ آ کر سانپ کو للکارا۔ موذی جانور اُس کی طرف لپکا۔ بہلئے کے ہاتھ میں تیز کٹار تھی جیوں ہی اُس نے اپنے ڈنس کو اُس کے جسم میں چھبایا۔ بہلئے کی کٹار اُس کی

گردن پر پڑی اور دونوں ایک ساتھ زمین آرہے۔

اس واقعہ کے بعد رانی اپنے شوہر کی تلاش میں نکلی۔ اس نے کہا "یا تو اس کا کھوج ملیگا یا اس گھنے جنگل میں مَیں اس کا نام لیکر مرونگی" قریب ہی رشیوں کا آشرم تھا۔ جہاں طرح طرح کے پھول لگے ہوئے تھے۔ اور جگہ دلچسپ اور پُر فضا نظر آتی تھی۔ رانی نے اس طرف قدم بڑھایا۔ چند سادھو درخت کی چھال پہنے ہوئے ریاضت میں مصروف تھے۔ یہ نفس کش مرتاض اپنے مالک کی یاد میں دُنیا و مافیہا کو جواب دیکر جیتے جی مر چکے تھے۔ ان کی زندگی واقعی موت کی زندگی تھی۔ اور اپنے ارادہ میں مضبوط خیال میں مستقل اور خُوبت میں ثابت قدم بنے ہوئے جنگل میں منگل منا رہے تھے۔

روتی ہوئی دمینتی ان کے پاؤں پر گری اور ہچکیاں لے لیکر اپنے غم کی کہانی سُنانے لگی۔ سادھوؤں نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا "بیٹی! تیری مصیبت کا قصہ ہم کو معلوم ہے۔ اس جنگل میں رہ کر بھی ہم ناواقف نہیں رہتے کہ شہروں میں کیا ہو رہا ہے۔ تو صبر کر! کرم کے اٹل قانون کو کوئی روک نہیں سکتا۔ وقت آویگا جب نل تجھ کو ملیگا تیرے دوست خوش اور دشمن پشیمان ہونگے۔ پرماتما تیرے سر پر برکتوں کی بارش کرینگے۔ اور اے رانی! شاہوں کی نسلیں تیرے بطن سے پیدا ہو کر تجھ کو عزت سے یاد کرینگی۔ تیری سرگذشت بہکے بھولے نوجوانوں کو اخلاق کا سبق سکھلائیگی اور نل و دمینتی کا قصہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں لوگ خوشی سے سُنینگے" رانی ان تشفی بخش لفظوں سے بہت خوش ہوئی۔ انسان کی ہمدردی کی باتوں میں جادو کا اثر ہوتا ہے۔ مگر سادھوؤں نے یہ نہیں بتایا۔ کہ نل کب واپس آویگا؟

کئی گھنٹوں تک وہ سادھوؤں کے آشرم میں مہمان رہی - وہاں سے نکلکر نل کی تلاش میں جنگل و بیابان میں چکر لگانے لگی - اس آوارہ گردی میں اُس نے بہت سے عجیب وغریب درخت - پُرفضا میدان مسرّت بخش پہاڑ اور صفوف شفاف چشمے دیکھے - مگر قدرت کے لبھاؤنی دلفریب صورتوں میں اب اُس کے کشش کا سامان نہیں رہا تھا - وہ جنگل جنگل گھومتی ہوئی اپنے شوہر کی تلاش کرتی تھی - اور اُس کا نام لے لے کر پکارتی تھی -

چلتے چلتے شاہزادی کا گذر سوداگروں کے قافلہ کے پاس ہوا - جو دریا کے کنارہ خیمہ زن تھا - اور جب چیتھڑے پہنے ہوئے دبلی پتلی دمینتی جس کے بدن پر دھول اور مٹی جم رہی تھی قریب آئی اور ان کے مجمع کے درمیان پہنچی بہت سے آدمی اس جنگلی عورت کو دیکھ کر سہم گئے - بعض چلّا اُٹھے - کتنوں کو خوف ہوا اور کئی ایک ہنستے اور اُس کو نظر حقارت سے دیکھنے لگے - سوداگروں میں دو چار آدمی ایسے بھی تھے - جن کے دلوں میں ہمدردی تھی وہ پاس آکر پوچھنے لگے - " اے مصیبت زدہ تو کون ہے؟ اور اس لق و دق جنگل میں کس کو تلاش کر رہی ہے؟" اور شاہزادی نے جواب دیا " اے سوداگروں کے سردار - نیک اور برگزیدہ لوگو! میں راجہ کی بیٹی - راجہ کی بہو اور راجہ کی بیوی ہوں - میرے شوہر پر ناگہانی مصیبت آگئی - ہم جلاوطن ہوگئے - وہ گھبرا کر مجھے چھوڑ گیا - میں اُس کی تلاش کر رہی ہوں "

سوداگروں کے سردار نے کہا " اے حسین شاہزادی! ہم سب لوگ سوباہو ستیہ وادی کے راج کی طرف جا رہے ہیں تو ہمارے ساتھ چل - کیا عجب اُس کا پتہ ملجائے " اور دمینتی اُمید کا سہارا پاکر ان کے ساتھ ہولی ہفتوں یہ قافلہ خیریت سے کوچ کرتا رہا - مگر جب وہ اپنے سفر کی آخری

منزل پر پہنچے ایک ناگہانی آفت نازل ہوئی۔ دن کی تکان و ماندگی سے پریشان ہو کر قافلہ نے ایک جھیل کے کنارے خیمہ نصب کیا۔ یہ مقام کسی پہاڑ کے قریب تھا۔ جس میں جنگلی ہاتھی بکثرت رہتے تھے۔ یہ پالتو ہاتھیوں کو دیکھ کر ان کے مارنے کے ارادہ سے حملہ آور ہوئے۔ قدرت میں یہ عجیب بات دیکھنے میں آتی ہے جب کوئی جانور اپنی اصل حالت سے گر جاتا ہے یا آنکہ انسان اس پر اپنا اثر ڈالی دیتا ہے۔ تو وہ جو ابھی اصلی قدرتی حالت پر ہیں ایسے گرے ہوؤں سے نہ صرف نفرت کرتے ہیں بلکہ ان کو مار ڈالتے ہیں۔ یہ کیفیت کم و بیش کل پرند۔ چرند و درندوں تک میں نظر آ ڈیگی۔ بہت سے سوداگر خوف سے بھاگ گئے۔ کتنے ہاتھیوں کے دانت سے ہلاک ہوئے متعدد آدمی ان کے پاؤں سے کچلے گئے۔ ہاتھی اور گھوڑوں کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔

دمینتی اور آدمیوں کی طرح مخوف ہو کر گھبراہٹ و پریشانی سے بھاگ نکلی اور پہاڑ کے ایک درہ میں چھپ کر جان بچائی وہ ایک گوشہ میں چھپی ہوئی تھی۔ باقی اور لوگ بھی اسی کے قریب چھپے ہوئے تھے۔ جب اس جگہ ان کو ہاتھیوں کے تعاقب سے امن و امان ملا۔ ایک شخص کہنے لگا یہ وہ اپنے کرم کی خوبی ہے۔ انسان کے اعمال جب برے ہوتے ہیں تب اس قسم کی بلائیں نازل ہوتی ہیں"۔ دوسرا اس کے جواب میں کہنے لگا "نہیں۔ ہم نے کوئی بھی ایسا خراب کام نہیں کیا ہے جس کی یہ سزا ہو۔ اصل بات یہ ہے جب سے وہ دیوانی عورت ہمارے قافلہ میں آئی ہے تب ہی سے ایک نہ ایک آفت آنے لگی ہے۔ ذرہ دم لے لو۔ موقعہ سے اس کو گرفتار کر کے اسی جگہ ذبح کر دو تاکہ اور خطرات سے پناہ ملے اور اس کی لاش کو دفن کر کے اس کے اوپر مٹی۔ پتھر اور گھاس ڈالدو"۔

دمینتی نے اس کو سن لیا اور جب سب لوگ خراٹے بھرنے لگے وہ خوف کی وجہ سے اس مقام سے بھی بھاگ گئی۔ اور اپنی قسمت کی شکایت کرکے کہنے لگی "افسوس! میں کیسی ابھاگی ہوں۔ جہاں جاتی ہوں وہاں ہی کچھ نہ کچھ مصیبت آتی ہے۔ یہ صرف میری قسمت کی خوبی ہے کہ سوامی پر آفت آئی اور لڑکے بالے سب چھوٹ گئے۔"

اس طرح کے خیالات سے پریشان ہوکر وہ اس راہ کی طرف روانہ ہوئی جدھر کا پتہ سوداگروں نے بتار کھا تھا۔ کچھ دنوں بعد وہ مہاراجہ سوباہو کی راجدھانی میں پہنچی۔ اور جب شہر کے باشندوں نے دیکھا کہ وہ چیتھڑے پہنے ہوئے ہے۔ جسم پر ہڈیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ بال بکھرے ہوئے اور منہ پر خاک اور دھول لگی ہوئی ہے۔ لوگوں نے اسکو دیوانہ سمجھا۔ لڑکے اس کے پیچھے پیچھے شاہی محل تک گئے۔ جدھر وہ بے خوفی سے چلی جارہی تھی بالاخانہ سے سوباہو کی ماں نے اس عجیب الہیئت عورت کو دیکھا۔ وہ نہایت نیک اور رحم دل تھی۔ اس نے اپنی لونڈی کو کہا کہ "اس عورت کو اندر بلالے۔"

سوباہو کی رانی اس کے قصہ کو سن کر کانپ اٹھی۔ اور آنکھ سے آنسو کا تار جاری ہوا۔ جب رانی نے اپنا حال کہہ سنایا۔ وہ راجہ کے پاس چلی گئی اور دمینتی کو اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت مانگی۔ سوباہو نے منظور کرلیا اور تھوڑے ہی دنوں کے عرصہ میں دمینتی کے رنگ و روپ میں فرق آگیا۔ مگر تاہم وہ شوہر کی جدائی سے دل ہی دل میں کڑھتی رہتی تھی

جب بھیم نے اپنی دختر کی کیفیت سنی اس نے آدمی بھیجکر اس کو ودربھ نگر میں بلا لیا اور یہاں اس کے لڑکے بھی طلب کر لئے گئے۔ گو باپ کے گھر میں لڑکوں کو پاکر وہ کسی قدر خوش ہوئی۔ مگر نل کی مفارقت پھر بھی شاق تھی۔ یہاں سے اس نے مختلف ملکوں میں جاسوس روانہ کئے تاکہ

اُس کا پتہ لگائیں۔

اب نل کا قصہ سُنئے۔ دمینتی سے الگ ہونے پر وہ مدتوں جنگل و بیابانوں میں گھومتا پھرتا رہا۔ طرح طرح کی دقت اور مصیبتیں اُسپر نازل ہوئیں۔ سب بیچارے سنے برداشت کیں۔ الغرض اس طرح گھومتا پھرتا اجودھیا نگر میں پہنچا جو اُسوقت ہندوستان کے بڑے شہروں میں ممتاز تھا۔ نل کو رتھ بانی اور گھوڑوں کی تربیت کا فن خوب آتا تھا۔ یہاں اُس نے بھیس بدل کر راجہ رتو پرن کی ملازمت کر لی۔ چونکہ بالطبع وہ نہایت نکتہ رس اور قابل شخص تھا۔ رتو پرن نے اُس کو اپنے ملازمین میں امتیاز کا درجہ بخشا اور نل نے اجودھیا کے دربار میں پانسہ کھیلنے کے متعلق ان چالاکیوں سے واقفیت حاصل کی جس سے قمار باز بھولے بھالے آدمیوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ جوا کھیلنا راجپوتوں میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ گو اس میں شک نہیں کہ یہ نہایت ناپاک و مذموم رواج ہے۔ مگر اس کی نسبت منوسمرتی وغیرہ شاستروں کے تذکرے موجود ہیں۔ دمینتی کے جاسوس نے سب جگہ نل کو تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہ لگا۔ آخر جب اجودھیا میں پہنچا۔ رتھ بان کے کرتب کو سُنکر شبہ ہوا کہ ہو نہ ہو اس بھیس کے پردہ میں نل چھپا ہوا ہے۔ اس نے بہت سی تدبیریں کیں کہ کسی طرح اصلیت کا پتہ لگے۔ مگر نل نے اپنے آپ کو ظاہر ہونے نہیں دیا جب دمینتی نے اس کی زبانی سنا کہ نل اجودھیا میں موجود ہے اُس کے دماغ نے ایک نہایت زبردست تدبیر سوچکر نکالی۔ اُسنے اجودھیا کے راجہ کو کہلا بھیجا کہ چونکہ نل مرگیا ہے۔ اب دمینتی دوسرا سوئمبر کرنیوالی ہے اس لئے آپ کو فلاں تاریخ پر تشریف لانا چاہیئے۔" دمینتی نے سمجھا کہ نل اس خبر کو سنکر ضرور آویگا اور اپنے آپ کو ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکیگا۔ جب اجودھیا کے راجہ نے یہ خبر سنی دل میں بہت خوش ہوا۔ کیونکہ دمینتی

کے حسن نے اُس پر بہت گہرا اثر پیدا کر رکھا تھا۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا
اُس نے نل سے درخواست کی۔ کہ کسی طرح ودربھ دیش جلد پہنچا دو۔ نل نے جب
دمینتی کے سوئمبر کی خبر سنی۔ دنیا اُس کی نظروں میں تاریک ہو گئی۔ کیونکہ
اُس کی اُمید کا یہی ایک پہلو تھا جس میں کچھ روشنی کی جھلک باقی تھی۔
اُس نے سمجھا تھا۔ سایہ اپنے تن سے جدا نہیں ہوتا۔ مگر اس خبر کے سنتے ہی
اُس کی زبان سے یہ مایوسی کے الفاظ بر آمد ہوئے۔

کسی کا کب کوئی روز سیہ میں ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انسان سے

دمینتی شاید دیوانہ ہو گئی۔ بیوفائی عورتوں کا خاصہ ہے۔ میں نے بھی
تو اُس کے ساتھ سخت بے اعتنائی کی۔ ممکن ہے یہ میرے قصور کی مناسب
سزا ہو۔ مگر نہیں۔ دمینتی کو پھر بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

اس طرح راجہ نل اپنے دل میں دیر تک سوچ وچار کرتا رہا اور کبھی
دمینتی کو اور کبھی اپنے کو تہمتیں لگاتا رہا۔ دوسری صبح کو سورج کے نکلتے
ہی نل نے اجودھیا کے مہاراجہ کو رتھ پر بٹھایا اور دل پہ صبر کا پتھر رکھ کر
اُس طرف کا عزم کیا۔ غریب دمینتی کوٹھے پر بیٹھی ہوئی روز اُس کی آمد کا
انتظار کیا کرتی تھی۔ ایک دن اُس نے گھوڑوں کے آنے کی خبر سنی۔ اور
سمجھا "آج پران پتی آوینگے اور مجھے اُن کا درشن نصیب ہوگا۔"

صرف دمینتی کی ماں اس راز سے واقف تھی بھیم کو بھی اس سوئمبر کی
اصلی غرض سے بالکل واقفیت نہیں تھی۔ جب اجودھیا کا راجہ اُس کے یہاں
پہنچا۔ اُس کو سخت تعجب ہوا اور شاہ اودھ کو بھی حیرت ہوئی۔ کیونکہ وہاں
سوئمبر کا کوئی بھی سامان نظر نہیں آیا۔ تاہم مشرقی طرز معاشرت کے خیال
سے دو میں سے ایک نے بھی اصل واقعہ کی نسبت سوال نہیں کیا۔ اور

واسطے اودھ نے بھیم کی مہمانی قبول کی۔

دمینتی کو مطلق خیال نہیں تھا کہ نل اس سوئمبر کے اعلان سے ناراض ہوگا۔ کیونکہ یہی ایک ترکیب تھی جس سے نل اپنی اصلیت کا اظہار کرتا مگر اس کا خیال غلط نکلا۔ اور جب اس نے نل کی سکوت و خاموشی دیکھی وہ دل میں سخت متردد و پشیمان ہوئی۔ تاہم اس نے ہوشیار باندیاں کو مقرر کیا کہ اس کی حرکات و سکنات کی لحظہ لحظہ خبر پہنچائی جاوے۔ تاکہ پتہ لگے۔ یہ شخص نل ہے یا نہیں۔

یہ باندیاں کبھی کبھی نل سے ادھر ادھر کی باتیں کرتیں۔ ایک روز ایک لونڈی نے نل کی بیوفائی کا قصہ بیان کیا اور اس طرح نل کی بے پروائی اور غفلت کا تذکرہ کرکے پوچھا "کیا کبھی تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے؟" رتھ بان نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ زندگی کے واقعات کے متعلق بہت سی دلچسپ باتیں بیان کیں۔

دمینتی نے ان قصوں پر مطلق دھیان نہیں دیا اس نے لونڈیوں کو حکم دیا۔ کہ "میرے لڑکوں کو لیجاکر رتھ بان کو دکھلاؤ اور ان کی خوبیاں بیان کرو۔" رانی نے سوچا " اگر یہ رتھبان درحقیقت نل ہے۔ تو ان لڑکوں کو دیکھ کر اس کا دل متاثر ہوگا اور وہ پھر اپنے آپ کو نہ چھپا سکیگا اور ایسا ہی ہوا جب لونڈی شاہزادوں کو نل کے پاس لے گئی اس نے ان کو گود میں لے لیا اور پہچان کر رونے لگا۔ پھر ضبط کرکے عورت سے مخاطب ہوکر کہا "ان لڑکوں کو دیکھ کر مجھے اپنے بچے یاد آگئے۔ ان سے میں عرصہ سے جدا ہوں۔ ان کو لیجاؤ۔ کیونکہ مجھے بے ساختہ اپنے لڑکوں کی یاد آتی ہے۔"

لونڈی نے ساری کیفیت دمینتی کو جاکر سنائی۔ اب رانی کو یقین

آیا یہ میرا ہی سوامی اور پران پتی ہے" اُس نے اپنی ماں سے اجازت
لیکر نل سے ملاقات کرنا چاہی۔ مگر حسد کی آگ سے جھلسا ہوا شوہر اب
بھی اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جب دمینتی نے آنکھ سے آنسو
بہا کر کہا کہ اس سوئمبر کے بہانہ سے اُس کی تلاش مقصود تھی۔ نل
اپنے ضبط کو قائم نہ رکھ سکا اور دونوں خاوند وبیوی گلے مل کر
روئے اور اپنی اپنی مصیبتوں کی کہانیاں سنائیں۔

اجودھیا کا راجہ نل کے حالات سے واقف ہو کر خوش ہوا۔ عرصہ
تک نل و دمینتی وِدربھ نگر میں رہے۔ پھر فوج عظیم لیکر نشوولیش کی
جانب راہی ہوئے اس کے ساتھ سولہ ہاتھی، پچاس گھوڑے اور چھ سو پیادہ
تھے۔ جب وہ اپنے محل میں پہنچے۔ پشکر وہاں موجود تھا۔ نل نے کہا
"آؤ آج پھر پانسہ کھیلیں۔ کیونکہ میرے پاس اب دولت ہے" اور چونکہ
اجودھیا میں اُس نے جواریوں کے ہتھکنڈے سیکھ لئے تھے۔ اس مرتبہ
پشکر کو کھیل میں ہرا دیا اور تخت و تاج سب واپس لے لیا۔

دمینتی نے نل سے کہا کہ "پشکر پر کچھ سختی مت کیجئے کیونکہ یہ مصیبت
دراصل اپنی غلطی اور اپنے کرم کا نتیجہ تھی" اور راجہ نے اس کو جاگیر
دیکر اپنے محل سے رخصت کیا۔ نل دمینتی دونوں مدت العمر تک زندہ
رہے اور باقی عمر عیش و عشرت سے بسر ہوئی۔ ان کے پوتے اور پرپوتے
ہوئے اور جتنے انسان کی خوشی کے سامان ہوتے ہیں سب نل
کے محل میں موجود تھے۔ رعایا بھی نل کے راج سے خوش تھی۔ اور
جس طرح اُن کے دن پلٹے۔ پرماتما کرے۔ ہم سب کی مصیبتیں خوشی
اور مسرت سے تبدیل ہوں۔

جس طرح اُنہیں بہم ملایا بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

۱۴- ارنگل کی رانی

آجاؤ شجاعوں کی طرح جنگ کو کھیلو
راجپوت ہو مر جاؤ- ابھی جان پہ کھیلو
تینوں میں دو منصوبے جا تیوں سے بیزاری کو ریلو
دشمن تہ شمشیر ہوں میداں کو لے لو

تم رام سے لچھمن سے قرابت میں قریں ہو
تم ستیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو

اوپر کے الفاظ ایک رانی کی زبان سے نکلے تھے۔ جس نے مصیبت کے وقت اپنے آپ کو نواب اودھ کی فوج کے درمیان پاکر باواز بلند کھیت کاٹنے والے راجپوت کسانوں کو مدد کے لئے بلایا اور یہ لوگ "استری گوھار" کی ہمت کو سمجھ کر نواب کی فوج پر بجلی کی طرح گرے اور رانی کو گرفتار ہونے سے بچا لیا۔ اس کا قصہ اس طرح ہے:-

سنہ ۱۲۵۰ء میں ارنگل کا راجہ ایک ہندو تھا جس نے دہلی کے بادشاہ کو خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا نام گوتم تھا اور اس قصہ کی ہیروئن "اس کی رانی تھی۔ ہم کو اس شریف خاتون کی زندگی کے حالات سے واقفیت نہیں ہے۔ شادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس نے اس کے نام کو مشہور کر دیا۔

اسوقت دہلی کے تخت پر نصیر الدین جلوس فرما تھا یہ حسین مگر بدنصیب رضیہ بیگم کا بھائی تھا۔ بذات خود بادشاہ نہایت نیک متقی اور پارسا تھا۔ لیکن مزاج میں ایک خاص قسم کا خلا پن تھا جہاں تک اس کی پرائیویٹ زندگی کا پتہ چلتا ہے وہ بالکل فقیرانہ طرز معاش

پر بسر کرتا تھا۔ اپنا ذاتی خرچ تک خزانہ شاہی سے نہیں لیا کرتا تھا کتابیں نقل کرتا اور اُس کی قیمت پر گذران کرتا۔ غذا بالکل سادہ ہوا کرتی تھی۔ اُس کی بیگم اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا کرتی تھی اور بادشاہ نے بیگم کی خدمت کے لئے ایک لونڈی بھی نہیں مقرر کر رکھی تھی۔ اُس کی صرف ایک ہی بیوی تھی اور مسلمان بادشاہوں کی طرح حرم سرا کے انتظام کا مطلق اہتمام نہیں تھا۔

جب گوتم کی سرکشی کی خبر نصیر الدین کو ملی اُس نے صوبہ دار اودھ کو اُس کی سرکوبی کا حکم دیا۔ صوبہ دار نے ہر طرح پر اُس کا مقابلہ کیا مگر کچھ پیش نہ گئی۔ شاہی فوج کو شکست فاش نصیب ہوئی اور دس ہزار آدمی مارے گئے۔ باقیماندہ فوج عجلت کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی اور راجہ بھی اپنے محل کی طرف روانہ ہوا اور اس فتح کی خوشی میں جشن منانے کا حکم دیا جس میں چھوٹے بڑے سب بلائے گئے تھے۔

راجہ گوتم تھا مرد دالنشور		صاحب عزّ و جاہ و دیں پرور
ناز تھا اُسکو اپنی قوّت پر		جاہ لشکر وقار و عزّت پر
مرد میدان تھا۔ قول کا سچا		اس کا ثانی نہ ملک میں کوئی تھا
لوگ ڈرتے تھے اسکے صولت سے		بھاگ جاتے تھے خوف و ہیبت سے
اک دفعہ سامنے ہوا ناظور		منہ کی کھائی نہ کام آیا زور
تاب لایا نہ جنگ کی چوہان		خوف سے بھاگا چھوڑ کر میدان
اس فتح سے وہ دل میں تھا شادمان		ہر طرف جشن کے تھے سب سامان

کئی دن تک علی التواتر جشن کا اہتمام تھا۔ رانی بالخصوص بہت خوش تھی اور وہ اپنے ہاتھ سے یہاں سپاہیوں کے لئے پکوان تیار کر کے بھیجتی تھی اس طرح ہفتوں ارگل میں راجا پرجا سب خوشی خوشی

جشن مناتے رہے۔ لیکن افسوس!

انساں کچھ اسی دور میں پامال نہیں
سچ ہے کوئی آسودہ و خوشحال نہیں
اندیشۂ آشیاں و خوفِ صیاد
مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

دنیا کی خوشی کی کوئی حالت ایسی نہیں ہے جس میں رنج کا شمول نہ ہو یہاں گلاب میں کانٹا۔ نوش میں نیش اور مستی میں خمار ہے جس حالت کو ہم غلطی سے سرور کہتے ہیں وہ بھی [illegible] کی آمیزش سے صاف نہیں ہے۔

شادی کوئی خالی نہیں غم سے اثر آئی
دیکھا ہے کہ جب خوب ہنسے آنکھ بھر آئی

رانی اپنی سہیلیوں کے درمیان اس طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے ستاروں کے مجمع کے بیچ چاند۔ اُن کی نگاہ آسمان کی طرف تھی۔ رات کا وقت تھا۔ چاندنی خوب کھلی ہوئی تھی۔ اتنے میں چندر گرہن کے آثار نمودار ہونے لگے۔ کہ دنیا کی باطل پرستی نے اسکو کچھ اور ہی معنے پہنا رکھا ہے۔ یہ نئی بات نہیں ہے۔ جہالت اور تاریکی کے دور میں انسان خود غرض پجاریوں کی باتیں سنکر اُن کو تقدیس کا رتبہ دیتا ہے اور پھر وہ مذہبی پیرایہ میں تاویل کئے جاتے ہیں اور سادہ لوح ضعیف الاعتقاد معتقد مطلب گانٹھنے والوں کے دام میں پھنسکر اس کو وحی سمجھتے ہیں۔ جس زمانہ کا ذکر ہے اُسوقت بھی آج کی طرح ہندو سمجھتے تھے کہ سورج اور چاند نے کسی وقت قرضہ لیا تھا۔ ناداری کی وجہ سے ادا نہیں کر سکے۔ مہاجن راہو و کیتو کی شکل میں آسن پر

حملہ کرتے ہیں تب گرہن ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ اس موقعہ پر دان دیا جاتا ہے وہ ان اجرام سماوی کی نجات و گلوخلاصی کا سامان پیدا کرتا ہے واہ رے انسان! واہ تیرا بھولا پن!! اس وہم پرستی کا بھی کچھ ٹھکانا ہے!

رانی نے چاند پر قرضخواہ کے ناخوشگوار حملہ کے آثار ملاحظہ کرکے کہا۔ سہیلیو! میں تو گنگا سنان کیلئے جاؤنگی۔ اس موقعہ پر گنگا سنان سے بڑا پُن ہوتا ہے۔ سارے پاپ کٹ جاتے ہیں۔ مال دولت میں ترقی ہوتی ہے پتی و پتروں کی عمر میں برکت ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائیگا۔ تو پھر ہمارے راج کاج میں دگھن (خلل) پڑیگا۔ میں تو ضرور جاؤنگی۔ بھلے ہے کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ گو دریا پر مسلمانوں کی فوج اب بھی موجود ہے۔ مگر مجھے راجہ اور اُسکے راج کی بہتری کا خیال ہے"۔

سہیلیوں نے سمجھایا کہ "یہ موقع مناسب نہیں ہے"، مگر رانی نے ایک نہیں سُنی۔ اُس نے ساڑی پہن لی اور دو عورتوں کو ساتھ لے کر دریا کی طرف روانہ ہوئی۔ دریا راجدھانی سے کئی میل کے فاصلہ پر واقعہ تھا۔ فاصلہ کا حساب لگایا گیا۔ اگر رات کے بارہ بجے محل سے چلینگی تو صبح گنگا پر پہنچینگی اور پھر دوسرے دن کے بارہ بجے سے پہلے گھر لوٹ آئینگی۔

چاند نظر سے غائب ہو گیا تھا۔ آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے۔ لیکن گرہن کی وجہ سے چاروں طرف اوداسی اور ہیبت چھائی تھی۔ رانی نے اپنی سہیلیوں کو ساتھ لیکر چور محل کی راہ سے نکل کر دریا کا عزم کر دیا۔ کوئی مرد ساتھ نہیں تھا۔ نہ اُس نے کسی کی مدد کی ضرورت سمجھی۔ دل میں کسی قسم کا خوف تک آنے نہیں دیا۔ راجہ اور اس کے درباری جشن منا رہے ہیں۔ عورتیں محل سے نکلتی ہیں۔ پائیں باغ۔ مندر تالاب وغیرہ سے گذرتی

ہوئی اپنی یاترا پر جارہی ہیں۔
مذہبی جوش نے ان کی رفتار کو خاص قسم کی تیزی بخش دی ہے راہ میں کھیت۔ کھلیان۔ گانوں۔ میدان۔ ادھر سب ہی پڑتے ہیں یاتری برابر چلے جارہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے بھی آرام نہیں لیتے۔ صبح صادق کا جلوہ نمودار ہوتا ہے۔ پورب کی سمت سے اُفق سے برآمد ہوتا ہوا سورج اپنی منور اور ارغوانی شعاعوں سے تختۂ عالم کو قدرِ اعلیٰ نور کر رہا ہے۔ آہا۔ کیسا اچھا منظر ہے۔ طلوع ہوتے ہوئے آفتاب کا سہانا نور دیکھنے کے قابل ہے۔ عورتیں دریا کے کنارے پہنچیں۔ مقدس اور پاک گنگا کی لہریں شان سے اُمڈ رہی ہیں۔ رانی کا دل اس کی عظمت کو دیکھ کر متاثر ہوا۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھی اتنے میں ایک سادھو پوربی لہجہ میں گیت گاتا ہوا ادھر سے گذرا۔

گنگا تیری لہر ہمارے من بھائی
(۱) بن پربت اور باگ بگیچے اوسر۔ گھاٹی۔ کھائی
جیون دان دیا تیں نے سب کو مہماں سب جگ چھائی
گنگا تیری لہر ہمارے من بھائی
(۲) اشنان۔ سکھ۔ سگر۔ ودیہی تیری آس لگائی
بھگیرتھ او مجھت کام کیو ہے گنگ ترنگ بلائی
گنگا تیری لہر ہمارے من بھائی

صبح کے وقت بھیرویں کے راگ میں غضب کا اثر ہوتا ہے۔ سننے والوں کا دل پھڑک اٹھا۔ رانی باغ باغ ہو گئی حسب معمول برہمنوں کو دان دیا اور خوشی خوشی دریا میں سنان کیا۔
یہاں تک رانی نے اپنا کام کامیابی کے ساتھ کیا۔ گو وہ تبدیل ہیئت

پس آئی تھی۔ مگر شاہی خاتون کے دریا تک آنے کا واقعہ ایسا نہ تھا جو پوشیدہ رہ سکتا۔ اس کی فیاضی اور دان کو دیکھ کر لوگوں نے سمجھا ہونہ ہو یہ ارگل کی رانی ہے۔ شدہ شدہ یہ خبر اودھ کے صوبہ دار کے کانوں تک پہنچی۔ جو شکست کھا کر بدلہ لینے کی فکر میں لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کی زبانی اچھی طرح سن لیا تھا۔ کہ یہ فیاض خاتون ارگل کی رانی ہے۔ اس خبر سے اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے سمجھا۔ رانی بآسانی گرفتار ہو سکیگی اور اس طرح راجہ کو اس کی جرأت و حوصلہ کا مزہ چکھا یا جا دے گا۔

غریب اور ناواقف رانی پوجا پاٹ کے بعد گھر کی طرف روانہ ہوئی مشکل سے اُس نے ایک دو میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ اُس کے ارد گرد ہزاروں مسلح آدمیوں کی بھیڑ نظر آئی اور اسیوقت اس جماعت کے سرگروہ نے حکم دیا :۔

گرفتار کر لو تم اس نازنین کو
میرے پاس لاؤ تم اس مہ جبیں کو

رانی ان لفظوں کو سنکر دنگ رہ گئی۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ چہرہ کا رنگ اُڑ گیا۔ مگر وہ راجپوتنی تھی۔ چند ہی لمحہ بعد وہ بیخوفی سے مسلمانوں کے سامنے کھڑی ہو گئی اور باواز بلند کہنے لگی "مسلمانو! تمہارے لئے کتنے شرم کی بات ہے کہ ایک حلیم و معصوم عورت کے تکلیف دینے کی نیت سے تم یہاں موجود ہو۔ کیا تم کو اپنی مردانگی کا دعوے ہے۔ کیا تم تین عورتوں کے مقابلہ میں لڑائی لڑنا چاہتے ہو! یاد رکھو۔ تم اودھ کے حاکم کے سپاہی ہو۔ تم میں مردوں کے سے اوصاف ہونے چاہئیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم میرا راستہ صاف کر دو۔ اگر بہادری دکھلانا ہے۔ تو کل ارگل

کی فوج سے مقابلہ کرو۔"

رانی کی باتیں سنکر مسلمانوں کا سردار سہم گیا مگر پھر اُس نے کہا " نہیں نہیں۔ ہم تم کو گرفتار کر کے حاکم صوبہ کے پاس لے چلینگے " یہ لفظ سردار کے منہ سے مشکل سے نکلے ہونگے۔ رانی نے کمر سے خنجر نکال کر اُسکے سر کو تن سے جدا کر دیا۔ باقی مسلمان حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ سمجھتے تھے رانی بھاگ کر نہیں جاسکتی۔ تین عورتیں اتنے مجمع کا کیا مقابلہ کر سکینگی! وہ اُن کو آسان شکار سمجھ کر تاک میں تھے کہ بلا کشت و خون کئے ہوئے اُن کو زندہ گرفتار کرلیں۔ رانی اس ارادہ سے واقف تھی جس جگہ وہ کھڑی تھی۔ اتفاق سے وہ ایک اونچا ٹیلہ تھا۔ اس نے چاروں طرف نظر کی۔ قریب ایک راجپوتوں کا گروہ کھیت کاٹنے میں مصروف تھا۔ اس کے سردار دو بھائی ایسے چند اور نربھے چند بس قوم کے کشتری تھے۔ رانی نے باواز بلند اُن کی طرف متوجہ ہو کر کہا:۔

"بہادرو! جلد آؤ۔ ہندو استری۔ بالک اور گائے کی فریاد پر اپنی جان دیدیتے ہیں۔ میں ارگل کی رانی ہوں۔ مسلمان زبردستی گرفتار کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اگر تم کو اپنی ماں بہن کا پاس ہے اگر تم میں استری جاتی کی عزت کا خیال ہے یا اگر اپنی لڑکی کی محبت ہے تو جلد میری مدد کرو۔ میں اس احسان کے عوض اپنی لڑکی تم کو شادی میں دونگی"

کھیت والے اس آواز کی طرف مخاطب ہوئے۔ آواز اچھی طرح اُنکے کانوں تک نہیں پہنچی۔ مسلمان رانی کے اس انداز سے خائف ہو گئے۔ دو چار آگے بڑھے۔ سہیلیوں کی چمکتی ہوئی تلواروں نے وہیں اُن کا سر اُڑا دیا اور رانی نے ہوا میں اپنی تلوار کو چمکاتے ہوئے کھیت والوں کو للکارا کیا تم میں کوئی راجپوت نہیں ہے جو استری کی مدد پر آئے؟ کیا کشتریوں

سے دنیا خالی ہو گئی؟ کیا قومی حمیت جاتی رہی؟ مردو! میں تم قسم دیتی ہوں آؤ اور اپنی رانی کے ننگ و ناموس کو بچاؤ۔"

رانی کے یہ آتشیں لفظ خالی نہیں گئے نربھے چندا اور ابھے چند بجلی کی طرح جھپٹے اور اپنی کٹاروں سے بھیڑ کو چیرتے ہوئے رانی کے پاس آ گئے۔ ان کے ساتھیوں نے اپنے سرداروں کی پیروی کی۔ راجپوتوں نے تینوں عورتوں کو بیچ میں گھیر لیا اور لڑتے ہوئے ارگل کے پھاٹک تک پہنچے اس قسم کی جانبازی کے واقعے تواریخ میں شاذ ملتے ہیں۔ یا تو جسونت سنگھ کی رانی دہلی کے گلی کوچوں میں لڑتی ہوئی اپنے بچے کو صاف بچالے گئی تھی۔ یا اس موقعہ پر رانی ارگل نے یقینی گرفتاری سے اپنے آپ کو نہایت شجاعت سے بچا لیا تھا۔ کوسوں تک برابر لڑائی رہی اور ارگل کے راجپوتوں نے ایک ایک فٹ زمین اپنے گلے کٹا کٹا کر طے کی تھی۔ رانی کی آواز بیچ بیچ میں سنائی دیتی تھی اس کی تلوار ہوا میں چمکتی ہوئی نظر آتی تھی اور اس کی بات بات پر معدودے چند آدمی غیر معمولی اُمنگ کے ساتھ اچھل اچھل کر دشمنوں کا کام تمام کر رہے تھے۔ اس کی کلام میں جادو تھا اس کی ذاتی شجاعت بلا ڈھاتی تھی۔ مسلمان سخت پریشان تھے۔ مگر ان کو امید تھی یہ کہاں تک لڑینگے۔ دس بیس کو مار کر تب ایک راجپوت مرتا تھا۔ نربھے کام آیا۔ اکیلا ابھے باقی رہ گیا۔ وہ برابر عورتوں کو ڈھارس دیتے ہوئے لڑ رہا تھا۔ قریب تھا کہ اس کی موت رانی کی امیدوں کا خاتمہ کردے۔ اتنے میں ارگل کی فوج مدد پر آپہنچی۔ ہمت مرداں مدد خدا۔ ارگل میں فوراً مشہور ہو رہا تھا کہ رانی گنگا سنان کے موقع پر مسلمانوں کے ہاتھ پڑ گئی۔ شیر دل کو تم منتخب سپاہیوں کو ساتھ لیے ٹھیک وقت پر آپہنچا اور اُسوقت اور ھکی فوج کی جو حالت ہوئی ناگفتہ بہ ہے۔ مجبور وہ بھاگ کھڑے

ہوئے۔ گوتم اپنی رانی کو صحیح وسالم پاکر بہت خوش ہوا۔ اس کی نیت تھی کہ تعاقب کرے مگر رانی نے کہا۔ نامردوں کا تعاقب فضول ہے ان کو کافی سزا مل گئی۔"

سب لوگ شاہی محل کی طرف واپس آئے۔ رانی نے آنسو بھری ہوئی آنکھوں سے ابھے چند کا ہاتھ پکڑ کر راجہ سے کہا۔ یہ "میرا بیٹا ہے جس نے اپنی ماں کو بے حرمتی سے بچانے میں جان تک سے دریغ نہیں کیا۔" گوتم نے ابھے کو گلے سے لگا لیا۔

شہر میں اس فتح کی تقریب میں از سر نو شادیانے بجنے لگے سب لوگ خوش ہوکر ابھے اور رانی کی شجاعت کی تعریفیں کرکے فخر اور ناز سے کہا کرتے تھے۔

لشکر ہے جری کون سے لشکر سے ہمارے
تھراتا ہے رستم کا جگر ڈر سے ہمارے
شیر آنکھ چرا جاتا ہے تیور سے ہمارے
نکلا ہے شجاعت کا چلن گھر سے ہمارے
پسپا نہیں ہوتے ہیں یہ پیشہ ہے ہمارا
تھے رام و لچھمن جس میں وہ بنشہ ہے ہمارا

ابھے کو خلعت دیا گیا۔ دور دور اس کی جان نثاری کی تعریفیں ہونے لگیں اور گو وہ نسبتاً نیچی ذات سے تھا تاہم رانی نے راجہ کی صلاح سے اپنی لڑکی اس کو بیاہ دی۔ اور گنگا کے متصل کا وہ حصہ جہاں یہ لڑائی ہوئی تھی اس کو جہیز میں بلا صرف وہ ارگل کے راجہ کا داماد ہی نہیں بنا گوتم نے اس کو راؤ کا بھی خطاب دیا جس پر آج تک بیش قوم کے راجپوت فخر کرتے ہیں ہر زبان پر یہی حکایت تھی پشتہا پشت تک روایت

تھی۔ اب تک تربچے بھی گیت گاتے تھے۔ سب کو قصہ یہی سناتے تھے۔

بیاک رانی کی جرأت وہمت سُن کے اُن سب کو ہوتی تھی حیرت
رات کو رہتا تھا یہی چرچا جب کبھی مردوزن ہوتے یکجا

اور اس بزدل صوبہ دار کی کیا حالت ہوئی؟ جو وقت شاہ نصیرالدین کو خبر ملی۔ اس نے صوبہ دار کو سخت وسست کہا اور سب کی نظروں میں ذلیل کیا دوست ودشمن سب اس کو ملامت کرتے تھے۔ کہ ایک عورت کے برخلاف ناحق لڑائی کر کے اپنی عزت و آبرو کو خطرہ میں ڈال لیتا۔

ضعیفی کے عالم میں جب کوئی ارگل کا ساکھا اس کو سناتا۔ صوبہ دار شرم سے گردن نیچے جھکا لیتا اور آنکھ سے آنسو جاری ہوجاتے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بھی کوئی مرد عورت کے مقابلہ پر نہیں آتا تھا۔

یہ ارگل کی رانی کا مختصر قصہ ہے۔

۱۵۔ سیتا اور اس کا پریم

(رامائن کا ایک دردناک سین)

(۱) یہہ تو گھر ہے پریم کا خالہ کا گھر ناہیں
سیس[۱] کاٹ بھُوئیں[۲] دھر تب پیٹھے[۳] گھر ماہیں

(۲) پریم پیالہ جو پیئے۔ سیس وکشنا دے
لو بھی[۴] سیس نہ دے سکے۔ نام پریم کا لے

(۳) پریم پریم سب کوئی کہے۔ پریم نہ جانے کوئے
آٹھ پہر بھینا رہے۔ پریم کہاوے سوئے

(۴) پیئیہ[۵] رس پیا جو جانئیے۔ اترے نیں خمار

[۱] سر [۲] زمین [۳] داخل ہو [۴] لالچی [۵] پریتم

نام ادل ﷺ [illegible] ہے - چھیے - ابھینؔ رس مالا [illegible]

(۵) پیا چاہے پریم رس - راکھا چاہے مان
ایک میاں میں دو کھڑگ ۔ دیکھا سنا نہ کان
(۶) نینوں کی کر کوٹھری - پتلی پلنگ بچھائے
پلکوں کا چک ڈال کر - پیا کو لیا رجھائے
(۷) جب میں تھا ہری نہیں - جب ہری ہیں ہم نا ہیں
پریم گلی ات سانکری - تا میں دو نہ سماہیں

کبیر صاحب

دُنیا میں سب سے زبردست طاقت جو انسان کو سچائی کے سانچے میں ڈھالکر اس کے آلائشات سید عادات اور مکروہ خیالات کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے پریم ہے پریم بہت ہی وسیع لفظ ہے۔ سکو تنگ خیالی کی تاویل کا جامہ پہنانا حد درجہ کی غلطی و نادانی ہے- اس کا اثر ہر ایک پر ظاہر ہے- جس دل میں پریم گھر کر لیتا ہے پھر دل اور کوئی خیال نہیں رہتا- یہ وہ مبارک طاقتور باز ہے جس کے جھپٹ کے خوف سے اور تمام پرند دور بھاگے جاتے ہیں پریم کو ذرہ اپنا نور دکھانے دو سفلی جذبات کی تاریکی اسیوقت اپنا بوریا باندھنے لگتی ہے پریم کی مستی عجیب طرح کا نشہ ہے- اس کا خمار کبھی اترتا ہے دل کی ساری قوتوں کو یکسو کر کے پریتم کے چرنوں کی طرف جھکا دیتا ہے اے روشنی پسند پروانہ! ہم تیرے پریم کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیا تو اس کا ذرہ سا حصہ ہم کو بھی عطا کر سکتا ہے؟ اور شمع کی ادا پر جان قربان کرنیوالا پروانہ دھیمی آواز میں ہنستا ہوا ہم سے کہتا ہے اور آگ کی طرف جلنے کے لئے لپکتا ہوا جا رہا ہے - وہ کہتا ہے-

(رباعی)

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند سوز دل پروانہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار این دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

پروانہ ہم کو شہد کی لالچی قرار دیتا ہے - اور یہ سچ بھی ہے - جن کو دنیا کا خیال ہے - جن کو دولت کی ہوس ہے وہ پریم کے مستحق نہیں - وہ اس دولت کے حصہ دار نہیں بنائے گئے . . . .

گر خدا خواہی و ہم دُنیائے دوں
این خیال است و محال است و جنوں

پریم کہتا ہے - اپنی مکروہ صورت چھوڑ دے - اگر صحبت تاثیر رکھتی ہے اگر خربزہ کو دیکھ کر خربزہ رنگ پکڑتا ہے تو بھی پروانہ کی طرح اپنے آپ کو پریتم پر نثار کر دے مطلب کے سوا کسی کی ہوس مت رکھ - اسی کے سودا کو اپنے دل میں جگہ دے - اسی خیال میں رات دن سرشار رہ اسکے سوا تو کسی اور کو مت دیکھ - اور اسکی خوبی - پاکی اور بزرگی کی عادت پیدا کر کے آنند میں مگن ہو کر پریتم کے جذبہ میں کہہ اٹھ -

لالی اپنے لال کی جت دیکھوں تت لال
لالی دیکھن میں گئی میں بھی ہو گئی لال

اگر لوہا آگ کی صحبت سے آگ کا کام دینے لگتا ہے - آگ کی طرح لال انگارہ بن جاتا ہے تو تو بھی اپنی استطاعت کے موافق پریتم کے اوصاف سے متصف ہو جائیگا اور یہی پریم کا اعلیٰ مقصد - اصلی تکمیل اور سچی گرہست ہے -

اگر طالب علم کتاب کو بغل میں دبائے ہوئے ہر لمحہ اسکے خیال میں محو نہیں رہتا تو وہ علم کا سچا شائق نہیں ہے - آنکھوں سے دوربین لگائے ہوئے نجومی ستاروں کی سیر میں اپنی شخصیت کو بھول جاتا ہے - عشق کا مارا ہوا سوا معشوق کے اور کسی کی خواہش نہیں رکھتا عشق سچ مچ ایک جنون ہے جو عاشق کو سوا اپنی دھن کے اور سب طرف سے اندھا بنا دیتا ہے اور اسکو سوا اپنے مطلوب کے اور کوئی نہیں سوجھتا - اس کی لیلا نرالی ہے اور اسکا تماشا عجیب ہے

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علت ہائے ما
عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اسبات کی تائید میں کہ پریم کی طاقت کیسی زبردست ہوتی ہے آج ہم آپ کو شری رام اور سیتا جی کا سمواد (مکالمہ) سناتے ہیں جو انکے درمیان بن جانے کے پہلے ہوا تھا۔

رام رخصت ہونے کی غرض سے سیتا کے محل میں آئے سیتا نے ابتک رام کے بن جانے کا حال نہیں سنا تھا۔ وہ خوش تھی کہ آج رام کا تیلک ہوگا جب رام محل میں آئے۔ اس نے ہنستے ہوئے ان کا استقبال کیا مگر شوہر کی پیشانی پر شکن دیکھ کر اسکو سخت پریشانی ہوئی کوئی نہ کوئی رنج کی بات ضرور ہے ورنہ رام کبھی ایسے اوداس نہیں دیکھے گئے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ بھگوان! آپ کیوں اس قدر مضمحل ہو؟ آج آپ کے راج تیلک کا دن ہے۔ ایسی مبارک تقریب پر لوگ خوش ہوتے ہیں۔ کیا سبب ہے تمہارے ساتھ نہ کوئی برہمن ہے نہ کوئی اور آدمی ہے نہ کسی کے ہاتھ میں چنور ہے نہ چھتری ہے آپ کی صورت کیوں اتری ہوئی ہے؟ میں نے پہلے کبھی آپ کو ایسا نہیں دیکھا تھا" رام چندر نے جواب دیا "سیتا! مدت گذری جب میرے باپ نے ماتا کیکئی کو دو بر دئے تھے۔ کیکئی نے اب جا کر ان سے ایفاء عہد کا اقرار لے لیا ہے۔ مجھے چودہ برس ونڈک بن میں رہنا ہوگا اور بھرت راج کرینگے۔ میں جلاوطن بن کر جنگل کو جاؤنگا۔ تجھ کو دیکھنے اور چند مفید باتیں کہنے کے لئے یہاں آیا ہوں تو بھرت کے سامنے میری تعریف کبھی نہ کرنا۔ اور اپنے چال ڈھال کو اس طرح بنا لینا۔ جس میں وہ ناراض نہ ہوں۔ میں تو اب باپ کے قول کو پورا کرنے جنگل کو چلا وہاں تپسیوں کے درمیان رہونگا۔ تو دھرم کرم کا پالن کرتی ہوئی، روز میرے باپ دشرتھ اور ساری ماتاؤں کے حکم میں رہنا۔ میری ماں

کوشلیا ضعیف ہے اس کی برابر خبر لینا۔ بھرت اور شترگھن میرے بیٹے یا بھائی سمان ہیں وہ مجھ کو اپنی جان سے بھی پیارے ہیں۔ اے دیوی! بھرت کو کبھی ناخوش نہ کرنا۔ وہ اب اس راج کے مالک اور خاندان کے سرتاج ہیں۔

راجہ بسا اوقات اپنے خاص لڑکوں سے ناراض ہو جاتے ہیں اور غیروں کو اپنی مہربانی کا مستحق سمجھنے لگتے ہیں۔ اسلئے تو انکی خوشی کا برابر لحاظ کرتی رہنا اور جب تک میں واپس نہ آؤں۔ یہاں دھرم کی پابندی میں خوشی کے ساتھ اپنا دن کاٹتی رہنا۔"

رامچندر کی بات سُنکر سیتا متحیر ہو کر بولی "بھگوان! یہ خواب ہے یا خیال ہے یہ الفاظ کس طرح آپ کی زبان سے نکلے؟ کیا تم اپنی سیتا کو خود غرض - کمینہ اور بے عقل سمجھتے ہو۔ آپ کا کلام سُنکر مجھے بیساختہ ہنسی آتی ہے اور آدمیوں میں سب سے افضل اور اصلی شور بیر کی زبان سے زیبا نہیں اپنے ان کا سننا بھی مناسب ہے۔"

رام نے کہا:-

سن بات میری کہتا ہوں خاتون گل اندام
جنگل میں نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
دریا کہیں حایل کہیں پانی کا نہیں نام
جنگل میں کہیں صبح تو صحرا میں کہیں شام
بھولے سے بھی ہرگز نہ چلو ساتھ سفر میں
خواہش ہے میری تم رہو آرام سے گھر میں
آفت ہے تردد ہے مصیبت ہے سفر میں
آرام جو منظور ہو آرام ہے گھر میں
ماں بوڑھی ہے صدمہ ہے اُسے آج جگر میں
دیکھو کہیں مر جائے نہ وہ ہجر پسر میں

روئے تو میرے سر کی قسم دیجیو سیتا
بیمار ہو تو اس کی خبر لیجیو سیتا
جب جب کرے وہ غم سے کبھی یاد ہماری
آنسو ہوں اگر آنکھ سے اس کے کبھی جاری
کہنا کہ یہ ماتا ہے عبث آہ و زاری
گر رام نہیں رام کی موجود ہے پیاری
ایام جدائی بھی گذر جائیں گے ماتا
دن لوٹینگے جب رام چلے آئینگے ماتا
میرا تو اٹھا لبتی سے آج آب و دانا
میں اس لئے ہوتا ہوں ابھی بن کو روانا
بھاتا ہے کسے اپنا وطن چھوڑ کے جانا
مجبوری ہے لاچاری ہے پڑتا ہے زمانا
میں تم سے جدا ہوں یہ گوارا مجھے کب ہے
پر جانتی ہو خوب کہ اس کا بھی سبب ہے

سیتا نے جواب دیا:۔

مطلب اودھ سے ہے نہ محلوں سے مجھے کام
وہ شہر ہے جس بن میں فروکش ہوں شری رام
میں واں نہ رہونگی میرے رہنے کا نہ لو نام
سیتا کو تو بس آپ کے قدموں میں ہے آرام
یہ ہاتھ جنک نے تو تیرے ہاتھ دیا تھا
ماتا نے مجھے رام کے ہمراہ کیا تھا
ماں باپ کو میں چھوڑ کے ان قدموں میں آئی

میرا نہیں دنیا میں کوئی بندھ نہ بھائی
مجھ کو نہیں منظور کبھی تیری جدائی
مانوں گی نہیں۔ ایک طرف گر ہو خدائی
ہمراہ میں کانٹوں کی مصیبت کو سفر کو
میں دھیان میں لاؤنگی نہ آفت کو خطر کو

افسوس! یہ کیا چرخ نے بد روز دکھایا
اسطرح کا دکھ دیکے ہمیں کیا بھلا پایا
آزردہ کیا آپ کو ہم سب کو رلایا
آفت یہ سر خلق پہ کس واسطے لایا
سیتا کے راحت کا سرانجام کہاں ہے
جب رام ہو بیچین تو آرام کہاں ہے

مانا کہ مصیبت سے بھری راہ سفر ہے
رستہ بھی خطرناک ہے منزل پہ ڈر ہے
سیتا کی مگر آپ کی الفت پہ نظر ہے
جب رام ہو ہمراہ تو کیا اس کو خطر ہے
حال میں سایہ تیرا سر پہ ہے ہمارے
سیتا کے لئے فکر ذرا کر نہ تو پیارے

مجھ کو نہ جدا کر کہ میں اک مرغ ہوں بے پر
قدموں کے سوا تیرے نہیں کوئی میرا گھر
کہتی ہوں جو قدموں میں تیرے سر کو جھکا کر
سُن اسکو توجہ سے نہ مجھ کو تو جدا کر
تو نیک جہاں میں تیری کیا بات ہے پیارے!

سیتا کی بنتی سن لے تیرے بات پیارے!

ماں باپ بھائی بندھو لڑکے بالے سب اپنے اپنے کرم کے آدھین ہیں صرف بیوی ہے جو خاوند کے سکھ دُکھ کی شریک ہے۔ استری کے لیے سوائے پرتی اور کسی کا سہارا نہیں۔ کمزور بیل عالیشان درخت سے چمٹی ہوئی ہے اسکو علیحدہ کرکے زمین پر گرا دو۔ کیا وہ زندہ رہیگی؟! اگر تم آج جنگل کو چلے ہو تو راگھو! میرا قدم تم سے پہلے رہیگا۔ میں خوشی سے خاردار جھاڑیوں کو پاؤں سے روندتی ہوئی تمہارے لیئے راستہ صاف کرونگی۔ ہر حالت میں عورت اپنے مرد کے سایہ کی محتاج ہے۔ شیر مرد رام جو ہزاروں کی جائے پناہ سمجھا جاتا ہے کیا جنگل میں اپنی بیوی کو پناہ نہ دیگا۔ میں درختوں کے پھل پھول جڑ اور پتوں پر زندگی بسر کرونگی۔ تم کو کبھی تکلیف نہ دونگی۔ دریا۔ جھیل۔ پہاڑ۔ تالاب میرے لیئے تمہارے ساتھ میں خوشی کے نظارے ہونگے۔ میں ہر چہار طرف کنول سے بھرے ہوئے تالاب دیکھ کر مسرور ہونگی۔ ان میں راج ہنس اور مرغابیاں تیرتی ہونگی۔ میں ان میں نہاؤنگی اور چودہ کیا ہزاروں برس تمہارے ساتھ بن میں کاٹ سکوں گی۔ اے راگھو! تمہارے بغیر یہاں میرا رہنا امر محال ہے۔ مجھے چھوڑ جاؤ میں کبھی زندہ نہ رہونگی۔ ساتھ لیچلو اور میں کبھی بارِ خاطر نہ بنونگی۔ سیتا کے ساتھ لے چلنے میں پس و پیش نہ کرو۔

رہا کب دامن شوہر جُدا زن سے
کہیں سایہ جُدا ہوتا ہے تن سے

رام نے جو جنگل کی مصیبتوں سے ناواقف نہیں تھے اور پوران و اتہاس کے واقعات جانتے تھے۔ ساتھ لے چلنا مصلحت نہیں سمجھا۔ انہوں نے روتی ہوئی سیتا کو تسلی دیتے ہوئے کہا پیاری! تو بیشک استری جاتی کی زینت ہے۔ تجھ میں خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ مگر تو نازک بدن

ہے۔ تیرے ہاتھ پاؤں کنول کی پنکھڑیوں سے زیادہ ملایم ہیں۔ میرا کہا مان جا۔ بن جانے کے ارادے سے باز آ۔ میں تیری ہی بھلائی کی نگاہ سے ایسی بات کہتا ہوں۔ جنگل میں سکھ نہیں دکھ ہی دکھ ہے۔ پہاڑ کے دروں میں رہنے والے شیر جب گرجتے ہیں آدمیوں کا کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ جھرنوں کی خوفناک آواز سے سننے والوں کا دل سہم جاتا ہے۔ خونخوار درندے آدمی کو دیکھ کر جھپٹتے ہیں۔ دریا میں مگر۔ گھڑیال۔ منہ کھولے ہوئے آدمی کے تاک میں لگے رہتے ہیں۔ مسافر کا دامن قدم قدم پر کانٹے اور جھاڑیوں میں الجھتا ہے۔ پینے کیلئے پانی تک میسر نہیں آتا۔ جنگلی پرندوں کی ڈراونی آواز بجری ہوتی ہے۔ دن کی ماندگی و تکان سے پریشان ہو کر جنگل کے راستے گھاس پھوس بچھا کر پڑ رہتے ہیں۔ درختوں سے گرے ہوئے پھل غذا کا کام دیتے ہیں اور وہ بھی کبھی ملتے ہیں کبھی نہیں۔ دھوپ۔ آندھی۔ بارش کی مصیبتیں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ راہ میں دھول اڑتی ہے۔ آنکھ۔ کان ناک گرد سے بھر جاتے ہیں۔ راہ میں سانپ واژدھا دبکے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔ بچھو۔ پرند زہریلے کیڑے۔ مکھی۔ مچھر ڈنس مارتے ہیں۔ گھاس پھوس راہگیر کے پاؤں کو زخمی کر دیا کرتے ہیں۔ بھوک۔ پیاس کی مصیبت کو کون کہے! جنگل صرف تپسیوں کے لئے ہے۔ یہ مصیبتیں تجھ سے نہیں جھیلی جائینگی۔

تکلیف و مصیبت ہے مسافر کو سفر میں ۔۔۔ جنگل کہیں صحرا کہیں وادی ہے نظر میں
آرام نہیں اسکو کبھی آٹھ پہر میں ۔۔۔ وہ سکھ نہیں ملتا ہے جو سکھ اسکو ہے گھر میں

تو بن کو نہ چل بن میں امن ہے نہ امان ہے
بن میں تو سدا فکر ہے اور کاہش جان ہے
اس لئے تو میرا کہا مان جا۔ اس ارادے سے باز آ۔“
رام چندر جی کی بات سنکے۔

روتی ہوئی آپ نے اُن کا قدم پکڑ لیا۔ پر بھوا آپ نے جنگل کا خوفناک نظارہ اپنے لفظوں میں ظاہر کیا۔ دُنیا میں سیتا کے لیے سب سے مبارک میں جو دُکھ کہ اس کو آپ کے سہارے کا زیادہ محتاج بنا دے وہ میرے لیے نقصان دہ نہیں ہونگے۔ اسکے سوا رام کو دیکھ کر جنگل کے شیر۔ چیتے۔ ہاتھی گینڈے یوں ہی خوف سے دور بھاگ جائینگے۔ میں نے آپ کے لفظوں کا دل میں موازنہ کر لیا۔ بن کی ہزارہا تکلیفیں آپ کی جدائی کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ میں نازک بدن بنکر محلوں میں رہوں اور آپ بیتو بن میں باس کریں! یہ کبھی نہیں ہونے کا! وہاں جب میری نگاہ آپ کی مبارک صورت پر پڑیگی۔ ساری کلفتیں آپ ہی دور ہو جائینگی۔ بس اب آپ اجازت دیجئے۔ میں بھی بزرگوں کا حکم لیکر آپ کے ساتھ چلوں۔ گرہسِتی اپنی استری کے لیے قابل تعظیم و قابل پرستش دیوتا ہے۔ میں دھرم سے کبھی بیٹھنے ہونگی آپ نے میرے پانی گرہن (ہاتھ پکڑنے) کی رسم ادا کی ہے۔ کیا تم اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے چلوگے؟ آخر میں نے کیا اپرادھ کیا ہے؟ میری ساری خدمات آپ کے لیے ہیں۔ رنج میں خوشی میں شادی میں غمی میں میں آپکے ساتھ رہونگی

میرا جینا ہے یہاں بے رام مشکل ۔۔۔ نہ لائیے تاب ہجر گل عنادل
فراق رام کب مجھ کو ہے منظور ۔۔۔ غضب ہے شمع سے پروانہ ہو دور
نہیں بہتر ہے اس سے کوئی دولت ۔۔۔ کرے عورت جو شوہر کی اطاعت

اگر آپ نہیں مانتے ہو تو اس زندگی کو برباد کر دینے کی بہت سی تدبیریں ہیں"

رام سیتا کی باتوں سے مکدّر ہوئے۔ گو اُن کو اپنے دل پر ضبط تھا تاہم انہوں نے اظہار ناخوشی کیا۔ عورت کو جنگل میں لیجانا مناسب نہیں سمجھا کبھی ملائمت سے سمجھانے لگے اور روتی ہوئی سیتا کے ڈھارس دینے کی کئی تدبیریں عمل میں لائے۔

مگر جدائی کا خیال سیتا کے لئے حد درجہ کی آفت تھا۔ سنے رو کر کہا رام! جنک نے آپ کو شیر مرد سمجھ کر مجھے حوالہ کیا عورتیں مردوں کو اسواسطے دیجاتی ہیں۔ کہ وہ اُن کی حفاظت کریں۔ اس وقت آپ کا سلوک نامناسب ہے میرا تمہارے سوا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ آپ کیوں اتنا پس وپیش کرتے ہو۔ جس طرح ساوتری نے ستّ واہن کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میں بھی کبھی اپنے شوہر سے علیحدہ نہ ہونگی۔ میں بھی ’ساوتری‘ ہوں۔ بھگوان! آپ کا دل کیسا ہوگیا؟ آپ کے مزاج میں کیوں تبدیلی آگئی؟ تعجب ہے تم مجھ کو کس کے حوالہ کرتے ہو؟ آپ آج ایک قول کی تعظیم میں وعدہ ایفا کرنے کے ارادہ سے بن جارہے ہو۔ وہ بھی تو قول تھا جو آپ نے شادی کیوقت مجھ سے کیا تھا۔ کیا کبھی ممکن ہے کہ سایہ جسم سے الگ کردیا جائے استری پُرش کی سایہ ہے اے پاک اور مقدس رام! اپنی روتی ہوئی سیتا کی طرف نگاہ کرو۔ جنگل ہو یا بستی ہو کیسے تمہارا دامن چھوڑوں۔ تم تپسوی بنتے ہو تو میں تپسونی بنونگی۔ سکھ۔ دکھ۔ راج بن۔ ہر جگہ ہر حالت میں سیتا کو تمہارے ساتھ رہنے کا حق ہے۔ میں آپ کیواسطے کشا گھاس کا آسن بچھا دیا کرونگی۔ تمہارے راہ کے کانٹوں کو اُٹھا کر پھینکونگی طوفان کے گرد کو صندل کی دھونی سمجھونگی ہری گھاس کے بسترے کو مخمل پر ترجیح دونگی۔ پھل پھول کی خفیف مقدار جو تم جنگل سے لاکر دوگے اپنے سر چڑھاؤنگی۔ ہر بات میں ہر مصیبت کے لئے تیار رہونگی ماں باپ کا کبھی خیال دل میں نہ آنے دونگی ہر وقت تمہارا منہ دیکھتی رہونگی۔ تمہاری رضامندی ہر بات پر مقدم سمجھونگی۔ تمہارا ساتھ میرے لئے سورگ اور تمہارا بیوگ نرک ہے

ناراض نہ ہوجیں۔ جیں۔ اور نہ خفا ہو — سیتا سے نہ اے رام کبھی آپ جدا ہو

مبذول نہیں۔ لطف و شفقت ادھر آج — باقی نہیں۔ بندی پہ وہ عنایت کی نظر آج

بیزاری کا باعث تو بتا دیجئے پیارے — تقصیر ہوئی ہو تو سزا دیجئے پیارے

سب کچھ کرو پر سیتا سے دامن نہ چھڑاؤ — لونڈی ہے غنیمت کرو قدموں میں لگاؤ
مالک ہو میرے تن کے میری جاں کے مختار — جس طرح سے چاہو میرے بارے تو کرو پیار
چھوڑوں نہ قدم سر بھی اگر تن سے جدا ہو — ہٹ استری جاتی کا کبھی تم نے سنا ہو
تا زیست تو اب تم سے جدائی نہیں ہوگی — اس رشتۂ الفت سے رہائی نہیں ہوگی
سر پیٹونگی اور نالہ و فریاد کرونگی — کھو دونگی میں جان جسم کو برباد کرونگی
جینا ہے اگر رام کی خدمت میں جیونگی — مرنا ہے اگر رام کی الفت میں مرونگی

اگر اتنا بھی سن کے تم کو بد نصیب سیتا پہ رحم نہیں آتا۔ تو تمہارے جنگل جانے سے پہلے وہ پران تیاگنے کی تیاری کریگی۔"

یہ کہکر سیتا دھاڑیں مار کر رونے لگی اور زور سے رام کے پاؤں سے چمٹ گئی اُسکی آنکھ سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہوا۔ اس نے سمجھا رام اب مجھ کو بن نہ لیجائینگے اُسکی حالت اسی وقت بدلنے لگی گلاب سا چہرہ خشک ہو کر کانٹا بن گیا۔ کنول کی پنکھڑیوں کی طرح سرخ ہونٹھ سوکھ گئے ہچکیاں آنے لگیں۔ رام نے گھبرا کر اپنے ہاتھوں سے اسکو اٹھا لیا اور چھاتی سے لگا کر کہنے لگا "پیاری سیتا مجھ تیرے بغیر سورگ بھی نرک ہے مجھے صرف تیری تکلیف کا خیال تھا۔ اگر تیرا ارادہ یہی ہے تو میں تجھ کو پیچھے نہ چھوڑونگا۔ قسمت سے کوئی لڑائی نہیں کرسکتا۔ باپ کی حکم عدولی سعادتمند لڑکے کے لئے زیبا نہیں ہے۔ اے سندری! تو آنسو مت بہا۔ اپنے من کو اداس نہ کر جا برہمنوں کو سب کچھ دان دیکر میرے پیچھے پیچھے چل۔"
یہ سنکر سیتا کے جان میں جان آئی اور تمام اثاثہ کو خیرات میں لٹا کر وہ رام کیساتھ ہو گئی

وہ نکلے اس طرح دونوں وطن سے
کہ رخصت ہوں گل و بلبل چمن سے

یہ پریم کی جے اور عشق کی فتح ہے۔ گرہست آشرم کے پالنے والے بھائی بہنو استری پرش کے سچے پریم کا نمونہ رام و سیتا ہیں۔ تم بھی اُن کی تقلید کرو۔

تارامتی تیویا

طوفان ہے طلاطم ہے مصیبت بھی بڑی ہے
یا بار خدا کشتی تباہی میں پڑی ہے
آفت ہے بپا چاروں طرف موت کھڑی ہے
ہمدرد نہیں کوئی قیامت کی گھڑی ہے
حرف آئے نہ پیمان عزت کو بچا لو
لونڈی ہوں مجھے بیچ کے کام اپنا نکالو

تارامتی راجہ ہریشچندر کی رانی تھی۔ اس کا نام شیویا تھا۔ اگر ایک نام اسکے ظاہری خوبصورتی کا اظہار کرتا ہے تو دوسرا اس نیک وقت ماتا کی اصلی بزرگی دلی پاکیزگی و سچی شعور صفائی کی یاددہانی کرتا ہے۔

ہریش چندر و تارا رانی تارامتی اس درجہ کے باکمال انسان تھے جن کو نگاہ کے سامنے رکھ کر لوگ انسانی معراج تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جب راجا اور رانی ایسے تیاگ وصبر والے ہوں تو اس خوش قسمت ملک کا کیا کہنا! ایشور جب کسی قوم یا ملک پر خوش ہوتا ہے تب عادل و رعایا پرور راجہ عطا کرتا ہے۔

راجہ رانی دونوں خوش تھے انکی خوشی اس قسم کی نہیں تھی۔ جو نیچے درجہ کے طبیعت والے سفلی جذبات میں تلاش کرتے ہیں۔ ان کا دل آئینہ کی طرح صاف تھا۔ اس میں ذرہ بھی عیب کا بال نام کو بھی نہیں تھا۔ انکی زندگی شانتی و سلامتی کی زندگی تھی مگر افسوس یا یہ دنیا عجیب کی طرح ہے۔ اس کے گلاب میں خار اور اسکے شہد میں نیش ہے۔ کون شخص ہے جس کو زمانہ کے ناموافقت کے تھپیڑے نہیں کھانے پڑے! راجہ ہو یا غریب۔ کوئی اس سے محفوظ نہیں ہے نہ رہ سکتا ہے کال

بھگوان کا چکر ہمیشہ گھومتا رہتا ہے کبھی اوپر کبھی تلے کبھی موسم بہار ہے کبھی خزاں ہے کبھی خوشی ہے اور کبھی رنج ہے۔ زمانہ کی حالت ایک سی نہیں رہتی اور ہر بار اس کے متعلقین بھی اس سے کیسے مستثنیٰ نہیں رہ سکتے تھے۔

ہریشچندر سخاوت و داد و دہش کا مشہور تھا۔ اس کو اپنے قول کا اس قدر پاس تھا کہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ مگر وہ کبھی اپنی بات کو نہیں پلٹتا تھا۔ اس کے اس وصف کی شہرت نے وشوامتر رشی کو اس کا حاسد بنا دیا اس نے وسشٹ رشی کے سامنے کہا کہ "میں ہریشچندر کو دھرم کے راہ سے منحرف کر کے چھوڑونگا" اور اس رشی نے مغالطہ دے کر اس سے راج کو دان میں مانگ لیا۔ اور چونکہ ہندوؤں میں دان کے ساتھ دکشنا دینے کا بھی رواج ہے جب راجہ نے کہا کہ "آپ سے یہ راج پاٹ تمہارا ہے" وشوامتر نے کہا "بہت اچھا۔ اسکے ساتھ مقدار معقول میں سونا بطور دکشنا کے دیجیئے" خزانہ اخلاقی طور پر وشوامتر کا ہو چکا تھا۔ اب اس میں ہاتھ لگانا ادھرم تھا۔ راجہ نے کہا "میں ایک مہینہ کے عرصہ میں بنارس جا کر تم کو دکشنا دونگا۔ اس قدر مہلت منظور کرو" اور وشوامتر نے کہا۔ اگر تو اپنے عہد سے باز آئے تو میں دکشنا کے لیئے اس قدر اصرار نہیں کرتا" مگر ہریشچندر نے کہا کہ "یہ کیا بات ہے قول مردان جان دارد" میں اپنی بات پر ہمیشہ ثابت قدم رہونگا اور جان جائے چاہے رہے سورج چاہے پورب کے عوض پچھم سے نکلے۔ اور سومیری چوٹی پر چاہے سمندر کی لہریں منڈلانے لگیں لیکن ہریشچندر اپنی بات کبھی بدلیگا" وشوامتر نے ہنسکر کہا "بہت اچھا۔ دیکھا جائیگا میں آج سے ایک مہینہ کے بعد تم سے بنارس میں ملونگا۔ اور اس روز تم کو یا تو دکشنا دینی ہوگی یا اپنے راج پاٹ کو واپس لینا ہوگا"

یہ کہہ کر وشوامتر چلا گیا اور راجہ اپنے محل میں رانی کو اطلاع دینے کیلیے داخل ہوا۔ تارامتی اس واقعہ سے ناواقف نہیں تھی جب ہریشچندر نے اپنے

دان دینے و بنارس جانے کا حال کہ سنایا رانی نے خندہ پیشانی سے کہا "راجن میرے جسم پر جو کچھ زیور ہے وہ بھی راج کا ہے اس لئے اس کو اتار دیتی ہوں اور میں بھی تمہارے ساتھ بنارس چلوں گی کیونکہ بنارس آزادی کی جگہ ہے میں میرا چھوٹا لڑکا آپ کے ساتھ رہ کر دُکھ درد میں شریک ہوں گے"۔ ہریشچندر کو راج دینے کا مطلق رنج نہیں تھا۔ اور اب جب کہ اس کی رانی نے اس طرح بے فکری سے بات چیت کی وہ دل میں بڑا خوش ہوا۔ اور اسی وقت سفر کی روانگی کی تیاری کر دی گئی۔

دنیا میں انسان کس بات کی امید رکھے۔ پل میں کیا ہو جائیگا۔ کوئی نہیں جانتا۔ تارامتی ابھی دو چار لمحہ پہلے سارے ملک کی مہارانی کہلاتی تھی۔ اب اس نے تمام زیور و مکلف لباس نہ صرف اپنے جسم سے اتار کر رکھ دئے بلکہ پانچ برس کے کمسن و نابالغ راجکمار روہتاشو کے زیور تک کو علیحدہ کرا دیا کیونکہ وہ اب وشوامتر کے ملک تھے اور ان کا ساتھ لے جانا ادھرم اور پاپ تھا۔ انکے جسم پر برہنگی چھپانے کے لئے بھکاریوں کے کپڑے ڈال دئے گئے تھے۔ رانی نے اس تبدیلی پر اُف تک نہیں کیا نہ اس کے دل میں کسی طرح کے رنج یا درد کا خیال گذرا۔ اس کی پشت پناہ ہریشچندر تھا وہی اس کی ساری محبت اور تمناؤں کا مرکز تھا اور اس کی کائنات تھی۔ روہتاشو کی عمر گو تھوڑی تھی مگر وہ اس قدر سمجھ سکتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے اور جب ماں نے گود میں لیکر اس کے زیور و لباس اتار دئے۔ اور معمولی کرتہ گلے میں ڈال کر کہدیا کہ یہ سب پرائے کی دولت ہے وہ چپکا ہو رہا۔ اس نے بھی دم نہیں مارا۔

بنارس اجودھیا سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ تینوں شخص اس حیثیت کذائی کے ساتھ اسی وقت پا پیادہ وہاں سے چلدیئے۔ ناز و نعمت میں پلے ہوئے لڑکے اور محلوں میں رہنے والی رانی کے لئے اس طرح سفر کی تکلیف اٹھاتے ہوئے پاؤں گھسیٹتے چلنا ان مصیبت زدوں

کی زندگی میں نیا واقعہ تھا۔ آگے ہریش چندر اور پیچھے بچہ کی انگلی پکڑے ہوئے اس کی وفادار رانی تھی۔ کسی طور پر راہ کی مصیبت اٹھاتے درد دکھ سہتے وہ منزل بمنزل چل کر بنارس پہنچے ؛

بنارس آنے کو تو آ گئے۔ مگر وشوامتر کا دکشنا کس طرح دیا جاتا؟ صرف ایک مہینہ کا وعدہ تھا۔ کئی دن راہ میں صرف ہو چکے تھے۔ شہر میں قیام کئے بھی کئی دن گذر گئے تھے۔ مانگنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی آخر اسی فکر میں قریب قریب وہ مہینہ گذرنے پر آیا۔ ہریش چندر حیران تھا وعدہ کا دن آ پہنچا۔ ابھی تک روپیہ کا کوئی انتظام نہیں ہوا ؛

شوہر کو فکر میں محو پا کر تارا متی نے کہا۔ بھگوان! آپ کو تردد کس بات کا ہے۔ آپ اپنے قول کو پورا کیجیئے۔ دھرم کے کاج میں گھبرانے یا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے! دھرماتما آدمیوں کے لئے یہ امتحان و آزمائش کے وقت ہیں۔ آخر میں ہمیشہ بھلا ہوتا ہے۔ ایشور کو اپنے سچے دھرماتما بندوں کے عہد رکھنے کا خود خیال رہتا ہے۔ آپ نے کتنے اشومیدھ یگیہ کئے ہیں۔ آپ دنیا میں قول کے سچے مشہور ہیں ایشور آپ کی مدد کرے گا۔ ہریش چندر کو اپنی بیوی کی مضبوطی و استقلال پر حیرت ہوئی اس نے کہا۔ "سندری! یہ سب سچ ہے مگر اب تک دکشنا کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا۔ وقت بھی کیسا کٹھن ہوتا ہے۔ وقت کے بدلتے آدمی کی حالت بھی بدل جاتی ہے۔" رانی نے جواب دیا۔ "یہ سب سچ ہے وقت آتا جاتا ہے انسان اگر اپنے دھرم پر قایم ہے تو اس کو کسی کا کھٹکا نہیں ہے۔ آپ غم نہ کیجیئے۔ زمانہ کی ناموافقت کی شکایت بے جا ہے میں آپ کی لونڈی ہوں۔ میں اس لئے آپ کو دی گئی ہوں کہ آپ کے کام آؤں۔ اگر آپ کو کہیں روپیہ نہیں مل سکتا ہے تو اپنی تارا متی کو فروخت

کر رحمت کیجئے اور برہمن کو دکشنا دے کر اپنی بات سچ کیجیے۔ اگر آج نہیں تو آخر میں کس دن کام آؤنگی۔"

ان باتوں نے ہریشچندر کے دل کو زیادہ مضطرب بنا دیا۔ رانی اور بازار میں فروخت ہوا۔ یہ کس طرح ہوگا! وہ اسی حیص بیص میں پڑا تھا۔ ساری رات سوچ بچار میں کٹ گئی۔ صبح کا ستارہ نمودار ہوا۔ مرغ سحر نے بانگ دی۔ ہوا چلنے لگی تھوڑی دیر بعد سورج کی کرنوں نے دنیا کو روشن کر دیا۔ اس وقت ستم رسیدہ ہریشچندر کو خیال آیا۔ کہ آج وعدہ کا آخری دن ہے۔

وہ بیچارہ سوچ ہی رہا تھا۔ کہ وشوامتر آ پہنچا۔ "دھاراج! کیا حال ہے اگر آج شام کو سورج کے غروب ہونے وقت تو نے دکشنا نہیں دی تو کہا جائیگا نو وعدہ کا پکا اور قول کا سچا نہیں ہے اور میں تیرا دان بھی واپس کر دونگا" تارامتی گھبرائی "پران ناتھ! جلدی کرو۔ مجھے بازار لے چلو۔ تارامتی آپ پر صدقے ہے۔ دنیا کو کبھی کہنے کا موقع نہیں ملے۔ کہ ہریشچندر کی بات جھوٹی پڑ گئی۔ بلا سے اگر مجھ پر آفت آئیگی میں جھیل لونگی۔ ہر قسم کی مصیبت کا سامنا کرونگی۔ مگر آپ اپنی سچائی کے دامن پر دھبہ نہ آنے دیجئے"۔

ہریشچندر ہکا بکا ہو گیا۔ بات چیت کرتے کئی گھنٹے گذر گئے آخر خاموش اور سکوت کے ساتھ وہ تارامتی اور روہتاشو کو لے کر چوک میں آیا۔ اور اونچی زبان سے اعلان کیا "یہ لونڈی فروخت ہونے کو ہے جس کا جی چاہے سودا کرے" اجودھیا کی رانی اور بازار میں بکے قسمت تجھ پر کسی کا اختیار نہیں۔ کرم! تیری گتی پربل ہے۔ لوگ بیچنے والے کی طرف جھکے سادھو رانی دونوں کی پیشانی سے راج اور دھرم کا جلال

نمایاں تھا۔ کسی کو ہمت نہیں پڑتی تھی۔ کہ خریدنے کا حوصلہ کرے۔ کون جانے۔ کہیں وہ ٹھٹھا کر رہا ہو!

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

ہجوم ایک ایک کرکے علیحدہ ہو گئے۔ راجہ پریشان۔ گویم مشکل وگر نگویم مشکل۔ آخر کوشک نامی ایک کنجوس برہمن نے کم قیمت لگا کر رانی کو مول لے لیا۔ روپیہ تھوڑے ملے۔ اب ان کے جانب راجکمار روہتاشو کو بھی فروخت کرکے کمی کو پورا کر دے۔ مگر برہمن نے کہا ”دو گائے کے ساتھ اس کا بچھڑا بھی بکتا ہے اس کی علیحدہ قیمت نہیں لگائی جائیگی“ اور وہ رانی اور راجکمار کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لے چلا۔ تارا متی نے نظر بھر کر ہریشچندر کو دیکھا۔ ”پران پتی! بھاگی تارا چرنوں سے جدا ہوتی ہے آپ اس کو بھول نہ جانا۔ اگر میں نے دان دیئے ہیں ہون و یگ کیئے ہیں تو پھر آپ کا درشن و ملاپ ہوگا“ اور روہتاشو کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں سنگدل برہمن نے اس پر دو چار الٹی سیدھی باتیں سنائیں اور زیادہ سختی کے ساتھ رانی کو دھکے دیتا ہوا وہاں سے لے چلا۔ ہریشچندر دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ کیا کرتا۔ رانی پر اب اس کا اختیار نہیں رہا تھا۔ صبر کا پتھر سینہ پر رکھ لیا۔ اور غصہ کے جذبے کو روک رکھا۔

رانی و روہتاشو بک گئے۔ بدقسمت ہریشچندر سے اس کی سچی دولت چھین گئی۔ اس پر بھی پوری قیمت وصول نہیں ہوئی آخر اس نے اپنے آپ کو ایک بیر بھدر نامی چنڈال کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور اس نے اجودھیا کے راجہ کو یہ خدمت سپرد کی۔ کہ مرگھٹ میں مردے جلانے والوں سے کفن کا کچھ حصہ اور مقررہ کوڑیاں لے کر تب ان کو داہ کرم کی اجازت دے اور غریب نے اس خدمت کو منظور کر لیا۔ مگر کس سے نہ ہٹا۔ اجودھیا کا سنگھاسن اور مرگھٹ کی زمین

کیا خوف ناک تنزلی ہے !!

عبث ہے تاج پر نخوت غرور و عجب سلطانی
فلک بال ہما کو دم میں سونپے ہے مگس رانی

رانی تارامتی برہمن کے گھر گئی۔ یہ کمبخت رات دن اس سے خدمت لیا کرتا۔ دم بھر کے لئے بھی چین نہ لینے دیتا اور ہمیشہ جھڑکیاں دے دے کر اس کو سخت سست سناتا رہا۔ دھرما تما رانی سب کچھ برداشت کرتی تھی۔ روہتاشو سے بھی رذیل خدمت لی جاتی تھی۔ کبھی کبھی جب اس معصوم کے گال تپانچوں سے لال کر دیئے جاتے۔ غریب روتا ہوا ماں کی گود سے آکر چمٹ جاتا۔ رات دن کے کام دھندے سے فرصت پاکر شب رانی علیحدہ بیٹھی اپنی حالت کو یاد کرکے رونے لگتی مگر روہتاشو جاگتا رہتا تو اپنے ننھے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتا اور توتلی باتوں سے ڈھارس دیتا۔ یہ اس کی تسلی کا باعث تھا۔ اس کو دیکھ کر رانی روز روز کی جھڑکیاں اور گالیاں برداشت کر لیتی تھی اور راضی برضا رہ کر اپنے دن کاٹتی تھی۔

برہمن حد درجہ کا خسیس تھا رانی کو کھانے پینے تک کے لئے کافی طور پر نہیں دیا جاتا تھا غریب پھٹے پرانے کپڑے لپیٹے رہتی تھی زمین پر لیٹ کر رات گذار دیتی صبح ہوتے ہی گھر کی ٹہل سیوا میں لگ جاتی۔ روہتاشو صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے برہمن کے لئے باغ سے پھول توڑ لایا کرتا اور جو کچھ اور کام کہا جاتا صبر کے ساتھ انجام دیا کرتا یہ ان غریبوں کے روزانہ کام کا نقشہ تھا۔

رانی کی مصیبت کا بیان مشکل ہے۔ ایک طرف شوہر کی جدائی کا غم دوسری طرف برہمن کی جا بجا سختیاں مگر جب وہ بیدرد روہتاشو کو مارنے لگتا۔ اس کے کلیجے پر چھری چلنے لگتی۔

دوستو! دنیا میں مہر مادری مشہور ہے۔

زخم بیٹے کو لگے ماں کا کلیجہ چور ہے
مگر مجبور۔ سنگ آمد سخت آمد۔ کیا کرتی۔ کچھ اختیار نہیں تھا کسی پر بس نہیں تھا۔ ایشور دشمن کو بھی ایسا برا دن نہ دکھائے۔

سخت است پس از جاہ تحکم بردن
خو کردہ بہ ناز جور مردم بردن

وہ گھر بھر میں بدنصیب۔ جنم جلی۔ اور نکمی کہلاتی تھی اس کو اچھے دن کی امید نہیں تھی۔ آدمی کو اگر بہتری کی امید ہو تو اس کے دن آسانی سے کٹ جاتے ہیں مگر وہ جانتی تھی۔ سوامی نے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔ سوا موت کے اور کوئی ذریعہ دکھ سے نجات کا کہیں باقی رہا تھا تارامتی! تو جتنی نیک تھی۔ دنیا نے ویسے ہی تجھ کو دکھ دیا! *

ایک دن جب شام کے وقت رانی باسن مانجھ رہی تھی۔ اڑوس پڑوس کے لڑکے جو روہتاشو کے سنگی ساتھی تھے۔ اور پھول چننے کے لئے باغ میں جایا کرتے تھے۔ روتے ہوئے آئے "مائی! روہتاشو کو کالے نے ڈس لیا۔ وہ درخت کے تلے مردہ پڑا ہے چل اس کو اٹھا لے" ارے یہ کیا ہو گیا۔ تارامتی کے ہوش ٹھکانے لگ گئے۔ کلیجہ دھک سے رہ گیا بھگوان! یہ کیا بات ہے!

بچاری روتے پیٹتے ننگے سر براہمن کے پاس آئی "مہاراج! روہتاشو کو سانپ سونگھ گیا۔ میری قسمت کی آنکھ پھوٹ گئی۔ اجازت دیجیے اس کو اٹھا لاؤں" اور برہمن ہمدردی ظاہر کرنے کے عوض کہنے لگا "بیلا روتی کیوں ہے مرنا تھا مر گیا۔ بنارس میں روز سینکڑوں مرتے رہتے ہیں۔ جا مرگھٹ میں جا کر جلا کر جلد لوٹ آ۔ ایسا نہ ہو کام کاج میں ہرج ہو" اور رانی روتی ہوئی باڑی میں آئی روہتاشو بیچ مردہ پڑا تھا۔ سانس بند تھی نبض،

یا ہیں نہیں تھیں۔ تضحا ہو چکا تھا۔ ہائے ایشورا! اس مصیبت کا بھی کہیں ٹھکانا ہے! غریب نے مردہ لاش کو چھاتی سے لگالیا۔

"پیارا روہتاشو میرا کلیجہ ہیرا لخت جگر! کیا اسی لئے میں نے تجھ کو پالا تھا۔ پرماتما! میں نے کیا اپرادھ کیا تھا کہ یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے!" رانی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ کہ برہمن وہاں بھی پہونچ گیا۔ "ارے تو! ابھی یہاں ہی چلا رہی ہے۔ دیکھ اندھیری رات ہے۔ کالی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جلد مرگھٹ میں لیجا کر لاش کو جلا کر چلی آ۔" وہ بیچاری بیٹے کو چھاتی سے لگائے اس مرگھٹ کی طرف چلی جو براہمن نے بتایا تھا۔

وہ پہلے اکیلے کبھی گھر سے کب نکلی تھی! شام کا وقت سورج ڈوب چکا تھا۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ ساتھ نہ آدمی نہ آدم زاد اجودھیا کی رانی اکیلی مرگھٹ کی طرف چلی۔ گھنٹوں کے بعد بھٹکتے بھٹکتے اور راہ پوچھتے ہوئے وہاں گئی۔ جس وقت دریا کے کنارے پہنچی سارا گھاٹ سنسان پڑا تھا۔ کتے انسان کی لاش کی تلاش میں ادھر ادھر بھونک رہے تھے وہ تھک گئی تھی۔ سامنے ایک مردے کو جلتے دیکھ کر سمجھی۔ یہی مرگھٹ ہے ذرہ دم لے لوں۔ پھر لڑکے کا آخری فرض ادا کروں گی۔ لاش کو اس نے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ بجلی کی چمک سے مردہ روہتاشو کی صورت پھر نظر پڑی ماں کا کلیجہ پھٹ گیا۔ اس وقت کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں رہا تھا۔ وہ پھر خوب دل کھول کر رونے لگی۔ روہتاشو! ارے روہتاشو! بیٹا! تو نے ماں کو چھوڑ دیا۔ اب کون میرے آنسو پونچھے گا۔ کون گلے سے چمٹ کر مجھے ڈھارس دے گا۔ تو راجہ کی یادگار تھا۔ تجھ کو دیکھ کر مصیبت کاٹتی تھی۔ ہائے تو بھی چھن گیا۔ میرے ہاتھ کا طوطا اڑ گیا۔ شوہر کی جدائی کی آفت کیا کم تھی۔ کہ لڑکا بھی مجھ سے علیحدہ کر لیا گیا۔ میرے دکھ درد کی انتہا ہو چکی

چل بسا آنکھوں کا تارا ہائے ہائے
تھا وہی ماں کا سہارا ہائے ہائے
راج چھوٹا۔ بندھ بھائی سب چھٹے
لٹ گیا سامان سارا ہائے ہائے
کس کا شکوہ کس سے کہئے حال دل
ڈوبا قسمت کا ستارا ہائے ہائے
غم غلط کرتی تھی اس کو دیکھ کر
چرخ! کیا تیرا بگاڑا ہائے ہائے
رات اندھیری۔ سخت طوفان کا ہے زور
ہے کدھر یارو! کنارا ہائے ہائے
موت! کیوں لیتی نہیں اب تو خبر
کون ہے۔ یاں اب ہمارا ہائے ہائے
گود خالی ہو گئی۔ قسمت پھٹی
تو کدھر بیٹا سدھارا ہائے ہائے
آنکھیں پتھرائی ہیں لب ہیں تیرے خشک
ماں سے کہدے کس نے مارا ہائے ہائے
چور ہے میرا کلیجہ درد سے
صبر کا کیسے ہو یارا ہائے ہائے
باپ کو اس دم کہاں ہوگی خبر
بیٹا جنت کو سدھارا ہائے ہائے

آواز آئی "خبردار! بغیر کوڑی و کفن دیئے مُردے کو آگ نہ لگانا۔" روتی ہوئی رانی چونک پڑی۔ سامنے ایک لمبا چوڑا جوان کندھے پر لٹھ رکھے

ہوتے ہانک لگاتا چلا آرہا تھا: "خبردار! بغیر کوڑی کفن دیئے مردے
کو آگ نہ لگانا" وہ تھوڑی دیر میں رانی کے پاس آ پہنچا۔ "نیک بخت! تیری
آواز سن کر کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ تو کون ہے جو اس طرح رو رہی ہے" رانی
پھر چونکی۔ یہ تو کسی ایسے شخص کی آواز ہے جس سے وہ مانوس تھی۔ اُس
نے رنج کو ضبط کر کے کہا۔

میں کیا بتاؤں کون ہوں از خود رمیدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

راج چھوڑ کر جلاوطن بن کر یہاں آئی پیارے شوہر سے علیحدگی ہوئی۔ آج
میرے دکھ کا پیالہ چھلک گیا۔ میرے گود کا پالا روہتا شو بھی دنیا سے چل بسا
اتنا سننا تھا۔ کہ وہ مرد یکبارگی چیخ اٹھا۔ اور زمین پر گر کر بیہوش
ہو گیا۔ رانی گھبرائی۔ یہ کون شخص ہے۔ اتنے میں بجلی چمکی۔ اور اُس
نے اس بیہوش مرد کی شکل . . . . . میں اپنے شوہر کی صورت
دیکھی۔ "ہاے دیو! آج ہی ساری مصیبت کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑے گا۔" اُس
نے پانی میں دھوتی تر کر کے منہ پر چھینٹے دیئے۔ ہریشچندر نے آنکھیں کھولیں
اور دوسرے لمحہ میں عورت و مرد دونوں ایک دوسرے کے گلے سے
چمٹ کر اس قدر روئے کہ ان کے کپڑے تر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد
ہریشچندر نے رانی سے اس کی مصیبت کی کہانی پوچھی۔ اور جب وہ
تمام حال سنا چکی راجا نے اپنا سر پیٹ لیا۔ کرم پر کس کو اختیار ہے!
آدھی رات کا وقت آ گیا۔ راجہ نے کہا "رانی کفن اور کوڑی دے
کر اپنے پتر کا داہ کرم کر دے۔" رانی نے رو کر کہا "مہاراج! میں کوڑی
اور کفن کہاں سے لاؤں۔ مجھ کو معاف کرو۔" مگر ہریشچندر نے کہا "
دھرم اجازت نہیں دیتا کہ مالک کا رسم لیے بغیر تجھ کو داہ کرم کا حکم دوں"

وہ اس طرح بات چیت کر ہی رہے تھے۔ کہ اتنے میں چنڈال چند آدمیوں کو ساتھ لئے ہوئے آ پہنچا۔ وہ آدمی زور سے کہتے آتے تھے کہ کاشی راج کے شاہزادہ کو آپ عورت مرگھٹ کی طرف اٹھا لائی ہے کیا عجب مار ڈالا ہو۔ اس کی تلاش میں ہم گھنٹوں سے پریشان ہیں" یہ کہتے ہوئے وہ اسی مقام پر پہونچے جہاں راجہ رانی کوڑی کفن کے لئے تکرار کر رہے تھے۔ آدمیوں نے مشعل کی روشنی میں عورت اور لڑکے کو دیکھ کر کہا "بس۔ وہ عورت یہی ہے اسی نے شاہزادہ کو قتل کیا ہے۔ اب اس کو بھی اسی جگہ قتل کرنا چاہیئے۔" رانی کہنے لگی "بھائیو! خیر تو ہے یہ میرا اپنا لڑکا ہے جو مر گیا ہے میں اس کو جلانے آئی ہوں" ہریش چندر نے بھی شہادت دی۔ مگر وہاں کون سنتا تھا۔ آدمیوں نے کہا "اچھا اگر یہ تیرا ہی لڑکا تھا تو کفن وغیرہ کہاں ہے" رانی کیا جواب دیتی۔ سن ہو گئی چنڈال نے بھی کہا "بیشک یہ ڈائن ہے۔ اس کو ابھی قتل کر دو" ہریش چندر نے چنڈال کو سمجھانا چاہا مگر اس نے کہا "تو بحث کرتا ہے تیرا دھرم ہے کہ میرا حکم مانے۔ تو میرا داس ہے۔ خدمت کرنے کی قسم کھائی ہے اس کھڑگ سے ابھی اس عورت کا کام تمام کر دے" ہریش چندر چپ ہا آخر اس نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی۔

مصیبت زدہ رانی نے کہا "مہاراج! جلد ہی کرو۔ ایسی خوش قسمتی پھر نہ آئے گی۔ آپ کے ہاتھ سے قتل ہونے میں میرا جنم سپھل ہوگا۔ میرے دکھوں کا خاتمہ کرو۔ پران پتی! اسی بجا حکم کرو۔ میری طرف دیکھو۔ بیٹا خاک میں لیٹا ہے اس سے بڑھ کر کیا

مصیبت آئے گی؟" ہریشچندر جانتا تھا رانی معصوم ہے۔ مگر مالک کا حکم ماننا دھرم تھا۔ اس نے تلوار اٹھائی رانی نے گردن جھکا دی اور قریب تھا کہ اس کا سر ایک ہی وار میں تن سے جدا ہوجاتا اتنے میں دس بیس آدمی چاروں طرف سے دوڑ پڑے" ہاں! ہاں! ایسا نہ کرو" اور دوسرے لمحہ میں ایک شخص نے تلوار اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دی۔ یہ وسوامتر تھا۔ اور اس نے کہا۔ ہریشچندر کو دھنیہ ہے پہاڑ کو جنبش ہے۔ مگر تم دونوں اپنے دھرم کے پکے ہو۔ تمہارا نام دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ لوگوں کو اس میں برکت و تقدیس ملے گی۔ یہ تکلیفیں میں نے عمداً تمہارے آزمانے کے لئے دی ہیں۔ روہتا شو مرا نہیں دارو دیے بیہوشی سے مردہ بنایا گیا ہے۔ میں اس کو ابھی زندہ کئے دیتا ہوں" یہ کہکر اس نے روہتا شو کو اچھا کر دیا۔ ماں باپ بیٹے تینوں گلے ملے۔ وسوامتر نے راج واپس کرنا چاہا۔ مگر دیا ہوا دان کون واپس لے سکتا تھا۔ اس لئے اُن کے انکار کرنے پر روہتا شو کو تخت نشین کیا گیا۔ ایشور کرے تارامتی کا چرتر ہمارے بہو بیٹیوں کو دھرم کا سبق سکھائے اور وہ بھی اسی طرح اپنے فرض کو سمجھیں۔

ہم میں بھی ایسے مونس و ہمدم رفیق ہوں
حق سے دعا یہی ہے کہ سب خوش طریق ہوں
پھولا پھلا ہر ایک کے گھر کا چمن رہے
کافور غم ہوں دور بھی رنج و محن رہے

(۱۷) کرم دیوی

اور

اس کی اولاد

دولت نہیں انسان کی کچھ قدر بڑھاتی
دنیا سے دنی کام کسی کے نہیں آتی
گو فقیر ہو عالی نسبی پہ نہیں جاتی
بینا جو ہیں وہ دیکھتے ہیں جوہر ذاتی
پتو کا سنو حال جو جے مل کا پسر تھا
گلزار شجاعت کا ثمر فخر بشر تھا

.. ۱۱ ×× ۱۱ ..

۱۵۶۸ء میں اکبر نے چتوڑ پر حملہ کیا۔ جس طرح اپنی آزادی قائم رکھنے کے ارادہ سے شیر مرد جے مل نے مغل شہنشاہ کا مقابلہ کرتے جس بہادری سے راجپوتوں نے ملکی محبت کے جذبہ میں آکر جانیں دیں۔ جس دلیری سے ۱۶ برس کی عمر کے لڑکے پتو (جے مل کے فرزند) نے تین نازک بدن شیرنی راجپوتنیوں کے ساتھ ساتھ حریف کے چھکے چھڑا دیئے وہ نظارہ دراصل خیالی ۔۔۔ت کے ساتھ سمجھنے کے قابل ہے۔ مرد تو مرد کم سن لڑکیوں کا اسے محبت لیتا تھا

میں تلوار لے کر زرہ بکتر پہن کر مغلوں کے سدراہ ہونا درحقیقت نہایت جوش دلانے والا واقعہ ہے۔

جے مل مرچکا تھا - اکبر نے غفلت پاکر دھوکے سے اندھیری رات میں چھپ کر اسے اپنے تیر کا نشانہ بنایا - راجپوتانہ کا سرپرست خاک و خون میں لت پت ہوگیا - اب کون تھا جو دشمن کا مقابلہ کرتا - دوسرے ہی دن مغل قلعہ کے پھاٹک پر آپہنچے - آزادی پسند مطلق العنان وخود مختار چتوڑ کے کے پھانسنے کے لئے غلامی کی زنجیر کھڑکھڑاتی ہوئی آرہی تھی؟ ناامیدی یاس و خوف دلوں میں طاری ایک سولہ برس کا کم سن لڑکا طیش میں آکر اٹھ کھڑا ہوا ہائیں! میرے رہتے ہوئے چتوڑ پر دشمن کا قبضہ ہو - یہ شیر مرد جے مل کا اکلوتا بیٹا پتّو تھا - اس نے ماں کا اشارہ پاکر باپ کی جگہ لی۔

کرم دیوی نے خوشی خوشی لڑکے کو لڑائی کی پوشاک پہنائی اور کہا "جا بیٹے! آج میری چھاتی کے دودھ کو سپھل کر" پتّو ماں سے رخصت ہوکر اپنی منکوحہ کملاوتی سے ملا اس نے ہنستے ہوئے کہا "پران پتی! چلو اب سورگ میں ملیں گے" کرن وتی پتّو کی بہن تھی وہ دوڑ کر بھائی کے گلے سے چمٹ گئی "ویرا تیرے میان سے خنجر لٹکانا میرا کام ہے لا میں تلوار باندھ دوں" اس طرح تمام پیارے عزیزوں سے مل کر وہ بچہ دنیا کے سب سے زبردست بادشاہ سے لڑنے چلا۔

اکبر کی فوج دو حصوں میں منقسم تھی - ایک حصہ کی کمان اس کے

ہاتھ میں تھی۔ دوسرے کا افسر کوئی اور بہادر جرنل تھا۔ اس دوسری فوج سے پتو کا مقابلہ شروع ہوا۔

کیا پتو نے پائی تھی عجب ہمت عالی
حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہوگئی خالی
تلوار نے آفت سر کفار پہ ڈالی
لڑنے کے لئے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ لعیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر سر زین پر
سہمے یہ کماندار کہ رخ جنگ سے پھیرا
چلائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے پتو کی تو آنکھوں میں اندھیرا
نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روک لے میرا
میں دستہ بہ قبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں شر انداز کہاں ہیں

دوپہر کا وقت ہوا آفتاب سمت الراس پر پہنچا۔ اکبر فوج کے ایک حصہ کی حالت کو دیکھتا ہوا اس کی مدد پر آپہنچا۔ پتو صرف لڑاکا ہی نہیں بلکہ موقعہ میں جوانمرد بھی تھا۔

سامنے ایک کوہستانی درہ نظر آیا درہ کے آگے کئی گھنے درخت تھے انہیں درختوں کے پیچھے سے گولیوں کی بارش شروع ہوگئی گولیاں ایسا نشانہ تاک کر آتی تھیں کہ چند ہی لمحوں میں سینکڑوں کے

بستر زمین پر لڑھکتے ہوئے نظر آئے - اکبر نے حیران ہو کر چاروں طرف نگاہ کی درختوں کی آڑ میں تین عورتیں کھڑی ہوئی مسلمانوں کو بندوق کا نشانہ بنا رہی تھیں - ایک ذرہ مسن تھی - دو بالکل نوجوان تھیں - تینوں گھوڑوں پر سوار تھیں تینوں ہی کے بدن پر زرہ بکتر تھا اور تینوں ہی جنگ آوری کے فن سے باخبر تھیں - کہ اکبر کا کلیجہ اُن کو دیکھ کر کانپ اُٹھا - عورتیں اور یہ شجاعت !!! اُس کے کئی تجربہ کار افسران کے ہاتھ سے بیجان زمین پر پڑے تھے - وہ دنگ رہ گیا اور دل ہی دل میں محجوب و نادم ہوا -

ایک طرف عورتیں اس طرح دادِ شجاعت دے رہی تھیں کرم دیوی کملا وتی اور کرن وتی کی بہادری مطالعہ کرنے کے قابل ہے شیر بچہ پتو دوسری طرف کشتوں کے پشتے لگا رہا تھا - وہ اکیلا تھا - اور اکیلے ہی اُس نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے - کرم دیوی کیا جانتی تھی بیٹے کو اس طرح تن تنہا میدان میں لڑنے پڑیگا - کملا وتی کو گمان بھی نہ تھا کہ اُس کا کمسن شوہر سپاہ کے بغیر دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا مقابلہ کریگا - کرن وتی کو اس خیال نے پریشان کر دیا - کہ وہ ایک اہم و پاک فرض کے ادا کرنے میں اکیلا جان دے رہا ہے ؛

پتو نے اکبر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر موقعہ کے ساتھ حملہ شروع ہی کر دیا - تینوں عورتیں اسی وقت کمینگاہ سے نکل کر سورج کی کرنوں سے چمکتی ہوئی تلوار لو ہاتھ میں لے کر اکبر کی فوج میں آگریں ایک طرف پتو شیر کی طرح بھیڑ و بکریوں کے گلہ کو چیرتا ہوا کشت و خون مچا رہا تھا

دوسری طرف تین شمشیر نہاں گاجر مولی کی طرح دشمنوں کا سر کاٹ رہی تھیں۔ مگر یہ حالت کب تک قایم رہ سکتی تھی ایک کے مقابلہ میں دو بہت ہوتے ہیں۔ یہاں تو لاکھوں کا شمار تھا ؛

شام کی تاریکی سے پہلے یہ چار پاک آتمائیں حب الوطنی و قومی پاسداری کی ویدی پر قربان ہوئیں۔ اُن کا زمین پر گرنا تھا۔ کہ تڑاقے کی آواز ہوئی۔ قلعہ سُرنگ سے اُڑ گیا ہزاروں عورتیں عزت و آبرو قایم رکھنے کے خیال سے جیتے جی وسیع چتاؤں پر تعداد کثیر میں بیٹھ کر جل گئیں ان کے جسم کے پاک شعلے آکاش میں بلند ہوئے۔ اکبر ٹکا ٹکا ہو کر دیکھنے لگا۔ یہ اس قسم کے شعلے تھے جن کی تین چنگاری اور ایک چھوٹے سے انگارے نے اس کی کثیر التعداد فوج کو تھوڑی دیر ہوئی بھسم کر دیا تھا

یہ بھارت کی بہادری کا آخری نمونہ تھا۔

اب بھارت بیجان ہے۔ اُس کے مردہ قالب پر مکھیاں بیٹھی ہوئی بھنک رہی ہیں۔ سانس نہیں آتی ہے۔ آنکھیں پتھرا گئی ہیں قومی زندگی کا کوسوں پتہ نہیں۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔ حسد و بغض کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اگر ہمت ہے تو اس بات میں کہ اس کو برادری سے خارج کرو۔ اس سے رشتہ توڑ لو۔ سماج سے نکال دو۔ افسوس!

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

منزو! نوجوان دوستو! اس سولہ برس کی عمر والے لڑکے کی تقدیس

کو اپنے دل میں جگہ دو کیونکہ وہ

کمسن تھا مگر تیغ زنی ادث تھا اُس کا
جانباز تھا ایسا کہ نہیں جان کی پروا
بڑھ بڑھ کے ہزاروں سے دغا کرتا تھا تنہا
اکبر بھی یہ کہتا کہ یکتا تھا وہ یکتا
گھوارے میں اژدر کو بھی چیرا ہے کسی نے
طفلی میں جوانوں کے کیئے کام اسی نے

دوستو! آپ ادھرم و تعصب سے لڑو و بھارت میں دھرم کی جان ڈالو۔

پتو یہ دلیری اور یہ ہمت کہاں سے لایا تھا؟ اُس کی ماں کرم دیوی کے تعلیم کا نتیجہ تھا۔ نیک ماتائیں ہی اولاد کو نیک بنا سکتی ہیں۔ وہ اپنی اولاد کو سکھاتی رہتی تھیں:

ہاں دھرم کے اصول کا بس دھیان کیجیو
تن من کو اپنے ملک پہ قربان کیجیو
جانے اگر ہو رن میں تو تلوار کھائیو
مغلوب ہو کے بیٹو! نہ تم منہ دکھائیو
بھولے سے بھی دھرم کی رفاقت نہ چھوڑیو
جب تک ہے سانس رن سے کبھی منہ نہ موڑیو

———×○○+○○×———

(۱۸) مہارانی ستی

خالق سے صبح و شام یہی ہے مری دعا
تن من مرا حضور کے قدموں پہ ہو فدا
برباد جسم خاکی بھی ہو جائے پھر تو کیا
خدمت میں جان جائے نہیں غم مجھے ذرا
دعوے برابری کا نہیں گو عزیز ہوں
لونڈی ہوں۔ خادمہ ہوں۔ تمہاری کنیز ہوں

شیبو اپنے زمانہ کا مشہور نفس کش عابد ہوا ہے یوگ کے روحانی مشاغل میں اس کی رائے مستند سمجھی جاتی تھی اور راجا سے لے پرجا تک سب اس کی تقدیس کے معترف تھے۔ شو کی عفیفہ و جمیلہ بیوی کا نام ستی تھا۔ یہ نہ صرف اپنے ظاہری حسن کے لئے اس وقت کی استریوں میں ممتاز تھی بلکہ لوگ اس کو مجسم اوصاف حمیدہ سمجھتے تھے۔ یہ مہاراجہ دکش کی بڑی بیٹی تھی۔ جو آریہ ورت میں بہت بڑا طاقتور فرمانروا گذرا ہے۔

کسی حسین شاہزادی کا سادھو کی زوجیت میں آنا قدیم زمانہ میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں کو اختیار تھا کہ وہ اپنے مزاج و تمیز کے موافق شوہر پسند کرلیں۔ ستی نے شیبو کو بادشاہوں پر ترجیح دی اور

شاہی محلات کو خیرباد کہتے ہوئے ناز نعم کے بدلے مفلسی اور نا داری کی زندگی پسند کی شیو اپنے خیال میں ایسا تھا کہ اس کو دنیا و مافیہا کی مطلق خبر نہ رہتی تھی۔ کیلاش کی اونچی و برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی کو اُس نے اپنے بود و باش کی جگہ قرار دی تھی۔ شیرکا، کھال اس کے تن کے لئے پسندیدہ لباس تھی۔ مرگ چھالا توشک کا کام دیتا تھا۔ پہاڑ کے پھل پھول اس کی لطیف غذا تھے قدرتی جھرنے اپنے شفاف پانی سے اس کی تشنگی بجھاتے تھے یاد الہٰی میں ہر وقت کی محویت اور یوگ کے روحانی مشاغل کی مصروفیت نے اس کو اس حالت میں پہنچا دیا تھا۔ کہ تن بدن تک خبر نہیں رہتی تھی اور اس خاص وجہ سے شیو جی کے پہلے زمانہ کے واقفکار و ملنے والے اس کو نہ صرف بے مصرف خیال کرنے لگے تھے۔ بلکہ ہمیشہ مخبوط الحواس و جنونی کہا کرتے تھے۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے۔ کہ وہ کسی اور دُھن میں مست ہے۔ اور پرماتما کے پریم کے آنند میں اس طرح چور ہے کہ خارجی عالم اس کی نگاہ میں خیالی و طلسمی ہستی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ہے۔ انسانی آبادی سے علیحدگی۔ کیلاش کی تنہائی کی سکونت اور دنیا کے مادی اسباب کی کمی نے اس کو روحانی مشغلوں کے مشاقی کا پورا موقع دے رکھا تھا۔

جب سے ستی بیاہ کر آئی تھی کیلاش اس کی لیاقت سے کچھ کا کچھ بن گیا تھا۔ پھوس اور لکڑی کا جھونپڑا جس کے دیکھنے سے پہلے نفرت معلوم ہوتی تھی اب نہایت سوہانا رہنے کے مقابل مکان بن گیا تھا۔

جا بجا قرینہ سے پھول کے درخت لگے تھے ہمیشہ ہرے رہنے والی بیل نے اس (پہلے) بد حیثیت جھونپڑے کی دیوارو کو سر سے پاؤں تک ڈھانک لیا تھا۔ اور سبز پتے اور سرخ وسیاہ ٹہنیوں کے بیچ میں خوش رنگ و خوبصورت پھولوں نے اس کو اس قدر شاندار اور دل خوش کن جگہ بنا دیا تھا جس کا تعلق صرف دیکھنے سے ہے ؛

لفظوں میں اس فرحت بخش و پُر فضا مسکن کی تصویر کھینچنا مشکل ہے ۔ جس کسی کو پہاڑ کی چوٹی پر موقع کے ساتھ اس خصوصیت کا مکان نظر سے گذرا ہو۔ وہ البتہ اس کا تصور اپنے دل میں پیدا کر سکتا ہے اور خیالی آنکھ سے ایسے دلچسپ منظر کا نظارہ دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو سکتا ہے ؛

ستی دراصل اس قسم کی پاک عورت تھی جس کی بے نظیر مقدس زندگی ہندوں کے دلوں پر اپنا سایہ بٹھا گئی ہے کہاں مہاراجہ دکش کا عالیشان محل جس میں سینکڑوں لونڈیاں و سہیلیاں مسکراتی ہوئی نیک دل شاہزادی کے تعمیل حکم کو اپنی زندگی کا فخر سمجھتی تھیں اور کہاں کیلاش کا برفستانی پہاڑ اور وہ تنہائی و بیکسی کی زندگی کہ سوا ستی و بھرنگی شیوجی کے دو شاگردوں کے بات چیت کرنے کو بھی کسی عورت کا نام و نشان تک نہیں تھا لیکن ستی خوش تھی کیونکہ اس کو وہاں شوہر کی اطاعت و خدمت کا موقع حاصل تھا۔ شاہانہ زرلفت کی جگہ پھٹے پرانے چیتھڑے کمر سے لٹکے تھے زیور کا بدن پر نام و نشان تک نہیں تھا فقیر کی عورت کو آرائش و زیبائش سے کیا کام اس

طرح وہ نیک نہاد خاتون سایہ کی طرح شوہر کے ساتھ رہ کر
خوشی سے اپنے دن کاٹتی تھی اور دنیا کے خیال کو کبھی بھول کر بھی
دل میں آنے نہیں دیتی تھی ؂
شیو ستی کی خدمت سے خوش تھے۔ شیو وستی کا ملاپ سونے
میں سوہاگہ کا مصداق تھا جس کسی کو ایسی پارسا و نیک عورت
مل جائے اُس کی قسمت کا کیا کہنا ؂
عورتوں کو لوگ نیک کام میں سدراہ و مخل سمجھا کرتے ہیں
ان کو ناقص العقل کہنا و روحانی معاملات میں خارج خیال کرنا آجکل
ادنےٰ سی بات ہوگئی ہے۔ ستی برعکس اس کے نہ صرف شیوجی کی ریاضت
میں معمولی مددگار تھی۔ بلکہ اگر سچ پوچھئے تو اپنے حسن
سلیقہ سے اُن کے کام میں آسانی کے وسایل پیدا کیا
کرتی تھی برسیں ہوگئیں مدتیں گذر گئیں۔ شیو اور ستی اس
حیثیت سے ہمالیہ پر اپنے دن کاٹتے تھے ؂
ستی کی شادی سے دکشن ناراض تھا۔ اس کا شیو
جی کو منتخب کرنا ایک زبردست عالیشان فرمانروا کی
شان میں ہتک کا باعث خیال کیا گیا تھا۔ مگر وہ کیا کرتا
مجبور تھا۔ ایک موقع پر کسی یگیہ کے وقت جہاں شیو بھی
بلایا گیا تھا۔ دکش کا گذر ہوا۔ سب لوگ تعظیم سے کھڑے
ہو گئے مگر شیو کو اپنی محویت کی وجہ سے مہاراجہ کے آنے کی خبر بھی نہ
ہوئی وہ ویسے ہی بیٹھا رہ گیا۔ یہ حرکت دکش کو بڑی لگی۔ اس
نے سمجھا۔ شیو نے عمداً اس کی بےعزتی کی ہے وہ خاموش رہا مگر
دل میں داماد کے برخلاف طرح طرح کے ناقص خیالات پیدا

ہو گئے۔ اور اس نے دل میں ارادہ کیا کہ شیو کو اس بے ادبی کا مزہ چکھانا چاہیئے۔

یگیہ ختم ہو گئی سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے اس وقت سے دکش نے پھر ستی و شیو کا نام بھی نہیں لیا۔ گویا وہ مہاراج کے نزدیک جیتے جی مر گئے تھے۔

مگر اس بے پروائی اور عدم توجہی کو نمایاں شکل میں دکھانے اور شیو کو ذلیل کرنے کی نیت سے اس نے بہت بڑا یگیہ کیا جس میں دیس دیس کے راجے بلائے گئے تھے۔ ساری دنیا کے رشی مہرشی پنڈت و برہمنوں کو نوید بھیجے گئے تھے۔ مگر شیو کے ساتھ معصوم ستی سے بھی اس خاص موقع پر شریک ہونے کی درخواست نہیں کی گئی و نہ ان کو اطلاع دی گئی۔

مگر نارد رشی کیلاش پر پہونچے اور ستی کو دکش راج کے یہاں یگیہ کی خبر سنائی۔ گو ستی نے شیو جی کی خدمت کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دے رکھا تھا اور اس کی تمام محبت و خدمت و کشش کا مرکز پہاڑوں کا یوگی بن چکا تھا۔ مگر مدت سے ماں باپ کی بھولی ہوئی محبت جوش مارنے لگی۔ اور ان کے دیدار کی خواہش نے دل کو تڑپا دیا۔ ماں باپ۔ بھائی۔ بہن ستی کو لڑکپن میں بہت پیار کرتے تھے۔ کیونکہ وہ صرف سب میں زیادہ حسین ہی نہیں تھی بلکہ اس کے عادات و اطوار سے سب لوگ خوش تھے۔ اس نے شیو کی طرف نگاہ کیا۔ یوگی نے صاف طور پر کہہ دیا کہ دکش کو مجھ سے

محبت نہیں ہے۔ بلکہ محض ذلیل کرنے کی نیت سے نو تہیر بھیجا گیا۔ مگر ستی نے ہاتھ جوڑ کر اپنے اشتیاق و والدین کے دیدار کی خواہش ظاہر کی۔ شیو نے روکنا مصلحت نہیں سمجھا۔ نندی کو بلا کر ستی کے ساتھ جانے اور اس کو بخیریت واپس لانے کی تاکید کی۔ مگر چلتے چلتے کہہ دیا کہ ایسے مجمع میں جانا در اصل نہایت سخت امتحان ہے۔ اس آزمائش میں شاذ کوئی پورا اترتا ہے۔ کیونکہ جانی اپمان سے زیادہ رنج دینے والی اور کوئی بے عزتی نہیں ہو سکتی ہے۔ مگر ستی نے جو والدین کے دیدار کی خواہش سے بے چین ہو رہی تھی۔ اس آخری بات کو سُن کر ٹال دیا اور وہ شیو جی کے قدم چومنے کے بعد ہنستے ہوئے خوشی خوشی باپ کے ملک کی طرف روانہ ہوئی ؛

یہ دونوں دکش کے محل میں پہونچے۔ جو مرد و عورتوں کے ہجوم سے بھرا ہوا تھا۔ آدمیوں کی ایسی بھیڑ بھاڑ تھی کہ تل رکھنے کو جگہ نہیں تھی۔ ہجوم کو چیرتے ہوئے ستی اس طرف گئی جہاں مہارانی پرسوتی اس کی ماں بیٹھی ہوئی تھی نہ کسی نے ان کا خیر مقدم کیا نہ خیریت پوچھی ستی کے لئے یہ دنیا کی محبت کا پہلا تجربہ تھا وہ غریب کب جانتی تھی کہ یہاں ساری عزت و توقیر زر و دولت کی ہے شاہی محل کی سہیلیوں نے بھی مطلق التفات نہیں کی۔ رانی ستی کے آنیکی خبر پاکر آ بیٹھی۔ مگر جب اس کی فقیرانہ وضع و جوگیانہ بھیس کی طرف نگاہ کی دھک سی رہ گئی۔ اس آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہوا۔ بالعوض اس کے کہ وہ فرط محبت سے لڑکی کو گود سے چمٹا لیتی

اس نے تھوڑی دیر بعد آنسو پونچھ کر ستی سے درخواست کی کہ تبدیل لباس کرلے۔ مگر ستی نے منظور نہیں کیا اور وہاں سے اجازت لے کر اس جگہ گئی جہاں دکش راجاؤں مہاراجاؤں کے مجمع کے درمیان تکیہ کرا رہا تھا اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سب لوگ مکلف پوشاک پہنے ہوئے سج دھج سے بیٹھے تھے ستی افلاس مجسم بن کر گئی تھی۔ دولت و مفلسی کا دو بدو مقابلہ ہوا۔ ایک طرف تو دنیاوی جاہ وحشم پر ناز کرنے والے راجے تھے۔ دوسری طرف یہ غریبی و ناداری کی تصویر تھی۔

جنگل و پہاڑوں میں افلاس کی حالت کچھ اور ہوتی ہے۔ احتیاج و ضرورتوں کی کمی ہے نہ تو وہاں کسی قسم کی دلی تکلیف محسوس ہوتی ہے نہ کسی کو اس پر لعن طعن کرنے و قول و فعل سے حقارت دکھلانے کا موقع رہتا ہے۔ ایسے مجمع میں انسان دونوں حالتوں کا مقابلہ کرکے اپنے خیال کے موافق اس پر غور کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔

عالی دماغ ستی جو دنیاوی طمطراق کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھنے کی عادی تھی بے خوف وہراس باپ کے پاس جا پہونچی اس کے چہرہ سے ریاضت وجلال کا نور برستا تھا صورت سے ایک قسم کے غرور و تمکنت کا اظہار ہوتا تھا سب لوگ اس دیوی کے غیر معمولی جلال کو دیکھ کر تعظیم سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو آسن دینے کا اہتمام کرنے لگے۔ مگر دکش کے غصہ کی آگ مشتعل ہوگئی۔ وہ اپنے آپے سے باہر ہوگیا اور ستی کی طرف مخاطب ہوکر اس

طرح بد حیثیتی سے بے بلائے آنے پر سخت و سست کہنے لگا۔ جب تک وہ ستی کو بُرا بھلا کہتا رہا۔ وہ بیچاری سکوت و خاموشی سے سنتی رہی مگر دکش کا غصہ بڑھتا گیا۔ اس نے پھر حاضرین جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر شیو کی مذمت شروع کی۔ اور اس کی زبان سے ایسے نا ملائم لفظ بوگی کی شان میں بر آمد ہونے لگے جن کے سُننے سے کسی شوہر پرست استری کے دل کو صدمہ پہنچ سکتا ہے۔ ستی نے بارہا ہاتھ جوڑ کر باپ سے درخواست کی کہ وہ مجھے جو چاہے کہیے مگر شیو جی کی نسبت کلمہ بد زبان سے مت نکالیئے، مگر دکش کب سننے والا تھا۔ جو اس کے منہ میں آیا کہہ گیا۔ آخر جب اس کی باتیں حد اعتدال سے تجاوز کرنے لگیں۔ ستی کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ اور اس نے سب کو مخاطب کر کے باآواز بلند کہا:-

"صاحبو! دکش پتا نے اچھا نہیں کیا۔ کسی استری کے سامنے اس کے پتی کو اس طرح پر سر مجمع ذلیل کرنا حد درجہ کی کمینہ حرکت ہے کوئی عورت اس بےعزتی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ایسے موقعوں پر اگر بس چلے۔ تو گالی دینے والوں کی زبان کاٹ لے۔ استریاں شوہر کی شان میں حقارت اور بےعزتی کے کلمات سننا گوارا نہیں کر سکتیں دکش میرا باپ کیوں نہ ہو۔ لیکن میں اس کے اس جرم کو ناقابل معافی سمجھتی ہوں۔ شیو میرے سرتاج ہیں۔ میری جان و ایمان کے مالک ہیں۔ دنیا اُن کی تقدیس و تعظیم کرتی ہے۔ دکش محض حسد و بغض سے ایسے ناشائستہ الفاظ زبان سے نکالتا ہے۔ شیو جی۔ مجھ

کو یہاں آنے سے منع کرتے تھے۔ میں نے ان کی بات نہیں مانی
ماں باپ کی جھوٹی محبت مجھ کو یہاں کھینچ کر لے آئی۔ شوہر کی بات
کا [illegible] بیان نہ دینا پہلا پاپ تھا۔ جو میری ذات سے منسوب
تھا۔ اس کی ہتک کرانا اور اس طرح عام سبھا مندوں کے
درمیان ان کی شان میں حقارت آمیز الفاظ سننا دوسرا پاپ
تھا اور ان کو سنکر زندہ رہنا تیسرا پاپ ہوگا جس کے لئے میں
تیار نہیں ہوں۔ آریہ قوم میں عورتوں کی بے حرمتی کبھی نہیں
کی جاتی۔ اور چونکہ دکش نے اس اخلاقی قانون سے انحراف
کیا ہے وہ سزا پائے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اور میں تو اب اپنے
اس پتت شریر کو کبھی بھی زندہ نہیں کر سکتی۔ یا شیو!
تم اس اپہارہ (قصد) کو کشا کرنا"
اتنا کہنے کے بعد ستی بیدم ہوکر یگیہ شالا میں گر پڑی
جلتی ہوئی آگ کے شعلوں نے اس کو پکڑ کر اپنی طرف
کھینچ لیا۔ گویا یہ ناپاک و ناصاف ستی کے ایسے پاک و مبارک وجود
کے رہنے کے قابل جگہ نہیں رہی تھی اس کے ہاتھ پاؤں سر
[illegible] کے دم میں آگ لگ گئی۔ گوشت ہڈیاں آناً فاناً
میں [illegible] بھسم ہو گئے۔

[illegible] شو جی اس ہولناک واقعہ کی خبر پاکر ستی کے دیکھنے کو دوڑی
[illegible] آتی؟ ستی کا خوبصورت جسم خاک ہو چکا تھا عناصر نے
[illegible] کر اپنے اپنے اصلی ذخیروں میں مل چکے تھے۔ لاچاری تھی
[illegible] اب کیا ہوسکتا تھا! ستی نے اپنے پتی ورت دھرم کے
[illegible] زندگی کو ہیچ سمجھ کر اس سے بالکل علیحدگی کرلی

تھی - ہوا اپنی سنسناتی ہوئی آواز میں ستی کے اس یکایک غائب ہونے کا سوال کرتی ہے آگ اپنے اٹھتے ہوئے شعلوں کی انگلیوں سے عالم بالا کی طرف اشارہ کرتی ہے - دھواں آسمان کی جانب آنکھ اٹھاتا ہے - حیرت سے انگشت بدندان کھڑے ہوئے یگیہ شالا کے مہمان راکھ کے ڈھیر کو غور سے دیکھ رہے ہیں - مگر ستی ان میں سے کسی میں بھی نہیں ہے -

شاہی محل میں کہرام مچ گیا - مہارانی پرسوتی کے شور وشیون سے در و دیوار گونج اٹھے - چھوٹے بڑے اس جانکاہ واقعہ سے متاثر ہوکر رونے لگے - یگیہ شالا دراصل ماتم کدہ بن گیا دکش کی ساری شیخی بھول گئی - رنگ میں بھنگ پڑ گیا - کہاں کیا تھا - کہاں کیا ہوگیا - وہ تھکا تھکا ہوکر خوف و ہراس سے دم بخود ہے - دل ہی دل میں پشیمان ہے - کیونکہ وہ خوب جانتا تھا -

خرابی کند مرد شمشیر زن
نہ چنداں کہ دود دل طفل و زن

نندی نے دوڑ کر شیو کو اس واقعہ کی خبر سنائی وہ مرد متحمل بھی اس غم کو برداشت نہیں کر سکا کچھ دیر فرط رنج سے صم و بکم ہوکر ادھر ادھر ٹہلتا رہا - آخر غصہ نے رنج کو مجبور کر دیا وہ پہاڑ سے اتر کر میدان میں آیا اور دکش کے یگیہ شالا میں پہونچ کر اس بد اخلاق دکینہ پرور آدمی کا سر تیغ براں سے کاٹ کر پھینک دیا - لیکن کیا اس انتقام سے اس کے دل کی شانتی ہوئی ؟ اس سوال کا جواب

ناظرین خود سوچ سکتے ہیں۔ مدتوں وہ اپنی پیاری
بیوی کے بیوگ میں دیوانوں کی طرح ادھر ادھر
گھومتا رہا۔ آخر مجبور ہو کر پھر کیلاش پربت کے شہر
پر پہنچ کر آسن جما لیا۔
ستی کو مرے ہوئے لاکھوں برس گذر گئے۔ لیکن کیا
وہ سچ مچ مر گئی ہے؟ نہیں وہ زندہ جاوید ہے۔ آج بھی
نیک و پت ورتا استریاں اسی مبارک نام سے مخاطب کی
جاتی ہیں۔ بیاہ و شادی کے وقت لڑکیوں کو کہا جاتا ہے
ستی کی طرح شوہر کی اطاعت کا خیال رکھو بہا نوروں
کے پھیرے کے وقت ستی کا مبارک نام لیا جاتا ہے
مشکل سے کوئی ہندو گھر ہو گا۔ جس میں اس مقدس دیوی کے
تذکرے نہ ہوتے ہوں عورتوں میں تمام شبھ کاموں کے پہلے ستی
کی عصمت و عفت کے گیت گائے جاتے ہیں۔ کیا ایسی حالت
میں تم ستی کو مردہ کہہ سکو گے؟
سادہ لوحی و باطل پرستی نے شیو وستی کے حالات کو اور
رنگ میں رنگ دیا ہے۔ ہم کو یہاں اس سے کوئی غرض نہیں ہے
سچی بات یہ ہے جو اختصار کے ساتھ آپ کو سنائی گئی ہے۔
ستی تو دھنیہ تھی! ستی تو سچ مچ نہایت مبارک نفس تھی!! تیری
بزرگی۔ تیری پاکی و تیری شوہر ستی کی پاک نظیر ہماری بہن
و بیٹیوں کی نگاہوں کے سامنے ہمیشہ استری جاتی کے اس اُچیہ بھاؤ
کے منظر کو پیش نظر رکھ کر ان کو نیکی اور راستی کے طریق کی طرف ہدایت
کرتی رہے۔ اور وہ اس سے نصیحت لے کر ملک و قوم کو پھر سے

جوہ کی حالت میں ہو سکا ہیں۔ جیسا وہ پہلے تھا !!!
کیا پاک شخصیت تھی وکیا پاک ذات تھی
خوش قسمتی خوش نہاد وستودہ صفات تھی
انسان زمین پر ہو ملک آسمان پر
جاری ہے ذکر صفت حق ہر زبان پر

(۱۹) پاروتی جی

گو آپ کے نگاہ میں میں خاکسار ہوں
داسی ہوں شیو کی نام پہ انکے نثار ہوں
ہلتوں کبھی نہ عہد کو وہ شاندار ہوں
ہمت بلند۔ جسم سے گو نیں نزار ہوں
جو جانتے ہیں مجھ کو کبھی رو سکتے نہیں
جپ تپ کے معاملہ میں کبھی ٹو سکتے نہیں

ہمالیہ کے مرتفع و بلند طبقہ میں کسی وقت ایک نہایت زبردست مہاراجہ کی حکومت تھی ۔ یہ حد درجہ کا نیک اور راستباز شخص تھا اس کی رانی کا نام ستو نینا تھا۔ جو دور نزدیک اپنے حسن و نیک اوصاف کے لیے مشہور تھی راجہ رانی دونوں خوش تھے ان کے نیک مثال کو دیکھ کر رعایا بھی دھرم اور راستبازی کے طریق پر چلتی تھی ۔ مگر ۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی ۔ کبھی کبھی جب اس بات کا خیال آتا ۔ طبیعت پر رنج گذرتا تھا ۔ مگر وہ حالت صرف

عارضی ہوتی تھی - کیونکہ دنیادار بہت مشکل سے اپنے دل کو دنیاوی خیالات کو ترک کرنے دیتے ہیں -

مگر پرماتما جو ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور ہر شخص کی تمناؤں کو جانتے رہتے ہیں ان کے استحقاق و کرم کے موافق آرزوں کو بھی پوری کرتے رہتے ہیں عرصہ کے بعد مونیا کے بطن سے ایک حسین لڑکی پیدا ہوئی -

بالائے سرش زہوشمندی
مے تافت ستارۂ بلندی

ماں باپ کا دل خوشی کے مارے کھل گیا - ایشور نے ان کی پیار تمناؤں کو سن لیا - ان کی منہ مانگی مراد بر آئی - انہوں نے اس کا نام پاروتی رکھا -

مورخ لکھتے ہیں - کہ پاروتی کی پیدائش کے ساتھ گری راج کی سلطنت میں ایک نئی برکت آئی - ہمالیہ کے بلند طبقات خاص طور پر خوبصورت بن گئے - درخت لہلہا اٹھے - درختوں کی ڈالیاں خوشنما پھولوں سے لد گئیں ہر طرح کے چرند و پرند خوشی سے خوفی و آزادی سے ہر چہار طرف گھومنے پھرنے لگے -

جس طرح دولتمند گھر پرماتما کی بھگتی کی دولت پا کر زیادہ خوبصورت ہو جاتا ہے اسی طرح وہ کوہستانی سلطنت آباد و شاد ہو گئی پاروتی ناز و نعمت کے ساتھ پلنے لگی اس کی خدمت کے لئے بہت سی دائیاں اور باندیاں نوکر تھیں - ہر شخص اس کے اشارہ پر کام کرنے کو تیار رہتا تھا - وہ ہر دلعزیز سب کی پیاری بن گئی

خوشی سے اپنے ماں باپ کے گھر کو زینت اور رونق دیتی تھی پانچ برس کی عمر میں اس کا ودیا آرمبھ سنسکار کیا گیا۔ اور پاروتی نے تھوڑے سے عرصہ میں دید۔ ویدانگ۔ اپنشد وغیرہ میں کامل واقفیت پیدا کرلی۔

اس کا مزاج قدرتی طور پر نیک تھا۔ اور علمی قابلیت نے اس پر سونے میں سہاگہ کا کام دیا۔ وہ اکثر کمسنی کے زمانہ میں روحانیت کے باریک مسائل کی بھی چھان بین کرنے لگی۔ اور جو لوگ اس کے حل کرنے کی قوت کو دیکھتے۔ متحیر ہو جاتے۔ روحانی باریکیوں کے سلجھانے کی اس میں خاص قابلیت آگئی تھی۔ اور جو بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وہ آسانی سے سمجھ لیتی تھی۔

اس عالی دماغ لڑکی کے دیکھنے کے لئے اس نواح کے رشی بھی آنے لگے۔ سب سے پہلے جو رشی آیا اس کا نام نارد تھا۔ ماں باپ اپنی لڑکی کو لے کر اس سے ملے۔ وہ بھولی بھالی پاروتی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور جب اس نے دیکھا کہ لڑکی بڑی سمجھدار اور علم فرقان و گیان کی ادھکاری ہے اس کے دل میں پاروتی کے لئے تعظیم پیدا ہوئی۔

گر راج نے پوچھا "مہاراج! پاروتی کی نسبت آپ کیا سمجھتے ہو؟ کیا یہ لڑکی حسن صورت و حسن سیرت میں لاثانی نہیں ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ جنم جنمانتر کی سیدھی والی دیوی ہے جو میرے راج کے دانا عالموں سے بھی زیادہ سمجھ رکھتی ہے۔ عقل کو یقین نہیں ہو سکتا اس ننھے سے دماغ میں کیسے اتنی تمیز و دانائی سما

سکتی ہے! نارد نے سرہلایا "سچ ہے۔ یہ بے شک دیوی ہے
اور مبارک ہے سونینا! جس کی کوکھ کو پاروتی نے پوتر
کیا ہے" سونینا نے یہ بات سن کر خوشی ظاہر کی۔ اور پاروتی
سادگی سے مسکرانے لگی :-

گِرراج نے کہا "مہاراج! اب یہ لڑکی سن شعور کو پہنچی۔ میں اس
فکر میں ہوں کہ کسی قابل بر سے اس کی شادی کر دوں۔ مگر
پاروتی کے لئے کوئی قابل راجکمار نظر نہیں آتا۔" نارد سچا رشی
تھا۔ اس نے کہا "پاروتی کے لیئے واقعی اچھا ور ملنا کٹھن ہے
یہ تو ساکشات سرسوتی ہے۔ ودّیا بدھی کی کھان! اگر میری
صلاح مانو تو اس کو شیو کے ساتھ بیاہ دو کیونکہ جیسے پاروتی
اتنی گیان وان ہے۔ ویسے ہی شیوجی یوگ اور برہم ودّیا
کے ماہر ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ شیو ہمیشہ استغراق و
سمادھی میں محو رہتے ہیں۔ کیسے ممکن ہے۔ کہ اِن کو اس
طرف آمادہ کیا جائے۔

گِرراج اور سونینا نے نارد کی بات کو سُنا۔ یہ صرف معمولی
مشورہ تھا۔ اور انہوں نے اس کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ مگر
پاروتی کے دل میں نارد کی بات گڑ گئی۔ اس نے غور کیا۔ نارد
سچا ایشور بھگت۔ نکتہ رس اور روشن ضمیر رشی ہے۔ رشیوں کی بات
سچائی سے خالی نہیں ہوتی۔ میں شیو کے لئے مخصوص کی گئی ہوں
گو شیو تنہائی پسند یوگی ہیں۔ اُن تک کسی کی رسائی نہیں مگر
میں نارد کے قول کے بموجب اُن کی دھرم پتنی ہو چکی۔ اور اب بجز
سوا ان کے اور کسی کے ساتھ اپنا بیاہ نہ کروں گی۔ شیو مجھے

قبول کریں خواہ نہ کریں۔ میں اُن کے تصور میں اپنے آپ کو ...
دوں گی اور اُن کی محبت کے خیال میں اپنے نفس و اپنے ذات
کو محو کر دوں گی،، کمسن پاروتی نے دل میں اسی وقت یہ
بات ٹھان لی۔

نارد تو چلا گیا۔ سونیتا اور گری راج اپنے اپنے
کام میں لگ گئے اور نارد کی صلاح کو دل سے فراموش
کر دیا۔ مگر پاروتی کے دل میں اُس نے آگ لگا دی
تھی۔ اُس کی بات پہلے چھوٹی چنگاری بن کر حسین
پاروتی کے دل میں سما گئی۔ مگر اندر ہی اندر وہ سلگتی
رہی۔ پاروتی کی حالت غیر ہو گئی۔ کون سمجھ سکتا ہے اُس
پہ کیا گذرتی ہو گی۔ یہ تو وہ جانتا ہے۔ جو لگا گیا یا جس کے
لگی ہے۔ پریم کی آگ غضب کی تیز ہوتی ہے۔ وہ اندر ہی اندر
سب کو بھسم کر ڈالتی ہے۔ پاروتی کی پاک لگن۔ سچے پریم
اور سچی نفس کشی کا عشق تھا۔

او بھیو شیو پد کمل سنیہو
مل کٹھن من بھا سندیہو

وقت گذر گیا اور لوگ غافل ہو گئے۔ پاروتی شیو کی محبت کو دل
میں جگہ دئے ہوئے اُسی کو رات دن نشو و نما دینے لگی۔
شیو کا ہاتھ آنا ایسا تھا جیسے ہوا کو مٹھی میں بند کرنا! تارک اسر
برہم رصیان میں سنستر مگن۔ یوگیوں کے سرتاج شیو جیسے ایک
لڑکی کے بیاہنے کے لئے آنے لگے! یہ خیال تھا جس نے اکثر
پاروتی کے دل کو متفکر بنا دیا۔ مگر اس نے کہا "دو کیا پرواہ ہے

اگر میرا ارادہ صادق اور بھگتی سچی اور محبت بلند ہے تو شیو کو آپ میرے ملنے کا دھیان آئے گا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوا۔ تو یہ سعریہ مٹی میں مل جائے گا مگر اپنے ارادہ میں۔ عزم میں مقصد میں ذرہ بھی لغزش نہ آنے دوں گی ✦

پپیہا پن کو نا تجے۔ تجے تو تن بے کاج
تن چھوڑے تو کچھ نہیں بن چھوٹے ہے لاج

پران پیارے شیو! تم کو خود پاروتی کے پاس آنا پڑے گا یہ کشش کبھی بے اثر نہیں جا سکتی۔"

ماں باپ اس دیوی کی حالت دیکھ کر سخت غمگین ہوئے سمجھانے بجھانے لگے۔کسی نے کہا خیال خام کو دل سے نکال ڈال کسی نے رائے دی یہ صرف ہوس ہے۔ پاروتی سب کی سنتی تھی کسی کا جواب نہیں دیتی تھی۔

آخر جس طرح ننھا سا دانہ زمین کی گود میں جگہ پا کر موافق سامان کی مدد سے پیدا ہو کر شاندار برگد کی حیثیت میں دنیا کی عزت بڑھاتا ہے۔ اسی طرح شیو کے پریم کا سنسکار حسین پاروتی کے ہردے میں متصرف ہو کر روز روز کے سوچ وچار سے مضبوط ہوتا گیا اور چونکہ وہ ایک تارک الدنیا دیچے نفس کش کا تصور تھا وہی اثر اس میں بھی سرایت کرنے لگا۔ وہ ایک دن گھر سے باہر نکل آئی۔ اور پہاڑ کے کسی گوشہ میں سب سے الگ تھلگ رہ کر تپ کرنے لگی۔ غضب کا مضبوط ارادہ تھا۔ برسات آئی۔ پانی کے

سیلاب پہاڑوں کے چٹانوں کو اپنے زور میں بہاتے ہوئے۔ ہاتھیوں کے خوفناک جھنڈ کی طرح جھومتے ہوئے آئے۔ مگر پاروتی اپنی جگہ سے نہیں کھسکی۔ خوفناک آندھیوں سے تناور درخت زمین دوز ہو گئے۔ پہاڑ کی چوٹیوں کے پتھر گر کر چکنا چور ہو گئے۔ مگر پاروتی نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔

اگر زکوہ فرو افتد آسیا سنگے
نہ عارف است کہ از راہ سنگ برخیزد

سردی کا موسم آیا۔ برف کی کثرت سے سارا پہاڑ سفید ہو گیا۔ زمین پر سب جگہ فرش بچھ گیا۔ مارے جاڑے کے سانپ بچھو درند پرند ماند و گھونسلوں میں جا چھپے۔ مگر پاروتی نے ذرہ بھی تو جنبش نہیں کی۔ گرمی کے دن آئے۔ سورج کی تپش سے سارا پہاڑ تپ گیا۔ مگر پاروتی نے اس کا مطلق خیال نہیں کیا۔

یہ کبھی نہ کہو ہمارا بیان غلط ہے۔ کبھی حرف گیری کی جرأت نہ کرو۔ کہ ہم مبالغہ سے کام لے رہے ہیں۔ عشق لوہے سے زیادہ مضبوط ہے جس کے دل میں پریم نے جگہ پا لی۔ دنیا کی ساری قوت و نیچر کا سارا زور اس کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ یہ وہ زبردست جذبہ ہے کہ انسان کو ہمالیہ سے بھی طاقتور بنا دیتا ہے۔ یہ وہ عالیشان پہلوان ہے جو اپنے سامنے کسی کی بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ پاروتی شیو کے خیال میں محو ہو گئی۔ وہی ایک تصور اس کے دل میں سما گیا۔

لالی اپنے لال کی جت دیکھوں تت لال

لالی دیکھن میں گئی میں بھی ہو گئی لال

شیو کی حالت اگر یوگیوں کی اصلی معراج تھی - تو پاروتی کی سمادھی اور اس کے تپ کی قوت اُس سے کم نہیں تھی -

ایشور کے پریم کرنے والو! ایشور کے درشن کے لئے صرف ایسے پریم کی ضرورت ہے - جب تک تم اپنے نفس کو اچھی طرح قربان نہیں کر دیتے - جب تک تمہاری ذات کی خودی محو ہو کر محبوب کے تصور کا جزو کامل نہیں بن جاتی - تب تک تمہارے پریم کا دعوے فضول و نامعقول ہے -

بے فنائے خود میسر نیست دیدار شما
بے فروشد خویش را اول خریدار شما

تم پریم کے نام پر مضحکہ کرتے ہو - تم اپنی نادانی سے خود اُس پر ہنستے و دوسرے کو ہنساتے ہو -

یہ تو گھر ہے پریم کا خالہ کا گھر ناہ
سیس کاٹ بھوں میں دھر و تب بیٹھو گھر ماہ

لوگوں نے کوشش کی کہ پاروتی اپنے ارادہ سے باز آئے مگر پتھر کو جونک نہیں لگتی - راجہ رانی سب نے باری باری سمجھایا بجھایا مگر کسی کی بات نے اثر نہیں کیا -

از سر بالیں من برخیز اے نادان طبیب
درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

آخر راجہ کی صلاح سے رشیوں کی جماعت سمجھانے کے لئے آئی

اور انہوں نے پوچھا "دیوی! تو کس ارادہ سے تپ کر رہی ہے"؟

خیال کی مضبوطی انسان کو دیکھے اور مضبوط بنا دیتی ہے جن کا من سچ سے بھر گیا۔ پھر اس میں تکلف یا زمانہ سازی کے ماوراء نہیں رہتیں۔ پاروتی نے مسکرا کر کہا "میں شیو کے ساتھ بیاہ جانے کی ہوس رکھتی ہوں۔ وہ علم معرفت کے دریا مگر میں ناچیز وحقیر کنیا ہوں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ذرہ کو سورج کی مصاحبت کا خیال ہے۔ آپ سُن کر ہنسو گے۔ مگر دنیا میں کبھی کبھی ایسی بھونڈی باتیں بھی ہوا کرتی ہیں"

رشیوں نے پوچھا "تم کو کس نے یہ صلاح دی"؟

پاروتی نے جواب دیا "نارد نے ایسا کہا ہے"

رشی مسکرائے "تم نے بھی خوب کیا! اچھے آدمی کا کہا مانا۔ نارد ہی تو تھے۔ جن کے خبر پہنچانے کی وجہ سے بیچاری ستی یگیہ شالا میں جل گئی۔ نہ وہ ان کی زبان سے سنتی نہ وہاں جا کر مرتی۔ کیا تم نے نہیں سنا

جہاں ہو تفرقہ بیٹھے بٹھائے

یہ ہے ضرب المثل نارد من آئے

پاروتی نے کہا "نارد نے جو کچھ کہا" ہم نے سچ سمجھ لیا۔ ہم بغیر پر کے اڑنا چاہتے ہیں۔ آپ ہی کہئے۔ اگر ہم آپتا رشی کے قول کا اعتبار نہ کریں تو پھر کس کا کہنا مانیں؟"

رشیوں نے کہا "دیوی! تو نے جن کے بیاہنے کی خواہش کی

ہے - وہ یوگی - دنیا سے آزاد - جنگل پہاڑوں کا بسنے والا ہے - پہننے کو کپڑا نہیں - مرگ چھالا سے تن ڈھانپے ہے سب سے بے پرواہ ہے - تو نے ستی کی کیفیت سُنی ہو گی کیا سچ مچ تو محض نارد کے کہنے پر اپنے آپ کو برباد کر دے گی ؟ "

پاروتی بولی " گھر اُجڑ جائے یا بسے - شو پر رہے یا مرے بیں نہ نارد کے بچن کو جھوٹا جانوں گی - نہ شیو کی ہوس سے باز آؤں گی نارد کچھ ہی کیوں نہ ہوں شیو میں ہزار عیب کیوں نہ بتائے جائیں - میں اپنے ہٹ کو کبھی نہ ترک کروں گی "

نارد بچن نہ میں پرہرونٹ
بسے بھون اجڑے نہیں ڈرونٹ

رشی ایک دفعہ پھر بولے " پاروتی اپنے اوپر رحم کر تو نیک اور نازک بدن ہے - یہ وحشت ناک پہاڑ سانپ بچھوؤں کا گھر کبھی رہنے قابل نہیں - شیو خود ایسی جگہوں میں رہتے ہیں - ہائے ! تو کیسے یہاں قیام کرنا گوارا کرتی ہے ! "

پاروتی رشیوں کی باتوں کو سن کر گھبرا گئی تھی وہ نا حق شیو کے شان میں کوئی کلمہ بد نہیں سننا چاہتی تھی آخر اس نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا -

ملہ چھپر ٹھوں سے

ایسی نصیحتوں سے جناب آپ باز آئیں
قسمت پہ میرے مجھ کو اسی طرح چھوڑ جائیں
گو دشت ہولناک ہے کرتا ہے سائیں سائیں
ناصح شفیق پھر بھی نہ بھولے سے پاس آئیں
پکی ہوں دھن کی مجھ کو کسی کا بھی غم نہیں
پیچھے کو ہٹنے والے کبھی یہ قدم نہیں
مانا کہ سایہ سر پہ بجز آسمان نہیں
مانا محافظ اور کوئی پاسبان نہیں
رہنے کے واسطے کوئی محل و مکان نہیں
افسوس اک کوئی محرم راز نہاں نہیں
دل میں تو ہے بسا ہوا وہ بوریا نشین
جس کے ریاض زہد میں بوئے ریا نہیں
مجھ کو نہ نام کی نہیں شہرت کی کچھ ہوس
مجھ کو نہ زر کی چاہ نہ دولت کی کچھ ہوس
مجھ کو نہ مال و جاہ کی حشمت کی کچھ ہوس
مجھ کو نہیں جہاں کی عشرت کی کچھ ہوس
شیو جی کے نام پاک پہ جاں سے نثار ہوں
اس کی ادا کے تیر سے میں دلفگار ہوں
انسان غریب کیا کرے کیا اختیار ہے
ہوتا وہی ہے جو مصلحت کردگار ہے
اس باغ میں خزاں گہ وگاہے بہار ہے
مثل حباب زیست کیا اعتبار ہے

خوش ہے وہ جس نے کام کو بس اپنے کر لیا
جس نے گل مراد سے دامن کو بھر لیا
گو آپ کی نگاہ میں میں خاکسار ہوں
داسی ہوں شیو کے نام پہ شیو کے نثار ہوں
پلٹوں کبھی نہ عہد کو وہ شاندار ہوں
ہمت بلند جسم سے گرچہ نزار ہوں
جو جانتے ہیں مجھ کو کبھی روکتے نہیں
جپ تپ کے معاملہ میں مجھے ٹوکتے نہیں
کچھ غم نہیں اگر یہاں ہو جاؤں مر کے ڈھیر
پرواہ نہیں ہے کھائیں مجھے آکے گرگ و شیر
میں کب کی زندگی کی ہوس سے ہوئی ہوں سیر
آ جائے موت ابھی۔ نہیں اصلا لگائے دیر
دل و جان سے فدا ہوں میں شیو جی کی شان پہ
تن میرا ہے زمین پہ روح آسمان پہ

پاروتی کی مستقل مزاجی دیکھ کر رشیوں کو سخت تعجب ہوا۔ سب نے متفق ہو کر کہا "دیوی! تیری جے ہو! تیرا ساہس دھنیہ ہے!! ہم سب صرف تیرے پریم کو دیکھنے آئے تھے۔ راجہ نے ہم کو شیو جی کے پاس جانے کا حکم دیا ہے۔ ہم جا کر ان کو تیرا پیغام پہنچا دیں گے۔"

پاروتی مسکرائی اور رشیوں نے وہاں سے کوچ کر کے کیلاش کا راستہ لیا۔ کیلاش ہمالیہ کے ایک بلند طبقہ کا حصہ ہے

جس کو شیو جی کے نام کی وجہ سے خاص تقدیس اور تعظیم کا رتبہ حاصل ہے۔
شیو ایک عالی دماغ مہاتما تھے۔ جو دنیا و مافیہا کے یاد کو بھلا کر یاد آلہی میں محو رہتے تھے اپنی سکونت کے لئے انہوں نے ایک خاص جگہ کیلاش میں منتخب کر رکھی۔ جس کی چوٹی آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ وہاں مہاتما کا پاک اثر اس قدر محیط ہو رہا تھا۔ کہ ارد گرد کے چرند پرند بے خوفی کی زندگی بسر کرتے تھے کسی کو کسی کا خوف نہیں تھا۔
بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
رشیوں کی جماعت کیلاش پہنچی۔ مہاتما شیو سمادھی میں تھے۔ ان کی بیخودی و محویت کی حالت نے نو آمدہ مہمانوں پر گہرا اثر پیدا کیا وہ سب سمادھی کھلنے کے انتظار میں وہاں بیٹھ گئے جب شیو جی کی آنکھ کھلی سب نے نمسکار کیا۔ اور جب مزاج پرسی کے بعد قاصدوں نے گرراج کا پیغام سنایا۔ شیو جی قہقہہ مار کر ہنسے۔ رشیوں نے پاروتی کا ہٹ اور اس کے تپ کا قصہ کہہ سنایا اور اس کے آہنی استقلال و دل کی مضبوطی کی موثر تصویر کھینچتے ہوئے ایسے لفظوں میں وکالت کی کہ نفس کش شیو کو سوائے تسلیم کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آیا وہ اسی وضع سے جس میں بیٹھے تھے۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جسم پر بھبوت ملا ہوا۔ ہرن مرگ چھالے سے ڈھکا ہوا۔ اور اپنے ساتھیوں کو لئے ہوئے پہاڑ سے نیچے آتے اور گرراج کے مکان کی طرف عازم ہوئے شہر میں بارات پہنچی۔ فقیرانہ وضع کے آدمیوں کو دیکھ کر چھوٹے لڑکے ڈرے۔ گھروں میں اس انوکھی بارات کا

پر جا ہونے لگا۔ جو شیوجی کی وضع اور براتیوں کے قطع کو دیکھتا قہقہ مار کر ہنس دیتا اور سب ہنسی اور مذاق کرتے۔

جس دولہہ تس بنی برا تا
کوتک بیدھ ہوئیں لگ جاتا

گرراج نے براتیوں کا استقبال کیا اُن کو جنواسے میں لے جاکر اُتارا۔ اور اچھے وقت پر پاروتی کی شیو کے ساتھ شادی کر دینے کی تجویز ہوگئی۔ مگر یہاں ایک اور گل کھلا۔ سونینا آخر استری تھی۔ اس کو داماد کی شکل دیکھ کر سخت تردد ہوا۔ گویا سر پر رنج کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ برابر روتی چلاتی رہی۔ اس کی نگاہ شیوجی کے روحانی اوصاف پر نہیں جا سکتی تھی۔ اُن کی ظاہری صورت کو دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا۔ اور جب شادی کا وقت قریب آیا۔ اس نے پاروتی کو گود میں اٹھالیا۔ ہائے راجہ میری بیٹی کو کنوئیں میں ڈھکیل رہے ہیں! کہاں حسین پاروتی! اور کہاں بد وضع شیو جیسے دولہا کے درخت میں سانپ لپٹایا جا رہا ہے۔ خوبصورتی کی شادی بد صورتی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ میں اپنی بیٹی کو کبھی اس کے ساتھ نہ جانے دونگی۔ وہ اس نیم برہنہ مجذوب کی صحبت میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ میں اس کو گود میں لے کر سمندر میں غوطہ مار جاؤں گی۔ پہاڑ کی چوٹی سے گر کر جان دے دوں گی۔ مگر پاروتی کو اپنے سے جدا نہ کرونگی نارد کا میں نے کیا بگاڑا کہ میری لڑکی تو شیو کے ساتھ بیاہ کرنے کا اپدیش دیا نہ ان کے پاس لاؤ نہ لشکر نہ گھر دوار نہ وطن نہ دولت میری لڑکی

کی کیا پرورش کرے گا؟ اس طرح رنج کی باتیں کہتی ہوئی ماں
اس زور سے رونے لگی کہ رنواس ماتم کدہ بن گیا - اس نے
پاروتی کو گود سے چمٹا لیا۔

یہ کیا ہوا! کہاں شادی - کہاں یہ بلا پ! راجہ گھبرایا - خویش و
اقارب پریشان ہو گئے - سب ہزار سمجھانے لگے - کرم کی گتی اور ایشور
کی مرضی اور مصلحت جتلا کر نصیحت کرنا چاہا مگر سونینا کب سننے والی تھی
آخر پاروتی نے مخاطب ہوکر اپنی ماں سے کہا۔ ماتا! تمہارا رنج
فضول ہے یہ ساری پریشانی غلط ہے قسمت پر کسی کا اختیار نہیں
اگر میرے کرم کا پھل یہ ہے کہ مجھکو مفلس شوہر ملے تو دنیا میں کوئی
طاقت نہیں جو اس کو میٹ سکے - تم ناحق کیوں بدنامی اپنے سر پر
لیتی ہو۔ ماں باپ صرف جنم کے ساتھی ہیں - کرم کے نہیں مگر میں کہونگی تم
غلطی پر ہو - شیو طاقتوروں میں طاقتور دولتمندوں میں دولتمند اور
عزت داروں میں افضل ہیں ان کے پاس روحانی دولت کا خزانہ ہے - وہ
ایسے بادشاہ ہیں جن کے خاک قدم کو دنیا کے شہنشاہ اپنے
سر پر لگائیں -

درویش غنی بندۂ ابن خاک در زند آنانکہ غنی تر ند محتاج تر اند

نارد رہاں موجود تھے انہوں نے بہت کچھ سمجھا کر سونینا کو راضی کر لیا اور تب
پاروتی کی خوشی خوشی شیو کے ساتھ شادی ہوئی اور وہ بیاہ کر کیلاش میں
آئی یہاں آکر اس نے شاہی لباس اوتار دیئے شوہر کی طرح فقیرانہ وضع
اختیار کر لی - اپنی خوش لیاقتی سے کیلاش کو سورگ دھام بنا دیا
اور رات دن شوہر کی بندگی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھنے لگی ؛

۲۰- گیندا بائی

راجپوتانہ میں دسمبر کی سردی کا حال سب کو معلوم ہے - بدقسمتی سے وہاں سردی و گرمی دونوں ہی شدت کی پڑتی ہیں- غریب راجپوتانہ والے جس تکلیف سے سردی کے دن کاٹتے ہیں- اس کا یہاں کے لوگوں کو خیال بھی نہیں ہو سکتا-

جے پور کے علاقہ میں شیو پور ایک اوسط درجہ کا آباد گاؤں ہے- اس کا رئیس ظالم سنگھ نہایت قوی ہیکل اور سخت مزاج شخص تھا- وہ شام کے وقت انگیٹھی کے قریب بیٹھا ہوا افیون گھول رہا تھا- پاس ہی ایک نوجوان لڑکی جس کی عمر پندرہ یا سولہ برس کی تھی گھر کا کام کاج کر رہی تھی اس نے کام دھندوں سے فرصت پا کر چراغ روشن کیا اور پھر باپ کے پاس آ کر (یہ ظالم سنگھ کی لڑکی تھی) کہنے لگی-

"کھانا تیار ہے"

"گیندا! آج مجھے کھانے کی بالکل رغبت نہیں"

"افسوس" گیندا نے جواب دیا "پھر میں نے رسوئیں کس کے لئے تیار کی اگر آپ کہیں تو میں رامائن لا کر پڑھوں اس سے آپ کی دلبستگی ہو گی پھر ایک گھنٹہ کے بعد شاید کچھ اشتہا پیدا ہو جائے"

ظالم سنگھ نے منہ بنا کر جواب دیا- رامائن کو بالائے طاق دھر دو جب دیکھو تم کو رامائن ہی کی سوجھتی ہے- تمہاری ماں تو رامائن پڑھتے پڑھتے

مرضی - تم کو بھی پڑھنے کا سودا ہے - اس واسطے لوگ کہتے ہیں - عورتوں کا پڑھانا اچھا نہیں ہے۔"
گیندا بیچاری خاموش ہو کر بیٹھ گئی - اور اس خوف سے کہ شاید ظالم سنگھ کا مزاج اور بھی مکدر نہ ہو جائے - اس نے پھر کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا -
تھوڑی دیر تک دونوں خاموش تھے - آخر ظالم سنگھ نے زبان کھولی اور کہا - گیندا! منوہر سنگھ کا پیغام بار بار آتا ہے - میں اب اس معاملہ میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتا جس قدر جلد یہ طے ہو جائے اسی قدر بہتر ہے۔"
گیندا (شرم سے گردن نیچی کر کے) "بیشک - لیکن آپ کو معلوم ہے اماں کا کیا خیال تھا؟"
ظالم۔ گیندا دیکھو گائے اور لڑکی - ان کی ایک سی حیثیت ہے چاہے جس کے سپرد کر دو نگران کو عذر نہیں ہوتا - شاید یہ پڑھنے لکھنے کا سبب ہے کہ تم عذر کر رہی ہو
گیندا - یہ بات صرف اس وقت تک ممکن ہوتی ہے . . . . . . جب تک . . . .
ظالم "دیکھو تم بحث کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہو - شاید سارے ملک میں تم ایک ہی لڑکی ہو جو باپ سے جھگڑتی ہو - ورنہ کہیں اس قسم کی بغاوت کا واقعہ نہیں سنا گیا۔"
گیندا "پتا جی! آپ اپنے ہاتھ سے مجھے ذبح کر دو - میں انکار نہ کرونگی لیکن اماں اپنے خیال میں جو کچھ کام کر گئی ہیں اس کا رشتہ باطنی طور پر پختہ ہو گیا ہے وہ کیا ٹوٹ سکتا ہے۔"
ظالم۔ لڑکی دیکھ تیری شرارت و گستاخی حد سے بڑھتی جاتی ہے - منوہر سنگھ نوجوان - ذہین - بہادر اور [illegible] ہے اور وہ اپنے باپ کے حکم سے

ہمارے خاندان سے تعلق پیدا کرنے کو راضی ہے۔ میں بھی اپنی لڑکی کو مجبور کروں گا۔ کہ وہ باپ کا کہنا مانے۔"

گیندا۔" افسوس! کاش اب بھی آپ کو میری اماں کے فیصلہ کا لحاظ ہوتا کہ آپکی میں اکلوتی بیٹی ہوں۔ آپ مجھے پیار کرتے ہو۔ مگر میں دیکھتی ہوں جب سے اماں مر گئی ہیں۔ آپ صبح و شام اس قسم کی گفتگو کرتے ہو۔ جس سے دل دکھتا ہے۔ آپ مجھ پر رحم کرو۔ مجھے اپنے ہی پاس رہنے دو۔ میں آپ کی خدمت کرتی رہونگی آپ اکیلے ہو۔ میں آپ کی دل و جان سے فرمانبرداری کرتی رہونگی صرف ایک بات میں میں البتہ معذور ہوں۔" یہ کہکر گیندا باپ کا پانوں پکڑ کر رونے لگی، ظالم کا دل بھر آیا۔ تاہم اس نے دل کو مضبوط کرکے کہا۔" کشن سنگھ غریب آوارہ ہے۔ آج کل کون جانے کہاں ہوگا۔ تمہاری ماں نے اس وقت اس کو پسند کیا تھا۔ جب وہ اچھی حالت میں تھا۔ میں نے اب اس کو انکار کر دیا تم کو منوہر سنگھ کیساتھ شادی کرنی پڑے گی۔"

یہ لفظ سن کر گیندا کی آنکھوں میں خون بھر آیا۔ اس نے کہا۔" پتاجی! میرا روحانی بیواہ اماں جی کر گئی ہیں۔ میرے دل میں لڑکپن ہی سے ایک خاص آدمی کے تصور کا سنسکار پیدا ہو گیا۔ میں مجبور ہوں۔"

ظالم۔" بے شرم۔ نالائق لڑکی! تجھ کو باپ کی عدول حکمی کی کیسے جرات ہوتی ہے؟"

گیندا۔" دھرم کا پاس مجبور کر رہا ہے۔"

ظالم۔" میں ایسی دریدہ دہن لڑکی کو گھر میں نہ رہنے دونگا۔"

گیندا۔" اس کا آپ کو اختیار ہے۔"

جس وقت یہ گفتگو باپ بیٹی کے درمیان ہو رہی تھی۔ایک نوکر خط لئے ہوئے اندر آیا۔ظالم نے خط کھول کر پڑھا۔اور گیندا کو پڑھنے کے لئے دیا اُس میں لکھا ہوا تھا۔

واقع تاریخ ... کو کشن سنگھ راجپوت بعارضہ ہیضہ مبتلا ہو کر پرلوک کو سدھار گیا۔ ..... جس وقت گیندا کی نگاہ ان خوفناک الفاظ پر پڑی وہ چیخ مار کر زمین پر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ظالم اور نوکر نے سمجھا۔وہ مر گئی ہے۔مگر زندگی باقی تھی۔پورے دس گھنٹے گذر جانے کے بعد اُس نے آنکھ کھولی چہرے کا رنگ بالکل سفید ہو گیا تھا۔نبض سست تھی۔آنکھیں دھنس گئیں تھیں۔گویا وہ مدت سے بیمار تھی۔ظالم اُس کے کھاٹ کے پاس بیٹھا ہوا اپنی حرکت پر افسوس کرتا رہا۔آخر گیندا نے باپ کی طرف بحاجت سے دیکھتے ہوئے پوچھا "اس کی موت کہاں واقعہ ہوئی؟"

ظالم نے جواب دیا "تم ذرا اچھی ہو لوگی تو میں صاف صاف بتا دونگا"

دن بدن گیندا کا رنج اور شکل اختیار کرتا گیا۔مایوسی اور نا امیدی نے اُس کو کچھ کا کچھ بنا دیا تھا۔ایک دن باپ کے آتے ہی وہ ایک طرح مسکراتی ہوئی کہنے لگی۔

"دیکھو! جب میں نیند میں ہوں۔وہ میرے پاس آتے ہیں۔میں روتی رہتی ہوں وہ میرے آنسو پونچھ کر دھارس دیتے ہیں میں کہتی ہوں دیکھو میں کنواری ہوں۔مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔وہ کہتے ہیں دنیا میں بات ہی سب کچھ ہے تمہاری اماں ایک طرح کا قول دے گئی ہیں۔اور اب وہ خود شادی کر دینگی"

ظالم کا دل یہ حالت دیکھ کر موم ہو گیا۔ہائے گیندا تیرے سلے یہ کیا کیا؟

کس طرح میں نے اپنی اکلوتی دنیک بیٹی کو صدمہ جانکاہ دیا۔ کیا اب اس کا کچھ علاج نہ ہوگا۔ یہ کہتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر مایوسی سے دیکھنے لگا۔ کیونکہ گیندا دراصل اس دلگداز صدمہ کو اُٹھا کر ایک طرح اپنی عقل کو جواب دے بیٹھی تھی اس کی شکل سے ایک طرح کے غیر معمولی استقلال کا اظہار ہوتا تھا۔ مگر وہ استقلال اس قسم کا تھا جو موت سے پہلے اکثر آدمیوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔

اوپر کے واقعہ کو گذرے عرصہ ہوگیا۔ درمیانی حالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وقت برابر گذرتا گیا۔ موسم بدلتا رہا۔ انسان کی امید خوشی اور خوف کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ ہوا کے جھونکوں سے کھلی ہوئی کلیاں سبز و نوجوان ٹہنیاں۔ ٹوٹی ڈالیاں۔ وقت کے کبھی نہ ختم ہونیوالے سیلاب میں ٹوٹ ٹوٹ کر بہتی رہیں وقت کا سمندر اُمنڈتا رہا۔ ترنگیں اُٹھتی ہیں پانی کی چکنی سطح پر کشتیاں تباہ ہوتی ہیں۔ ڈوبنے والے چیخ مار کر غرقاب ہو جاتے ہیں پسماندگان ہزار سر پٹیں۔ اُن کی کون سنتا ہے۔ لیکن اس بہاؤ کے سلسلہ میں بالکل بربادی ہی بربادی نہیں ہوتی۔ دنیا کے جزیرے مثل زمرد کے پانی کی سطح پر چمکتے ہیں۔ پھول پانی کے کنارے کھلے ہوئے قدرت کی خوبصورتی کو دوبالا کرتے ہیں۔ جہاز کنارے لگ کر خرید و فروخت و تجارت کا کام کرتے ہیں۔

جاڑا گرمی برسات۔ بونے و کاٹنے کی فصلیں یوں ہی آتی جاتی رہتی ہیں اور زندگی کے تماشہ کے خاص خاص تماشائی اپنے اپنے ارد گرد کے سامان میں کمتر تبدیلی محسوس کرتے ہیں۔ کشن سنگھ ابھی زندہ ہے اُسکو مردہ

دُور کرنے کی چال بھی ظالم سنگھ نے سوچی تھی۔ وہ گوالیر کے راج میں مصاحب اعلیٰ کی خدمت پہ ممتاز تھا۔ قسمت نے اچھا دن دکھایا وہ دولتمند ہوگیا اور اب مال و دولت ساتھ لیکر آہستہ آہستہ سفر کرتا ہوا اپنے وطن کو آرہا ہے اس کو نہیں معلوم تھا۔ کہ گیندا پہ کیا کیا مصیبتیں نازل ہوئیں۔ غریب بدنصیب گیندا پہ تو مفت میں ناحق ظلم کیا گیا!!

ہیٹ جھاڑ کے دن آگئے ہیں۔ سردی صرف برائے نام باقی ہے۔ شیو پور کے اردگرد کی پہاڑیاں دُور سے دیکھنے میں سہاونی معلوم ہوتی ہیں۔

ظالم سنگھ کے مکان کے قریب ایک دیوی کا مندر تھا۔ گیندا اکیلی پوجا کرنے جاتی ہے۔ ساتھ کوئی نہیں تھا۔ اور نہ وہ اب کسی کی صحبت کی خواہشمند تھی اس معصوم کا دل جوانی کی اُمنگوں کی جگہ اب عجیب قسم کی خوفناک یاسی کا مسکن بنا ہے۔ وہ کچھ تھکی ہوئی تھی۔ ذرہ دم لینے کے لئے مندر کے قریب درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ گذشتہ واقعات کی کتاب اس کے خیالی نظروں کے سامنے کھُل گئی۔ وہ اپنے رنج کی کہانی پڑھنے لگی۔ کہیں کہیں خوشی اور بہل بہل کے بھی فسانے تھے۔ کمزور اور لاغر گیندا اُن کو پڑھ کر کبھی مسکراتی اور کبھی روتی ہے۔ کبھی کبھی سسکتی اور لمبی آہیں بھرتی ہے اتنے میں پتیوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز نے اسکو چونکا دیا۔ کوئی شخص چھپتا ہوا آتا تھا۔ اس نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ کشن سنگھ آگے کھڑا ہے۔

دیکھو دیکھو۔ جلدی مت کرو۔ میں روحانی طور پہ تمہاری بیوی ضرور ہوں۔ مگر شادی کا سنسکار ادا نہیں کیا گیا! غریب گیندا کے آخری لفظ تھے۔ یہ کہہ کر وہ بیہوش ہوگئی کشن سنگھ نے جلدی سے گود میں اُٹھا

لیا۔ آس پاس سے لوگ دوڑے ظالم سنگھ بھی آیا۔ گلاب بچھڑ گیا۔ اُس نے آنکھیں کھولدیں۔ اپنے آپ کو کشن سنگھ کی گود میں پاکر اُس نے کہا "کیوں کیا اماں نے آکر شادی کردی۔ پتاجی کیسے یہاں ہیں" یہ کہکر اُس ابلا نے آنکھ بند کر لی اور پھر نہیں کھولی منہ سے خون کا فوارہ جاری ہوا۔ اُس کو تپ دق کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ اور گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ہی جسم بالکل پانی کی طرح سرد ہو گیا۔

کشن سنگھ نے یہ حالت دیکھ کر میان سے خنجر کھینچ کر اپنے کلیجہ میں بھونک لی۔ وہاں منہ سے اور یہاں کلیجے سے خون کی نہریں جاری ہوئیں اسطرح دو سچی پیار کرنے والی آتمائیں ظالم باپ کی وجہ سے دنیا سے کوچ کر گئیں۔ دنیا کی زر پرستی نے ان کے ملاپ میں رکاوٹ پیدا کر دی۔ مگر موت نے رحم کیا۔ کہ ان کو ملا دیا اور وہ ساتھ ساتھ ایک چتا پر جلائے گئے۔

گیندا کی مختصر زندگی راجپوتنیوں کے عہد اور اخلاقی پیمان کی یادگار ہے۔ گو وہ ایک چھوٹے دیہات کے رئیس کی لڑکی تھی۔ مگر اس کا برتاؤ سنجوگتا پرتھوی راج کی مہارانی سے کسی حالت میں کم نہ تھا۔ اسی قسم کی عورتوں نے اس بھارت کو بھارت بنا رکھا تھا۔

آہ! اب وہ آتمائیں کہاں گئیں؟ کیا ایسے لوگ پھر اس دیش میں نہ پیدا ہونگے۔

۲۔ صاحب کنور پٹیالہ کی رانی

ریاست پٹیالہ سکھ ریاستوں میں سب سے زبردست ہے۔ مہاراجہ

صاحب کی سلامی ۱۷ - اتواپ کی ہے - اور وئیسرائے کے دربار میں اُن کا رتبہ مہاراجہ صاحب کشمیر کے بعد سمجھا جاتا ہے -
سر لیپل گریفن صاحب لکھتے ہیں پٹیالہ کا رقبہ ۵۴۱۲ مربع میل ہے - آبادی قریب ۱۶۵۰۰۰۰ اور سالانہ آمدنی ۳۸۰۰۰۰۰ روپیہ ہے - فوج میں ۸ ہزار سپاہی ہیں - اور ۱۰۰ سپاہی برٹش گورنمنٹ کی خدمات کے لیئے مخصوص ہیں -
ہمارا قصہ ۱۷۹۳ء کے بعد کا واقعہ ہے جب راجہ صاحب سنگھ ریاست کا حکمران تھا - اس شخص میں خود حکومت کرنے کی قابلیت نہیں تھی - اس لیئے اس نے اپنی بہن رانی صاحب کنور کو اپنا مشیر مقرر کیا تھا -
رانی صاحب کنور بہت حسین اور عالی دماغ تھی - اور سردار جیمل سنگھ کنھیا کی بیوی تھی - جو باری دوآب کے بڑے حصے کا رئیس تھا - اپنے شوہر کی اجازت لیکر رانی نے بخوبی ریاست کے انتظام کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیا - اور اس خیال سے کہ اُسکو ہر قسم کی اصلاح و تبدیلی بحالی کا اختیار رہیگا " وزیر اعظم کے فرائض انجام دینے کے لیئے تیار ہو گئی -
رانی نے اس قابلیت کے ساتھ کام کیا کہ چند ہی روز میں ریاست کی حالت تبدیل ہو گئی - ساری شکائتیں رفع ہو گئیں راجہ اس انتظام سے نہایت خوش ہوا اور رعیت کی خوشحالی میں غیر معمولی ترقی ہوئی -
چند ہی روز بعد رانی کو خبر ملی کہ سردار جیمل سنگھ اُس کا شوہر چچا زاد بھائی فتح سنگھ کے ہاتھ میں قید ہو گیا - اور سارا علاقہ تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہے رانی راجہ سے فوج لیکر خود فتح گڑھ کی طرف

روانہ ہوئی - اور اپنے شوہر کو دشمن کے پنجہ سے رہائی دی - اس فتح سے اُس کی سب جگہ دھاک بندھ گئی - اور لوگ اس سے خائف رہنے لگے -

۱۷۹۴ء میں مرہٹوں کی فوج نے پٹیالہ کی طرف رخ کیا - اور راہ میں کئی سکھ سرداروں کو اپنا مطیع بنایا - پٹیالہ کو مرہٹوں نے متابعت کا پیغام بھیجا - اور ان کو پوری پوری امید تھی - کہ وہ منظور ہو گا کیونکہ جس ریاست کا انتظام عورت کے ہاتھ میں ہو اُس کی نسبت فطرتاً سوچ لیا جاتا ہے - کہ اُس کی حالت اچھی نہ ہو گی - مگر ان کا یہ خیال غلط تھا - کیونکہ رانی نے نہایت خفگی اور غصہ کے لفظوں میں اُن کو جواب دیا - کہ یہ پیغام حد درجہ کا گستاخانہ ہے - اور اس کی پاداش میں تم کو افسوس کرنا پڑے گا -

رانی کی ہمت دیکھ کر آس پاس کے راجے پٹیالہ کے جھنڈے کے تلے اکھٹے ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں سات ہزار کی جمعیت دشمنوں کے خلاف روانہ ہوئی - مردان پور میں جو انبالہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے لڑائی ہوئی - سکھ کمزور اور غیر تعلیم یافتہ تھے مرہٹے ہوشیار لڑاکے کہلاتے تھے - سکھوں کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے اور قریب تھا کہ وہ بھاگ کھڑے ہوں -

جب یہ حالت سنی گئی - رانی اپنے بزدل بھائی کو زنانہ میں چھوڑ کر خود فوج لے کر میدان جنگ میں آئی - اور لوگوں پر ظاہر کیا کہ وہ شجاعت میں کسی مرد سے کم نہیں ہے - جس وقت سکھ بھاگنے کے لئے تیار تھے وہ اپنے رتھ سے باہر نکلی اور ہاتھ سے تلوار لے کر فوج کو مخاطب کیا - پٹیالہ راج کے سپاہیو! میں لڑنے کے لئے مستعد ہوں - ایک انچ پیچھے نہ

ہٹو نگی - یاد رکھو اگر میں مرگئی تو تمہاری عزت میں کس قدر فرق آویگا
میں نہ صرف تمہارے راجہ کی ملکہ تمہاری بھی بہن ہوں - آؤ بیرو ابہادر
بنو اور اپنی بہن کا ساتھ دو۔"

سپاہی شرمندہ ہوئے اور پھر از سرِ نو لڑنے کے لئے
تیار ہو گئے - سخت لڑائی ہوئی - جانبین کے آدمی کام آئے - لیکن
اس کا فیصلہ کرنا مشکل تھا - کہ فتح کس کی طرف ہوگی رات کے وقت
لوگوں نے رانی کو رائے دی کہ پٹیالہ چل کر اور فوج کا انتظام کرنا
چاہیئے - کیونکہ باقیماندہ فوج اب کسی طرح لڑ بھڑ نہیں سکتی - رانی
نے صاف انکار کر دیا - اور یہ صلاح دی - کہ "کچھ ہرج نہیں
اسی طرح فوج کے ساتھ مرہٹوں پر رات کے وقت دھاوا
کرو" ایسا ہی کیا گیا اور سکھ مرہٹوں پر آفت ناگہانی
کی طرح نازل ہوئے -

سکھوں نے اس موقعہ پر کوئی کارنمایاں نہیں کیا تھا -
صرف تیزی کے ساتھ اُن پر حملہ آور ہوئے تھے - اور جس
جس نے مقابلہ کیا وہ اُن کے ہاتھ سے مارا گیا - مرہٹوں کا
نقصان نہیں ہوا - لیکن اُن پر خوف غالب ہوا - اُن کے پاس فوج
کم نہ تھی - گو سکھوں کی سردار ایک عورت تھی - تاہم وہ اس
کے ساتھ مقابلہ کے قابل نہ رہے - اور دوسرے دن اپنے گھر کی
طرف روانہ ہوئے - اس طرح پٹیالہ رانی صاحب کنور کی دوراندیشی
سے مرہٹوں کے رسوخ و متابعت سے محفوظ رہا -

۱۷۹۴ء میں رانی تھوڑی سی فوج لیکر ناہن کے راجہ کی مدد پر
گئی جس کی رعایا باغی ہو گئی تھی یہاں بھی رانی نے کارنمایاں کئے -

وہ تین مہینے تک تاہن میں رہی اور باغیوں کی اچھی طرح سے سرکوبی کی۔ ساجیہ نے اس کی شجاعت کی تعریف کی اور واپسی کے وقت اس کے بیش قیمت تحفے پیش کئے۔

تاہن کی لڑائی کے دو برس بعد جارج ٹامس صاحب نامی فرنگی ہانسی حصار پر قابض ہو کر سکھوں کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ آٹھ رجمنٹ سپاہیوں کا تھا۔ ہزار سوار اور پچاس توپیں تھیں اس نے سکھ سرداروں کو لاہور گئے ہوئے دیکھ کر جیند کا محاصرہ کر دیا۔ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر جیند آگئے۔ لیکن ٹامس کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ گئی۔ آخر میں اگر رانی صاحب کنور اپنے بہادر سکھوں کو لاکر میدان میں نہ پہنچ جاتی۔ تو پھر ان کا ایک فوجی بھی نہ بچتا۔

رانی کے نام میں جادو تھا اس کے سپاہیوں نے ٹامس کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ آخر کار وہ مجبور ہو کر جہلم کی طرف چلا گیا سکھوں نے پیچھا کیا اس نے لوٹ کر ان کو شکست دی۔ اس موقعہ پر رانی کی فوج موجود نہیں تھی جس وقت ٹامس کی توپوں سے گولے چلنے لگے۔ سکھوں کی فوج تتر بتر ہو گئی۔

اس شکست نے سکھوں کی رہی سہی ہمت کو توڑ دیا۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے صلح کر لی۔ اگر ان کے ساتھ رانی کی فوج ہوتی۔ تو کبھی یہ نوبت نہ پہنچتی

صلح کے بعد رانی پٹیالہ چلی آئی جب باہر کے دشمنوں کا خطرہ نہیں رہا اور رانی کو آرام کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اندرونی

مخالفت کی آگ پٹیالہ میں مشتعل ہونے لگی۔ کمزور ضعیف دماغ راجہ اپنے امیدمشیروں کے رسوخ میں آکر رانی کے ساتھ بد سلوکی کرنے لگا۔ رانی نے وہ کام کیا جو راجہ کو خود کرنا چاہیئے تھا۔ اس نے ریاست کو بربادی سے بچا لیا اور اس کو ایک زبردست راجہ بنا دیا۔ مگر راجہ اب سب احسانات بھول گیا۔ اور رانی پر جھوٹے الزامات تھوپتے ہوئے مشہور کر دیا۔ کہ اس کو صاحب کنور کی ذات سے سخت خطرے کا اندیشہ ہے۔

رانی نے دیکھا راجہ کی نگاہ بدل گئی۔ وہ بھیریالیوں ہوکر اپنی جاگیر میں چلی آئی جہاں اس نے ایک مضبوط قلعہ تیار کیا تھا۔ راجہ کی طبیعت روز بروز مکدر ہوتی گئی اس نے حکم دیا کہ قلعہ خالی کر کے اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔

رانی اپنے شوہر کے پاس خود جانے کی خواہشمند ہو رہی تھی مگر اس کو بھائی کی یہ حرکت ناپسند آئی اور اس نے اس حکم کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ راجہ غصہ میں آکر اس کے سزا دینے کی نیت سے بھیریاں آیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ رانی سے لڑائی کرے مگر مشیروں نے کہا اس سے کام نہ نکلیگا۔ رانی کو پرخاش منظور نہ تھی۔ وہ خود پٹیالہ کی طرف روانہ ہوئی راہ میں ایک معتمد شخص نے صلاح دی کہ پٹیالہ جانا مناسب نہیں ہے۔ راجہ کی نیت میں سخت فتور ہے۔ رانی نے بھاگ کر پھر جلدی سے بھیریاں میں پناہ لی۔ راجہ نے یہاں تک اس کا پیچھا کیا۔ اور سخت عہد و پیمان کیا کہ پٹیالہ میں ہر طرح دلجوئی کا لحاظ مدنظر رہیگا رانی نے منظور کر لیا۔ مگر جب فوج دھودو میں پہنچی۔ اس نے اپنے قول و قرار کا کچھ بھی پاس نہیں کیا۔ اور رانی کو دھودو میں

کے قلعہ میں بہ حیثیت سرکاری مجرم کے قید کر دیا۔
رانی عرصہ تک قید رہی۔ مگر ایک دن اُس نے اپنے نوکر کا
کا لباس پہن لیا اور قلعہ سے نکل بھاگی اور بھیریاں میں آکر مقیم ہوئی
اُس کے وفادار نوکروں نے وعدہ کیا کہ اگر راجہ نے کوئی بات خلاف
کی تو اس کا نتیجہ مضر ہوگا۔
راجہ نے مجبور ہو کر رانی کا پیچھا چھوڑا۔ وہ بھیریاں میں کئی
سال رہی۔ اور ریاست کے کسی معاملہ سے تعلق نہیں رکھا۔ بلکہ
صرف اپنی جاگیر کا انتظام کرتی رہی۔ جب کبھی فرصت ملتی اس کا
شوہر بھیریاں میں آیا جایا کرتا تھا۔ مگر شوہر بیوی ایک ساتھ بہت
کم رہے۔ تاہم وہ ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے اور رانی آخر
دم تک وفادار رہی۔
۱۷۹۹ء میں رانی صاحب کنور نے وفات پائی۔ غالباً
بھائی کی بدسلوکی نے اُس کے دل کو سخت مکدر کر دیا تھا۔ ظاہرا
یہی وجہ موت کی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی دلیری حسن اور خوش
انتظامی کی سب لوگ تعریف کرتے تھے۔ اس کے مرنے پر
سارے پٹیالہ میں ماتم کیا گیا۔
اور راجہ صاحب سنگھ کو اس بات کا آخر عمر تک رنج رہا کہ اُس
نے اپنے سب سے زیادہ خیرخواہ مشیر کو ناحق بلاسبب صدمہ پہنچایا
اور احسان فراموش بن کر اس کو تکلیف دیتا رہا۔ یہ رانی صاحب
کنور کا مختصر حال ہے ؛

تمت بالخیر

نوشتہ فیروز الدین کاتب ۱۸ فروری ۱۹۱۳ء

ایک درد انگیز نظارہ

(از لالہ امرناتھ صاحب محسن)

ایک کمسن ہندو لڑکی شادی کے دوسرے ہی دن بیوہ ہوجاتی ہے شوہر کی لاش کو گود میں لیکر ماتم کرتی ہے - اور آیندہ زندگی کے بیوگی کے مصائب کو یاد کرکے بےطرح روتی ہے کثرت اندوہ سے بیہوشی کی حالت میں اُس کا متوفی شوہر اپنی مجبوری و قوم کی بےپروائی کا گلہ کرتے ہوئے راضی برضا رہنے کی صلاح دیتا ہے - مگر وامصیبتا - اسکی صلاح و تسکین نے اور بھی دل کو تڑپایا ہوش آتے ہی آنکھ کھولکر وہ چیخیں مارتی ہے اور ہندو قوم کے ظلم و ستم سے پناہ مانگتی ہوئی موت کے آغوش میں منہ ڈھانپ لیتی ہے ایک کے عوض دو جنازے نکلتے ہیں - شاعر آخری ہندوؤں میں ہندوؤں سے شادی بیوگان کے رواج کے لئے اپیل کرتا ہے

سرتاج! میرے - والی میرے جان سے پیارے
بےوقت کہاں جاتے ہو کیوں ہائے سدھارے
چھوڑا ہے مجھے آپ نے اب کس کے سہارے
انصاف سے کہنا تھے یہی وعدے تمہارے
وہ قول کہاں اور وہ [illegible]

وہ دن ہی میں بدعہدی کے عنوان عیاں ہیں
وعدہ تو تھا یہ ساتھ نہ چھوڑینگے کبھی بھی
آئینہ دل تیرا نہ پھوڑینگے کبھی بھی
اس رشتۂ الفت کو نہ توڑینگے کبھی بھی
منہ تیری محبت سے نہ موڑینگے کبھی بھی
کیوں۔ کہیئے تو۔ کیا آپ کے یہ دھیان میں آیا
کیوں نقش وفا آپنے اس طرح مٹایا
سوچو تو کوئی ایسی کبھی کرتا ہے جلدی
جس طرح کی اے جان جہان آپنے اب کی
کنگنا ہے اُدھر تازہ ادھر تازہ ہے مہندی
جامہ کی سفیدی بھی ذرہ سی نہیں بدلی
سہرے بھی ابھی سر کے تو مرجھائے نہیں ہیں
جوڑے کے بھی روغن میں شکن آئے نہیں ہیں
دو چار گھڑی پہلے جو یہ گھر تھا گلستان
لو! آپ کے جانے سے ہوا صاف بیابان
روتے ہیں ادہر بھائی اُدھر بہنیں ہیں نالان
گریاں ہیں ادہر اپنے اُدھر غیر ہیں حیران
قسمت سے اعداوت کی سزا وار تو میں ہوں
اوروں پہ ہے کیوں ظلم گنہگار تو میں ہوں
کیا بھاوجوں نے اس لئے سہرا تھا لگا
کیا بہنوں نے تھا اس لئے گھوڑی پہ چڑھایا
کیا اسلئے جامہ تھا یہ شادی کا سلایا

کیا اس لیے گلگونہ تھا چہرے پہ لگایا
اوڑ جاؤ گے جوں نکہتِ گل باغ جہاں سے
جاؤ گے ابھاگن کے سہاگوں کو جلا کے
جسوقت سے یوں آپ نے بدلی ہیں نگاہیں
اسوقت سے ہی بند ہیں سب پیار کی راہیں
ہر ایک مجھے دیکھتے ہی بھرتا ہے آہیں
نے میری محبت ہی کسی کو ہے نہ چاہیں
بیزار میری شکل سے ہے سارا گھرانہ
بیری ہے میرا پران پتی سارا زمانہ
جن آنکھوں میں تھی پھول کبھی خار ہوئی ہوں
میں اپنے ہی کنبے کے لیے عار ہوئی ہوں
بیکس ہوں میں بےبس ہوں میں لاچار ہوئی ہوں
سچ کہتی ہوں میں جینے سے بیزار ہوئی ہوں
منحوس کوئی کہتا ہے اور کوئی ابھاگن
کہتا ہے کوئی کیوں نہ مری ہو گئی ہی ڈاین
اے پران پتی یوں مجھے طعنے نہ لاؤ
مجھ دکھیا پہ دنیا کو نہ اس طرح ہنساؤ
دیکھو تو نہ جلتی ہوئی کو اور جلاؤ
لے جاؤ مجھے ساتھ جہاں جانا ہو جاؤ
جب آپ نے ہی جان جہان ایسی دغا کی
کیا اور سے میں رکھوں گی امید وفا کی
لو اب تو سحر ہونے لگی تم کو جگا تے

کس بات سے روٹھے کہ نہیں ملتے ہیں آتے
قسمت بھی میری ہوگئی ہے تم کو جگاتے
یہ آپ کے انداز نرالے نہیں بھاتے
کس سوچ میں لیٹے ہو ذرا سر تو اٹھاؤ
گو دل نہیں ملتا ہے یہ آنکھیں تو ملاؤ
ہیں غیر بھی مجھ سے ابھی بولو نہ بولو
پھر اپنے عزیزوں سے تو یوں زہر نہ گھولو
کس حال میں ہیں گھر کے ذرا آنکھ تو کھولو
ماتا کی محبت کو کچھ انصاف سے تولو
کیا دودھ کی دھاروں کا یہی مول ہے پیارے
سر پیٹتی کو چھوڑ چلے آپ سدھارے
کہنے کو ابھی اور تھی دکھ درد بچاری
کہنے بھی نہ پائی تھی مصیبت ابھی ساری
افراط غم و رنج سے غش ہوگیا طاری
اس غش میں کیا دیکھتی ہے کرموں کی ماری
سرتاج وہی دولھا بنا پاس کھڑا ہے
اور یاس بھرے لہجہ میں یوں گویا ہوا ہے
اے نیک سیر عصمت و عفت میں یگانہ
اے باعث بہبودی و رونق دہ خانہ
اے مونس لاثانی و ہمدرد زمانہ
سنتا ہوں ترے غم کا میں مدت سے فسانہ
میں عاجز و لاچار ہوں کچھ کر نہیں سکتا

گو تیرا ہی ہوں - تیرا بھی دم بھر نہیں سکتا
اس گلشن ہستی میں یہی پھل تھے تمہارے
لکھے تھے بدھاتا نے یہی لیکھ تمہارے
رو رو کے تم تاریکی تو افشاں کے ستارے
اور چوڑا سوہاگوں کا چتا پر تو اتارے
تو بدلے میں شہنائی کے سرکوبی سُنے گی
پھولوں کے عوض رشک چمن! پھول چُنے گی
جو تجھ سے ہوئی ہے وہ نہیں کوئی نرالی
کوئی بھی تو گھر ہوگا نہ اس شدنی سے خالی
جو آج چمن میں ہے بھری پھولوں کی ڈالی
کل دیکھنا ہوتی ہے وہی پھولوں سے خالی
جس شاخ برہنہ کو بہار آکے کھلائے
لازم ہے اُسے فصل خزاں بھول نہ جائے
جانے کا مجھے اپنے نہیں سوچ ذرا ہے
پر خوف تیرا جان جہاں مجھ کو بڑا ہے
جس قوم میں ہے تو وہ عجب اہل جفا ہے
نے شرم ہی ہے اسکو نہ کچھ خوف خدا ہے
ہے نالہ غریبوں کا اسے ایک ترانہ
ہے اشک یتیموں کا اسے موتی کا دانہ
نے عقل بتا دے جو اسے اس کو یہ مانے
نے شاستر اور پاک کتابوں کو یہ جانے
نے منو مہاراج کے لکھے کو پہچانے

نے ویدوں کے احکام کو احکام ہو مانے
آئی ہے عجب جہل و جہالت کے یہ بس میں
من مانی بنا رکھی ہیں اس قوم نے رسمیں
جو رنج تجھے پہنچا ہے کب مجھ سے نہاں ہے
صورت سے تیری حال دل زار عیاں ہے
آہوں سے تیری دل میں مرے تیر الم تا دہ جہاں ہے
لیکن میری جان تیرا یہ بے سود فغاں ہے
تحریر قضا آنسوؤں سے مٹتی نہیں ہے
آہوں سے کبھی فوج الم چھٹتی نہیں ہے
میں چاہتا کب ہوں کہ تجھے طعنہ دلاؤں
میں چاہتا کب ہوں کہ اقارب کو رلاؤں
میں چاہتا کب ہوں کہ اسی عمر میں جاؤں
میں چاہتا کب ہوں کہ تجھے چھوڑ کے جاؤں
لیکن میری جاں اس میں نہیں میری خطا ہے
میں جانے پہ مجبور ہوں یہ حکم خدا ہے
گو عالم بیہوشی میں تھی درد رسیدہ
اس آخری فقرے سے ہوا اور اسے صدمہ
اس صدمہ کے لگتے ہی گرا غم سے کلیجہ
گرتے ہی کلیجہ کے بگڑنے لگا نقشہ
منہ زرد ہوا۔ نبضیں چھٹیں ۔ رقت طاری
اور دیکھتے ہی دیکھتے دکھیا بھی سدھاری
اے ناظرین کیا یاس و قلق کا ہے یہ منظر

دل پانی ہوا جاتا ہے دو لاشیں برابر!
یہ کبک دری ہے تو ہے وہ ماہ منور
دونوں کی محبت تلی کاٹنے میں برابر
محبوب و محب کو لی اجل نے نہیں چھوڑا
وہ کون سا رشتہ ہے جو اس نے نہیں توڑا
اے بھارتیو! آئے یہ اندھیر نہیں ہے!
اولاد پہ بھی ظلم سنا تم نے کہیں ہے!
تم نے تو سمجھ رکھا ہے جو کچھ ہے یہی ہے:
نے حشر کا ہے خوف نہ داور کا یقین ہے
معصوم کا یہ خون نہ دامن سے چھٹے گا
دھلتے سے دھلیگا نہ مٹانے سے مٹے گا
کہتے ہو کہ ہے پنر براہ باعث خجالت
کہنے کے لئے فعل ہے یہ باعث نفرت
ہے جہاں ورعصمت کے لئے داغ ندامت
ہاں سوچئے گا جب تو نہیں آتی ہے غیرت
جب کورٹ میں پولیس سے چالان ہیں ہوتے
کس وقت؟ کہاں؟ کون؟ کئے جب سنتے ہو فقرے
تو لکھی ہوئی ویدوں میں ہے صاف اجازت
اور کی منوجی نے بھی ہے خوب اسکی ہدایت
اور عقل نے بھی دی ہے اسی ہی کی شہادت
حیران ہوں پھر آپ کو ہے کس لئے نفرت
یہ یاد رہے آپ کو جیتے ہی مرو گے

بیواؤں کی شادی میں جو تاخیر کروگے
اور بیوہ بھی وہ دیکھا نہیں جسنے زمانہ
ہے خویش و بیگانہ میں ابھی ایک یگانہ
بیٹوں کو سمجھتی ہے جو مرغوب ترانہ
شادی ہے ابھی جس کیلئے ایک فسانہ
القصہ وہ بیچاری جو معصوم رہی ہے
اور قدرتی جذبات سے محروم رہی ہے
جس قوم کا یہ حال ہو گیا اُس کو ستانا
ممکن ہی نہیں ظالموں سے داد کا پانا
سوتے کا تو ہے مشفق من سہل جگانا
کون اسکو جگائے جو کرے محض بہانہ
پھر یاد رہے کرتے ہیں جو حیلے بہانے
کشتی نہیں لگنے کی کبھی اُن کی ٹھکانے
حق داروں کا یوں بہر خدا حق نہ گنواؤ
محکوموں پہ احکام تعدی نہ چلاؤ
منجدھار میں ہے ناؤ ذرا زور دکھاؤ
بیواؤں کی شادی میں نہ اب دیر لگاؤ
اے محسن ارباب ستم کی کوئی حد ہے
کچھ کرکے دکھاؤ کہ یہی وقت مدد ہے
(امرتا تھہ محسن)

ارپن پتر

قابل تعظیم

شریمتی سرلا دیوی چودہرانی صاحبہ بی۔ اے

کے مبارک نام سے

جن کی حُبّ قومی و زندہ دلی

نے

چند ہی دنوں کے عرصہ میں پنجاب کے نوجوانوں کو اسنری جاتی کی
عظمت کا قابل و ثنا خواں بنا لیا

میں

اس چھوٹی کتاب کو خلوص و شوق کیساتھ
معنون کرتا ہوں

شیو برت لال

نویسندہ فیروز الدین کاتب

بابو شیوبرت لال صاحب ورمن کی تصانیف

اردو جن کی دھوم تمام ہندوستان میں ہے

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
سندر جوڑی	۳ر	ہماری زندگی اور موت	۲	معجون خیال	۵ر
روحانی اشارے	۲ر	خانہ داری کی فلاسفی	۴ر	نیرنگ خیال	۵ر
سنگھ ناد	۲ر	رامائن مکمل	عہ	فانوس خیال	۲ر
سائیں کے سو خیال	۵ر	مہابھارت	عہ	آئینہ خیال	۴ر
بھگتی یوگ	۵ر	مجلد	عہ	قانون خیال	۲ر
یوگ کے عملی سبق	۵ر	اپ نشد	۱۲ر	سچی ماتائیں	۳ر
سنت برتانت	۵	گیان گلپدرم	عہ	ہندو ماتائیں	۴ر
سچی استریاں	۲ر	وچار کلپدرم	عہ	سادھو کی صدا	۳ر
کامیابی کی کنجی	۱۰	سچی دیویاں	۲	پنجابی سورما نمبر ۱	۸ر
بھگت برتانت	۴ر	راجستھان کی		نمبر ۲	۵ر
کرم یوگ	۴ر	بیر رانیاں	۶ر	کبیر بھگت اور اس کی تعلیم	۳ر
ساجہ رسالو	۴ر	ہماری ماتائیں	۸ر		
آلہا کھنڈ	۸ر	ستی برتانت	۸ر	عروج روحانی	۴ر
راج یوگ	۵ر	ویر برتانت	۱۲ر	گوسائیں تلسیداس	۲ر

ओ३म्

رشی جیون کتھا

از

شمس آریہ اپدیشک

ओ३म

مہرشی سوامی دیانند سرسوتی جی کے جیون سمبندھی

دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

از

لکھشمن آریوپدیشک

سیوک سٹیم پریس لاہور میں چھپی

پہلا کھنڈ۔ رِشی جیون

پہلا سرگ

بُدھی کی وِلکھشنتا

جو چشم ظاہری میں ایک معمولی نظارا تھا
نگاہِ غور سے دیکھا تو دفتر آشکارا تھا

ایشور نے منش کو اُتم سے اُتم پدارتھ دیے۔ اور ان پدارتھوں کے بھوگ کے لئے کرم اور گیان اِندریاں دیں۔ سورج چاند کس کام کے تھے یدی نیتر پرکاش گرہن کرنے کو نہ ہوتے۔ سُندر جگت سے کیا سکھ ملتی۔ یدی آنکھ اُس کا سوندریہ نہ دکھاتی۔ اس سب کے لئے ہم پرم آتما کا دھنیاد دیتے ہیں۔ پرنتو سب سے اُتم دان اس کا بُدھی ہے۔ جس کی ہدایت سے سب اِندریوں کے ویوہار ٹھیک ہوتے ہیں۔ انسان سوادیہ مست ہو کر کھاتا ہی جاتا۔ اور اُس کا پیٹ پھٹ جاتا۔ یدی بُدھی اُپدیش نہ دیتی۔ کہ کھاؤ اتنا جس سے بھوک مٹے اور شریر بچے۔ سارے سامان دُکھ کا کارن ہو جاتے ہیں جہاں عقل سے کام نہیں کیا جاتا۔ اس لئے مبارک ہیں وہ جو سوچ وچار کر کام کرتے ہیں اور مند بھاگیہ ہیں وہ جو اندھا دھند چلتے ہیں۔ یہی وہ ہیں جو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ سنتے ہوئے نہیں سنتے۔ ان دو پرکار کے منشوں میں کتنا انتر ہے۔ اس کے جاننے کے لئے چھوٹے سے بالک مول شنکر کی دو کتھائیں آپ کو سناتا ہوں ۔۔

۱- ساکشات دیکھوں تو حقیقت کھلے

موروی علاقہ کاٹھیاواڑ کے امبا شنکر جی شیو مت کے انویائی تھے۔ آپ کی دلی اچھا تھی۔ کہ میرا پتر مول شنکر بھی اس مت میں پروین ہو جاوے۔ اس لئے اس سے شیولنگ کی پوجا کرواتے تھے۔ بیل پتر اور شیو پران کی کتھا آدی میں اسے مندر میں ساتھ لے جاتے تھے۔ ماگھ بدی چتردشی سمت ۱۸۹۴ کو شیوراتری کا تیوہار تھا۔ مول شنکر کو تریودشی کے دن ہی کہا گیا کہ کل تم کو برت (اپواس) کرنا ہوگا۔ ماتا کہتی رہی کہ کم عمر بالک کیسے برت کر سکیگا۔ مول شنکر خود بھی بھوکا رہنے کو مصیبت سمجھتا تھا۔ مگر باپ نے کل کی رہتا کا گیت گایا! اور ساتھ ہی شیو کتھا کا مہاتم سنایا۔ جو پتر کو بہت بھایا اور اس لئے پتا کے کہنے پر سر جھکایا۔ شیوراتری کو بہت لوگ شوالے میں جمع ہوتے جاگرن رات بھر کرنا ہے۔ مگر پہلے اور دوسرے پہر کی پوجا ہی ہوئی تھی۔ کہ بارہ بجے نیند غلبہ پانے لگی۔ سب سے پہلے امبا شنکر جی ہی اس کی لپیٹ میں آئے۔ بھگت جن بھی باری باری لیٹتے گئے۔ حتیٰ کہ پجاری بھی باہر آکر دراز ہو گئے۔ سنسان رات میں اکیلا مول شنکر شیولنگ کے آگے بیٹھا رہ گیا۔ نیند آتی ہے تو آنکھوں پر پانی کا چھینٹا مارتا ہے۔ کہ سو گیا۔ تو پھل شیوراتری کا سب مارا جائیگا۔

سرل ہردے بالک پکے وشواس کو دھارن کئے نیند سے یدھ کر ہی رہا تھا کہ ایک وچتر گھٹنا نے اس کے آتما میں جاگرتی سی پیدا کردی۔ دیکھتا کیا ہے۔ کہ ایک چوہا دوڑا آیا ادھر مورتی کے اوپر چڑھ گیا۔ چڑھاوے کی چیز کھا گیا۔ اور نیچے اوپر ادھر ادھر دوڑا کیا۔

بالک چونکتا ہے کہ ہیں! کیا یہ وہی مہادیو ہے جس کی کتھا سنی تھی۔ اوہو! شیو جی تو پاشوپت استر سے بڑے بڑے دیتوں کو مارتے۔ مگر یہ مورتی تو چوہے کو بھی اپنے پاس سے نہیں ہٹا سکے۔

دہیں پتا کو جگایا۔ اپنا شنکا کہہ سنایا۔ جس پر پتا کو کرودھ آیا۔ اور اس نے اسے دبایا۔ کہ تیری ترک بدھی بڑی خراب ہے۔ تو ایسے سوال کیوں کرتا ہے۔ (بالک) اس سے یہ کہتا دالا مہادیو چیتن تھا۔ وہ چوہے کو کب اپنے اوپر چڑھنے دے۔ کہ وہ اسے آلودہ کرتا پھرے جس مہادیو کو ہم پرم کہا۔ اس کے گن اس مورتی میں گھٹ نہیں سکتے۔ پتا سمجھاتا ہے کہ اصل مہادیو کیلاش پر ہے۔ کل جگ میں اس کا ساکشات نہیں ہوتا۔ اس سے اس کی مورتی پوجا کر اسے پرسن کیا جاتا ہے۔ مگر مول شنکر کی ان باتوں سے تسلی کہاں۔ وہ اس وچار میں غرق ہے کہ کسی طرح مہادیو کو ساکشات دیکھوں تو حقیقت کھلے۔

۲۔ امر ہونے کا نسخہ تلاش کرنا چاہیے

مول شنکر ۱۶ سال کا تھا۔ جب وہ ایک رات پتا آدی کے ساتھ ایک جلسے میں شامل ہوا۔ نوکر نے اچانک آکر خبر دی۔ کہ اس کی چودہ سالہ بہن کو ہیضہ ہو گیا۔ سب دوڑے آئے وید بلائے علاج کرائے۔ مگر لاحاصل مریضہ ۴ گھنٹے میں چل بسی۔ مول شنکر بچھونے کے پاس دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ موت کا درشیہ دیکھا۔ دل کو سخت صدمہ لگا۔ اس نے سوچا کہ سب کو اسی طرح مرنا ہے۔ میں بھی مر جاؤنگا۔ کاش کہ وہ اپائے معلوم ہو۔ جس سے جنم مرن کا دکھ چھوٹ جائے۔ سنبندھی کیا جانیں۔ کہ اس کے دل میں کیا گذر رہا ہے۔ وہ تو یہ دیکھتے۔ کہ آنکھوں سے آنسو تک نہیں گرتے اور اس لئے کہتے کہ دھکار ہے ایسے بالک پر جو ایسا پتھر دل ہو۔ مگر وہ اپنے وچار میں مگن ہے کہ جب موت روپی دشمن سر پر آ ہی جاویگا۔ اس وقت کونسا ہتھیار کہاں ڈھونڈھتا پھرونگا اور کس پر بھروسہ کرونگا۔ بہتر یہ ہے۔ کہ ابھی سے وہ اوشدھی تلاش کروں جس سے سارے دکھ دور ہو جاویں۔ اس طرح اس گھٹنا نے مول شنکر کے ہردے میں ویراگ اتپن کر دیا۔ اور جب عمر ۱۹ سال کی ہوئی۔ تو ایک اور پیارے سنبندھی کی موت نے اس بنیاد کو بالکل پختہ کر دیا۔ وہ مرتا چچا جو مول شنکر سے اتینت پریم کرتا تھا وہ مرض

ہیضہ میں مبتلا ہو گیا۔ مرتے وقت اُس نے مُول شنکر کو پاس بلایا اور دیکھتے ہی آنسو بھر لایا۔ جس پر بھتیجے کا بھی دل اُمڈ آیا اور وہ اتنا رویا کہ آنکھیں پھول گئیں۔ وہ بڑے زور سے محسوس کرنے لگا۔ کہ موت کا دکھ آنے والا ہے۔ چچا کی مانند نہ جانے میں بھی کب چل بسوں۔ اس لئے شیگھر اور اوشیہ ہی امر ہونے کا نسخہ تلاش کرنا چاہئے ۔

شکھشا

پیارے پاٹھکو! بڑی بڑی گھٹنائیں آپ ہر منٹوں نے دیکھی ہیں۔ بالکوں نے کمبل کو دیں مورتیوں کو انگ بھنگ کیا۔ چوروں نے اُن کے زیور اور کپڑے اُتارے۔ محمود جیسوں نے ان کو توڑا پھوڑا اُن کے مندر گرائے۔ مگر کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ رُکُو دنیا میں سنبندھیوں کو مرتے دیکھا اور سُنا کہ کال چکر سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ سکندر نے ساتوں ولائتیں اپنے بھُج بل سے فتح کیں۔ مگر موت کے زبردست دشمن کے سامنے لاچار اور بے بس رہا۔ نہ محمود سا مالدار۔ نہ مسیح سا خدائی کا دعوے دار نہ رام اور کرشن کا سا اوتار۔ نہ بڑے سے بڑا غدار کوئی اس کے پنجے سے نہ چھوٹا۔ افسوس دشمن کی چڑھائی انشچت ہے۔ تو بھی فوج توپ اور بندوق ہر وقت تیار ہے۔ لیکن جو موت کا حملہ یقینی ہے۔ اس کے مقابلہ کا خیال تک نہیں۔ ایک ایک دو دو دیکتی سنبندھی پرشتوں پر تو دماغ رات دن لڑے۔ مگر جو مرتیو کا پرشن جیو ماتر کے لئے ہے اُسے چھوا تک نہیں جاتا مول شنکر کی بُدھی کی ولکھشنتا ہے۔ کہ چوہے کے معمولی سے واقعہ سے کس قدر بھاری شکچھا لی۔ اور بہن اور چچا کی موت دیکھ کر کس طرح سب سے بڑے سوال کے حل کرنے پر کمر باندھی۔ آؤ۔ ہم سب ان کتھاؤں سے بدھی روپی نیتر کھول کر جگت میں چلنا سیکھیں ۔

دُوسرا سَرگ

وِدّیا پراپتی

لاکھوں پڑھانے والے ہیں اور کروڑوں پڑھنے والے۔ لیکن ودّیا کیا ہے۔ اتھوا اس کا اُدیش کیا ہے۔ کم ہی جانتے ہیں۔ آج اناج کا تبادلہ جس طرح روپیہ سے ہوتا ہے اسی طرح پڑھائی کا فیس یا تنخواہ سے۔ دکاندار جس طرح کپڑا یا آٹا دال کی جنس سے روپیہ کماتے ہیں۔ اسی طرح تعلیم یافتہ شبدوں یا اکھشروں کے سودے سے روزی چلاتے ہیں۔ آتما کو جس گیان کی اوشیکتا ہے۔ ایشور آتما۔ پرکرتی ان کا بھید۔ سنبندھ جگت کے پدارتھ۔ اُن کا بھوگ۔ سکھ اور شانتی کی ودھی۔ کسی بھی بات کا جاننا کٹھن ہو رہا ہے جیسے سورج آنکھ کو باہر کا روپ بتا دے۔ ویسے ودّیا کا سورج ودیا آتما کو تتو گیان کے درشن کرا دے۔ مگر اب کہاں کا ودیا اور کہاں کی ستیہ ودیا۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ بقول نانک دکھیا سب سنسار۔ جگت نرک بن رہا ہے۔ اور جب تک ورجانند اور دیانند کا سا بھاؤ گورو اور ششیہ میں نہیں آتا دکھ بڑھتا ہی جائے گا۔ وہ بھاؤ کیا تھا۔ اُسے منن لکھت گھٹنا ؤں میں دیکھئے۔

۱۔ گورو کی تاڑنا امرت ہے

ماتا پتا اور آچاریہ کی تاڑنا کو شاستر امرت بتاتا ہے۔ اور لاڈ چاؤ کو زہر۔ اسی پرکار ودّیا داتا کی عزّت اور سیوا ششیہ کا کرتویہ ہے۔ ودّیا شردھا سے پراپت ہوتی ہے دسیئ

دیانند اپنے گورو کے لئے روزانہ ایا ہو گھڑ لے جمنا کے بیچ سے عمدہ صاف پانی کے بھر کر لاتے تھے۔ اور گورو کی سیوا گرو دھرم سمجھتے تھے +

گورو نے ایک بار لاٹھی سے مارا جس سے اُن کا ہاتھ درد کرنے لگا۔ تب سوامی جی نے کہا۔ مہاراج مجھے نہ مارا کریں۔ میرے بجر کے سے شریر پر چوٹ لگانے سے آپ کے کومل ہاتھوں کو دُکھ ہوتا ہے۔ اس چوٹ کا نشان انت تک سوامی جی کے ہاتھ پر رہا جسے دیکھ کر آپ سدا گورو کو یاد کرتے اور اکی ودیا اور اُپکار کا دھنیاد دیتے رہے +

ایک بار ڈنڈی جی نے جب سوامی جی کو لاٹھی سے ڈنڈ دیا۔ تو نین سُکھ جڑیا نے کہا کہ اسے آپ نہ مارا کریں۔ یہ گرہستی نہیں سنیاسی ہے۔ آپ نے آگے سے مان رکھنے کا اقرار کیا۔ مگر سوامی جی اس سفارش کے لئے نین سُکھ سے ناراض ہوئے اور کہا کہ آپ نے بُرا کیا۔ گورو جی میرے سدھار کے لئے مارتے ہیں۔ نہ کہ ویر اور دشمنی سے۔ جیسے کمہار تاڑ تاڑ کر گھٹ کو بناتا ہے۔ ویسے ہی گورو مجھ پر دیا کرتے ہیں +

۲- بیٹا! مت منانوں کی اودیا کو مٹا دکھاؤ

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور بیج اپنے موافق ہی پھل لاتا ہے سوامی گورو ؤں کے غرضمند شِشوں کے کام کا پھل یہی ہے۔ کہ وہ شِشوں میں ہی آیو گذار دیں۔ مگر نشکام ریتی سے کرلو یہ اور کھشٹ کرلو یہ پالن کیا جاوے۔ تو پھل کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ وہ کیا۔ اس کا اُتر دیانند کا سدا درتن سنسکار دیگا +

ورجانند جی کی طبیعت بڑی مردم شناس تھی۔ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ میری طفیل جو آگ میرے شِشوں میں دھکد ہی ہے۔ وہ ایک دن شعلوں کے رُوپ میں پرچنڈ ہوگی۔ اور اندھا دھند وشواس۔ بھرم جال اور جھوٹے گرنتھوں کا ناش کرینگی۔ وہ اس کھنڈن کو معتمہ نہیں رکھتے تھے۔ صاف کہتے تھے۔ کہ میرا کام کوئی کریگا تو دیانند ہی کریگا۔ یہ خیال آپ کا سولہ آنے صحیح نکلا +

نروصن سنیاسی وِدیارتھی دیانند پڑھائی ختم کر کے گورو سے وداع ہونا چاہتا ہے
پراچین پرنالی کے مطابق آدھ سیر لونگ لے گورو کی بھینٹ کرتا ہے۔ اور نمرتا سے
ہاتھ جوڑے آگیا مانگتا ہے۔

گورو۔ دیانند جانتے ہو تو ہماری دکھشنا دینا دھرم ہے۔
ششش۔ مہاراج جو فرماویں حاضر ہوں۔

گورو جانتا ہے کہ کس ششش سے بات کر رہا ہوں۔ نہ اقرار دہراتا ہے۔ نہ قسم
لیتا ہے۔ صاف اور سرل شبدوں میں کہتا ہے۔ مجھے نہ دھن چاہیئے نہ مال کیول
یہ چاہتا ہوں کہ :۔

"بیٹا وِدّیا کو سپھل کر دکھاؤ۔ پرآپکار اور ستیہ شاستروں کا اُدھار کرو۔ مت
متانتروں کی اوِدّیا کو مٹاؤ۔ ویدک دھرم پھیلاؤ۔ یہی میری دکھشنا ہے"

دیانند۔ گمبھیرتا سے۔ گورو دکھشنا کے مُنہ پر نہ چار اور بڑی نمرتا سے نمسکار کر کے)
گورو! آپ کی آگیا سرماتھے پر۔ آیو پریَنت اس کے لئے ہی یتن کرونگا۔

گورو۔ بیٹا۔ ایشور تیری ہمت اور کوشش میں برکت دے۔ یہ میری اشیرباد ہے
اور یہ میں ایک آخری نصیحت دیتا ہوں کہ :۔

"منش کرت گرنتھوں میں پرمیشور اور رشیوں کی نندا ہے۔ مگر رشی کرت بین نہیں
اس کسوٹی کو ہاتھ سے نہ دینا"۔

۳۔ کرتگیتا کے بھاو

گورو دکھشنا کو ساری آیو سوامی جی نے لکھش رکھا۔ اس کے علاوہ جو ودیارتھی
جہاں بھی ملتا۔ اُسے گورو کے پاس پہنچنے کی سفارش کرتے۔ دھن بھی یدی ہوتا تو
اپنی شردھا کی سُوچنا دیتے رہنے کو کسی پرش کے ہاتھ بھیجتے۔ آخری درشن متھرا
میں اکتوبر ۱۸۶۶ء میں گئے۔ جب سوامی جی کنبھ پر چار میں پہلی بار شامل ہونا چاہتے تھے

تب اُچت سمجھا کہ گورو جی سے ملوں۔ چنانچہ متھرا میں ایک روپیہ اور پانچ آدمی ساتھ لئے پہنچے۔ دو اشرفی اور ململ کا تھان بھینٹ رکھا اور آگیا مانگی کہ میں کنبھ پر ستیہ دھرم پرچار ارتھ جاتا ہوں۔ بھاگوت کھنڈن کی پستک بھی دکھائی۔ ورجانند جی کو جو پرسنتا ہوئی ہوگی۔ وہ اُن کا دل ہی جان سکتا ہوگا۔ سچا شش پرا پکاری گورو کی آگیا پالن میں کٹی بدھ ہو اور گورو کا ہردیہ پر پھلت نہ ہو۔ یہ سمبھو نہیں۔ سوامی جی نے نئی معلومات کا حال سُنایا شنکائیں نوارن کیں۔ اور ڈنڈی جی نے انہیں اشیرباد دیکر وداع کیا۔

شہباز پور میں جب ڈنڈی جی کی مرتیو کی خبر سوامی جی نے سُنی تو آپ کا چہرہ مُرجھا گیا۔ طبیعت پر ویراگ اور افسوس کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ کچھ دیر چپ رہ کر بولے آج ویاکرن کا سورج است ہو گیا۔

شوک کو جیتا ہوا دیانند جو اس واقعہ سے اتنا شوکاتر ہوا۔ یہ گورو سے اگادھ پریم اور شردھا کا کارن تھا۔

۴۔ آج کل کے تعلیم یافتہ ونا

گورو ورجانند سے تعلیم پاکر اور ہر کہیں سے جو سنیہ ملا لیکر سوامی جی نے وِدیا میں وہ کمال حاصل کیا۔ کہ فی زمانہ اس قسم کا عالم ہونا ایک ناممکن سی بات کہی جا سکتی ہے یہ کمال ہی تو تھا۔ جس سے اس علم و عقل کے زمانے سائنس کے دور اور اعتراض اور نکتہ چینی کی عام آزادی میں سوامی جی نے کامیابی حاصل کی۔ رڑکی میں ایک دن سوامی جی نے ایک لیکچر دیا۔ جس میں انگریزی فلاسفی۔ ڈاروِن کا مسئلہ۔ انگریزی تعلیم کا اثر وغیرہ پر اپنے خیالات ظاہر کئے۔ ڈاروِن کی تھیوری کا مدلل کھنڈن سنکر انگریزی پڑھے لکھوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ علم کیمیا۔ علم طبعی و فلسفہ جو ہم انگریزی کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ پہلے کچھ نہ تھا۔ جب صرف سنسکرت جاننے والے سوامی کی تقریر کے سلسلہ اور دلیل کی مضبوطی کو سامنے رکھا۔ تو ایک آدمی بولا۔ مہاراج

ہم تو ان مسائل کو نئے سمجھتے تھے۔ سوامی جی نے کہا۔ افسوس دیش کی موجودہ حالت پر آپ جس مسئلہ کو نئی ایجاد مانتے ہیں۔ اس کا نام لیں اور ہیں آپ کو پرانی کتابوں میں دکھاتا ہوں۔ اس پر سورج کے حرکت نہ کرنے۔ زمین کے حرکت کرنے۔ امریکہ۔ بادل و مینہ۔ ستارے۔ بھوگول وغیرہ بہت سے مسائل پر لوگوں نے سوال کئے۔ اور سوامی جی نے قاطع دلائل سے سنسکرت شاستروں سے جواب دیئے۔ لفظی ترجمہ سے ہی سامعین کا پورا اطمینان ہو جاتا تھا۔ پنڈت امراؤ سنگھ نے کہا کشش زمین کا مسئلہ نیوٹن کی ایجاد ہے سوامی جی نے سیب کے گرنے کا قصہ سارا سنسکرت ایک شلوک پڑھ دیا۔ اور اس کا ترجمہ کر دیا۔ وید منتر بھی کئی سنائے۔ اور ثابت کیا۔ نہیں بلکہ ہر ایک چیز کا نقشہ کرا دیا۔ کہ آس کا بیان وید شاستر دوارا ہوا۔ تعلیم یافتہ پارٹی نے سچے دل سے ویدک عظمت کا اقبال کیا سچ کہا ہے کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی۔

۵۔ ویاکرن میں کمال

رڑکی میں سوامی جی سے ایک پنڈت ملے۔ جو سنسکرت میں اعلیٰ درجہ کے لائق بحث کرنے میں بے نظیر مشہور تھے۔ فارسی عربی بھی جانتے تھے۔ سوامی جی نے نہایت تعظیم سے ان کو پاس بٹھایا۔ بہت بات چیت ہوئی۔ پھر پنڈت نے کہا کہ میں نے سنسکرت میں ایک ویاکرن بنایا ہے جسے چھپواؤنگا آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ سوامی جی نے ۵۔ ۷ منٹ اسے دیکھکر کہا۔ آپ کی لیاقت بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ عام سنسکرت آپ نے خوب پڑھی ہے۔ آپ کرتے کیا ہیں۔ وہ بولا بیکار ہوں۔ (سوامی) آپ میرے پاس آ جاویں۔ تو آپ کی مدد ہوگی۔ وید ودیا بھی آپ حاصل کرینگے۔ اور مجھے بھی آپ سے مدد ملیگی۔ پنڈت جی نے دھنیاد دیتے ہوئے کچھ کارن بتائے جس سے وہ فوراً نہیں آ سکتا تھا سوامی جی نے کہا بہت اچھا جب آ سکیں۔ آئیں۔ مگر آئندہ اپنا وقت کسی عمدہ کام میں لگائیں۔ (پ) کیا کروں۔ (س) اس ویاکرن کی تصنیف میں جو سمے کھویا۔ کسی

آرش گرنتھ کے ترجمہ میں لگاتے - تو عوام کا بھلا ہوتا - آپ کیا میرا دیاکرن کچھ نہیں ؟
بس جیسا ہے - ویسا ہی ہے - مگر اس سے کوئی فائدہ کسی کو نہیں ہو سکتا - ایسے دیاکرن
سارسوت چندرکا وغیرہ بہت موجود ہیں - آپ نے نئی بات کیا کی - جیسے وہ نامکمل ویسے ہی
یہ نامکمل آپ کوئی بڑھیا کام کریں - آپ امیر سے یاکرن میں سنسکرت کے کل قاعدے ہیں - یہ مکمل
ہے - بس آپ اپنے دیاکرن سے کوئی قاعدہ پڑھیے - پنڈت جی نے ایک قاعدہ پڑھا -
سوامی جی نے ۲ اسمد اوید منتر بولے - اور کہا ان میں سے کسی فقرہ پر یہ قاعدہ لگائیے - مگر
وہ ہر موقعہ پر بیکار ثابت ہوا - رہا بہت دیر تک شش و پنج میں رہ کر بیٹھ رہے کسی پر یہ قاعدہ
نہیں لگتا - مگر وید کا دیاکرن جدا ہو سکتا ہے - یہ عام سنسکرت کا ہے (بس) یہی تو میرا اعتراض
اور شکایت ہے - دیاکرن ایسا ہو جو ہر جگہ کام دے - عام سنسکرت کے لئے ایک دیاکرن
پڑھیں - وید کے لئے دوسرے کی تلاش کریں - یہ تضیع اوقات و سردردی ہے - اس کے
بعد شاستر اور اتہاس اور دوسری کتب سنسکرت سے شلوک پڑھ کر فرمایا اچھا ان میں سے
کسی پر یہ قاعدہ لگائیے - پنڈت جی کمال حیران ہوئے اور سوامی جی کے پاؤں پکڑ لئے اور
کہا کہ آپ سند ہیں - مجھ کو اس سے پہلے کبھی ایسا خیال نہ تھا - کہ عام قاعدے اتنی مستثنیات
رکھتے ہیں - میں نے یہ پستک کاشی کے پنڈتوں کو بھی دکھلایا کسی نے اعتراض نہیں
کیا - سب نے تعریف ہی کی - مگر بھید آپ سے کھلا - اس کے بعد سوامی جی نے پانینی کا ایک
سوتر پڑھا جس میں قاعدہ زیر بحث کا بیان تھا - اور فرمایا کہ اسے چاہے وید منتر پر لگاؤ
چاہے عام سنسکرت پر - کوئی اختلاف نہیں ہوگا - یہ ہے تدبر رشیوں کی تصنیفات کی
خوبی - پس ایسی کتابوں کی شرح لکھو جس سے سنسکرت ودیا کی اُنتی ہو +

۶ - آدرش گورو اور شش

شہد کی مکھی جس طرح ہر پھول پر پہنچتی ہے - اور مٹھاس لیتی ہے - دیانند ہر وِدوان
کے پاس اسی طرح پہنچ رہا تھا - وہ ایسا گورو چاہتا تھا - جو لوبھ لالچ اور سوارتھ سے پاک ہو

اور ستیہ مارگ بتلا دے۔ ایشور کی کرپا اُسے گورو ملے تو ورجانند۔ جو مدتوں سے ایسے شش کی تلاش میں تھے۔ جو اُن کے امولیہ ودیا کوش سے سنسار کو مالا مال کر دے۔ نیتر ہین ہونے سے وہ کام نہ کر سکتے تھے۔ اور سوچتے تھے کہ کہیں دل میں ارمان رکھتے ہوئے شریر تیاگ نہ جاویں۔ دیانند کی وہ دھن کہ برسوں آمر ہونے کا نسخہ ڈھونڈا کیا۔ اور ورجانند کی یہ لگن۔ کہ اندھا ہونے پر بھی جہالت پھیلانے والوں سے لگاتار یدھ جاری رکھا۔ دونوں ایک ہی سانچے کے ڈھلے تھے۔ اور دونوں کا میل ہونا واقعی معنی خیز بات تھی دیانند دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ ڈنڈی جی نام اور اُپدیش پوچھکر دروازہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ ہم سے پڑھنا ہے۔ تو منش کرت گرنتھوں کو چھوڑ دو۔ (دیانند) بہت بہتر چھوڑتا ہوں۔ (ڈنڈی) تم نے جو کہا سارسوت وغیرہ پڑھا ہے تو یہ منش کرت گرنتھ ہے رشی کرت شاستر اور ہیں۔ (دیانند) مہاراج بتلائیے وہ کون ہیں۔ (ڈنڈی) اول منش کرت گرنتھوں کو چھوڑو (دیانند) میں سنکلپ کرتا ہوں۔ سب چھوڑ دیئے۔ (ڈنڈی) سارسوت اور کومدی کی اشٹادھیائی بتا کر۔ ان سے سنسکرت ودیا کے ہر چار میں بادھا پڑنے کا ذکر کرکے۔ میرے شاگرد تب بن سکو گے۔ جب ان پستکوں اور اُن کے کرتاؤں کی عزت کرنا بالکل تیاگ دو گے۔ دیانند نے سچے وشواس سے اس پر عمل کیا۔ کومدی کے مصنف کی تصویر پر جوتے لگاتے۔ اور ودیا پراپتی کیلئے بڑی نمرتا اور شردھا سے گورو کی سیوا میں اپسخت ہوئے جو بے غرض اور ستیہ کا دلدادہ تھا۔

شکھشا ودیا دنیاوی روزگار یا شکے کمانے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ تھارتھ گیان کی پراپتی کے لئے۔ کھانے پینے آدی کے تمام سامان تو انسانوں کو مل ہی رہے ہیں۔ آتما کو ضرورت دُکھ سے چھوٹنے کی ہے۔ اور اس کا سادھن یتھارتھ گیان ہے۔

(۲) اسی پرکار ودیا کا آشا کوئی ذاتی غرض یا مان بڑائی پانا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو بغیر اچھا کے ہی ودوان کو ملتا ہے۔ ہاں تمام بھجنوں کی بہتری اور پرانیوں کو منظر

رہنا چاہیئے جہاں شاگرد کی غرض محض ٹکے کمانے کے قابل بننا ہو۔ اور اُستاد کو تنخواہ کی خاطر ہی پڑھانا مدنظر ہو۔ وہاں انسان اصلی منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔ بلکہ یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ

لوبھی گرو لالچی چیلا دونوں کھیلیں داؤ
بھوساگر میں ڈوبتے بیٹھ پتھر کی ناؤ

۳۔ وید سنیہ ودیا کی کان ہے۔ انسانی زندگی کے تمام مرحلے اسی سے حل ہوتے ہیں۔ اور اسی سے ودیا جگو کا سچا طریق جانا جا سکتا ہے۔ مگر آج وید پرچار نہ رہنے سے ساری مریادا بگڑ رہی ہے۔ علم کا نام لے کر جہالت پھیلائی جا رہی ہے۔ اور وید کے سچے عالموں کی عدم موجودگی میں موجودہ تعلیم پر فضول ناز ہو رہا ہے۔ ملمع کی انگوٹھی بڑے بول نکال رہی ہے۔ لیکن بات یہی ہے کہ ع

جب تاؤ دیا جاتا ہے ہو جاتا ہے منہ فک

۴۔ اُستاد کا ادب۔ اُس کی عزت۔ اس کی سیوا شاگرد کے لئے لازمی ہے۔ اُستاد اور ماں باپ کی تاڑنا کو امرت سمجھنا چاہیئے۔ اور فضول لاڈ چاؤ کو زہر۔ یہ نشچت بات ہے۔ کہ اُستاد شاگرد کی بہتری کو اُس سے زیادہ خوبی کے ساتھ سمجھتا ہے۔ اور ڈنڈ دیتا ہے تو سدھار کے لئے۔ جو کچھ نہ کرنا چاہیئے۔ اس سے ہٹانا اور کرنے کے لائق کام کی طرف توجہ دلانا اُس کا اُدیش ہے۔ اس کا بھلے پر کار چنتن رکھکر گورو آدی کے کرودھ سے بھی اپنی ترقی کرنی چاہیئے۔

۵۔ رشی لوگ اپنے آپ کو سچائی پر سمرپن کرتے اور ایشور و ایشوری گیان کے آگے جھکے رہتے ہیں۔ اپنی شخصیت کی جھوٹی نمائش و مان بڑائی کو وہ زہر سمجھتے ہیں۔ مگر سادھارن منش ان باتوں پر لٹو ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ رشی کرت پستکیں صاف طور پر وید کا مارگ دکھاتی ہیں۔ اور منش کرت پستک اس راستے سے گمراہ کرتے ہیں۔

تیسرا سرگ

سچّا تیاگ

ذرا چشمِ بصیرت کھول کر رکھتا ہے دانائی
تدبر سے کس کام آئینگے خیالاتِ من وبائی

بھارت میں بھگوا بانا عام ہے۔ نام کے سادھو اور تیاگی لاکھوں ہیں کوئی بال بچوں کا پالن پوشن نہیں کر سکا۔ کسی کی گھر میں بن نہ آئی۔ کوئی مہرشیا کے پیچھے خراب ہوا کوئی شراب خانہ خراب کی بدولت اُجڑا۔ کسی نے بیوپار میں گھاٹا اُٹھایا۔ کسی کو قرض نے ستایا۔ ایسے ہی کارنوں سے رُوپوش ہونے کی ضرورت ہوئی۔ تو اس آڈمبر کی پناہ لیگئی۔ سچے تیاگ کو کسی نے بچارا ہی نہیں۔ جہاں لاکھوں کروڑوں سادھوؤں کے ہوتے ہوئے پاپ اور تاپ بڑھ رہا ہے۔ وہاں ایک سچّا سنیاسی جگت کو سکھ اور شانتی کا مارگ دکھا سکتا ہے۔ جیسا کہ دیانند نے کر کے دکھا دیا۔ رشی دیانند کے کام کی تہ میں سچا تیاگ ہی تھا جس کے اُداہرن اُس کے جیون میں شروع سے اخیر تک ملتے ہیں +

۱۔ گھر کو الوداع

مُول شنکر کو لگن تھی۔ کہ موت پر فتح پانے کا اُپائے ڈھونڈوں۔ اِس لئے دُنیا داری کے کاموں سے نفرت سی رہنے لگی۔ ماتا پتا یہ معلوم کر کے دواہ کی فکر کرنے لگے۔

کہ کہیں بیٹا فقیر نہ ہو جائے۔ گرہست کی ذمہ داری پڑھ گئی۔ تو ویراگ بھول جائیگا۔ مگر مول شنکر نے جیوں تیوں ایک سال کے لئے سفارش کرا کے یہ تجویز ملتوی کرالی اور پھر یہ درخواست کی کہ پتاجی! کاشی بھیجدو تو ویاکرن، جیوتش اور ویدک گرنتھ پڑھ آؤں۔ پتا نے کہا کہ لڑکی والے وواہ پر زور دیتے ہیں۔ اول تو جو پڑھا ہے وہی بہت ہے۔ ورنہ یہیں پڑھو۔ مول شنکر اصرار کرتا ہے کہ پورا پنڈت ہوئے بنا وواہ کرنا ٹھیک نہیں۔ اس پر ماتا بھی مخالفت کرتی ہے۔ آخر اتنی منظوری ہوئی۔ کہ موروی کے پاس کے ہی گاؤں میں جو ایک مشہور پنڈت رہتا تھا۔ اس سے مول شنکر پڑھے۔ مگر پنڈت نے جلدی ہی انبا شنکر جی کو اطلاع دے دی۔ کہ اسے شادی سے نفرت ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ اُسے واپس بلا لیا گیا۔ اور وہ دیکھ کر بھٹ سا رہ گیا کہ بیاہ کی پوری تیاریاں ہو رہی ہیں۔ گھر میں وہ مخالف بھاؤ کام کرنے لگے ماتا پتا اس شبھ گھڑی کی انتظار میں تھے۔ کہ بیٹا دولھا بنے۔ اور بہو گھر میں آوے مگر بیٹا اس دھن میں تھا۔ کہ تمام موہ آدی کی زنجیریں توڑ کر گرہست نکل جاوے۔ چنانچہ ادھر وواہ کی تیاریاں مکمل ہوئیں۔ اُدھر مول شنکر کا بھی انتم نشچے گرہ تیاگ کا ہو گیا۔ اور وہ بائیس سال کی عمر میں ایک روز سرِ شام بلا اطلاع گھر سے چل نکلا۔ گویا آخری الوداع اپنے گھر اور وطن کو کر دی۔

۲ - تپسوی جیون

سوامی جی آگ تاپنے۔ ہاتھ سکھا دینے وغیرہ تپوں کا کھنڈن کرتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ پورشارتھ بنکر جو دھرم ہو۔ اُس کا پالن کرنا۔ اور جو بھی کشٹ اس عمل میں آویں اُن کا سہن کرنا ہی سچا تپ ہے۔ بھیان۔ آلس۔ پرماد آرام طلبی۔ عیاشی آدی سب کا تیاگ ان کے تپ میں شامل تھا۔ اور یہ اُنہوں نے اپنے جیون کے شروع سے اخیر تک اپنے سامنے نکھش رکھا۔ ستیہ ورت دیا اور یوگ کے لئے گھر سے نکلے تو ہر کہیں جسمانی آرام وغیرہ کا خیال چھوڑ بھٹکتے پھرے۔ جہاں کسی ودوان یا یوگی کا ذکر سُنا۔ فوراً

اور سچے پریم کی بھینٹا لئے پہنچے۔ برفانی پہاڑ رستے میں حائل ہوئے جہاں خون کی حرکت تک بند ہوتی ہے۔ اور خود عملاً ایسی مصیبت میں پھنسے۔ ایسے ایسے مقامات آگئے جہاں انسانی گذر مشکل ہے۔ کانٹے دار جھاڑیاں آئیں۔ پرخار درختوں کی شاخوں نے ایک دوسرے سے الجھ کر راستہ کو ناقابل گذر بنایا۔ اور انہیں رینگ رینگ کر چلنا پڑا۔ گوشت بچ گیا۔ خون نکل آیا۔ کپڑے پھٹ گئے۔ اسی طرح کہیں جنگلی ریچھ سے مقابلہ ہوا کہیں ہاتھی سے۔ سنسان بے راہ جنگل بیابان۔ یہ تن تنہا بے سامان۔ ننگے پاؤں۔ ننگے بدن۔ اندھیری رات۔ بھوکا پیٹ۔ کھانا پانی ندارد وغیرہ۔ غرض ایسے ایسے ڈراونے نظارے دیکھنے میں آئے۔ مگر اس اکھنڈ برہمچاری نے اپنی جگیاسا کی پورتی کے لئے جو بھی سنکلپ دھارن کیا۔ اُسے دردھتا سے پورا ہی کر کے چھوڑا۔ عام آدمی جن باتوں سے ہمت اور حوصلہ توڑ بیٹھیں۔ سوامی دیانند مہینوں اور برسوں لگاتار پوری جواں مردی سے اُن کو سہارتے گیا۔ سچے تپ کی ایسی مثال دُنیا کے اتہاس میں ملنی محال ہے۔

نہ صرف پہلے ایام میں یہ تپ سادھا۔ بعد میں ہمیشہ ہی سادگی پر کار بند رہے سالوں ہی ایک لنگوٹی میں گذار دیئے۔ اسی سے سنان کئے۔ اُسے ہی سوکھنے ڈال رہتے میں سمادھی لگائی۔ سردی اور گرمی بغیر کپڑوں کے باہر ہی کاٹی۔ یا شہروں میں مہمان ہوئے تو بھی کپڑا نہیں لیا۔ ضرورت بھی ہوئی۔ تو پیار اپنے اوپر ڈال لی۔ کھانے میں کہیں جنگلی بینگن سے گذارہ کر لیا۔ کہیں اور پھل سے۔ کپڑے پہننے کے لئے جب کلکتہ میں تحریک ہوئی۔ اور آپ نے اسے سویکار کیا تو بھی نیشن بالکل سادہ رکھا جو قیمتی چیز آئی۔ جس کے لائق دیکھی اُسے دے دی۔ خود کسی ترغیب میں دل سے کبھی قابو نہیں آئے۔ جب گرہستیوں میں کھانے کے لئے پربندھ ہوتا۔ تو بھی سادہ غذا کے لئے تاکید کرتے۔ ہر پرکار سے کشٹ عمر بھر سہا کئے۔ ضروریات و تعلقات کو کم رکھا۔ اور شادی شکنی کرتے دم تک دھرم رکھشا میں لگا۔ اس سے ا

کیسا ہوگا۔

۳۔ وام مارگ کتنا گھر کر چکا ہے

ٹیڑھی کا مقام سادھوؤں اور راج پنڈتوں سے پورن اور مشہور تھا۔ سوامی جی ستیہ ودیا کی تلاش میں وہاں بھی پہنچے۔ ایک دن ایک پنڈت نے آپ کو نمنترن دیا۔ وقت مقررہ پر آدمی بلانے آیا اور سوامی جی ایک برہمچاری سمیت وہاں پہنچے۔ لیکن انہیں تعجب ہوا۔ جب ایک پنڈت کو وہاں ماس کاٹتے اور بناتے دیکھا۔ اس پر اُن کو اتینت گھرنا ہوئی۔ مگر آگے جا کر کیا دیکھا۔ کہ بہت سے پنڈت ماس۔ ہڈیوں کے ڈھیر اور جانوروں کے بھنے ہوئے سروں پر کام کرتے ہیں۔ مالک مکان نے بڑی نمرتا سے کہا کہ بھیتر چلے آئیے۔ مگر سوامی جی یہ کہکر وہاں سے نکل آئے۔ کہ اپنا کام کرتے جائیے میرے لئے کشٹ نہ اٹھائیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پنڈت ڈیرے پر پہنچا اور نمنترن میں چلنے کو کہا۔ یہ بھی بتایا کہ ماس آدی اتم بھوجن کیول آپ کے ہی لئے بنائے گئے ہیں۔ سوامی جی بولے یہ سب برتھا اور نشپھل ہے۔ اس کا کھانا تو کیا مجھے تو دیکھنے سے ہی روگ ہو جاتا ہے۔ آپ ماس بھکشی ہیں۔ مگر میں پھل آہار کرتا ہوں۔ اس پر وہ لجت ہو کر چلا گیا۔

۴۔ کتابوں کو پھاڑ دریا میں پھینکا

سوامی جی نے کئی پستک پڑھے۔ جن میں ناڑی چکا شت اور ناڑی چکر یعنی انسانی رگوں کا علم مذکور تھا۔ اس میں بہت بڑے لمبے بیان تھے۔ اُن کا پڑھنا سمجھنا یاد کرنا مشکل تھا۔ ایسے لکھاریوں سے سوامی جی کو شک ہو گیا۔ کہ یہ صحیح بھی ہیں یا نہیں۔ انہیں نشچے کرنے کا خیال رہتا تھا۔ کہ ایک لاش انفاقاً انہیں دریا کے اوپر بہتی ہوئی مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے اسے تسلی کرنے کا عمدہ موقعہ سمجھا۔ کتابوں کو جو پاس تھیں نزدیک رکھا۔ کپڑوں کو اوپر اٹھا

دریا میں گھس گئے۔ اور جلدی ہی لاش کو پکڑ کر کنارے پر لے آئے جاقو سے آپ نے کالمون
کو اس میں سے نکالا۔ اور غور سے اس کا معائنہ کیا۔ اُدھر کتاب کو سامنے رکھا۔ اور اُس کے
بیان سے اس کا مقابلہ کیا۔ پھر سر اور گردن کے ایک حصے کو بھی کاٹ کر سامنے رکھا۔ مگر
مقابلہ سے معلوم ہوا کہ کتاب کا بیان اور لاش آپس میں بالکل مطابق نہیں۔ کتابوں کو پھاڑ
کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور لاش اور کتابوں کے ٹکڑوں کو دریا میں پھینک دیا۔

۵ منش کرت گرنتھ نہیں باچونگا

اُنتی کا زینہ گیان پر ہے۔ گیان کا آدھار وید ہے۔ وید کا مارگ دکھانے والے رشی کرت
گرنتھ ہیں۔ اور اس سے گمراہ کرنیوالے منش کرت جن میں ایتھارتھ باتیں ہیں۔ بھلے ان
میں کچھ ستیہ ہے۔ تو وہ زہریلی مٹھائی کی طرح قابل ترک ہے۔ سوامی ورجانند جی نے
اسی لئے اپنے شش دیانند کو وداع کرتے ہوئے منش کرت گرنتھوں سے خبردار کر
دیا تھا۔ اور اسی لئے انہوں نے ہمیشہ ہی ایسے گرنتھوں سے لوگوں کو بچایا۔ آگرہ میں
جب آپ کی ودیا کی شہرت ہوئی۔ تو ودوان ویدانتیوں نے پنچدشی کی کتھا باچنے کو نویدن
کیا۔ سوامی جی نے کہا میں ہر رشی کرت گرنتھ باچنے کو تیار رہوں۔ مگر منش کرت نہیں۔ اتر ملا
پنچدشی رشی کرت ہے جسے شنکر آچاریہ جی کے شش ودیا آرنیہ نے بنایا ہے۔ کتھا شروع
ہو گئی۔ مگر ایک جگہ ذکر آیا۔ کہ کبھی کبھی برہم کو بھی بھرم ہو جاتا ہے۔ وہیں ہری اوم تت ست
کہکر آپ نے پترے رکھدیے اور کہا۔ جسے بھرم ہو وہ ایشور کہاں رہا۔ گورو جی نے کہا
تھا ایشور نندا کرنے والا گرنتھ منش کرت سمجھو۔ اس کے بعد اصرار ہوا۔ مگر انہوں نے
اُسے ہاتھ نہ ہی لگایا۔

۶۔ سارا جگت میرا کنبہ ہے

سر ودیا کب یہ ماننا ہمارا اپنا ہے۔ جگت ہمارا گھر ہے۔ پرانی اتر ہمارا پریوار ہے

مگر افسوس ہماری الپ بدھی پر۔ جو ہمارے دل کو سنکیچت بنا رہی ہے۔ [illegible] ہم چاروں طرف
سے پریم ہٹا کر منشوں کو ہی اپنا جانتے ہیں۔ بدھی اور سکڑتی ہے۔ اور کہیں دیش
کہیں جاتی اور کہیں اپنے مذہب تک ہی ہمارا تعلق رہ جاتا ہے۔ اس سے بھی گرے
تو اپنا گھر اور پریوار ہی پیارا لگتا ہے۔ لیکن تنگ خیالی میں جب انتہائی ترقی ہوئی
تو کیول اپنے ہی شریر یا وشے سیون کی دھن لگی ہوئی ہے۔ دنیا پڑے جہنم میں۔ دوسرے
پرانی پڑے بلا سے جو مٹے ہیں۔ سکھ سمپت کا ناش ہو۔ لوگ آچار ہین ہوں۔ وید بانی چاہے ضائع
نہیں۔ ہمیں تو غرض اپنے مخصوصہ آرام سے ہے۔ آہ! اس شکھر سے انسان گہری کھائی
میں جا گرے۔ آج انسانیت کی اسی اونچی چوٹی پر کوئی پہنچا دکھائی دے۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا
ہے۔ مگر دھنیہ ہے رشی دیانند جس نے اس اسنبھو بات کو اپنے جیون میں سنبھو کر دکھایا ✦

سمت ۱۹۲۴ بکرمی کا کنبھ ہردوار میں ہو رہا ہے۔ لاکھوں سادھو اکٹھے ہو چکے ہیں جس
طرح برہمن کھشتری آدی ورنوں کی جاتیاں اور ان کی آگے اُپ چھوٹی جاتیاں بن گئی ہیں۔ اسی
طرح سنیاس منڈل بھی گری۔ پری۔ بھارتی آدی نام کے دس حصوں میں تقسیم ہو گیا
ہے۔ ہر منڈلی والے بڑے ٹھاٹھ سے ڈیرا جماتے ہیں۔ اپنے اپنے ڈیروں کی راجاؤں کی
طرح شان بناتے ہیں۔ بیساکھی کے دن گنگا سنان کے لئے ہر فرقہ کو آگے پہنچنے کی لگی ہے۔
شاہی جلوس نکل رہا ہے۔ سادھوؤں کی سج دھج دیکھ کر گرہستی بھی دنگ ہیں۔ کہاں تیاگ
کا آشرم اور کہاں یہ نمائش پر لٹو ہونا۔ سیٹھ ساہوکار ہزاروں روپیہ کے لنگر جاری
کراتے ہیں۔ سدا برت لگاتے ہیں۔ اور بھلے منگے نکمے بیٹھے مزے اڑاتے ہیں۔ یہ کام
ہے تو بھنگ یا چرس سے۔ اور اس پر طرفہ یہ کہ چرس کی لاٹیں نکال کر جب اسے راکھ کر دیتے
ہیں کہتے ہیں۔ چاندی بن گئی۔ دیش بھر سے بھگت جن پہنچے ہیں۔ اور میلہ کو دیکھ کر خوش
ہوتے اور سر کہیں بھینٹ نقد چڑھاوے چڑھاتے ہیں ✦

ایسا کوئی نظر نہیں آتا۔ جو اس نمائش کے گن اوگن پر وچار کرے۔ مگر سب کو چھوڑ
کر سپت سروت کو چلئے۔ وہ دیکھو ایک پتاکا "پاکھنڈ مردن" لگ رہی ہے یہاں

ایک آتما وچار ہین شگن ہے کہا اکیہا ادھوگتی کا دشیہ ہے۔ وہ تیاگ۔ اپکار۔ سادگی [illegible]
کہاں اور یہ سادھو کہاں۔ ہاتھی گھوڑے۔ رتھ پہری۔ زرد وزی جھولیں۔ مخملی تکیے۔ زربفت
کے گدیلے۔ سونے کے کنگن۔ چاندی کے اگالدان رکھے ہیں۔ مگر نام رکھا یا ہے اداسی
ویرلے سادھو۔ افسوس گرہستی اودیا ہیں بھٹکتے ہوئے ہر کہیں گھٹ رہے ہیں۔ راجا
لوگ ہیں۔ تو وہ بھی خوشامدیوں سے گھر رہے ہیں۔ اور دُنیا کو پاپ میں ڈوبا رہنے کے
لیئے روپیہ کی برشا کر رہے ہیں۔ ودوان ہیں تو ستیہ سے منہ موڑے ہیں۔ یدی کوئی
ستیہ کے لیئے جرأت کرے۔ تو اُس کے خلاف منصوبے بنا دیں۔ آج لاکھوں منش
تمام بھارت کے پرتی ندھی اکٹھے ہیں۔ مگر سب مردم پرستی اور بُت پرستی میں غرق
ہیں۔ کہاں آتم درشی یوگی اور رشی۔ بیاس اور کپل سے تتو ویتا۔ کہاں رام اور سیتا
سے سندھیا۔ پرانا یام کے کرنے والے اور کہاں یہ تما پُوجک۔ ایک دو ہوں تو سدھار
بھی ہو۔ مگر یہاں تو آکاش ہی پھٹ رہا ہے ٭

یہ خیالات اس دچترپُرش کے دل کو تیر کی طرح بیندھ رہے ہیں۔ اس پر یہ
چنتا اُٹھتی ہے۔ کہ ویدو دھرم لوپ ہو کر رشی سنتان آئے دن عیسائی اور مسلمان ہوتی
جاتی ہے۔ کتنے مت متانتر جاری ہیں۔ کس کس کا مقابلہ ہو۔ کئی دفعہ ایسے خیالات کمر
ہمت کو توڑتے ہیں۔ بولیاں جدا۔ رسم ورواج الگ۔ پُستکیں مختلف۔ منشوں میں نہ
شریر کا بل نہ آتما کا۔ نہ بدھی پوتر۔ نہ من اُجل۔ ایک روگ ہو تو اُپائے بھی سوچیں
مگر یہاں تو عقل حیران ہے۔ پھر دھرم پردھان دیش کی حالت یہ ہے تو باقی دُنیا
کا تو کہنا ہی کیا ٭

بار بار ایسے خیالات آتے ہیں۔ لیکن برہمچریہ کے بل اور تپ سے یہ آتما
بلوان ہو چکی ہے۔ اس لیئے اِن نراشا کے وچاروں کا اثر دیر پا نہیں ہوتا۔ آخر
دل سے آواز آتی ہے۔ کہ تو اوروں کی طرح غافل نہ بن۔ مرض معلوم ہونے پر علاج
نہ کرنا بڑا پاپ ہے۔ اُٹھ پرشارتھ کر۔ ہمت سے کام لے۔ سوتوں کو جگا۔ پرشارتھی

کی ہی ایشور سہایتا کرتا ہے۔ ہمت مرداں مددِ خدا۔ اس آواز کا سننا تھا۔ کہ "پر دیکار آپ سنام بھو تیا" کا سچا ارتھ ہردے کے سامنے پرگٹ ہوتا ہے۔ اور درڑھ سنکلپ ہوتا ہے۔ کہ جگت اُپکار میں سب کچھ سواہا کر دوں۔ چنانچہ بیاکھیان میں دکشنا کا ورنن کرتے ہوئے دل بھر آیا اور سبھا پتی پر سروم دی لوگ نم سواہا کہکر اپنا سب کچھ تیاگ دیا۔ پُستک برتن۔ پیتامبری دھوتیاں۔ ریشمی کپڑے۔ دوشالے۔ نقد روپیہ جو جس کے یوگ دیکھا۔ بانٹ دیا۔ کیلاش پربت بولے یہ کیا؟ جواب ملا۔ جب تک ضرورہات کم نہ کروں۔ آزاد نہیں ہو سکتا۔ میں ستیہ کہنا چاہتا ہوں اور وہ بندھنوں سے رہتے ہوئے بنا ہو نہیں سکتا +

پاٹھک گن! یہ سروسو تیاگ کرنے والا شوبیر رشی دیا نند تھا۔ جس نے اس کال میں اپنے آچرن سے سدھ کیا کہ سارا جگت میرا کٹمب ہے +

۷۔ سوارتھی بھگوے پوشوں سے بچو

راون نے سادھو کے بھیس میں سیتا کو ہرا۔ ایسے ہی بھیش دھاری مختلف طریق سے بڑے بڑے تجربہ کار لوگوں تک کو ٹھگ رہے ہیں۔ اس اوستھا میں مول شنکر سا سرل ہردے کب بچ سکتا تھا۔ وہ گھر سے نکل کر اپنی دُھن میں بھٹکتا پھرتا تھا کہ ایک بھیکھ منگوں کا ٹولہ اُسے مل گیا۔ جن میں سے ایک بیراگی نے ایک مورتی جما رکھی تھی۔ مول شنکر کے ہاتھ میں انگوٹھی دیکھکر میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا۔ اور جب اُس کے گھر بار تیاگنے کا ذکر سُنا سمجھا کہ بس اب دال گلی۔ چڑا کر اُسے کہا +

"ارے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھیاں ڈال کر ویراگ کی سدھی کیسے کریگا"

سادہ لوح نوجوان نے تینوں انگوٹھیاں اور روپے مورتی کے سمرپن کر دیئے۔ جھوٹے ویراگی اور سنیاسی فی الحقیقت اسی شعر کے مصداق ہیں ۵

ترکِ دُنیا بہ مردم آموزند　　خویشتن سیم و غلہ اندوزند

۸ - اِن سب کو گنگا میں بہا دے

مرزا پور میں راجناتھ ستری سوامی جی کے پاس پٹھن پاٹھن کے لئے بھیرا۔ بھوجن بناتا۔ اور پڑھائی بھی کرتا تھا۔ ایک دن صبح سوامی جی آئے تو کیا دیکھا کہ وہ آدتیہ ہردے کا پاٹھ کرتا ہے۔ سوامی جی آئے اور اس کی سب پستکیں اٹھا لے گئے اندر جال۔ آدتیہ ہردے۔ سورج استوارج آدمی۔ سوامی جی نے پوچھا آدتیہ کے ہردہ کا پاٹھ کتنی بار کرتے ہو؟ بولا آپ کے پاس آنے سے پہلے ۱۲ پاٹھ روز کرتا تھا مگر اب تو چھپ چھپا کر ایک آدھ کر لیتا ہوں۔ سوال ہوا ان اندر جال وغیرہ سب کو مانتے ہو۔ کہنے لگا۔ جانچ نہیں کی۔ مگر نشچے ہے۔ کہ آپ کے ہاں رہنے سے بھید مل جاویگا۔ سوامی جی نے فرمایا۔ ان سب کو گنگا میں بہا دو۔ اور اُٹھ کھڑا ہو۔ ورنہ اپنے گھر چلا جا۔ راج ناتھ نے فوراً ہی ان کو گنگا میں پھینک دیا۔ اور اشٹادھیائی آدی پڑھنے لگا +

۹ - اِس وچار میں بھوجن کا خیال نہیں آیا

سوامی جی براری کے پکے گھاٹ پر آ گئے۔ تو بابو نندن ادھجا ملے جنہوں نے آپ کی باتوں سے بہت اثر حاصل کیا۔ اُنہوں نے شام کو بھوجن کے لئے پوچھا تو آپ نے نہیں مانا۔ کہ رات زیادہ ہو گئی ہے۔ اور دوسرے ہم جنگلی بینگن کھا کر گذارہ کر لیتے ہیں۔ صبح آئے تو معلوم ہوا کہ سوامی جی تو آدھی رات کو ہی چلے گئے۔ مگر سوامی جی جو یوگ ابھیاس کرنے گئے تھے۔ اُسی وقت آ پہنچے۔ پھر ادھجا نے بھوجن کے لئے کہا۔ تب اس کے سندھیا گایتری جاننے کی تسلی کر کے سویکار کیا۔ شام کو وہ پریتی سے بھوجن بنوا کر لایا۔ مگر سوامی جی کو غیر حاضر پایا۔ جب بعد انتظار کے بھی نہ آئے تو پجاری کے کہنے سے بھوجن وہیں رکھکر خود گھر چلا آیا۔ اور صبح مندر میں

پہنچا۔ دیکھا تو بھوجن وہیں پڑا تھا۔ اوپر کیڑیاں چڑھ رہی تھیں۔ پوجاری نے کہا سوامی تو رات بھر نہیں آئے۔ تھوڑی دیر بعد سوامی جی آئے " تو اوجھا نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ مہاراج آپ نے بھوجن نہیں پایا۔ کیا مجھ سے کچھ اپرادھ ہوا ہے۔ سوامی جی ہنس کر بولے "بھائی آج کوئی پرب تھا۔ اس لئے گنگا کے اس پار بھاری میلہ تھا کئی لوگ اپنی کنیا ئیں سنکلپ کر برہمنوں کو دیتے تھے۔ ایسے اگیان سے سنسار میں بھیچار اور دکھ پھیل رہا ہے۔ اسی وچار میں مجھے بھوجن کرنے کا خیال نہیں آیا" یہ جواب سنکر بابو کے نیتروں سے آنسو نکل پڑے ۔

۱۰۔ مجھے اس لفظ سے گوروپن کی بُو آتی ہے

لاہور میں ایک روز بابو سار دا پرشاد نے سماج کے ممبروں سے صلاح کر کے تجویز پیش کی۔ کہ سوامی جی کو کوئی خاص خطاب مثل مربیؔ یا ہادی کا دیا جاوے سب لوگوں نے اسے منظور کیا۔ مگر سوامی جی ہنس کر بولے کہ مجھے اس لفظ سے گوروپن کی بُو آتی ہے۔ اور میرا مشن گوروپن آدی پنتھوں کے توڑنے کا ہے۔ نہ کہ خود گورو بن کر ایک نیا پنتھ قائم کرنے کا۔ اور کہا کہ اگر اس قسم کی پدوی سے کل کو میرا ہی دماغ پھر جائے یا میں نیچ رہا۔ تو میرا کوئی جانشین ہی کچھ کرنے لگے۔ تو پھر تم لوگوں کو بڑی دقت پیش آوے گی۔ اور وہی خرابی پیدا ہوگی۔ جو دوسرے نوین پنتھوں کو پیش آئی ہے۔ اس لئے ایسی کوئی تجویز ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ بابو جی نے کہا اور نہیں تو ہم آپ کو اس سماج کا پرم سہائک کہیں گے۔ سوامی جی نے کہا کہ مجھے پرم سہائک کہو گے۔ تو اس جگدیش جگت گورو۔ پرم سہائی کو کیا کہو گے۔ آخر یہ کہا کہ میرا نام سہائیکوں میں داخل کر لو۔ جیسے اور لوگ سہائیک ہیں۔ میں بھی ایک سہائیک ہوں ۔

۱۱۔ میرا کوئی سمارک چنہہ نہ بنانا

ایک دن کویراج شیام داس جی نے عرض کی۔ کہ سوامی جی آپ کا سمارک چنہہ بنانا چاہیئے۔ سوامی جی نے کہا نہیں۔ بلکہ میری بھسمی کو بھی کسی کھیت میں ڈال دینا۔ کام آئیگی۔ کوئی سمارک نہ بنوانا۔ ایسا نہ ہو کہ مورتی پوجا ہو جاوے۔ کویراج جی اپنا سٹیچو بنوانا چاہتے تھے۔ مگر سوامی جی نے فرمایا کویراج جی ایسا نہ کرنا۔ مورتی پوجا کی بنیاد یہی ہے۔

۱۲۔ لاکھوں کے ایمان میرے متعلق ہیں

سوامی جی جب اودے پور راج میں تھے۔ ایک دن رانا صاحب نے انہیں اکیلا پاکر نہایت منت سماجت سے پرارتھنا کی۔ کہ آپ راج نیتی کے خلاف مورتی پوجا کا کھنڈن نہ کریں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں۔ کہ یہ ریاست ایک لنگ ایشر مہا دیو کے ماتحت ہے۔ آپ وہاں کے مہنت بن جاویں۔ پس کئی لاکھ پر آپ کا قبضہ ہوگا۔ اور یہ ریاست بھی مذہبی طور پر ایک گونہ اس مندر کے ماتحت ہوگی۔ یہ ذکر مہا رانا نے اس عمدگی سے کیا۔ کہ کوئی بناوٹ اُن کی معلوم نہ ہوتی تھی۔ یہ سُنتے ہی سوامی جی نے کرودھی ہو کر فرمایا۔ کہ تم مجھے تچھ لالچ دے کر ایک بڑے زبردست ایشور کی آگیا تڑوانی چاہتے ہو۔ یہ چھوٹی سی ریاست اور اس کے مندر کہ جس سے میں ایک دوڑ سے باہر جا سکتا ہوں۔ مجھے کبھی بھی وید اور ایشور کی آگیا توڑنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ پس زبان کو سنبھال لیں۔ لاکھوں کے ایمان میرے متعلق ہیں۔ مجھے ہر طرح پر خیال ہے کہ سنئیہ سے کام کروں۔ مہاراج ان کے دھارمک بھاو سے چکت ہوئے اور عرض کی کہ میں نے یہ سب کچھ آزمائش کے لئے کہا تھا۔ اب مجھے پہلے سے زیادہ نشچے ہو گیا کہ وید آگیا پالن میں آپ کیسے درڑھ ہیں۔

۱۳ - دُنیاوی دھندوں سے آزاد

سوامی جی کو چند زمیندار رستے میں سلے - اور مقدمہ کی بابت کچھ کہا - مہارانا اودے پور ۵۰ قدم کے فاصلے پر کھڑے سوامی جی کی طرف دیکھ رہے تھے - سوامی جی نے کچھ کہا اور وہ چلے گئے - رانا صاحب نے اپنے ایک مصاحب کو دوڑایا کہ مقدمہ والوں سے جاکر پوچھو کہ اُنہوں نے کیا کہا اور سوامی جی نے کیا جواب دیا - وہ مصاحب دوسرے رستے سے اُنہیں جا ملے - جس سے اُنہیں معلوم نہ ہوا کہ دربار سے آتے ہیں - مصاحب کے سوال پر اُنہوں نے بتایا کہ ہم نے راج سبھا میں اپیل کی تھی - اُسی کی بابت سوامی جی سے کہا تھا - تب اُس نے پوچھا کہ سوامی جی نے کیا کہا - جواب ملا کہ ہم سادھو ہیں - ہمیں دُنیاوی راجوں کے کام سے کوئی کام نہیں ◆

یہ بات جب رانا صاحب کو سنائی گئی - تو وہ بولے میں نے کیا کہا تھا - بھلا ایسا آزاد آدمی آپ نے کوئی دیکھا ؟

۱۴ - غلط خبر چھاپنے پر فہمائش

سوامی جی کے ایک بڑے لائق اور سرّدھالو بھگت گوپال راؤ ہری نے دیانند دگوجے میں ایک سکھ چھپوایا جس کی غلطی ایک سادھو نے سوامی جی کو لکھی - گوپال راؤ جی نے لکھا تھا - کہ چتوڑ گڑھ میں مہارانا اودے پور دو بار دن میں سوامی جی کو ملتے رہے - جو خلاف واقعہ تھا - جب اس سادھو نے پتر لکھا - تو سوامی جی نے فوراً گوپال راؤ جی کو صاف صاف لکھا کہ سادھو کا کہنا ستیہ ہے - افسوس آپ نے سُن سُنا کر استیہ لکھدیا - اس استھان میں مہارانا مجھے صرف تین ہی بار ملے تھے - آپ کا بھاؤ شُدھ ہے - آپ ستیہ سے پیار کرتے ہیں - اور اسی ہت چیت سے اُپکارک کام کر رہے ہیں - لیکن جس بات کا ٹھیک ٹھیک علم نہ ہو - اُس کے لکھنے کا کبھی ساہس

مت کرو۔ تھوڑا سا بھی استیہ ہو جائے۔ تو سمپورن نردوش کرت بگڑ جاتا ہے "
یہ خط پا کر گوپال راؤ جی نے اپنی غلطی کو بڑی کشادہ دلی سے سوئیکار کیا۔ اور چونکہ سوامی جی نے سادھو مذکور کا خط بھی بھیج دیا تھا۔ اس لئے گوپال جی نے انہیں اتر دیا جس میں غلطی پکڑنے کے لئے ان کا بہت ہی دھنیواد کیا۔ اور لکھا کہ "میں نے اوورسے پورکے کئی اچھے بھدر پرشوں کو لیکھ دکھلایا تھا۔ کہ جو اشدھ ہو بتا دیویں مگر کسی نے پتہ نہ دیا۔ آپ نے بڑی ہی کرپا کی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی نویدن کیا۔ کہ آپ سوامی جی کو کشٹ نہ دیتے۔ تو اچھا ہوتا اور یہ کہ آپ نے جو ستھالی پلاک نیائے سے ایک استیہ ہونے پر سارے لیکھ کو استیہ سمجھنے کا ذکر کیا۔ یہ آریوں کے نزدیک ٹھیک نہیں۔ کیا روپیوں کی تھیلی میں سے ایک روپیہ کھوٹا نکلنے پر ساری تھیلی کے روپے کھوٹے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ پس ستیہ کو ستیہ اور استیہ کو استیہ کہنا چاہیئے "۔

یہ خط و کتابت نہایت دلچسپ ہوئی اور جہاں گوپال جی کی اُدارتا اور لیاقت معلوم ہوتی ہے۔ وہاں سوامی جی کا غلطی کی اصلاح و اقبال کا زبردست جذبہ ظاہر ہے۔

۱۵۔ آریہ سماج سے خارج کئے گئے

منشی اندرمن مرادآبادی مسلمانوں کے جواب میں پستک لکھتے تھے۔ سوامی جی کے اُپدیش سے وہ آریہ بن گئے۔ یہاں تک کہ مرادآباد آریہ سماج کے پردھان بنے۔ کئی مباحثوں میں سوامی جی کے ساتھ گئے۔ ان پر مسلمانوں نے مقدمہ کیا۔ جس پر سوامی جی اور آریوں نے پبلک اپیل اُن کی سہائتا کے لئے کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روپیہ آنے لگا۔ لیکن سوامی جی پبلک کا روپیہ جائز اور باطریق استعمال ہونا لازمی جانتے تھے۔ اس لئے ایک کمیٹی بنی۔ اس کا فرض تھا۔ کہ حساب کتاب باقاعدہ

رکھے۔ منشی جی پر بعد مقدمہ جرمانہ ہوا تو اپیلیں کرکے وہ بھی آخر قطعاً معاف ہوا مگر انسان کی نیت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ روپیہ آتا دیکھکر منشی جی چاہنے لگے۔ کہ جب میرے سے لئے اور میرا نام لیکر دھن لیا جاتا ہے۔ تو اوروں کا کیا تعلق۔ جو روپیہ اُن کے پاس براہ وراست آیا۔ اس کا حساب بھی اُنہوں نے نہ دیا۔ اور نہ نادہندگی کے مطالبات سے بھی پرہیز کیا۔ کمیٹی والوں نے اسے بُرا منایا اور سوامی جی بھی بار بار سمجھایا۔ مگر انہیں کچھ خیال نہ آیا۔ ہاں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق کمیٹی اور سوامی جی کے خلاف کہنے اور لکھنے لگے۔ مگر حالات ظاہر ہوئے تو آپ کو سخت نادم ہونا پڑا۔ کمیٹی کی رپورٹ اور حساب کتاب نے معاملہ صاف کردیا۔ بعد اخراجات جو روپیہ بچا۔ وہ دانیوں کو بحصہ رسدی بانٹ دیا گیا اور چونکہ منشی صاحب طمع کے شکار ہو چکے تھے۔ اور اُن ظالم پیٹ حد سے بڑھ چکا تھا۔ اس لئے مراد آباد سماج نے سوامی جی کی آگیا لے کر اُن کو معہ اُن کے ایک ساتھی جگن ناتھ جی کے سماج سے خارج کردیا اور تمام سماجوں کو اطلاع دی۔ چونکہ سماجی لوگ لالچی سپرٹ اور بے قاعدہ کام کے خلاف تھے۔ اور ایسے پُرشوں کے سماج کے ادھیکاری بننے یا سبھاسد رہنے سے سماج کے گورو کا ناش سمجھتے تھے۔ اس لئے اُن کے خارج ہونے کی اطلاع پر مراد آباد سماج کی بہادری کی بڑی تعریف ہوئی اور سوامی جی نے بھی شکرنا دی۔ کہ طاقت اور ہمت ایسے ہی موقعہ پر دیکھی جاتی ہے۔ کہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا۔ اس کے الوچت بیوہار پر بیقایو گیہ ڈنڈ دیا جاوے*

۱۶۔ تھیوسافیکل سوسائٹی سے تعلق قطع کردیا

امریکہ سے کرنیل الکاٹ اور میڈم بلیوٹسکی نے بڑی شردھا اور پریم کے خطوط بھیجے۔ وید کو دھرم کا مول جتایا۔ سوامی جی کو اپنا ادھانی گورو لکھا اور بہت طویل تحریرون میں اچھا پرگٹ کی کہ ہم آپ کے چرنوں میں بیٹھکر سکھشا لینا چاہتے ہیں

سوامی جی ان کو مفصّل جواب لکھتے رہے اور بڑا اچھا ہوا۔ کہ اتنی مدت کے لوگ کس طرح آپ ہی سمجھے آ رہے ہیں۔ بحقیقت تھیوسافیکل سوسائٹی اور آریہ سماج ایک ہی سمجھی گئیں آخر کرنیل اور میڈم صاحب بھارت ورش میں پدھارے۔ سماجوں نے ان کا اچھی طرح سواگت کیا۔ سوامی جی کا ان سے بارہا میل ہوا اور کام بہت زور شور سے ہوتا رہا۔ لیکن بھارت کے پریم اور شردھا بھرے سلوک سے اُن کے بھی طور پھر گئے اور وہ جو شاگرد بننے آئے تھے۔ اب گورو بن کی بو دماغ میں بھرنے لگے۔ شہرت کو ہضم نہ کر سکے۔ آخر عزت اور شہرت کی ترغیب سے بچکر اپنی اصلی ہستی کو خیال میں رکھنا۔ ہر ایک کا کام نہیں۔ سچے تپسوی ہی ہرش شوک تیاگ کر اپنے مشن میں دڑھ رہ سکتے ہیں۔ خیر میرٹھ میں ایک بار ان کی گفتگو سے سوامی جی کو معلوم ہوا کہ وہ بعض باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک ودیموں اور ایشور وشے میں ردو بدل ہونا رہا۔ سوامی جی نے کہا کہ آپ کو بخوبی سوچ سمجھ کر نرنے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ان سوالات کے تسلی بخش جواب دیئے۔ مگر ایشور وشے پر انہوں نے باوجود اصرار کے بات نہ کی۔ سوامی جی نے بار بار اس بات پر زور دیا۔ وہ کہتے رہتے کہ جلدی ہی کیا ہے کبھی بات کر لیں گے۔ آخر بمبئی میں سوامی جی نے اچھی طرح واضح کیا کہ ہمارے بیچ میں ایشور کے وشے میں ایک خیال ہونا ضروری ہے۔ پھر پیغام بھیجا۔ کہ اگر جلدی بچار کر کے اختلاف دور نہ ہو۔ تو ہماری سنرتا مشکل سے رہ سکیگی۔ کیونکہ میں ناستکوں کے کھنڈن میں سستی کرنے کو گناہ سمجھتا ہوں۔ جواب ملا کہ کرنیل صاحب باہر چلے گئے اور میڈم صاحب کو فرصت نہیں۔

غرضیکہ نرنے کرنے کو آئے نہیں۔ ہاں اُن کی تحریر و تقریر کی رپورٹ ظاہر کرتی تھی۔ کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہم بھارت کو جدھر چاہیں گے۔ چلا لیں گے۔ اُنہیں بھول گیا کہ ہماری عزت کی تہ میں صرف رشی کی شخصیت کام کرتی ہے۔ خیر سوامی جی نے میڈم صاحبہ کو خط لکھکر الٹی میٹم دے دیا۔ کہ اگر آپ یا کرنیل صاحب یا آپ دونوں آکر

تین چار روز میں اپنے وعدے کے مطابق وچار نہ کر سکے۔ تو میں ۲۸ مارچ ۱۸۸۲ء کو آپ کے خلاف لیکچر دے دونگا۔ چنانچہ جواب نہ آنے پر آپ نے اس دن لیکچر دیا۔ اور تھیوسافیکل سوسائٹی کی خط وکتابت وغیرہ سناکر واضح کیا کہ وہ درحقیقت آریہ نہیں ہیں۔ اُن سے تعلق جاری نہیں رہ سکتا۔ یہی اطلاع سماجوں کو دے دی اور لیکچر جس میں کل حال سلسلہ وار لکھا تھا۔ چھپوا دیا۔ اس کے بعد تھیوسافسٹوں کی مختلف جگہوں میں جو بھرم جال پھیلانے والی کارروائیاں ظاہر ہوئیں۔ کہیں مسمریزم کہیں بھوت وِدّیا۔ کہیں نمائشی یوگ کا چرچا کیا تو معلوم ہوا کہ سوامی جی کی پوزیشن اُن سے قطع تعلق کرنے میں معقول تھی ٭

مخالفت وموافقت اصول کے لحاظ سے ہونی چاہئے۔ نہ کہ ذاتیات سے جیسا کہ سوامی جی نے جب کرنیل الکاٹ اور میڈم بلیوٹسکی کو عملی طور پر ویدک دھرم کا پیرو سمجھا تو دلی تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ لیکن برعکس معلوم ہوا تو فوراً قطع تعلق کیا۔ آپ کا کل رویہ ایسا دھرم سنگت تھا۔ کہ تھیوسافی والے کوئی بھی اعتراض اُن کی شخصیت پر نہ کر سکے۔ اعتراض تو کیا۔ جب کمینہ مخالفوں نے اس موقعہ سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہا۔ تو کرنیل صاحب نے لکھا۔ کہ ہم سوامی جی کے مخالفوں کو مطلع کرتے ہیں۔ کہ تھیوسافسٹ میں کوئی تحریر سوامی جی یا آریہ سماج کے خلاف نہیں چھپی جو بلا سوچے سمجھے لکھی ہو۔ ہمارے اور اُن کے درمیان تفرقہ ہونا کوئی وجہ اس بات کی نہیں کہ ہم ذاتی حملوں کو اخبار میں چھاپیں ...... اگرچہ ہم کو سخت رنج ہے کہ ایسا بڑا آدمی ہماری نسبت غلط فہمی میں پڑکر ہم سے بیزار ہو جائے۔ مگر کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کرسکتا۔ کہ وہ آرین کلچر کا ایک لائق شخص پی ایچ ہے اور اپنے ملک کا جاں نثار خیرخواہ۔ اُس کے لئے ہمارے تعلق کی پرواہ کرنی ضروری نہیں ہے۔ جتنی کہ انڈیا کی خیرخواہی کی ٭

۱۷- اپنے قاتل کی بھی جان بچا گئے

سوامی جی پر قاتلانہ حملے بارہا ہوئے جن میں مخالف بالکل ناکام رہے تاہم جودھپور کے سازشی جنھوں نے نہیں ٹولا اُن کے اولیہ شاریرک جیون کا خاتمہ کر دیا۔ یہ واقعہ مفصل اور جگہ لکھا ہے۔ لیکن رشی دیانند کے تیاگ کا ذکر کرتے ہوئے یہاں اس کا ایک پہلو بیان کرنا ضروری ہے سچائی کس طرح ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ وہ اس زہر دینے والے مہاشے کے اپنے بیان سے بھلی پرکار ودت ہو گئی۔ یہ مہاشہ جگن ناتھ پاچک تھے۔ انہوں نے بمبئی کے ایک شخص صاحب سے ذکر کیا کہ میں نے سوامی جی کو زہر دیا تھا۔ آہ! میں پاپی ہتیارا۔ نیش دھرم کا شنسر ہونا۔ یہ کہکر وہ بڑا رویا۔ اور بتایا کہ زہر ملنے پر سوامی جی جلدی معلوم کر گئے تھے کہ جگن ناتھ نے زہر دیا ہے۔ مگر کہا صرف اتنا کہ میرے اس سمے مرنے سے میرا کام بالکل ادھورا رہ گیا۔ اور پھر مجھے پریرنا کی۔ کہ تو یہاں سے نیپال آدی کو چلا جا تا کہ مفسدہ سے بچ جاوے۔ میرا تو جو ہوگا دیکھا جاویگا۔ لیکن تو اپنی جان بچا!! میں نے کہا بھاگ کر کہاں جاؤں پلّے تو کچھ ہے نہیں جو کرم گنی تب سوامی جی نے مجھے کچھ روپیہ دیا۔ میں جودھپور سے بھاگا۔ پندرہ سال نیپال میں رہا۔ پھر کئی سال نام اور بھیس بدل کر بھارت ورش میں ادھر اُدھر گھوما اور برہمن بھکشو بن کر گذارہ کرتا رہا۔ ہائے! آکیا تھا میں کیا کر گذرا۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کتنی ہانی پہنچائی۔

شکشا ۱- انسان کو اپنی زندگی کا مشن نشچت کرنا چاہئے۔ جگت کا اپکار اس کا نام رکھیں یا اپنا سُدھار۔ دونوں ایک ہی مطلب رکھتے ہیں ہماری سچی اُنتی جگت کی ہی اُنتی میں ہے۔ خام خیال ہیں وہ جو سوارتھ کے بھاو سے اپنے جیون کا ناش کر رہے ہیں۔ اور جگت میں دُکھ بڑھا رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انسان اعلیٰ ترقی اپنی یا اپنے ہمجنسوں کی نہ کر سکے۔ مگر اپنی یوگیتا انوسار قدم بہتری کی طرف

اٹھانا ہمیشہ لکش رہنا ہنا شت ضروری ہے۔ اسی سے آگے قابلیت بڑھ کر ترقی کے شکھر پر پہنچایا جا سکتا ہے۔ روحانی رہنمائی ایک آدمی نہیں کر سکتا۔ تو بھی کسی بیمار زخمی دل کے لئے مرہم رپھاہے کا کام دے سکتا ہے۔ کسی کی بھنور بیچ پھنسی کشتی کو چپو لگا سکتا ہے کوئی انسان ایسا نہیں جو کچھ نہ کچھ نیکی کا کام نہ کر سکتا ہو اور آشند بڑے مہاں کاریہ کے یوگیہ نہ ہو سکتا ہو۔

تو خودی سے کام مت رکھ۔ خود غرض عمر بھر نہ بن
زندگی کر وقف اوروں کے لئے اے بے خبر

تو جو آیا ہے یہاں تو ہے تیرا فرض اہم
کام تو اوروں کے آئے زندگی بھر عمر بھر

فیض پہنچاتا ہے جو اوروں کو خوش ہے وہ سدا
فیض پہنچا جس سے دنیا میں ہے خوش وہ ہی بشر

چاند۔ سورج۔ ابر و باد۔ اشجار۔ دریا سب کے سب
کہہ رہے ہیں تجھ سے کیا سن کان اپنے کھول کر

زندگی اس کی ہے۔ جو جیتا ہے اوروں کے لئے
اس کا جینا ہیچ ہے جو جیتا ہے اپنے لئے

۲۔ جو نیک مشن انسان اپنے لئے نشچت کرے۔ اس میں کامیابی کا راز اپنی ساری آتم شکتیوں کو اس پر لگا دینا ہے۔ اس یکجہتی سے ناقابلیت کی کمی بھی دور ہو جاتی ہے۔ ورنہ ادھورے کام کبھی درست نہیں ہوتے ہیں۔ دبدا میں دونوں گئے مایا ملی نہ رام والی مثال آخر صادق آتی ہے۔

لکڑی اپنے آپ کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ تبھی گرمی اور روشنی دے سکتی ہے سونا تپایا اور کوٹا جا کر ہی کندن ہوتا ہے۔ چندن گھسا جانے سے ہی خوشبو دیتا ہے بیج اپنا آپ گلا کر ہی پھل بنتا ہے۔ آتما پر کرتی کے سارے سنبندھ چھوڑ کر اندھیرے سے نور

سنکاروں سے جُدا ہو کر ہی ایشور درشن سے آنند لابھ کر سکتا ہے۔ پس نتیجہ ہے کہ نیک مشن پر جان و مال کی بازی لگا دو۔ ورنہ ؎

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دُوں ۔

این خیال است و محال است و جنوں

۳۴۔ ان گھٹناؤں سے یہ بھی سبق ملتا ہے۔ کہ انسان کے لئے سچّا تیاگ کیا ہے۔ لوگ ذرا سا نند اکرتے ہیں۔ تو انسان آریہ سماج کو چھوڑ دیتے ہیں۔ خیال آجاوے۔ کہ اس شخص کے ساتھ چلنے سے یا پھرنے سے فلاں شخص ناراض ہوگا یا فلاں نقصان ہوگا۔ جھٹ اُس سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ خواہ وہ کتنا سچّا اور دھرماتما ہو۔ ذرا سی ترغیب پر سچ چھوڑا جاتا ہے۔ رشوت لے کر اپنی ایمان داری پر داغ لگایا جاتا ہے۔ کسی بڑے کے کہنے پر شراب پینے سے انکار نہیں ہو سکتا اور پرہیزگاری کو تیاگا جاتا ہے۔ کہاں اقرار اور کہاں انکار کرنا ہے۔ اس پر عملاً توجہ مشکل ہے۔ لیکن یہ کمزور آدمیوں کا کام ہے۔ بچّہ بھی بہادری کرے۔ تو ترغیب کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ خیال کرو اُس لڑکے کا۔ جس کا ذکر کئی پستکوں میں آتا ہے کہ وہ فوج میں نوکر ہے۔ چھوٹا افسر اُسے شراب کے لئے کہتا ہے۔ بڑا افسر دھمکاتا ہے اُسے سنایا جاتا ہے۔ کہ حکم عدولی۔ بن آئی موت مرنا ہے۔ لیکن کس درڑھتا سے جواب دیئے جاتا ہے کہ نہیں۔ میرا پرن ہے۔ اسے کبھی نہ پیونگا۔ اس برت دھاری کے سامنے آخر افسر بھی سر جھکاتے ہیں اور اُسے پیار و عزّت اور ترقی کا سلسلہ ملتا ہے +

حقیقت رائے نے کیا شہرت پائی۔ محض اس لئے کہ اُسے موت کی دھمکی ملتی ہے۔ ماں باپ کمبندھی ترغیب دیتے ہیں۔ لیکن وہ یہی کہتا ہے۔ کہ مسلمان نہیں ہونگا +

آہ اِس "نہیں" اور "ہاں" کا استعمال ہی موقعہ مناسب پر کرنا آجاوے۔ تو

انسانی حالات اس گری ہوئی اوستھا سے اور کے اور ہو جاویں ۔

رشی کا جیون جتاتا ہے۔ کہ تمہارے نیک مشن میں اگر گھر بار بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ اگر تمہارا آرزو یہ تم سے تمہارے شریر تک کا تقاضا کرتا ہے۔ تو اس سے بھی سنبندھ چھوڑ دو۔ اگر تمہارا پیارا مترا اور ساتھی دھرم سے ہٹتا ہوتا ہے۔ تو فوراً قطع تعلق کر لو۔ بھوجن میں مانس آدی کا سنبندھ ہے ستو بھوکا رہنا گوارا کر لو۔ لیکن تک میں استہہ لکھا ہے تو اسے زہریلی سوئی کی طرح تیاگ دو۔ اچھے گنوں اور ودیا آدی کے لئے آلس اور آرام طلبی سے بچو۔ دھرم اور ایشور آگیا کے مقابلہ میں اپنی شخصیت کو تچھ سمجھو۔ چکرورتی راجیہ کبھی کیوں نہ ملے۔ آتمک آنند میں گھمنڈ آتا ہو تو سچی شور بیرتا سے اس پر لات مار دو۔ اور سب سے بڑھکر جگت سے مِتری اور بھراترتی بھاو میں بادھا پڑتا دکھائی دے۔ تو اہنسا دھرم کے اُچ آدرش کا پالن کرتے ہوئے اپنے قاتل تک سے بھی بدلہ اور کینہ پروری کا خیال تک چھوڑ دو ۔

میں یہ کہتا ہوں کہ تم گردن نہ کاٹو اور کی

یہ نہیں کہتا کہ خود گردن کشتا نہ چھوڑ دو

⁂

چوتھا سرگ

برہم چریہ

بزرگوں نے ایک درشٹانت دیا ہے کہ ایک نگری ہے۔ اس کی رکھشا کے لئے راجا ہے۔ یدی راجہ نہ ہو تو جان و مال کا ہر طرح کا خطرہ ہے اور کوئی کام اطمینان سے نہ ہو سکے۔ لیکن راجہ بھی بے انصافی اور ظلم کر سکتا ہے۔ اگر لائق منتری اس کے صلاح کار ہوں۔ اور وزیروں کا وجود بھی مفید نہیں ہو سکتا یدی دیوانی اور فوجداری کے محکمہ اور فوج اور پولیس موجود نہ ہو۔ یہ سب کچھ عمدہ انتظام کے لئے ضروری ہے۔ لیکن سب سے ضروری چیز راج کے لئے خزانہ ہے۔ کیونکہ وزیر اور سپاہی تمام تنخواہ کے لئے کام کرتے ہیں۔ خزانہ بھرپور ہو تو تنخواہ معقول اور وقت پر ملتی ہے۔ ملازم اپنا اپنا کام تندہی سے کرتے ہیں۔ کہ عمدہ کام پر انعام ملتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام اہلکار اپنے فرض پر جان تک دینے کو طیار ہوتے ہیں۔ رعیت خوش رہتی ہے۔ راج مضبوط ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا راجہ بھی حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کرتا ہے تو منہ کی کھاتا ہے۔ برخلاف اس کے راجہ خزانہ کو برباد کر دیوے۔ تو نہ تنخواہ پوری ملتی ہے۔ نہ وقت پر۔ اہلکاروں میں بے اطمینانی پھیلتی ہے۔ ٹیکس بڑھتے ہیں۔ اور رعیت پریشان خاطر ہوتی ہے۔ اس حالت میں چھوٹے سے چھوٹا دشمن چڑھائی کر دے تو اپنی رعیت اور اہلکار دشمن سے جا ملتے ہیں۔ اور راج برباد ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شریر نگری ہے۔ من راجہ۔ گیان اندریاں وزیر۔ کرم اندریاں اور تمام ناڑی نس

رگ پٹھے آدمی دیگر مختلف محکمے۔ ہر انگ ضروری ہے۔ مگر جیسے خزانہ سب سے ضروری
ہے۔ ویسے منش شریر میں ویریہ ہے۔ جو پُرش اس کی رکھشا کرتے ہیں۔ اُن کے سارے
انگ مضبوط اور طاقتور ہوتے ہیں۔ ویریہ رکھشا سے آنکھوں میں تیج۔ چہرہ پر سُرخی
دماغ میں طاقت۔ جسم میں سڈول پن آتا ہے۔ تمام اعضا کو اُن کی ترقی دینے والا مصالحہ
ملتا ہے۔ بیماریاں برہمچاری کو ستاتی نہیں۔ دھوپ کی سختی وہ سہارتا ہے۔ سردی کا
کڑاکا اُسے معلوم نہیں ہوتا۔ مگر جو پُرش بھچار میں اغوا بال وغیرہ سے ویریہ کا ناش
کرتے ہیں۔ اُن کے سارے انگ کمزور ہیں۔ آنکھوں میں تیج نہیں۔ چہرہ پر زردی
ہے۔ جسم لاغر۔ سر اُن کا ہر کام پر درد کرے۔ دماغ فوراً بگڑ جاوے۔ معمولی سے
فکر افکار کو سہار نہ بیماریاں ہر وقت سوار رہیں۔ کا دکھ۔ علاج کا خرچ
کمائی کی ناقابلیت۔ بیچارے گھل گھل کر جان دیں۔ سو سے زیادہ تو کیا ستر
اسی اور پچاس ساٹھ بھی نہیں۔ ۲۰-۳۰ سال کی عین نوجوانی کی عمر میں چل بسیں
یا شریر روپی نگریوں کے راج بیماریوں رُوپی دشمنوں کے حملے سے برباد ہوں جیسا
کہ آج ظاہر ہے۔ آہ۔ افسوس! لاکھوں کنیائیں برہمچریہ کا ناش ہونے کے کارن
ہر سال بدھوا ہو رہی ہیں۔ علم میں عقل میں ترقی نہیں ہو سکتی۔ جسمانی طاقت
نہیں ملتی۔ جب تک اس مول منتر پر وچار نہ ہو۔ حوصلہ۔ ہمت۔ پرشارتھ۔ جرأت
استقلال۔ بُردباری اور سچی کامیابی سب برہمچریہ سے ہی ہو سکتی ہے۔ مہابھارت
میں بھیشم پتامہ جی نے کیا خوب کہا ہے کہ برہمچاری ہی ہر طرح کی سدھی پا سکتا ہے
مشکلیں کتنی بھی بھاری ہوں۔ برہمچاری کے تپوبل کے آگے اس طرح سے چھن
بھن ہوتی ہیں۔ جیسے ہوا سے بادل۔

رشی دیانند اکیلا۔ لنگوٹی باندھے فقیری حالت میں کام کرنے کو نکلا۔ نہ
آدمی اُس کے ساتھ۔ نہ دولت اُس کے پاس۔ نہ راج کی مدد۔ نہ موافق حالات۔
ہاں سارا بھارت ورش اپنی تمام دولت اور شوکت کے ساتھ۔ تمام پڑھے لکھے اپنی

لیاقت کے ساتھ۔ تمام مت متانتر اپنے معتقدوں کے ساتھ اُسے ناکام کرنے میں کوشاں رہے۔ مگر رشی کے دل میں نہ بھے پرتیت ہوا۔ نہ وہ ذرا بھی ڈگمگایا۔ بلکہ تمام مخالفوں کے دلوں کو ہلا کر سارے زمانے میں کامیابی کے ساتھ پلٹا دے گیا۔ ایسی مخالفت جس کا خیال بھی بڑے بڑے یودھائوں کو کمپا تمان کر سکتا ہے۔ سب برہمچریہ سے حاصل شدہ شاریرک۔ مانسک اور آتمک بل کی بدولت تھی۔ رشی نے جس بات کو اپنی جان سے بھی عزیز سمجھا۔ جس شکھشا پر آوائل عمر سے عمران پر یت عمل کیا۔ وہ برہمچریہ برت پالن تھا۔ کہاں تک رشی اس وشے میں محتاط تھے۔ اور کہاں تک اُن کے شریر میں بل تھا۔ اور وہ برہمچریہ کا مفہوم جیون سے کیا سنبندھ جانتے تھے۔ اسکا جواب دو چار واقعات خود دیں گے۔

۱۔ اپنے پتیونکو بھیجو اُن کو اُپدیش دینگے

اجمیر میں چند استریاں باغ میں درشن کو آگئیں۔ جہاں سوامی جی ٹھیرے تھے۔ اُن سے سوامی جی نے کہا۔ مائیو! کہاں گئی تھیں؟ (ج)، رام سنیہی سادھوؤں کے پاس گئی تھیں۔ (س) کیوں گئی تھیں؟ (ج) آپ کہیں تو آپ کے پاس آجایا کریں۔ (س) ہمارے پاس تمہارا کیا مطلب؟ (ج)، ہم کچھ اُپدیش سُننا چاہتی ہیں۔ (س) ہم تم کو اُپدیش نہیں دے سکتے۔ اپنے پتیوں کو بھیجو۔ انکو اُپدیش دینگے۔

۲۔ سانڈ خود ہی راستہ چھوڑ گیا

ایک دفعہ سوامی جی جا رہے تھے۔ پگ ڈنڈی میں ایک زبردست سانڈ سامنے آگیا۔ ساتھی علیحدہ ہو گئے۔ مگر سوامی جی چھاتی ٹیک کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ چین سنگھ آدمی کہتے رہے کہ سانڈ آیا ہے سانڈ۔ مگر اُنہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ کہ ہوم کیوم کر نیشی (کیا کرے گا) یہ راستہ میں ڈٹے کھڑے تھے۔ سانڈ خود ہی راستہ چھوڑ

کر چلا گیا۔ چین سکھ بولے۔ سوامی جی! اگر وہ سینگ مارتا تو کیا ہوتا۔ فرمانے لگے ارے سن۔ میں دونوں ہاتھوں سے اُس کے سینگوں کو پکڑ کر ہٹا دیتا۔

۳۔ ہاتھ بجر کی طرح پڑتا معلوم ہوا

راؤ کرن سنگھ نے جب کرنواس میں سوامی جی پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اور ٹھاکر لوگ اس کو دھتکارنے لگے۔ تب نند کشور برہمن راؤ صاحب کے حق میں بولے کہ مہاراج راؤ صاحب تو ایسے بیوقوف نہیں کہ ایسا کام کریں۔ سوامی جی بولے معلوم ہوتا ہے۔ تمہیں کچھ درب دیتا ہے۔ اس لئے جھوٹ بولتے ہو۔ اُس نے باتوں میں ہاتھ آگے بڑھایا۔ تو سوامی جی نے اُسے پکڑ لیا۔ وہ پیچھے ذکر کرتا تھا۔ کہ سوامی جی کا ہاتھ ایسا معلوم دیتا تھا۔ جیسے بجر پڑتا ہے۔

۴۔ مائی بھگوتی کا ملنا

بمبئی میں مائی بھگوتی جی ہریانہ سے اپنے بھائی چھوٹی لال سمیت سوامی جی کو ملنے آئیں مائی جی کے خیالات ستیارتھ پرکاش پڑھکر ویدانت سے ہٹ گئے تھے۔ جب ملنے اور شنکا نوارن کرنے کا خط مائی جی کا آیا۔ تو اگلے دن ۱۲ بجے کا وقت سوامی جی نے مقرر کیا۔ اور اُس وقت سوامی جی خیمہ کے اندر رہے اور مائی جی کو باہر بیٹھنے کی آگیا کی۔ جب مائی جی کا اطمینان ہو گیا۔ تو اُنہوں نے یوگیہ سیوا پوچھی۔ سوامی جی نے فرمایا۔ کہ میری سیوا یہی ہے۔ کہ جتنی یوگیتا ہے۔ اس سے اپنی بہنوں کو جگاؤ۔ اور اُن میں ودیا پھیلاؤ۔ چنانچہ مائی جی نے آتے ہی اپنے نگر میں پاٹھ شالا جاری کی۔ اور آیو بھر جتنا بنا پرچار کرتی رہیں۔

۵۔ اپنے چیلوں کو یہاں بھیجا کرو

لاہور میں ایک دن کچھ استریاں خاص اجازت حاصل کر کے دوپہر کے
وقت سوامی جی کے پاس آئیں۔ کہ اُپدیش سنیں۔ انہوں نے سوال کیا۔ کہ گیان
اور شانتی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ تمہارے پتی تمہارے گورو
ہیں۔ اُنہی کی سیوا تم کو کرنی چاہیئے۔ اور کسی کو گورو نہ ماننا چاہیئے۔ ودیا پڑھو اور اپنے
بیٹیوں کو یہاں بھیجا کرو۔ اور اُنہی کے ذریعہ ہمارے اُپدیش سے لابھ اُٹھاؤ۔

۶- وواہ نہ کرانا تمہاری عمر کم معلوم ہوتی ہے۔

لاہور میں کالج کے لڑکے سوامی جی سے سنسکرت پڑھنے آتے تھے۔ از انجملہ
شاہ پور کے پنڈت گنپت رائے طالب علم کالج تھے۔ ایک دن سوامی جی نے اُن سے
پوچھا تمہاری شادی تو نہیں ہوئی؟ وہ بولے مہاراج منگنی یا سگائی ہو چکی ہے
فرمایا شادی نہ کرنا۔ پوچھا مہاراج کیوں؟ جواب ملا تمہاری عمر کچھ کم معلوم ہوتی ہے
یعنی ۳۰ سال کے اندر۔ پنڈت جی نے گھر میں تو نہ کہا۔ مگر دوستوں کو بتا دیا۔ کہ میں
شادی نہ کرونگا۔ مگر اُن کے سسر نے زور دیا۔ اور گھر والوں نے انہیں خط بھیجکر
بلایا۔ وہ جانتے تو کہاں جواب بھی نہ دیا۔ کچھ مدت بعد تار آیا۔ کہ والد سخت بیمار ہیں
کہتے ہیں۔ ہمارا لڑکا ہے تو گھر آ کر پانی پینا۔ وہ مجبوراً گھر پہنچے۔ پتا بیمار تو تھے۔ مگر
معمولی۔ اُنہیں سب نے وواہ کی ترغیب دی۔ اور اُنہوں نے بھی سوچا کہ لڑکا ہو جاوے
تو میرا نام چلا جاوے۔ اس لئے شادی کرا لی۔ اور پڑھائی چھوڑ دی۔ اور ادھر اُدھر
سیر کرنے لگے۔ ایک دن اُنہیں سمجھایا گیا کہ جیوتشیوں اور فقیروں کی باتیں سب سچی
تھوڑی ہوتی ہیں۔ تمہارا یہ خیال خام ہے کہ میری عمر تھوڑی ہے بیکار رہنا اچھا نہیں
چنانچہ آپ اُمیدوار نائب تحصیلدار ہو گئے۔ پھر لودھراں اور شجاع آباد میں
قائمقام نائب تحصیلدار بھی رہے۔ مگر آخر بیمار ہو کر ۲۸ سال کی عمر میں ہی کوچ کر
گئے۔ مرتے وقت رشتہ داروں اور دوستوں کو بتایا۔ کہ مجھے سوامی دیانند نے کہا

تھا۔ کہ تمہاری عمر ۲۰ سال سے کم ہے۔ اسی لئے میں شادی نہیں کراتا تھا۔ اور اسی لئے میں نے تعلیم چھوڑ دی تھی +

۷۔ برہمچریہ کے بل کا ثبوت دیدیا

ایک دفعہ سردار بکرماں سنگھ نے عرض کیا کہ مہاراج سنتے ہیں برہمچریہ سے بہت بل بڑھتا ہے۔ سوامی جی نے کہا یہ ستیہ ہے۔ ایسا ہی شاستر میں لکھا ہے سردار جی بولے شاستر میں لکھے کا ثبوت ہونا مشکل ہے۔ آپ بھی تو برہمچاری ہیں۔ مگر آپ میں ایسا بل پرتیت نہیں ہوتا۔ اُس وقت تو سوامی جی چپ رہے۔ لیکن جب چند گھنٹوں کے بعد سردار جی بگھی پر سوار ہو لئے۔ سوامی جی نے اُسے پیچھے سے آ کر پکڑ لیا۔ گھوڑا چلنے سے رُک گیا۔ سردار صاحب نے پیچھے پھر کر دیکھا تو چھوڑ دیا اور ہنس کر کہا کہ یہ برہمچریہ کے بل کا ثبوت میں نے دے دیا +

۸۔ زور آزمائی کا کھلا چیلنج

گوجرانوالہ میں سوامی جی نے فرمایا۔ کہ سردار ہری سنگھ نلوہ بڑا شجاع ہوا ہے اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ۲۵ - ۲۶ برس تک برہمچاری رہا۔ میری عمر اس وقت ۵۱ سال کی ہے اور مجھے یقین ہے۔ کہ میرا ابھی برہمچریہ اکھنڈت ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ جس شخص کو طاقت کا حوصلہ ہو۔ میں اُس کا ہاتھ پکڑتا ہوں۔ مجھ سے چھڑا لیوے۔ یا میں ہاتھ کھڑا کرتا ہوں۔ کوئی اسے نیچا کر دے۔ ۵۰۰ کی حاضری تھی کئی کشمیری پہلوان بھی تھے۔ مگر کسی کو حوصلہ نہ ہوا +

اسی پرکار لاہور میں سوامی جی نے حاضرین کو چیلنج دیا۔ سنتے سب تھے۔ مگر جرأت کوئی نہ کرتا تھا +

۹۔ استری درشن سے پرہیز

ایک دفعہ کچھ استریاں نزدیک سے گذریں۔ تو سوامی جی نے ادھر پیٹھ کر لی ایک شخص نے پوچھا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ جیسے رشیوں کے من میں استری درشن سے کوئی برا خیال آسکتا ہے۔ سوامی جی بولے۔ درحقیقت برہمچاریوں کو بہت پرہیز رکھنا چاہئے۔ نظر دوارا روپ اندر گھس جاتا ہے +

۱۰۔ کتنا شہ زور آدمی ہے

سوامی جی ایک دفعہ سڑک پر جا رہے تھے۔ جہاں کیچڑ تھا۔ آپ نے دیکھا کہ گاڑی اور بیل کیچڑ میں پھنسے ہیں۔ گاڑیبان بیلوں کو زور سے مارتا ہے۔ مگر وہ چل نہیں سکتے۔ وہیں آپ کیچڑ میں گھس گئے۔ بیلوں کو کھول دیا۔ اور گاڑی کو کھینچ کر کیچڑ کی طرف خشکی پر پہنچا دیا۔ بابو امرت لال آدی بنارس جا رہے تھے یہ دیکھکر بہت حیران ہوئے کہ کتنا شہزور آدمی ہے +

۱۱۔ سداچار کا آدرش

ایک دن چتوڑ گڑھ میں لیکچر دینے کے بعد سوامی جی کچھ سرداروں اور تین چار پنڈتوں سمیت سیر کے لئے چلے۔ راجپوتانہ میں دیہاتی لوگ درخت کے نیچے چبوترہ باندھ کر لکڑی کھڑی کر لیتے ہیں۔ اور اسے دیوتا کی سھتا پنا کہتے ہیں۔ سیر کرتے ہوئے سوامی جی ایسے ہی سھتان کے پاس سے گذرے۔ اسی سھتان پر چار پانچ بچے کھیل رہے تھے۔ سوامی جی ایک پنڈت کی باتوں کا جواب دے رہے تھے۔ اور مورتی پوجا کا کھنڈن کرتے تھے۔ جب اس سھتان پر آئے۔ تو ٹھہر گئے اور سر جھکا کر آگے چل دیئے۔ پنڈت ہنس پڑا اور بولا۔ دیکھئے مہاراج آپ کتنی

ہی شکھیاں کیوں نہ دیں۔ دیوتا نے زبردستی آپ کا سر جھکا لیا۔ سوامی جی پھر یک دم کھڑے ہو گئے اور بڑے سنجیدہ لہجے میں ایک چار سالہ لڑکی کی طرف جو اُن بچوں میں کھیل رہی تھی۔ اُنگلی سے اشارہ کرکے کہا۔ دیکھئے نہیں وہ ماتری شکتی جس نے تمہیں جنم دیا۔ یہ سن کر ساری جماعت میں سناٹا پڑ گیا۔ اور ڈیرہ پر پہنچنے تک کسی نے لب نہیں ہلایا +

۱۲۔ بچے کو برہمچریہ کا اُپدیش

بمبئی میں ایک سیٹھ اپنے دس بارہ سال کے بچہ کو ہمراہ لئے سوامی جی کے درشن کرنے کو آیا۔ اور بات چیت کے علاوہ سوامی جی نے بالک کو اُپدیش کیا کہ سویرے اُٹھو۔ منہ ہاتھ دھوؤ۔ ماتا پتا کو نمستے کرو۔ پاٹھ شالہ جانے لگو تو اپنی کتاب ہاتھ میں لو۔ نوکروں کے ہاتھ میں نہ دو۔ خود پرشارتھی اور محنتی بنو۔ اسی پرکار اُپدیش دیتے ہوئے کہا کسی عورت کے چہرہ پر غور نہ کرو۔ اگر اسنری نظر کے سامنے آجاوے تو نظر پھیر لو۔ ورنہ اس کی صورت تمہارے دل میں گھس کر ایسا جذبہ پیدا کریگی جس سے ویریہ کے متعلق روگ ہو کر تمہیں سخت نقصان پہنچے گا۔ پہلی عمر میں سب سے اوشیک کوئی بات ہے۔ تو برہمچریہ کا پالن ہے +

۱۳۔ پہرہ والے بدل دیئے گئے

جودھ پور میں جس باغ میں سوامی جی اُترے تھے۔ اس کے زینے کے قریب دالان میں ایک مارواڑی پنڈت اُترے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ بڑی مہارانی نے کچھ آم کیلے وغیرہ ان کے لئے باندیوں کے ہاتھ بھیجے۔ وہ پوچھتی ہوئی وہاں آئیں کسی نے کہا کہ پنڈت جی بیچ کے بنگلے میں ہیں یعنی سوامی دیانند جی۔ وہ اُوپر آگئیں سوامی جی بھوجن پاکر لیٹے ہی تھے۔ اتفاقاً کروٹ بدلی تو اُن کو دیکھ لیا۔ فوراً گھبرا کر زور سے آواز

دی سادھو اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیوک جو سامنے کی کوٹھڑی میں بیٹھ رہا تھا سمجھا کہ کوئی سوامی جی پر تلوار لے کر آیا ہے۔ وہ ننگے سر دوڑا آیا۔ سوامی جی نے اُسے کہا۔ کہ کیا ظلم ہے ہمارے سامنے عورتیں آگئیں۔ تمہارے بندوبست کی خرابی ہے۔ جلدی اُن کو نکال دو۔ چنانچہ اس نے ان کو باہر کر دیا۔ پنڈت کا صحیح پتہ بتلا دیا۔ اور سوامی جی سے عرض کی۔ کہ پہرے والوں کی غلطی سے ایسا ہوا ہے۔ جس پر پہرے والے بدل دیئے گئے۔ جو نئے آئے اُنہیں سوامی جی نے سمجھا دیا۔ کہ کوئی استری چھوٹی یا بڑی اس بنگلے پر آنے نہ پاتے۔

۱۴۔ بال برہمچاری کی زبردست فتح

شاستر ارتھ کا ساہس نہ پا کر متھرا کے کچھ بڑے پنڈتوں نے سوچا کہ ایسی تجویز کریں۔ کہ سوامی دیانند پبلک کی نظروں سے گر جائے بعد وچار کے ایک عورت کو اس کا ذریعہ بنایا۔ جو آچار دیوہار کے لحاظ سے مشہور گری ہوئی تھی۔ اُسے کہا گیا۔ کہ اگر کسی ریتی سے سوامی دیانند کو بدنام کر سکے۔ تو جو مانگیگی دینگے۔ اُس نے پانچ سو روپیہ مانگا۔ جو منظور ہو گیا۔ لیکن اس نے کہا میں پیشگی لوں گی۔ اور زیور کی صورت میں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ وہ عورت زیور پہن کر صبح ہی سوامی جی کے ڈیرے پر آئی پنڈت لوگ باہر ٹھہرے کہ ابھی شور شرابہ کا موقعہ ملیگا۔ لیکن سوامی جی سمادھی میں تھے اس عورت نے اُن کے برہمچریہ کا ذکر بھی سُنا ہوا تھا۔ اس کا خیال کر کے لوٹ آئی۔ اور کہنے لگی۔ میں کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے تو خوف آتا ہے۔ اُنہوں نے تحول کرتے ہوئے اُسے پھر حوصلہ دیا۔ وہ اندر گئی مگر سمادھی نہ کھلی تھی۔ اس کے دل میں نہ جانے کیا کیا خیال آتے رہے۔ بعد کچھ دیر کے زیور اُتارنے لگی۔ سوامی جی نے آنکھ کھولی۔ تو استری کو دیکھکر تعجب سے بولے۔ تم کیسے آگئی۔ وہ ہاتھ جوڑ زمین پر سر رکھ رو رو کر کہنے لگی۔ مہاراج کھشما کرو۔ میں پاپن روپیہ زیور کے لئے اپنا دھرم گنواتی

رہی۔ اب بھی زیور کے بدلے میں پانچ ہتھیاری سوارتھوں کی ہیکائی یہاں آئی تھی۔ مگر یہاں میری ستی بدل گئی ہے۔ یہ زیور وغیرہ سب آپ کے ارپن ہے۔ میرے پاپ کو کھشما کیجیے۔ سوامی جی نے فرمایا۔ ہمیں اس زیور کی اچھیا نہیں۔ تو اسے لے جا اپنے کام میں لگا۔ ہماری ایشور سے پرارتھنا ہے۔ کہ اس وقت جو تجھے سومتی آئی ہے۔ یہی تیری آیو پرینت رہے +

شکھشا برہمچریہ کے نیموں کا پورے یتن سے پالن کرنا لازمی ہے۔ تمام شکتی اور ترقی کا انحصار اسی پر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ استریوں اور پرشوں کو باہم نفرت ہے۔ بلکہ یہ سوائے اصل اودیش یعنی سنتان پیدا کرنے کے بھچار اور اس کی رہنمائی کرنے والے ہر ایک عمل سے پرہیز ہو۔ جن لوگوں نے گرہست چھوڑ دیا۔ یا ابھی گرہست میں داخل نہیں۔ ان کو ارتھات سنیاسی اور برہمچاری کو ہمیشہ ایسی ترغیب سے بچنا ضروری ہے۔ استری درشن۔ استریوں سے یا استریوں کی بابت گفتگو کرنا وغیرہ ان کے لئے ممنوع ہے۔ اس لئے کہ ان کے دلوں میں اور طرف میلان نہ ہو۔ سنتان کا پیدا کرنا اور پالنا وغیرہ گرہست سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس میں ہی پرش اور استری کو برہمچاری کہا جاتا ہے۔ جب وہ نیم انوکول اولاد پیدا کرنے اور بھچار کے بھاو آدمی سے بچتے ہیں +

اپنی استری کے بغیر سب استری جاتی میں ماتری شکتی کا ظہور دیکھنا واقعی بڑے ہی اعلیٰ سنسکاروں کا ثبوت ہے۔ لیکن باوجود ماتا بہن یا بیٹی کی درشٹی ڈالنے کا عادی ہونے کے منش کو ہمیشہ احتیاط درکار ہے۔ جب موقعہ بنے آنکھ نیچے کر لینا یا منہ دوسری طرف پھیر لینا ہی فرض ہوتا ہے۔ بال دواہ تو سارے جسم کی مضبوطی اور ترقی کے رستہ میں سخت روکاوٹ ہے۔ اور بھچار بڑے سے بڑے طاقتوروں کا بھی ناش کر دیتا ہے۔ نہ صرف یہی کھانے پینے و بستر [illegible] و آیام اور سونا وغیرہ میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ ثقیل غذا مثلاً مٹھائی وغیرہ دیر تک ناڑیوں پر بوجھ ڈالتی ہیں

چائے اور منشی اشیا - جذبات کو بھڑکانے والی ہیں - اس لئے ہمیشہ ساتوک بھوجن کا استعمال کرنا اور تمام امور میں نیم و اعتدال کا خیال رکھنا ہی انسان کو ہر لحاظ سے بلوان بنا سکتا ہے ٭

رشی دیانند کا شاسیہ رکل کیا نوجوان اور کیا بزرگ سب کو زبانِ حال سے اُپدیش دے رہا ہے کہ دیکھنا امولیہ رتن گنوا کر اپنی قدر و قیمت نہ گنوا بیٹھنا ٭

پانچواں سرگ

ستیہ پرایتا

کیا تجھے یہ خوف ہے احباب فرمائیں گے کیا
اور اعزا لب پہ الفاظ و سخن لائیں گے کیا

مجھ سے سُن احباب و اعدا تجھ پہ مِنشنگے کیا
نکتہ چین تجھ کو بُرا کہہ سن کے پھل پائیں گے کیا

نکتہ چینوں کے کہے پر تو نہ ہرگز کان دے
ان کو کہنے دے جو کہنا چاہیں تو مت دھیان دے

ستیہ کا بس ستیہ کا اُپدیش انکو دان دے
دھرم کا رستہ بتا ادھکاریوں کو گیان دے

جیسے مکڑی اپنے اندر سے جالا نکالتی اور اسی میں اپنے آپ کو قید کرتی ہے ویسے ہی انسان اپنے لئے ذمہ داریوں اور پابندیوں سے بھرے سامان مہیا کرتا ہے۔ خود مکان بنا اس میں بند رہتا اور اس کی حفاظت و شکست اور مرمت کے افکار اپنے اوپر لیتا ہے۔ خود روپیہ کماتا اور اسی کی حفاظت میں چوروں اور ڈاکوؤں سے مارا جاتا ہے۔ یہی حال انسانی مت متانتروں اور خیالات کا ہے۔ آپ ہی انسان نے استنے مت چلائے۔ اور اب اپنی ہی ساری ستنترتا سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے خیالات کی غلامی والی عادت کو طبیعت ثانی بنا بیٹھا ہے کہاں ایشوری سرشٹی میں سوتنترتا پوروک بچرنا اور کہاں ایک تنگ مکان میں قید ہونا۔ لیکن باوجود اس کے ہم سنیہ دھرم کے عالمگیر سبندھ کو تلانجلی دے کر اپنے اپنے مت کی چار دیواری میں بند ہو رہے ہیں *

دنیا دار لوگ کوئی روپیہ کے لوبھ میں مبتلا ہیں۔ کوئی استری کے پریم میں کوئی پتروں کے موہ میں از خود رفتہ ہو رہے ہیں۔ اور کوئی اور بندھن میں جکڑ رہے ہیں۔ یہی حالت مذہبی جگت کی ہے۔ دنیاوی دولت کو لوبھی پُرش جھوٹ سے۔ چوری سے۔ رشوت سے جیسے بنے جمع کر رہا ہے۔ خواہ ایک دن میں آگ لگنے سے ساری کمائی برباد ہو جائے۔ اسی پرکار شفاعت اور بہشت کے سبز باغ دکھا کر معافی کے گیت گا کر۔ روپیہ کے لالچ دلا کر شادی کرا دینے سے بہکا کر۔ غرضیکہ ہر طرح سے دوسرے لوگوں کو اپنے مذہب میں کھینچا جاتا ہے۔ واعظ لوگ مرغوں کو پھنسا کر خود دلالیاں کھا رہے ہیں۔ غیر معقول باتیں اپنے مذہب میں ہوں۔ عقل غلطی کی شہادت دیتی ہو۔ علماء میں اپنی بطالت ظاہر ہونے پر خجالت اٹھانی پڑتی ہو۔ لیکن مضائقہ نہیں۔ مانیں گے اپنی ہی۔ اس لئے کہ طوق غلامی گلے میں پہنا جا چکا ہے *

روایت ہے۔ کہ قاضی صاحب نے کتاب میں پڑھا۔ کہ جس کی داڑھی لمبی اور سر چھوٹا ہو وہ بیوقوف ہوتا ہے۔ دونوں باتیں اپنے میں دیکھ کر سوچا کہ اپنے گردن

مبادا بیوقوف مشہور ہوؤں۔ بعد غور کے کہا۔ کہ سر تو بڑا ہونے سے رہا۔ لیکن داڑھی کو گھٹانا تو اپنے اختیار ہے۔ وہیں اوپر کا حصہ ہاتھ سے تھام کر نیچے سے لیمپ کے ساتھ آگ لگا دی۔ شعلہ نکلا۔ ہاتھ چھوٹ گیا۔ ٹھوڑی جھلسی گئی۔ چہرہ بدنما ہو گیا۔ اب آپ دلیل نکالتے ہیں۔ کہ واقعی کتاب میں سچ لکھا ہے۔ کیونکہ میں نے بیوقوفی کی ہے اہل مذاہب اسی کے مصداق جو کچھ غلطی سے چلا بیٹھے ہیں۔ اب خود ہی اُس کو سچا سدھ کرنے کا بوجھ اپنے اوپر لے رہے ہیں۔ آہ! کیا عجب تبدیلی ہے جو منش جاتی سچائی اور دھرم کے تاگے میں فرقہ تاپر ڈلی ہوئی ہے۔ وہ منکوں کے روپ میں بکھری معلوم دیتی ہے +

ع

ضرورت ہے پھر دھرم روپی تاگا تمام منکوں کے اندر سے گذرے اور تو انسان کو مالا کے روپ میں ظاہر کرے۔ سیشی دیانند کا یہی مشن تھا۔ وہ اپنا کوئی مت نہ رکھتا تھا۔ وہ اپنے کسی بھی خیال کا پکھشپاتی نہیں تھا۔ جو کچھ اُسے غلط معلوم ہوا وہ فوراً اس کے لئے بیگانہ تھا۔ اور جو صحیح نکلا۔ اسی کا اُس کے ہت میں ٹھکانا تھا۔ اسی پر وہ ہزار جان سے فدا تھا۔ اُس کے آتما میں پر نشچے تھا۔ کہ وید ہی ستیہ ودیا اور دھرم کا پستک ہے۔ اس لئے اپنے خیالات اپنی تصنیفات سب کو وید کے ہی آدھین رکھا۔ منشوں نے بُرا منایا یا بھلا۔ اس کے دوست بنے یا دشمن۔ اُس سے اُسے سروکار نہ تھا۔ اُس نے جو کچھ ستیہ جانا اُسے ہی مانا اور اُسے ہی منوایا +

۱۔ ایشور میری مدد کریگے

سوامی جی جب سورون گئے۔ تو لوگوں نے سوامی کیلاش پربت کو بلایا۔ کہ آپ کا یہاں بارہ کا مندر ہے۔ اور دیانند یہاں آتا ہے۔ ایک دن وہ سورون گنگا سنان کرنے گئے۔ اور گڑھیا آ کر رات رہے۔ شام کو سندھیا کر رہے تھے۔ دیکھا تو ایک سنیاسی کھڑا ہے۔ پوچھا کو ستی۔ جواب ملا۔ دیانند وہم (میں دیانند ہوں) اس پر

کیلاش پربت جی نے اُنہیں ستکار سے بٹھایا اور حال پُوچھا ۔

(دیانند) آپ سے کچھ مدد لینے آیا ہوں ۔

(ک) کیسی مدد ؟

(د) رامانج ۔ ولبھ ۔ نِمبارک ۔ مادھو ۔ ان چار متوں نے سنیاس ناش کر رکھا ہے ۔ ہم اُن کا کھنڈن کرنا چاہتے ہیں ۔

(ک) بے شک اُنہوں نے بہت کچھ ورودھ کر رکھا ہے ۔ ہم ہر طرح حاضر ہیں ۔ اُن کا کھنڈن کرنا عمدہ بات ہے ۔ لیکن آپ دو باتیں ہماری مانیں ۔ ایک تو مورتی کا کھنڈن نہ کریں ۔ اس سے بہت فائدہ ہے ۔ مندر بنے ہیں ۔ اگیانی لوگ وہاں پُوجا کرتے ہیں سینکڑوں کا روزگار بن رہا ہے ۔ دوم پُرانوں کا کھنڈن نہ کریں ۔ یہ نہ کہیں کہ سارے یا کوئی بھی بیاس نے نہیں بنائے ۔

(د) ان چار متوں کا بڑا نشانہ تو مورتی پُوجا ہی ہے ۔ اسی دھوکے کی ٹٹی سے یہ سنسار کو لوٹ رہے ہیں ۔ پس اس کا تو پہلے کھنڈن ہوگا ۔ اور مورتی پُوجا کا پتہ دیوی پران میں ملتا ہے اس لیے وہ بھی ساتھ ہی اُڑیں گے ۔ آپ لوگوں کا کرتویہ ہے ۔ کہ ستیہ کی رکھشا کرو ۔ آپ نے گھر بار چھوڑا ۔ شاستر پڑھا ۔ سنیاسی نام رکھایا ۔ مگر افسوس پاکھنڈ اور اگیان میں پھنسے ہو ۔ اور آرام سے تکیئے لگائے بیٹھے ہو ۔ اس سے آپ کا کیا بھلا ہوگا ۔ آپ بھی اگیان میں رہو گے سنسار کو بھی رکھو گے ۔ میں چاہتا ہوں ۔ پاکھنڈ کو چھوڑ دو ۔ جے پور آدھیش راجہ رام سنگھ آدی شِشیوں کو ستیہ دھرم پڑھاؤ ۔ ان کے دوارا دھرم سندیش دوسروں تک پہنچاؤ ۔ جس سے تمہارا اور سب کا کلیان ہو ۔

اس طرح سوامی جی نے بہت پریرنا کی ۔ اور وہ اُن کو نمرتا سے اور میٹھی باتیں سُنا کر دوکنے کا یتن کرتے رہے ۔ بڑی عمر کے کارن سوامی جی کیلاش پربت جی کی عزت کرتے تھے ۔ مگر جب یہ کمزوری پائی ۔ تو صاف کہدیا ۔ کہ آپ راجاؤں میں مان پانے کو ستا کے ورودھ چلتے ہو ۔ آپ کو بھاری پاپ لگے گا ۔ سپاہی وردی پہنے تلوار

توڑے تو دوگنا ڈنڈ پاوے۔ اس طرح آپ سنیاسی بن بھگوا پہنے جو ستیہ کا پرکاش نہیں کرتے۔ سب پچھاڑ گئے۔

یہ کہکر چلنے کو اُٹھے۔ کیلاش پربت جی نے کہا۔ بھوجن پاکر ہی جائیے۔ مگر سوامی جی نے کہا۔ مجھے تمہارے بھوجن کی اچھا نہیں نہ میں اس کے لئے آیا ہوں۔ آپ لوگوں نے ستیہ میں میری سہائتا نہیں کی۔ ایشور میری مدد کریگے۔

۲۔ ہم تو ستیہ کے طرفدار ہیں

ہردوار میں گوسائیوں اور وشودہانند جی کا جھگڑا ہو گیا۔ گوسائیوں نے وشودہانند پر نالش کردی اور سوامی جی کے پاس امداد لینے آئے۔

سوامی جی نے کہا۔ ہم نہ تمہارے نہ وشودہانند کے ہم تو ستیہ کے طرف دار ہیں۔ جو وید میں لکھا ہے اُس کے پیرو ہیں۔

۳۔ جرمانہ ہو ہم تو ستیہ ہی کہیں گے

فرخ آباد سے جب سری گوپال مخالفت میں ناکامیاب ہو کر چلا گیا۔ تو اُس کا ساتھی جوالا پرشاد اپنی کرسی اُٹھا سوامی جی کی جگہ پر گیا۔ شراب میں مست تھا۔ کرسی بچھا بیٹھ گیا۔ سوامی جی کو سخت سست کہا اور گالیاں دیں۔ حاضرین نے پہلے اُسے منع کیا پھر کیٹیوں نے اُسے خوب پیٹا۔ اور اُس کی کرسی جلادی۔ لیکن سوامی جی روکتے رہے۔ کہ پاگل ہے۔ اسے کیوں پیٹو۔ اُس نے کوتوالی میں رپورٹ کی۔ مگر کچھ نہ بنا۔ بعد میں لالہ جگن ناتھ نے سوامی جی سے پوچھا۔ بات کیا ہوئی۔ اُنھوں نے سب کچھ سنا دیا۔ کہ وہ شراب پی کر آیا۔ بکواس کرتا رہا۔ اُنھوں نے اُسے پیٹا۔ جوتے مارے اور اس کی کرسی جلادی۔ لالہ جی نے کہا وہ عدالت میں جانے والا ہے۔ اگر آپ بلائے گئے تو کیا کہیں گے۔ فرمایا ہم تو یہی کہیں گے۔ لالہ بولے اس طرح تو شاید تم ہی نہیں

جرمانہ ہو جاوے۔ سوامی جی نے کہا۔ خواہ جرمانہ ہو ہم تو ستیہ ہی کہیں گے ٭

۴۔ ہم آپ کی بات کب تک مانیں

پٹنہ میں ایک دن چھوٹے لال نے پوچھا۔ کہ ہم آپ کی بات کب تک مانیں۔ فرمایا جب تک ہماری بدھی میں ستیاستیہ آدی روگ نہ ہو جاویں۔ مانو۔ اور جب ہماری بدھی میں کوئی روگ ہو جاوے۔ تب ہمارا کہنا پرمان نہ مانو ٭

۵۔ میں تو اس اندھیر کو نہیں دیکھ سکتا

برندابن میں سوامی جی کے سوادھیائے اور اُن کی پاٹھ شالہ کے ادھیاپک پنڈت اودے پرکاش جی بھی مورتی پرچارک تھے۔ اور سوامی جی کے ستیہ اپدیش سے اُن کی پرتشٹھا دُور ہو رہی تھی۔ وہ بڑا زور دیتے تھے۔ کہ مورتی کھنڈن چھوڑ دیجئے۔ مگر سوامی جی نے سچی ورڈھتا سے جواب دیا کہ " اگر میں سچا ہوں تو میرے ساتھ مل کر مورتی کا نشیدھ کرو۔ ورنہ شاستر ارتھ کر لو۔ میں تو اس اندھیر کو نہیں دیکھ سکتا۔ جو گوسائیوں وغیرہ نے اور مت متانتروں کے آچاریوں نے مچا رکھا ہے ٭

۶۔ میری آواز تو کانوں میں پہنچ گئی

ایک دفعہ بنارس میں کچھ آدمیوں نے سوامی جی کو مٹھائی آدی کی بھینٹا کی۔ سوامی جی حیران تھے کہ کہاں اینٹیں اور کہاں مٹھائیاں۔ ایک شخص نے کہا۔ مہاراج آپ مورتی کھنڈن کرتے ہیں۔ تو پنڈت لوگ بعضوں کو جو سنسکرت نہیں جانتے کہہ دیتے ہیں۔ کہ سوامی جی نے آج خوب مورتی پوجا کو سدھ کیا۔ وغیرہ ٭

یہ سنتے ہی سوامی جی نے کہا۔ اچھا اب بھاشا بولونگا چنانچہ جب کچھ ابھیاس کر کے شُدھ اشُدھ جیسا ہو سکا بھاشا میں لیکچر دیا۔ اور مخالفوں نے اینٹ روڑے چلانے

تو آپ نے کہا۔ اب خواہ کچھ ہی کرو۔ میں خوش ہوں۔ میری آواز تو لوگوں کے کانوں تک پہنچ رہی ہے +

۷۔ اس مورتی اور اس پتھر میں کیا فرق ہے

پُونا میں سوامی جی نے بڑی جرأت سے استیہ کھنڈن کیا اور معززین و تعلیمیافتہ لوگ اُن کی ودیا اور سچائی کے قائل ہوئے۔ مگر مندروں کے پوجاری اور برہمن بھی سازشیں کرتے ہی رہتے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر سوامی جی نے ایک مندر میں اُن کو اکٹھے پایا۔ بھئے آدمی کا تو خیال ہی نہ تھا۔ وہیں مندر کے سامنے شلا پر کھڑے ہو گئے۔ اور زور سے انہیں پکار کر کہنے لگے۔ کہ تم بتلاؤ۔ اس مورتی میں جو اندر ہے اور اس پتھر میں جس پر میں ہوں۔ فرق کیا ہے +

۸۔ حقہ پھینک کر توڑ دیا

میرٹھ میں ایک بار پنڈت بھاگیرتھ نے پوچھا۔ آپ حقہ پیتے ہیں۔ یہ وید میں کہاں لکھا ہے۔ کچھ واد وواد ہوا۔ تب پنڈت بولا۔ تم سنیاسی ہو کر حقہ پیتے ہو۔ سوامی جی بولے اگر حقہ سے ناراض ہوتا ہے تو لے۔ یہ کہا اور پھینک کر توڑ ڈالا +

۹۔ مہاراجہ کو خوش کروں یا ایشور آگیا پالوں

لاہور میں پنڈت من پھول جی نے کہا۔ کہ مورتی پوجا کا کھنڈن نہ کیجئے۔ اس سے شہر کے لوگ ناراض ہیں۔ اور اگر آپ کھنڈن چھوڑ دیں۔ تو مہاراجہ جموں و کشمیر بھی بہت خوش ہونگے +

سوامی جی نے بھرتری کا مشہور شلوک سنایا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ دُنیا کے لوگ نندا کریں۔ یا تعریف۔ دولت حاصل ہو یا چلی جائے۔ ابھی موت نصیب ہو۔ یا ایک

یگ تک جیتا ہو۔ مستقل مزاج لوگ راہِ راست سے قدم پیچھے نہیں ہٹاتے ؞
یہ پڑھکر کہا کہ فرمائیے مہاراج جموں کشمیر کو خوش کروں۔ یا ایشور آگیا کا پالن کروں جو ویدمیں مندرج ہے ؞

۱۰۔ میں ستیہ کو نہیں چھوڑ سکتا

پنڈت بہاری لال اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے بات چیت میں کہا کہ آپ کے سب خیال اچھے ہیں اور ہر طرح سے عمدہ ہیں۔ اگر آپ مورتی پوجا کو رد نہ کریں۔ تو سب آپ کے انوکول ہو جاویں۔ اور آپ کی آگیا پالن کریں۔ سوامی جی بولے۔ میں ستیہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ سردار ہرچنداس رئیس ملنے آئے۔ بہت موٹا ہونے سے اچھی طرح چل بھی نہ سکتے تھے۔ سوامی جی نے ان کے رُوبرو کہا۔ یہ ہمارے دیش کے مُردہ دلی ہیں۔ چلنے کی بھی ہمت نہیں رہی۔ ایسے لوگ دیش کا کیا بھلا کر سکتے ہیں

۱۱۔ ہم کسی کی رعائت نہیں کرتے

جالندھر میں ایک دن جبکہ راجا بکرماں سنگھ (جن کی کوٹھی میں ڈیرا تھا) بیٹھے ہوئے تھے۔ سوامی جی نے فرمایا۔ جو راجہ ہو کر کنجری (طوائف) رکھتا ہے وہ کنجر ہے۔ سردار صاحب نے کہا ہمارے پر بھی۔ بولے ہم تو سب کو کہتے ہیں۔ کسی کی رعائت نہیں کرتے یہ دھرم کی بات ہے ؞

۱۲۔ آج ہمارے پر بھی وار ہے

جالندھر میں ایک دن کاشی اور گنگا کا کھنڈن کرتے ہوئے امرتسر کی بابت کہا۔ کہ ہم نے دُور سے امرت سر کی بڑی مہما سُنی ہوئی تھی۔ کہ اس میں امرت ہے مگر جا کر دیکھا تو اشنان تو کہاں پاؤں ڈالنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ سکھ

لوگ کبھوں کے بال بھی دیوالی کے روز اُس پر جا ڈالتے ہیں۔ سردار بکرماں سنگھ جی بولے۔ مہاراج آج ہمارے پر بھی ورشا درسے۔ فرمایا جب ورکھیان ہوتا ہے۔ تو بلالحاظ سچ ہی سچ کہا جاتا ہے۔

۱۳۔ دولت کی زیادتی

لاہور میں ایک پادری اور ایک مس صاحبہ سوامی جی سے ملنے آئے۔ دوران گفتگو میں سوامی جی نے فرمایا۔ کہ دولت کا حد سے زیادہ ہونا زوال کا باعث ہے جیسا کہ اس آریہ قوم کا حال ہوا۔ اور کہا کہ زیادہ دولت ہونے سے انگریزوں کی بھی عادت بگڑتی جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارا تجربہ ہے۔ کہ جن دنوں ہم جنگل میں رہا کرتے تھے۔ ہم علی الصبح بہت سے انگریزوں کو ہوا خوری کرتے دیکھتے تھے۔ لیکن آج کل انگریز دن چڑھے اٹھتے ہیں۔

۱۴۔ مہاراجہ جمّوں کا منتزن

راولپنڈی میں مہاراجہ جموں کی پتر کا آئی۔ مگر سوامی جی نے کہا ہم وہاں نہیں جا سکتے۔ وہ مورتی پوجا میں پھنس رہا ہے۔ اور اس کا کھنڈن سننا نہیں چاہتا کیونکہ سینکڑوں مندر بنوا رکھے ہیں۔ مگر ہم نے سب سے پہلے اسی کا کھنڈن کرنا ٹھیرا۔ پس بات کیسے بنے۔ تبھی ایک راجا کا ذکر سنایا کہ وہ ۵ سیر رودراکھش بدن پر پہنے رہتا تھا۔ وہ پانچ سیر مٹی کے گولے بنانا جاتا۔ اور برہمن اس پر جل چھوڑ کر نہاتا جاتا تھا ہم نے اُسے جا کر کہا۔ کہ جب تک تم ہمارا اُپدیش نہ سنوگے۔ ہم تمہارا ان گرہن نہیں کرینگے۔ ۳۰ دن ہم وہاں رہے۔ تب اس کے پنڈت سے بحث ہوئی۔ وہ کہتا تھا کہ یہ رودراکھش گوری شنکر ہے میں نے کہا نہیں۔ یہ ایک درخت کے بیج ہیں۔ اس وقت تو راجہ نے بہ ترک نہ کئے۔ مگر پیچھے ایک بار ملا۔ تو صرف ایک ہی رودراکھش رکھا

ہوا تھا۔ وہ شکریہ ادا کرنے لگا۔ کہ آپ نے میری اِتنی اَودیا دُور کی۔ سو کیا کہیں راجا لوگ عجیب طرح پھنس رہے ہیں*

۱۵۔ صرف ویدک دھرم کو سچّا مانتا ہوں۔

لاہور میں ایک بار نواب نوازش علی خاں صاحب کے بنگلے پر ڈیرا ہوا۔ ایک دن آپ نے دین اسلام پر لیکچر دیا۔ نواب صاحب پاس ہی ٹہل رہے تھے۔ لکچر کے بعد ایک شخص نے کہا مہاراج! آپ کے ٹھہرنے کے واسطے نہ کوئی ہندو مکان دیتا ہے نہ عیسائی نہ مسلمان۔ نواب صاحب نے مہربانی کی۔ تو آپ یہاں بھی کھنڈن کرتے ہیں۔ ہمیں تو اندیشہ ہے۔ وہ بھی ناراض ہو جاوینگے۔ سوامی جی نے کہا۔ میں دین اسلام کی تعریف کرنے یہاں نہیں آیا اور نہ کسی اور دین کی۔ میں تو صرف ویدک دھرم کو سچّا مانتا ہوں۔ اور باقی سب کو باطل۔ جسے میں صحیح جانتا ہوں۔ اسی کا اپدیش کرتا ہوں۔ میں نے دیکھ لیا تھا۔ کہ نواب صاحب سن رہے ہیں۔ میں جان بوجھ کر اُن کو سچے دھرم کی خوبیاں سُنا رہا تھا۔ ناراض پرماتما کے سوا مجھے کسی کا خوف نہیں*

۱۶۔ سماج میری رائے کی غلام نہیں

مرزا غلام احمد نے ایک دفعہ سوامی جی کے لکچر کے متعلق سوال کئے۔ لالہ جیون داس سکرٹری آریہ سماج لاہور نے جواب دیتے ہوئے اخبار میں لکھا۔ کہ یہ سوال آپ سوامی جی سے کریں۔ وہ خود اپنے لیکچر کے ذمّہ دار ہیں۔ آریہ سماج سوامی جی کو اوروں کی طرح اپنا گورو نہیں مانتا۔ سماج کے ادھیکاری اُن سے ناراض ہوئے اور کہا اس کی تردید کرو۔ مگر منتری نے نہیں مانا۔ معاملہ سوامی جی تک پہنچا۔ اُنہوں نے فریقین کو سُنکر فیصلہ دیا۔ کہ بے شک میرے لیکچر کے متعلق سماج سے پوچھنا ٹھیک نہیں۔ مجھ سے جواب پوچھا جائے۔ کیونکہ سماج میری رائے کی غلام نہیں*

۱۷۔ حقہ نوشی کا قطعی تیاگ

لاہور میں سوامی جی تالاب رائے میلارام پر ڈیرا رکھتے تھے۔ ایک دن ایک برہمن کہنے لگا۔ کہ راجہ ہربنس سنگھ کے وزیر رائے مول سنگھ کے پاس آپ کا ذکر ہوتا تھا۔ وہ کہتے تھے۔ وہ سوامی کیا ہے کہ ہیں۔ سارا دن تو حقہ پیتے ہیں۔ سوامی جی نے مسکرا کر کہا۔ اوہو! کیا سارا سوامی پنا اسی حقہ سے جاتا رہا۔ تو بھائی ہم نے حقہ چھوڑا آگے بھی کئی بار اس اپادھی سے بچنے کا خیال کیا۔ سو آج وہ ارادہ پورا کرتا ہوں۔ اسی وقت حقہ ہٹا دیا۔ اور پنڈت بہاری لال کو جو حقہ پینے تھے دے دیا اس کے بعد کبھی اس کا گرہن نہیں کیا۔

۱۸۔ غلطی فوراً مان لی

مراد آباد میں پنڈت نراشنداس سوامی جی سے سنسکرت میں بات کر رہا تھا اتفاقاً سوامی جی کے منہ سے ایک شبد اشدھ نکلا۔ اس نے اعتراض کیا۔ سوامی جی نے قبول کیا۔ کہ ہاں یہ غلطی سہواً میرے منہ سے نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد ساہو برج رتن جی آئے۔ اس پنڈت نے پھر کہا کہ مورتی پوجا کی بات چیت میں آپ نے سنسکرت میں غلطی کی تھی اور میں نے پکڑی تھی۔ سوامی جی نے کہا۔ ہاں تم نے غلطی پکڑی تھی اور میں نے سویکار کی تھی۔ اس پر اس نے گھمنڈ کیا۔ اور بار بار یہی ذکر کیا۔ سوامی جی نے تب برا منا کر کہا ارے چھوکرے۔ اب تیرا بار بار یہ کہنا کم ظرفی ہے۔ میں ضد کرتا تو اپنے شبد کو درست کر سکتا ہوں۔ اور تو اس کا کھنڈن نہ کر سکیگا۔ لیکن یہ ادھرم ہے۔ اس واسطے ہم نے غلطی مان لی تھی۔ اب کوئی معقول بات کر۔

۱۹۔ تم سب کا وید ستے ہے

مرادآباد کے دو تین پنڈت لوگ بحث کرنے آئے۔ سوامی جی کا شریر دستوں کی بیماری سے دُربل تھا۔ پھر بھی پنڈت لوگ بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ سوامی جی نے کہا۔ "بھائی گھبراؤ مت۔ جو پوچھنا ہو۔ ساودھان ہو کر کہو" پنڈت بولے کہ مہاراج آپ کے سنمکھ ہماری کیا سامرتھ ہے۔ اور پھر یہاں آپ کے سب شِشیہ بیٹھے ہیں۔ ہماری کون مانیگا۔ سوامی جی بولے "تم کو دھرم کی بات کہتے لجا نہیں آتی۔ دیکھو تمہارے سامنے ہمارا شِشیہ جگن ناتھ ہماری بات کو کبھی مان سے نہیں مانتا اور کہہ رہا ہے۔ کہ جب تک آپ پرمان سمہت نہ بتلائینگے کبھی نہ مانونگا۔ یہ لوگ ہماری ہاں میں ہاں ملانے والے نہیں ہیں"۔

اتنے پر بھی پنڈت لوگوں کو جرأت نہ ہوئی۔ تب سوامی جی نے سب کو کہا "بھائی تم سب کا ویدمت ہے۔ اگر کہو گے کہ ہم دیانند سوامی کے مت میں ہیں۔ تو کوئی پرشن کرے گا کہ دیانند اور اس کے گورو کا مت ہے؟ تب جواب نہیں دے سکوگے"۔

۲۰۔ پالیسی کرنا دھرم وِرودھ ہے

تھیوسافیکل سوسائٹی والوں کو جب سوامی نے نئی پالیسی پر کام کرتے ہوئے سمجھا تو قطع تعلق کا اعلان کرنے لگے۔ مگر سماجک ممبر چاہتے تھے آپ نیتی سے کام لیں۔ سوامی جی نے کہا۔ میں اب تمہاری بات نہیں مانونگا۔ پالیسی کرنا دھرم وِرودھ ہے۔ آگے جے پور میں کچھ مہاشئوں کی تحریک پر ہم نے ویشنو کے مقابلے میں شیومت کو اچھا سدھ کیا۔ تو وہاں سب منشوں اور راج گرہ کے ہاتھی گھوڑوں تک کو رودراکش پہنائے گئے۔ اب تک پرانا کوئی کوئی آدمی ملتا ہے اور رودراکش دکھا کر چڑاتا ہے۔ کہ یہ وہی ہے۔ جس کے گُن آپ نے گائے تھے۔ سو اب ہم کداپی دھرم کے معاملے میں پالیسی کا دخل نہ ہونے دینگے۔ اور خالص ستیہ ہی کہیں گے۔

۲۱- کوئی ترغیب اثر نہ کرے

اودے پور کے کویراج شیام داس جی عموماً سوامی جی کے ست سنگ میں رہتے تھے۔ وہ کئی موقعوں پر سوامی جی کو کہتے۔ کہ آپ کو راج نیتی کے مطابق پالیسی سے کام کرنا چاہیئے۔ مگر انہوں نے نہ ہی مانا۔ مہاراج نے بھی کئی بار کہا۔ کہ آپ مورتی پوجا کا کھنڈن نہ کریں۔ عام لوگ مخالف ہو جاتے ہیں۔ سوامی جی نے اُتر دیا کچھ ہی ہو ہم ایسی باتوں کو نہیں مان سکتے۔ نہ ستیہ کو چھوڑ سکتے نہ چھپا سکتے ہیں۔ خواہ کوئی کتنا ہی ورودھ ہو۔

۲۲- ہمیں معلوم نہ تھا آپ ایسے وِدوان ہیں

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ سوامی جی مراد آباد میں بیماری کے سبب پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ ایک ویدچرک سشرت کے جاننے والے شاہ جہان پور سے آئے اور فرش پر بیٹھ گئے۔ جب بات چیت ہوئی تو ویدراج نے ایک نہایت اعلیٰ بات کہی۔ یہ سنتے ہی سوامی جی باوجود بیمار ہونے کے فوراً پلنگ سے اُٹھے اور ساتھ کے کمرے سے کرسی خود اُٹھا کر لے آئے اور آدر ستکار سے ویدجی کو کہا آپ یہاں پدھاریئے ہمیں معلوم نہ تھا۔ کہ آپ ایسے ودوان ہیں۔

۲۳- گو ہتیا میں فائدہ ہی یا گورکھشا میں

اجمیر میں سوامی جی کو کرنیل بروک ایجنٹ گورنر جنرل ملے۔ سوامی جی لالہ بھنی لال کے باغ میں بیٹھے تھے۔ کہ کرنیل صاحب آ گئے۔ آپ گیردے بستر سے بہت چڑتے تھے اس لئے ایک برہمن نے کہا مہاراج! کرسی ادھر کر لو۔ یہ صاحب سادھوؤں سے بہت غصے ہوتے ہیں۔ سوامی جی بولے ہونے دو۔ وہ دیکھتے دیکھتے آ گئے اور سوامی جی کے

باس اندر گھس آئے۔ وہ برہمن بولا دیکھا مہاراج میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ سوامی جی نے کہا کچھ پرواہ نہیں آنے دو۔ اور خود اُٹھکر ٹہلنے لگ گئے۔ صاحب جب آئے ٹوپی اتار ہاتھ میں لے سوامی جی سے ہاتھ ملا کرسی پر بیٹھ گئے اور باتیں کرتے رہے۔

سوامی جی نے کہا آپ دھرم کا ستھاپن کرتے ہو یا کھنڈن ؟

(ک) ہمارے ہاں ہی دھرم کا ستھاپن کرنا اچھا ہے۔ لیکن جس میں فائدہ ہو وہ کرتے ہیں ÷

(س) آپ فائدہ نہیں نقصان کی کرتے ہیں ÷

(ک) کیسے ؟

سوامی جی نے ایک گؤ کے دوارا ہزاروں منشوں کی پالنا ہونے کا حساب سُنایا جیسا گؤ کرنا ندھی میں لکھا ہے۔ اور پھر پوچھا کہ فرمائیے۔ اس گؤ بدھ کرنے میں آپ کو فائدہ ہے یا نقصان ؟

(ک) ہوتا تو نقصان ہے ÷

(س) پھر آپ گؤ بدھ کیوں کرتے ہو ؟

(ک) یہ بات تو آپ کی ہم کو منظور ہے۔ آپ کل ہمارے بنگلے پر آویں۔ وہاں بات کرینگے۔ چنانچہ دوسرے دن پون گھنٹہ بنگلے پر گورکھشا کی بات ہوئی۔ صاحب بہادر ہر طرح قائل ہو گئے۔ مگر کہا کہ گؤ بدھ کو بند کرانا میرے اختیار نہیں۔ آپ لاٹ صاحب کو ملئے۔ وہ بند کرا سکتے ہیں۔ یہ بے شک فائدہ کی بات ہے۔ اس کے بعد صاحب نے سوامی جی کو بڑی اعلےٰ چٹھی دی ÷

۲۴۔ انڈیا کونسل میں گورکھشا کیلئے کوشش کیجئیگا

فرخ آباد میں اہلکار ورشتی سے سوامی جی ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم اور لاٹ صاحب سے ملے۔ اور لاٹ صاحب کو کہا کہ آپ یہاں سے ولائت جا کر انڈیا کونسل میں بھرتی ہونگے

اس لئے بہتر ہے۔ کہ انڈیا کی بہتری کے واسطے گورکشا کے وشے میں آپ کوشش کریں۔ انہوں نے وعدہ فرمایا۔ کہ جو کچھ بن سکیگا کرونگا۔

۲۵۔ انگریز کو گورکھشک بنا دیا

دانا پور میں پادری جونس صاحب سے ملے۔ سوامی جی نے پوچھا کہ کس خیال کو نیکی کہتے ہیں؟

(پادری صاحب) آپ ہی فرمایئے۔

(سوامی جی) ہم نیکی کہتے ہیں اس کو جس سے بہتوں کا اپکار ہو۔ صاحب نے اسے قبول کیا۔

(سوامی جی) گائے سے زیادہ اپکار ہوتا ہے یا مانس سے؟ دونوں باتوں کا فرق اس طرح ہے۔ کہ گائے کے دودھ اور اس کے بچھڑے بچھڑیوں کے دودھ دینے و کاشت کرنے کے ذریعے لاکھوں لوگوں کا بھلا ہوتا ہے اور مانس صرف چند آدمیوں کے کام آتا ہے۔ سارا حساب بتایا اور پوچھا کہ اب فرمایئے۔ گائے کا بچانا دھرم ہے یا مارنا؟

(صاحب) اس سے تو بچانا ہی دھرم سدھ ہوتا ہے۔

(سوامی جی) جو سدھ ہو اسی پر چلنا چاہیئے یا نہیں؟

(پادری) ہاں چلنا چاہیئے۔

(سوامی جی) پھر آپ گو مانس کو چھوڑ دیجئے۔

(پادری) میں اس سے آگے گو مانس نہ کھانے کا اقرار کرتا ہوں۔

۲۶۔ گورکھشا کے متعلق ایک خاص سکیم

بمبئی میں گورکھشا کے متعلق سوامی جی نے خاص سکیم نکالا۔ تمام معززین

گورنمنٹ ان دے کر سبھا کی اور گورکھشا پر ایسا اعلے ٰ دیا۔ کہ سامعین عش عش کرتے تھے۔ کہتے ہیں گورکھشا کے کام کی بنیاد نیتی پرانت میں اسی لکچر سے پڑی ؛

آپ نے گورکھشا کے لئے ایک موثر اپیل چھپوائی اور اشتہارات چھپوائے جن میں لکھا تھا۔ کہ گورکھشا کے تمام حامی اس فارم پر جو بھیجتا ہوں دستخط کرکے واپس کریں۔ دستخط کھیا لوگوں کے ہوں جو لکھیں کہ ہم اپنے گاؤں یا برادری کے اتنے سو یا اتنے ہزار پرش کی اور سے دستخط کرتے ہیں۔ جن کی اور سے جو دستخط کریں ان سب سے ہستا کھشر کرا کے اپنے پاس رکھیں۔ اس طرح سوامی جی چاہتے تھے۔ کہ دو کروڑ کے دستخط کروا کے معاملہ پارلیمنٹ تک پہنچا دیں ؛

اس بارے میں تمام راجوں مہاراجوں اور ملک کے سیٹھ ساہوکاروں سے بڑی خط وکتابت ہوئی اور دستخط بھی ہر جگہ سے ہزار ہا کے ہوئے ؛

۲۷۔ بھینسوں کی وکالت

اودے پور میں درگا کے دنوں میں بھینسے بہت مارے جاتے تھے۔ اس پر سوامی جی نے دربار اودے پور سے ایک بڑا مدلل مباحثہ کیا بطور مقدمہ کہا۔ کہ ہم کو بھینسوں نے وکیل کیا ہے۔ آپ راجہ ہیں۔ ہم آپ کے آگے مقدمہ کرتے ہیں تمام نشیب و فراز سمجھا کر اور پرانی رسموں کے متعلق نئے نئے لباس دکھا کر سوامی جی نے اچھی طرح سمجھایا۔ کہ ان کے مارنے سے سوائے پاپ کے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ نہایت ظلم ہے ؛

اس کے بعد دربار۔ کو اس عمل سے منع کیا۔ راناصاحب نے تسلیم کیا۔ مگر یہ کہا کہ آہستہ آہستہ بند ہوسکیگا ؛

چنانچہ سوامی جی نے اُن سے فہرست بنوائی اور دھیرے دھیرے اس قبیح رسم کے بند ہونے کی تسلی کی ؛

شکھشا انسانوں کو اپنے اپنے خیالات میں سچائی کو بند نہ سمجھنا چاہیے بلکہ سچائی کو اپنے اندر دھارن کرنا چاہیے ۔ استوک ستیہ کا گیان ایشور سے ہی منش کو ملتا ہے ۔ ایشوری گیان وید ہی ہے ۔ جس سے انسانوں کو رہنمائی مل سکتی ہے ۔

سچائی کو گرہن اور جھوٹ کو تیاگ کرنے کے لئے ہمیشہ مستعد رہنا چاہیے جھوٹ سے بڑھ کر کوئی دشمن اور سچائی سے بڑھ کر کوئی متر نہیں ۔ جھوٹ یا غلطی یا کوئی برا کام جو بھی ہو جاوے ۔ اس کے ظاہر کرنے والے پر کرودھ نہ کرو ۔ بلکہ اس کے مشکور ہو ۔ اور فوراً اس غلطی یا برائی سے بچنے کا اپائے کرو ۔ جو بھی ودوان ہو ۔ اس کی عزت کرو ۔ اور پوجا کرو ۔ اسی پرکار گائے آدی پشو جو بھی تمہارے لئے لابھ کاری ہیں ان کی رکھشا کرو ۔ اپنی رائے یا عمل کا پکھش پات کرنا گرے ہوئے انسانوں کا کام ہے ۔ قدرتاً سب کا پکھش ایک ماتر سچائی ہے ۔ ہٹی سوارتھ جہالت آدی کو چھوڑ کر انسان کیول یہی اصول اختیار کر لیں ۔ کہ ہم تو کسی بھی خاص انسان یا خیال کو لکھش نہیں رکھتے کنتو ستیہ کے ہی پریمی ہونگے ۔ تو تمام جگت ایک مت ہو کر آنند دھام بن سکتا ہے ۔

ع

راستی موجب رضائے خدا است

چھٹا سرگ

نربھیتا

میرے سر پر گرے کوہِ رنج و الم — ہوگا باطل کے آگے نہ ہرگز یہ خم
لاکھ دُنیا کرے مجھ پہ جور و ستم — جُھنڈِ حق سے ہٹونگا نہیں اک قدم

سچے علم اور عمل کا پھل اطمینانِ قلبی یا شانتی ہے۔ اُن کو پا کر آدمی کو بھے اور دُکھ نہیں رہتا۔ اس کے خلاف جگت کا عمل آج کل دُکھ اور بھے کا گھر ہے۔ ملازم ڈر رہا ہے۔ کہ ہمیں رشوت دینے والا کہیں شکایت نہ کر دیوے۔ پردہ فاش ہوا تو مارا جاؤنگا۔ مقروض کو بھے ہے۔ کہ قرض خواہ آ کر توہین نہ کرے۔ بالک وقت کھیل کود میں گنوا کر گورو کے سامنے کانپتا ہے۔ کہ سبق یاد نہیں سزا ملیگی۔ اِسی پرکار شرابی۔ بھبچاری جھوٹے سب اشخاص ہر سمے دل میں بھے مان رہے ہیں۔ قاتل کے سینے پر ہاتھ رکھو۔ کس طرح دھڑکتا ہے۔ چور کے دل کی طرف نگاہ کرو۔ بلی کی آہٹ پر بھی جاگ نکلتا ہے کہ کوئی پکڑنے آیا۔

اِن سب سے سپشٹ ہے۔ کہ جہالت اور دُراچار سے انسان کتنے کمزور پست حوصلہ اور بھیرو ہوتے ہیں۔ اور اسی خیال سے ایک لائق آدمی کہتا ہے کہ جتنے شخص چاپلوسی اور للو پتو کی باتیں کرتے یا پیچیدہ طریق اور پالیسی سے کام نکالتے ہیں۔ اُن کے دل میں کمزوریاں ہیں۔ ملازم اپنے سے بڑے عہدہ دار کے لئے اگر خطاب القابات چھنٹنے اور میراسیوں کی طرح اُن کی بڑائی کرنے میں لگتا ہے تو

بار بار کھونہ رشی یا بددیانت ہے۔ اور جو با اصول آدمی صاف اور کھری بات منہ پر سنا دیوے۔ اس کی جرأت اُس کے دل کی صفائی کو ظاہر کرتی ہے۔ ایسے ہمارے دشمن بھی مبارک ہیں ؎

کو دشمن شوخ چشم بیباک　　کو عیب مرا بمن بگوئید

بے خوف سفیہ وکتا ہونا ورلے ہی شور بیر کا کام ہے۔ دیانند سا عالم باعمل ہی اس آدرش کا نمونہ دکھا سکتا ہے۔ رشی سچا تپسوی بڑے سے بڑے پرش کے سامنے ستیہ کہتے ہوئے بھئے نہیں کھاتا۔ کھلے میدان ڈنکے کی چوٹ استیہ کا کھنڈن کیا۔ ایسے زمانے میں کہ رائج الوقت جھوٹی باتوں کے خلاف دچار کرنے کی بھی کسی کو جرأت نہ تھی یہ سب رشی کے دل کی سچائی اور من بچن کی مطابقت کا ثبوت ہے ❖

۱۔ بھاگوت سپتاہ کھنڈن

۲۴ جنوری ۱۸۶۵ء کو سوامی جی گوالیار پدھارے۔ یہاں مہاراجہ جیاجی راؤ سندھیا نے بھاگوت سپتاہ کی تیاری کر رکھی تھی۔ کتھا کا مہورت ریاست کی سرب سردار منڈلی کے سامنے نکالا گیا۔ لائق جوتشیوں نے مین میکھ بچار کر ۲ فروری کا مہورت اُتم بتایا۔ دیش ودیشانتروں کے لائق پنڈتوں کو تاریں دے کر اطلاع دی گئی۔ کاشی پونا ستارا آدی سے چار سو بھاگوتی پنڈت اکٹھے ہوئے۔ اُن کے سواگت اور ستکار کا پربندھ بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ تین منڈپ بڑی سندرتا سے سجائے گئے کتھا کرنے والوں کی پیشوائی میں مہاراجہ صاحب خود گئے۔ انہیں رتھ میں ساتھ بٹھا کر لائے تھے۔ قیمتی چیزیں ہر ایک پنڈتوں کو دان ملی تھیں۔ جیسے مہروں کی دکھنا سونے کی چھڑی۔ بالکی۔ بگھی وغیرہ ❖

جب سوامی جی کے آنے کی خبر ملی۔ پنڈت درشنوں کو جانے لگے اور دہاں پر وہ سنسکرت سن کر سوامی جی کی مہما گانے لگا۔ مگر بھاگوت سپتاہ کا ذکر سن کر سوامی جی

طبیعت میں عجیب جوش پیدا ہوا اور انہوں نے زور سے اس کا کھنڈن شروع کر دیا۔ اور گنگا پرشاد دفعدار آدمی پرشوں کو بڑے بڑے کھٹ شاستریوں کے پاس بھیجا۔ کہ وہ ہمیں درشن دیں اور وچار کریں۔ اٹھوا ہمیں اپنے پاس بلادیں یہ سب لوگ بابو پٹ شاستری کے پاس گئے۔ اور اسے اپنے ساتھ گاڑی میں لے کر مہاراج کے پاس گئے اور کہا کہ ایک پورن برہمچاری سوامی بھاگوت کا کھنڈن کرتے ہیں۔ وہ ہمیں سرکار کی طرف سے دشنو دیکھشت جی پنڈت سوامی جی کے پاس پہنچے۔ اور پرنام کر کہنے لگے کہ مہاراج نے مجھے بھیجا ہے۔ کہ بھاگوت سپتاہ کا مہاتم آپ سے پوچھوں۔ سوامی جی نے ہنس کر کہا۔ کہ دکھ اور کلیش کے بنا اس کا کوئی پھل نہیں چاہے کر کے دیکھ لو۔ مہاراج یہ اُتر سُنکر ہنس پڑے کہ آپ بڑے سرتھ ہیں۔ چاہیں سو کہیں۔ مگر اب تیاری ہو لی۔ پنڈت آچکے اس لئے بند نہیں کر سکتے۔ گوبند بابا جی نے مہاراج سے کہا۔ کہ ایسے مہاتما کا شامل ہونا بڑا ضروری ہے۔ مگر جب سرکار سے منتر ان پہنچا۔ تو آپ نے کہا کہ گایتری کا پرشچرن ہونا چاہیئے۔ مگر کھتا کو اب کون روکتا تھا۔ یہ دھوم دھام سے ہوتی رہی اور سوامی جی بھی نربھیتا سے کھنڈن کرتے رہے۔

کتھا کا درشیہ بڑا ہی دچھنر ہوتا تھا۔ بڑے بڑے پنڈت کتھا باچتے اور ہزاروں کی دکھشنا پاتے۔ گوبند بابا جی کو دو لاکھ ملے۔ مگر ہر روز کچھ نہ کچھ بگھن ہی پڑتا رہا۔ پہلے روز مہارانی کا پانچ ماہ کا گربھ پات ہو گیا۔ دوسرے دن راؤ جی شاستری کے گھر میں موت ہو گئی۔ تیسرے دن کوٹھی منڈپ کے سامنے کسی نے سانڈ کو زخمی کیا اور خود بھاگ گیا۔

کتھا کے کچھ دن بعد کوتوال نے رپورٹ کی۔ کہ شہر میں سخت گرمی اور لوگوں کا بُرا حال ہے۔ ۲ دن بعد شہر میں ہیضہ پڑ گیا۔ شہر میں ہر طرف بربادی ہوئی۔ اور ماتم برپا ہو گیا۔ ۳۰۔ اپریل کو کنور صاحب کو ہیضہ ہوا اور وہ چل بسے۔ سپتاہ

کی سماپتی پر ان کنور صاحب کو سب برہمنوں کے چرنوں میں ڈالا گیا تھا۔ گو بیند بابا نے اُسے گود میں لیا۔ اور سب نے آشے سو برس تک جینے کی آشیرباد دی تھی اور اُس پر صدقہ اتار اگیا تھا۔

۲۔ مت سمجھو میں اکیلا ہوں

کشن گڑھ کے راجہ بلبھ کُل کے سیوک اور سوامی جی بلبھ کُل کے مشہور مخالف تھے۔ کھنڈن ہوا تو لوگ لگے متھے ستانے۔ آخر ٹھاکر گوپال سنگھ جی تیس چالیس آدمیوں اور سات آٹھ پنڈتوں کو لے کر پہنچے۔ سوامی جی سنوچ آدی سے فارغ ہو کر آئے اور پوچھا آپ لوگ کیسے آئے؟ ایک پنڈت نے کسی پستک کے پترے پیش کئے (سوامی جی) پڑھو ہم اُتر دینگے۔ پنڈت نے پڑھا۔ مطلب یہ تھا۔ کہ ہمارا مت سناتن ہے ہم سیدھے مارگ پر ہیں اور ہمارا بھوجن ٹھیک ہے سوامی جی نے اُتر دیا۔ تو لگے ہلہ کرنے۔ یہ دیکھکر سوامی جی تخت پر کھڑے ہو گئے اور بولے کہ مت سمجھو میں اکیلا ہوں۔ باوجود اکیلا ہونے کے تمہارے واسطے کافی ہوں۔ تم کو شاستر ارتھ کرنا ہے تو بھی تیار ہوں بشستر ارتھ سے بھی پیچھے نہیں۔ اتنے میں تیس چالیس آدمی سوامی جی کی مدد کو پہنچ گئے۔ اور یہ لوگ کھسکتے ہوئے۔

۳۔ مگر سے بے خوف رہے

سوامی جی ایک روز نصف تن گنگا میں لیٹے تھے۔ ایک بڑا مگر نزدیک ہی پانی میں نکلا۔ ساتھی نے شور مچایا اور بھاگا کہ بڑا بھاری مگرمچھ نکلا ہے۔ مگر سوامی جی جیسے تھے ویسے ہی پڑے رہے اُن کے چہرہ یا جسم پر کسی طرح کا خوف ظاہر نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب ہم اُس کا کچھ نہیں بگاڑتے۔ تو

وہ ہمیں کچھ بھی نہیں کہے گا +

۴- کیا بھرشٹاچار کر رکھا ہے

کان پور کے درگا پرشاد نے میم رکھی تھی۔ سوامی جی نے اُسے بھچار سے بچنے کا اُپدیش دیا اور بے خوف ہو کر کہا۔ یہ تُو نے کیا بھرشٹاچار کر رکھا ہے +

۵- تم لوگ ہم کو بدمعاشی دکھلاتے ہو؟

مرزا پور میں پہلے تو چھوٹو گر آدی نے فساد کیا۔ سوامی جی کی جگہ پر جگّھا رکھکر چھوڑ کر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا۔ بچہ ابھی تک تو کچھ نہیں پڑھا۔ شیولنگ کے متعلق ذکر کر کے بیہودہ الفاظ کہتا رہا مگر سوامی جی کی نرمی اور عالمانہ باتوں کو سُنکر اُس کے سب ساتھی سیدھے ہو گئے۔ اور اُسے بھی اُنہوں نے بھلا مانس بننے کو اشارہ کیا۔ مگر پیچھے جب بہت بھیڑ بھاڑ ہو گئی۔ اور پنڈت لوگوں سے مباحثہ ہوا تو ایک شخص نے ہتھیلی بجا کر پنڈتوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔ سوامی جی سمجھے کہ ہنسی کے لئے تالی بجائی ہے۔ للکار کر بولے کہ کس لئے تالی بجائی ہے۔ خبردار ایسا کرو گے۔ تو میں اکیلے ہی سب کو مار سکتا ہوں۔ تم ہم کو بدمعاشی دکھلاتے ہو۔ کواڑ بند کر لو۔ لوگ باہر نہ جانے پاویں۔ رام پرشاد خوف سے کانپ کر اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ مہاراج میں نے چلنے کا اشارہ کیا ہے۔ ہنسی کے طور پر تالی نہیں بجائی۔ تب سوامی جی شانت ہو گئے +

۶- کیا یہ مشہور بیغامر دیا نند ہے؟

سوامی جی پٹنہ سے مونگیر جاتے تھے کہ رستے میں جمال پور سٹیشن جنکشن پر سوامی جی حسب دستور کوپین پہنے گھومنے لگے۔ اول درجہ کے ویٹنگ روم میں ایک انجینئر صاحب معہ اپنی میم کے ٹھیرے تھے۔ میم صاحب ایک غیر مہذب فقیر کے سامنے گھومنے پر ناراض

ہوئیں۔ اور سٹیشن ماسٹر کو بلا کر صاحب بہادر نے کہا کہ اس فقیر کو سامنے سے ہٹا دو۔ سٹیشن ماسٹر سوامی جی کا بھگت تھا۔ ڈرتا ہوا آیا اور یوں عرض کی۔ کہ "مہاراج ٹرین کے آنے میں ابھی دیر ہے۔ ادھر تشریف لے چلئے اور کرسی پر آرام کیجئے"۔ سوامی جی مطلب سمجھ گئے اور بولے "شاید صاحب نے بھیجا ہے۔ کہ بد تہذیب سادھو کو ہٹا دو۔ جاؤ صاحب اور میم کو کہدو کہ ہم اُس زمانے کے آدمی ہیں۔ جبکہ بابا آدم اور ماما حوا عدن کے باغ میں ننگے گھومنے میں شرم محسوس نہ کرتے تھے۔ یہ کہکر سوامی جی تو گھومنے لگے۔ اور سٹیشن ماسٹر عجیب حیرانی میں پڑا۔ نہ راہ رفتن نہ پائے ماندن آخر صاحب نے بلا کر پوچھا۔ کہ فقیر ہٹا نہیں کیا کہتا ہے۔ پہلے تو بابو ہچکچایا۔ مگر آخر اُس نے سوامی جی کا جواب سنایا اور کہا کہ حضور یہ اپنی موج کے مالک ہیں۔ کسی کی بات نہیں سنتے۔ مست فقیر جو ٹھیرے۔ صاحب نے نام پوچھا اور "سوامی دیانند سرسوتی" کا نام سنتے ہی بے اختیار اُٹھ بیٹھا اور بولا۔ کیا یہ مشہور ریفارمر گریٹ Great دیانند ہے (سٹیشن ماسٹر) ہاں حضور وہی ہے۔ صاحب ٹوپی اُتار کر فوراً سوامی جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑے ادب سے سلام کر کے بولے۔ مدتوں سے درشنوں کا بھوکا تھا۔ آج پرمیشور نے آپ کے درشن کرائے۔ آدھ گھنٹہ بات چیت کر کے اور ریل میں سوار کرا کے صاحب رخصت ہوئے۔

٧ - دوش بچوں کے بچوں کا ہے

بریلی میں سینچر وار ٹون ہال میں لیکچر ہوا کئی لوگوں نے عرض کی۔ کہ کل اتوار کو ایک گھنٹہ دیا کھیان پہلے شروع ہو۔ سوامی جی نے کہا میں ۲½ میل کے فاصلہ پر ٹھیرا ہوں اور وقت میرا تقسیم ہو چکا ہے۔ اس لئے سواری کا انتظام ہو جاوے۔ تو میں ایک گھنٹہ پہلے آ جاؤنگا۔ خزانچی لکشمی نرائن نے اقرار کیا کہ سواری پہلے پہنچ جاوے گی مگر وقت مقررہ سے سوامی جی پون گھنٹہ پیچھے پہنچے۔ لوگوں کو بہت انتظار کرنا پڑا۔

سوامی جی بگھی سے اُترتے ہی ٹون ہال پہنچے اور سوٹا دیوار کے ساتھ ٹکا کر بولے
ہم میں وقت مقررہ پر طیار تھا۔ لیکن سواری نہ آئی۔ بعد انتظار کے پیدل چل پڑا۔
رستے میں بگھی معمولی وقت پر ملی اس لئے دیر ہوگئی۔ یہ سبھیہ جنوں امیروں کا دوش نہیں ہے
بلکہ دوش بگھوں کے بچوں کا ہے۔ جو پرتگیا پالن کرنا نہیں جانتے۔ خزانچی صاحب
جنہوں نے سواری پہلے پہنچانے کا اقرار کیا تھا۔ رہیل کھنڈ کے مشہور امیروں
میں سے تھے۔ اور انہیں کی کوٹھی میں سوامی جی ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیکن چپ
چاپ سر جھکائے انہوں نے سوامی جی کے کہنے کو سُنا ۔

۸۔ سنیہ ہی کہونگا چاہے چکرورتی راجہ بھی ناراض ہو

ایک دن سوامی جی بریلی میں لیکچر دیتے ہوئے پرانوں کی اسنبھو باتوں کا کھنڈن
کرتے تھے۔ پادری سکاٹ کے علاوہ کلکٹر اور کمشنر وغیرہ پندرہ بیس انگریز بھی
موجود تھے۔ سوامی جی نے جب پرانکوں کی پنج کنواریوں کا ذکر کیا۔ اور اُن کے
وصف بیان کئے۔ تو کلکٹر اور کمشنر وغیرہ بہت ہنسے اور خوشی ظاہر کرتے رہے
سوامی جی نے کہا کہ دیکھو پرانکوں کی عقل دروپدی کے پانچ پتی کرا کے اُسے کنواری
کہتے ہیں۔ ایسا ہی کنتی تارا کا بھی ذکر کیا۔ لیکن وہیں پینترا بدلا۔ کہ پرانیوں کی تو
یہ لیلا ہے۔ اب کرانیوں کی لیلا سنو۔ یہ ایسے بھرشٹ ہیں۔ کہ کنواری کے بیٹا
ہونا بتلاتے ہیں۔ اور پھر دوش سر دیا۔ شدھ سروپ پرماتما پر لگاتے اور تنک
بھی لجت نہیں ہوتے۔ یہ سنتے ہی کلکٹر اور کمشنر کے چہرے مارے غصے کے
سرخ ہو گئے۔ لیکن لیکچر زور شور سے جاری رہا۔ اور آخر تک عیسائی مذہب
کا کھنڈن ہوا۔ اگلے دن خزانچی صاحب کمشنر کی کوٹھی پر طلب ہوئے اور صاحب

نے فرمایا۔ اپنے پنڈت صاحب کو کہدو کہ بہت سختی سے کام نہ لیا کرے۔ ہم عیسائی تو مہذب ہیں۔ لیکن اگر جاہل ہندو اور مسلمان جوش میں آئیں۔ تو لیکچر بند ہو جائینگے۔ خزانچی نے سوامی جی کو پیغام پہنچانے کا وعدہ کیا۔ لیکن انہیں اسے جرأت ہوئی نہ کسی اور کو۔ آخرکار ایک ناستک کی ڈیوٹی لگی۔ کہ وہ پیغام پہنچائے مگر جب سب آگے ہوئے تو وہ صرف یہی کہہ سکا کہ خزانچی صاحب کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں کمشنر نے بلایا تھا۔ اب کیا تھا۔ ساری مصیبت خزانچی صاحب کے سر ٹوٹ پڑی۔ کبھی سر کھجاتے۔ کبھی گلا صاف کرتے۔ سوامی جی پانچ منٹ تک حیرت سے دیکھتے رہے۔ تب بولے بھئی تمہارا تو کوئی کام کرنے کا سمے ہی نہیں ہے تم اس کی قدر نہیں جانتے۔ میرا سمے انمول ہے۔ جو کہنا ہو۔ جلدی کہدو۔ (خزانچی) تمہارا رج اگر سختی نہ کی جاوے تو کیا ہرج ہے۔ اس سے اثر بھی اچھا پڑتا ہے اور انگریزوں کو ناراض کرنا بھی اچھا نہیں ہے" وغیرہ وغیرہ۔ یہ لفظ اٹک اٹک کر اور مشکل سے خزانچی جی کی زبان سے نکلے۔ سوامی جی نے ہنس کر فرمایا۔ ارے بات کیا تھی جس کے لئے گڑگڑاتا ہے۔ اور ہمارا سمے خراب کیا۔ صاحب نے کہا ہوگا۔ تمہارا پنڈت سخت بولتا ہے۔ ویاکھیان بند ہو جاوینگے وغیرہ۔ ارے بھائی ہم ہوّا تو نہیں جو تجھے کھا جاتے۔ اس نے تجھ سے کہا۔ تو مجھے سیدھا کہد دیتا۔ خیر لیکچر کا وقت آیا۔ تو آپ نے ست کے بل پر بولنا شروع کیا۔ سب انگریز پہلے دن والے پادری سکاٹ کے سوا موجود تھے۔ چپ چاپ محو ہو کر لیکچر سنتے رہے۔ رشی نے فرمایا۔

"لوگ کہتے ہیں۔ کہ ستیہ کو پرکٹ نہ کرو۔ کلکٹر کرودھت ہوگا۔ کمشنر اپرسن ہوگا۔ گورنر چڑھ جاوے گا۔ ارے چکرورتی راجہ کیوں نہ اپرسن ہو۔ ہم تو ستیہ ہی کہیں گے"۔

اس کے بعد اس واکیہ کو پڑھا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ آتما کو نہ ہتھیار

چھید سکتا ہے۔ نہ آگ جلا سکتی ہے گرجتی ہوئی آواز میں بولے:۔
"یہ شریر تو انتیہ ہے۔ اس کی رکھشا کے لئے اودم کرنا ویرتھ ہے جس منش کا جی چاہے۔ اسے ناش کر دے"
پھر چار دن اور اپنی تیکھن آنکھوں کی جیوتی ڈال کر گرجتی ہوئی آواز میں فرمایا "لیکن وہ شور بیر پرش مجھے دکھاؤ جو میرے آتما کو ناش کرنے کا دعوے کرتا ہے۔ جب تک ایسا بیر سنسار میں دکھائی نہیں دیتا۔ میں یہ سوچنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں۔ کہ آیا میں ست کو دباؤں گا یا نہیں"

۹۔ بلا لحاظ کھری سنائی

سوامی جی کو معلوم ہوا کہ اُن کے میزبان خزانچی صاحب نے بازاری عورت کو گھر میں ڈالا ہوا ہے۔ اس روز خزانچی آئے تو پوچھا "خزانچی تم کون ہو؟ جواب ملا "مہاراج آپ گُن کرم سبھاؤ انوسار ورن ویوستھا مانتے ہیں۔ میں کیا جواب دوں" فرمایا یوں تو سب ورن سنکر ہیں۔ مگر پھر بھی تم زمانہ تم اپنے آپ کو کیا کہتے ہو۔ بولا کھشتری ہوں۔ سوامی جی بولے۔ یدی کھشتری کے ویریہ سے ویشیا میں سنتان ہو تو اُسے کیا کہو گے۔ خزانچی نے سر نیچا کر لیا۔ تب مہاراج نے کہا "سنو بھائی ہم کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ سچ سچ کہیں گے۔ اُسی رات کو خزانچی صاحب نے بازاری عورت کو کہیں بھیجدیا۔
اسی پرکار فرخ آباد کے سیٹھ جگن ناتھ کا عیب آپ نے نصیحت کر کے اور کھری سنا کر دور کیا۔

۱۰۔ موجودہ راج میں مذہبی آزادی

دانا پور میں مسلمان لوگ بہت مخالفت کرتے تھے۔ اس لئے ایک مہاشے

نے صلاح دی۔ کہ مسلمانوں کے خلاف آپ کچھ نہ کہیں۔ اُس وقت سوامی جی نے جواب نہ دیا۔ مگر اگلے دن دیاکھیان میں دین اسلام کا خوب کھنڈن کیا اور کہا کہ چند چھوکروں کے چھوکرے ہم کو منع کرتے ہیں۔ مگر میں ستیہ کو کیوں چھپاؤں۔ جب اُن کی چاہت تھی۔ وہ تلوار سے کھنڈن کرتے رہے۔ اب کیا اندھیر ہے کہ مجھے باتوں سے کھنڈن کرنے میں بھی روکاوٹ ڈالتے ہیں۔ ایسا اچھا راج پاکر جھوٹ کا پول کھولنے سے کیسے رُک سکتا ہوں۔ یہی تو اس راج کی بڑائی ہے۔ ایک جگہ دیاکھیان کا نوٹس ایک دن پہلے دیا گیا۔ کہ کل انجیل کا کھنڈن ہوگا۔ لیکچر میں بہت سے انگریز یسیی پادری آئے۔ حتیٰ کہ جنرل رابرٹس صاحب بھی پدھارے۔ میری زبان جب چلتی بھی طاقت بھی۔ بائبل کا کھنڈن کیا۔ اس کا پرسپر وردھ دکھایا۔ لیکچر ختم ہونے ہی جنرل صاحب بہت خوش ہو کر ملے۔ ہم سے آکر ہاتھ ملایا۔ اور کہا بے شک آپ بے خوف آدمی ہیں۔ ہمارے سامنے جب ہمارے مذہب کا آپ نے اتنا کھنڈن کیا تو اور کسی سے کیا ڈرتے ہونگے؟

۱۱۔ آپ کو جینی لوگ قید کرانیوالے ہیں

لالہ بھولاناتھ سوامی کو سہارن پور سٹیشن پر ملے اور کہنے لگے مہاراج جینی لوگوں نے آپ کے پکڑنے کے واسطے اشتہار دیا ہے۔ اور بموجب تعزیرات ہند آپ کو قید کرانے کی صلاح کی ہے۔ سوامی جی بولے سوامی کو جنتی آنچ دو دکھنڈن ہی ہوگا۔ سوامی کو اگر توپ کے منہ سے باندھ کر بھی کوئی پرشن کرے کہ کیا ستیہ ہے۔ تو وید کی شرتی ہی منہ سے نکلیگی۔ اور اب تو میں نے بہت جینی گرنتھ دیکھ لئے۔ وہ میرے پرشنوں کا کیا اُتر دینگے۔

۱۲۔ ضرور وہاں جاکر اپدیش کرونگا

سوامی جی جب جودھپور جانے لگے۔ تو آریہ لوگوں نے منع کیا۔ کہ وہ گنوار دیش ہے۔ اور لوگ وہاں کے سخت ہیں۔ آپ وہاں مت جائیے۔ مگر سوامی جی نے کہا کہ وہ اگر لوگ ہماری انگلیوں کے بتّے بناکر جلادیں۔ تو بھی پرواہ نہیں ضرور جاکر اُپدیش کرینگے۔ اور اگر یہ شریر بھی رہا تو بھی ہٹتا نہیں ستیار تھ پرکاش ٹھیک ہو ہی گیا ہے۔ اور جو کچھ کرنے کو تھا کر چکے ہیں کوئی بات نہیں رہی۔ ایک اور معزز شخص نے جودھپور جاتے وقت کہا۔ کہ مہاراج وہاں ذرا نرمی سے اُپدیش کرنا وہ کرودیش ہے۔ جواب میں فرمایا۔ کہ میں پاپ کے جنگلی درختوں کی جڑھ کاٹنے کے لئے کلہاڑی سے کام لونگا نہ کہ حجاموں کے ناخن گیر سے ان کو تراشوں گا۔ مجھے کسی کا بھئے نہیں ہے ٭

۱۳۔ مقدمہ کی دھمکی سے سنیہ کو دلاتے ہو

سوامی جی نے ستیار تھ میں جین مت کا کھنڈن کیا۔ تو یہ لوگ کئے کیٹھیاں کرنے۔ آخر ایک ایڈھ جینی ٹھاکر داس گوجرانوالہ نواسی آگے ہوا اور وہ پوجیہ آتما رام سے مل کر لگا خطوط لکھنے۔ ان میں سوامی جی پر پہلے تو دباؤ ڈالا گیا۔ کہ آپ نے ہمارے متعلق غلط لکھا ہے۔ اس کے ثبوت دیجئے۔ سوامی جی نے سارے جواب دیدیئے اور ڈنکے کی چوٹ کہا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ سنیہ لکھا ہے۔ جیسے چاہو بحث کرلو۔ اس پر بھی ضد اور ہٹ کا سلوک ہوا اور مقدمہ کا خوف دلایا گیا۔ مگر سوامی جی نے بے خوف ہو کر کہا کہ جو مرضی ہو کرلو۔ عدالت میں جاؤ تو وہیں دیکھ لینا کیا گت ہوتی ہے اور کس طرح اسنیہ کا کھنڈن ہوتا ہے۔ جینی لوگ کئی طریق اختیار کرتے تھے۔ کبھی نوٹس دیتے۔ کبھی مشہور کیا۔ کہ اتنا چندہ مقابلے کے لئے کرلیا ہے۔ کبھی افواہ اڑاتے کہ سوامی کو ماخوذ کرلیا جائیگا۔ اشتہار برخلاف لگاتے۔ مگر سوامی جی نے کہا۔ سونے کو جتنی آنچ دو وہ زیادہ چمکیگا۔ یہی حالت ویدک سچائیوں کی اور میری ہے۔ دو تین سال خط وکتابت اور چرچا ہوا۔ مگر کوئی سامنے نہیں آیا۔ اور سوامی جی استقلال

سے برابر ستیہ سنتیہ سناتے رہے۔ کئی جینی آریہ سماج کی شرن میں آئے۔ اور انہوں نے گپت پستک اُن کے حوالے کر دیں۔

۱۴- اِس بہادری پر راجہ بھی چکت رہ گیا

سوامی جی تو دیا اور سچائی کے سبب سے پہلے خوف سچے ہی۔ آریہ پُرشوں پر بھی اُن کا کمال اثر پڑتا تھا۔ اور آریہ پرش تمام لحاظ ملاحظہ کو چھوڑ کر ستیہ کہنے میں جرأت سے کام لیتے تھے۔ جے پور کا واقعہ ہے۔ کہ پہلا سالانہ جلسہ آریہ سماج کا ہوا۔ تو معززین کو شمولیت کی دعوت دی گئی۔ ہون اُپدیش آدی سے سب متاثر ہوئے۔ مگر براہمنوں کو بڑا دُکھ ہوا۔ سب مل کر مہاراج کے گورو کے پاس گئے۔ جو متھرا سے آئے تھے۔ ۲۹ آریوں کے نام ترتیب وار لکھکر مہاراج کو خط لکھا۔ کہ تو گویا لاجی کا بھگت ہے۔ اور یہ دیانند کے سب ششیہ پرماتما کا کھنڈن کرتے ہیں۔ اس لئے اِن سب کا بھدر کرا کر ریاست سے نکال دو۔ اور سب جگہ اشتہار کرا دو۔ کہ یہ لوگوں کو ناستک کرتے ہیں۔

مہاراج نے ٹھاکر گوبند سنگھ اور رگھوناتھ سنگھ کو بلا کر پوچھا۔ یہ کیا بات ہے۔ رگھوناتھ سنگھ نے سچے کھشتری کی طرح کہا۔ مہاراج! بے شک ان کا بھدر کرا کر انہیں نکال دیجئے۔ پرنتو میرا نام اس پتر میں اوشیہ پہلے ہونا چاہئے۔ کیونکہ میں اس شہر میں سوامی دیانند سرسوتی کا پہلا ششیہ ہوں خیر کچھ چنتا نہیں۔ اب تک آپ کی آگیا و کرپا سے راج کیا۔ اب آپ کی آگیا سے اس سروپ کو دھارن کرینگے۔

(مہاراج) کیا تم بھی سوامی دیانند کے ششیہ ہو؟

ٹھاکر جی نے پھر کہا:-

"میں اس شہر میں اُن کا پہلا شیش ہوں - اور مورتی پوجن کو میں بھی نہیں مانتا کیونکہ یہ دید وکت نہیں ہے- اب جو آگیا ہو۔ تعمیل کی جاوے +

اِس درڑھتا پر مہاراج چکت رہ گئے اور کہا یہ معاملہ راج کے متعلق نہیں ہے۔ گورو جی کو کسی نے بہکایا ہے- سوامی جی کے کام سے ریاست کی ہانی نہیں میں نے بھی اُن کو سُنا ہے +

تب رگھوناتھ سنگھ جی کچہری میں آئے اور ٹھاکر گوبند سنگھ جی کو کہا۔ کہ جب تک عیسائی اور مسلمان ریاست سے باھر نہ نکالے جائیں۔ ہماری سبھا کو کوئی نقصان نہ پہنچنا چاہیئے +

اُنہوں نے کہا بیشک مختلف لوگ مورتی پوجا کا کھنڈن کرتے ہیں +

۱۵-لاٹ صاحب پنجاب سے ملاقات

لاہور میں لاٹ صاحب سوامی جی کے ڈیرے پر پہنچے - اور اثنائے گفتگو میں آپ نے پانچ سوال پوچھے۔

اوّل یہ کہ مذہب کونسا اچھا ہے +

سوامی جی نے کہا۔ کوئی بھی اچھا نہیں +

لاٹ صاحب آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں- آپ تو مذہب کے پرچارک ہیں +

(سوامی جی) میں کسی مذہب کا پرچارک نہیں ۔ دھرم کا پرچارک ہوں جو وید ہے +

دوسرا سوال - ہم آگے بڑھیں یا نہیں ؟

(سوامی جی) سنسکرت میں شلوک سنا دیا- جس کا ارتھ یہ تھا- کہ دوج سنتوش کرے- تو اس کا ناش ہوتا ہے - اور برہمن سنتوشی نہ ہو- تو گر جاتا ہے

تیسرا سوال - ہندوستان میں ہماری دیرپا ترقی کیسے ہو؟

سوامی جی - وید - برہمن اور گؤ کی رکھشا سے +

چوتھا سوال - جنگ کا علم وید میں ہے یا نہیں ؟

سوامی جی - وید میں سب علم ہیں - لڑائی کے لئے دھنر وید ہے - اس کے لئے سنو سے وبوہ باندھنے کا شلوک سنایا - جس سے اپنے آدمی بچ جاویں اور شترو کے مریں +

پانچواں سوال - ہمارے عیسائی مذہب کی ترقی ہے - اگر وید سچا ہے - تو اس کو کیوں نہیں مانتے +

سوامی جی - آپ کی ترقی عیسائی مت سے نہیں - برہمچریہ کا انجیل میں ذکر نہیں مگر یوروپین لوگ بڑی عمر میں شادی کرتے ہیں - عورتوں کے حقوق ان میں محفوظ ہیں - اسی لئے وہاں ترقی ہے - یہ باتیں اصل میں وید کی ہیں - پس جو وید پر چلے وہی ترقی کرے گا +

اس کے بعد لاٹ صاحب کی کوٹھی پر ملاقات ہونے کا نشچہ ہوا - مگر سوامی جی نے یہ شرط ٹھہرائی - کہ میں انتظار بیٹھ کر نہیں کرونگا - مگر تیسرے دن وقت مقررہ پر گئے اور اطلاع دی تو ملازم نے کہا کہ ڈریسنگ روم میں ہیں - یہ سنتے ہی آپ نے گاڑی لوٹائی - مگر لاٹ صاحب نے آواز سن لی - وہ فوراً دوڑے آئے - ایک بانہ کوٹ میں ڈالے ہوئے تھے - آکر آپ نے گاڑی روک لی - اور معافی مانگی تب وید بھاشیہ کے متعلق ذکر ہوا +

سوامی جی نے کہا کہ جن لوگوں کے سپرد رائے زنی کا کام ہوا ہے - پنڈت گورپرشاد اور سٹین صاحب آدمی - وہ وید کے آشا کو نہیں سمجھ سکتے - سٹین صاحب خود آچاریوں تک تو کر نہیں سکتے +

مگر لاٹ صاحب نے کہا - ہم کیا کر سکتے ہیں - فیصلہ تو ووٹوں پر ہی کر سکتے

ہیں ۔ آپ اپنے حق میں ووٹ کر لیں ۔ تو ہمیں کوئی عذر نہیں ۔

اُس وقت تک تو راشے سوامی جی کے حق میں ہونا ممکن ہی نہ تھا ۔ لیکن سچائی آخر سچائی ہے ۔ پنڈت گورپرشاد جی سٹین صاحب کو کہتے تھے ۔ کہ افسوس تب ہم نے بے سمجھی سے مخالفت کی ۔ اگر سوامی دیانند زندہ رہتے ۔ تو وید کی تعلیم پر آپ کو کبھی نہ رہنے دیتے ۔

[illegible] پرکاش میں ہمیشہ بے خوف ہونا چاہئے - اور ایسی جرأت کے لئے ستیہ ودیا اور دھرم آچرن کو دھارن کرنا چاہیئے - یہ نربھے اوستھا بڑی حیثیت یا مان پر [illegible] نربھر نہیں بلکہ کیول دھرم میں درڑھ رہنے پر - سکندر ایسے فاتح کو بھارت کے ایک فقیر نے ہی نیچا دکھایا - جب نربھے ہوکر اُس نے سکندر کے بلانے پر جانے سے انکار کیا - اور پھر جب خود سکندر آیا - تو اپنے آپ کو اس کا غیر محتاج ثابت کیا - [illegible] جیسے بالک کو مسلمان افسروں آدمی نے کتنی ہی ترغیب دی - لیکن اس نے نربھے ہوکر دھرم کے مقابلے میں سب کے کھٹن کا ترسکار ہی کیا +

پرنس آف ویلس سمغزا آئے اور ڈنڈی ودجانندجی کا اُن سے میل ہوا - تو ایک بڑے انگریز نے ویدکی شرتی بھید سے اور اشٹدھ اُچارن سے پڑھی - ڈنڈی جی نے فوراً صاف صاف کہدیا کہ نہ جانے ایسے شخص کو ید پڑھنے کا ادھیکار کس نے دیا - کشادہ دل انگریز بہت خوش ہوکر بولا - کہ ایسا دلیر آدمی ہم نے کوئی نہیں دیکھا +

اِسی نربھے پد کا اشارہ بھرتری ہری دیتا ہے - جب وہ کہتا ہے - کہ دنیا دار خواہ بُرا کہیں یا بھلا - دولت جاوے یا آوے - جلا دیا جاوے - خواہ یُگ کے اخیر تک زندہ رہنے دیا جاوے - سُدھی مان پُرش ہرگز نیائے یا دھرم کے مارگ سے ہٹتے نہیں - یہی کرشن جی کے اُپدیش کا آشا ہے - جب وہ ارجن کو بتلاتے ہیں - کہ سمبندھیوں کی موت آدی کے بھے سے دھرم پالن یا کرتویہ سے گمراہ نہیں ہونا چاہئے +

یہی نربھیتا سقراط نے دکھائی جب اُس نے کہا :-

"اے ایتھنز نواسیو! میں تمہاری اعلے درجہ کی عزت کرتا ہوں - لیکن میں تمہاری نسبت ایشور کی آگیا کا پالن کرونگا - جب تک مجھ میں پراہ اور شکتی ہے - میں گیان کے چرچا کو بند نہیں کرسکتا - اس لئے اے میرے دیش نواسیو! میں کہتا ہوں

کہ چاہے مجھے چھوڑ دو یا مارو۔ لیکن اس بات کا یقین رکھو کہ میں جیون اُدیش کو پلٹ نہیں سکتا۔ ایک دفعہ تو کیا کئی دفعہ چاہے مجھے اس آدیش کی خاطر مرنا پڑے۔ تو بھی تیار ہوں" ؛

مذکورہ بالا الفاظ زبان حال سے اس لکش کا پتہ دے رہے ہیں۔ جو سچے دھرم پرائن اور عالم شخصوں کے مد نظر ہوتا ہے یا جسے لکش رکھکر انسان سچائی اور دھرم کو کامیابی سے دھارن کر سکتا ہے ؛

ساتواں سمر

منورنجک چھوٹی چھوٹی کتھائیں

رشی دیانند کا چت دھرم گیان سے بھرپور تھا۔ شوک ہے کہ آدمی اُن کے نزدیک بیٹھ ہی نہ سکتے تھے۔ اوپم۔ اُتساہ۔ پرسنتا۔ آدارتا اور جرأت ان کے ہر کاریہ سے ظاہر ہوتی رہی اور ہر پلٹ ہر زبہ اور پرسن چت ہونے سے بات چیت میں وہ رس بھرا رہتا تھا جسے سبھی بے تکلفانہ گفتگو یا زندہ دلی کہہ سکتے ہیں اور پھر چونکہ جواب دینے میں آپ کے تیز فہم اور باریک بین دیجز بہ کار عقل کا سنبندھ تھا۔ اسلئے جواب معقول ہوتا تھا اور اس میں زندہ دلی کیسا تھ حاضر جوابی کا کمال پایا جاتا تھا۔ اور چونکہ ہر مذہب و ملّت کے آدمی اور ہر عمر و ہر حیثیت والے اشخاص سے اُن کی بات چیت جاری رہتی تھی۔ اور لیکچروں سے جتنا پرچار ہوتا تھا اس سے کئی گنا بڑھکر اور موقعوں کی بات چیت سے ہوتا تھا۔ اس لئے ایسے واقعات ہر جگہ کثرت سے ہوتے تھے۔ جن سے اُن کی زندہ دلی۔ حاضر جوابی۔ سمجھ کی تیزی اور باریک بینی ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن ان کل چھوٹے بڑے واقعات کا فراہم ہونا نہایت مشکل اور طویل کام ہے اور اگر ایسا ہو سکے۔ تو کتاب میں اُن کی سمائی مشکل۔ صدہا لوگوں سے ان کی گفتگو ہوئی اگر سوال و جواب ایک جگہ اور ایک شخص کے متعلق ہی لکھے جاویں۔ تو ضخیم کتاب بن جاوے اس لئے اس امر کو نظر انداز کر کے یہاں بہت مختصر سی باتیں درج کی جاتی ہیں۔ جو ایک تو دلچسپی کا موجب ہوں گی۔ دوسرے سوامی جی کے متعلق معلومات بڑھائینگی اور تیسرے اصولی طور پر علم اور عقل کی رہنمائی کئی پہلوؤں میں کرینگی ٭

۱۔ سوامی جی برہمنوں کو یہہ کہتے تھے۔ کہ تو پائیں پرمیشر کرو۔ کھیر پوری
کے جاتے کا غم نہ کرو۔ ورنہ یا ہوگی تو کھیر پوری بہت زیادہ ملیگی۔

۲۔ پشکر میں سوامی جی نے پنڈت نانورام جی رئیس کو کہا کہ کنٹھی ونٹھی کیوں
باندھتے ہو۔ وہ بولا کہ جب برہمنوں کے بنا کوئی سنیاسی نہ ہوگا۔ تو ہم کنٹھی
باندھنا چھوڑ دینگے۔ سوامی جی بولے ہم کیا کریں۔ یہ تو آکاش ہی پھٹ گیا ہے
ہم سے تو کوئی پوچھے تو صاف کہیں۔ برہمن کے بغیر کسی کا ادھکار سنیاس لینے کا
نہیں۔

۳۔ کنٹھی توڑ ڈالنے پر ایک برہمن ناراض ہوا فیصلہ کے لئے بینکٹ جی شاستری
بابا کے گئے۔ وہ بولے سوامی جی جو کچھ آپ کہتے ہیں سب سچ ہے۔ مگر یہہ بات
آپ کی اس وقت چلیگی جب آپ کے ساتھ کوئی بادشاہ یا مہاراجہ ہوگا۔

۴۔ شب دیال برہمن پشکر کے برہما مندر میں جب پوجا کرتے تو سوامی جی کہتے
ارے شب دیال۔ تیرا برہما منہ سے بولتا ہے۔ یا تمہارے ساتھ بات کرتا ہے جب
وہ نقارہ بجانا کہتے ارے چمڑا کوٹنے سے کیا فائدہ ہے۔

۵۔ پنڈت گنگا رام کو سوامی جی نے کنٹھی آدی کے خلاف اپدیش دیا۔ تو وہ
بولا۔ کہ سچ تو یہہ ہے۔ کہ اگر آپ ایک لاکھ روپیہ لئے ہوتے۔ تو سب برہمن
راضی ہو جاتے۔ کہتے مہاراج۔ دیانند جی مہاراج کی جے۔

۶۔ اجمیر میں پادری مباحثہ سے بالکل لاجواب رہ گئے۔ اس کے پیچھے رابنسن
صاحب نے برہما کے پیچھار کی بابت سوال کیا۔ سوامی جی نے کہا۔ کیا ایک نام کے
بہت شخص نہیں ہوتے۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ برہما وہی ہے۔ جو رشی برہما
ایسے نہیں تھے۔ کوئی اور ہوگا۔ صاحب بہت خوش ہوئے اور آپ کو چٹھی دی
کہ جو بھی انگریز ان سے ملیگا بہت فائدہ پائے گا۔

۷۔ سوامی جی اجمیر کے ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملے۔ تو اثنائے گفتگو میں فرما

کہ راجہ رعیت کا پتا ہوتا ہے۔ پتر کو خراب کام سے روکنا ماتا پتا کا فرض ہے آپ راجہ ہیں۔ ملک میں اندھکار پھیل رہا ہے۔ مت متانتر کے لوگ آپ کی رعیت کو لوٹ رہے ہیں۔ اس کا بندوبست کیجیئے۔ جواب ملا۔ کہ مذہبی معاملہ میں سرکار دخل نہیں دے سکتی۔ ہاں کوئی خاص امر ہو۔ تو ہم امداد سے عذر نہ کریں گے۔

۸۔ ناگ پہاڑ کے جنگل سے ۲ جوان تپسوی سوامی جی سے اجمیر میں ملنے آئے وہ سنسکرت بولتے تھے۔ ایک بار انہوں نے فخر سے کہا۔ ہم بڑے شانت ہیں

(سوامی) آپ نے ہی اہنکار نہیں جیتا۔

(تپسوی) ہاں جیت لیا ہے۔

اس پر سوامی جی نے ایک برہمچاری کو اشارۃً کچھ سمجھایا۔ وہ باہر نکلے تو برہمچاری نے کسی بات پر ان سے تکرار کر کے انہیں پکڑ لیا کشتی ہوئی ایک دوسرے کو پچھاڑتے رہے۔ سوامی جی نے انہیں علیحدہ کرا کے اور اندر بلا کر سمجھایا۔ کہ کیا آپ نے ابھیمان جیت لیا۔ یہ سنتے ہی انہوں نے کشما مانگی۔

۹۔ ہردوار میں بنارس کے مشہور فاضل وشودھانند جی نے برہمن سیہ مکھہ ماسیت والے منتر کے یہ ارتھ کیے۔ کہ برہمن پرمیشور کے مکھہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ مکھہ سے تو تھوک اور بلغم ہی اتپن ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ارتھ معقول بتائے۔

۱۰۔ سوامی جی نے جب ہردوار کنبھ پر سروسو تیاگ برت دھارن کیا۔ تو یہ بھی پرن کیا۔ کہ جب تک ہمارا منشا پورا نہ ہو۔ ہم سنسکرت بولیں گے۔ اور گنگا کنارے پھریں گے۔ اس کا سب سادھوؤں میں چرچا ہو گیا۔ سب کہتے تھے۔ کہ مورتی پوجا اور پرانوں کا جھوٹا ہونا یا سمپردائیوں کا کھنڈن جو دیانند کہتا ہے۔ یہ ہے تو سب سچ۔ لیکن کیٹل لینا یعنی دنیا کے رواج کے خلاف چلنا اچھا نہیں

۱۱۔ فرخ آباد میں پنڈت منی لال نے پوچھا۔ مہاراج گنگا جی کیسی ہے۔ فوراً جواب دیا جڑ پدارتھ ہے۔ پھر پوچھا۔ سورج نراین کیسا ہے۔ بولے جڑ پدارتھ ہے۔

۱۲۔ کرنواس میں ایک دفعہ پنڈت بھگوانداس نے ٹھاکر جی کو بھوگ لگا کر سوامی جی کو بھوجن کھلانا چاہا۔ سوامی جی بولے ہم اچھشٹ پدارتھ کو نہیں کھاتے۔ اس پر بنا ہی بھوگ لگائے سوامی جی کو اس نے بھوجن کرایا۔

۱۳۔ انوپ شہر میں سورج پوری بار بار آ کر سوامی جی سے پرشن کرتے اور اتر پاتے رہے۔ آخر ایک بات اس نے پوچھی۔ تو بولے۔ کہ تمہاری موٹی عقل باریک باتوں کو سمجھ نہیں سکتی جس طرح ریت میں بکھری چینی کو ہاتھی نہیں نکال سکتا۔ مگر چیونٹی کے لئے بہت آسان ہے۔

۱۴۔ سوامی جی جب تال بانس سے انوپ شہر جانے لگے۔ تو ایک شخص نے کہا شہر میں بھاگوت کی کتھا ہو رہی ہے۔ اور تم اس کا کھنڈن کرتے ہو۔ کوئی روٹی بھی نہ پوچھے گا۔ سوامی جی بولے ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ ہماری پراربدھ ہمارے ساتھ ہے۔

۱۵۔ رام گھاٹ میں کرونا شنکر نے مورتی پوجا پر مباحثہ کیا۔ جب تسلی ہو گئی تو کہنے لگا۔ کہ مورتی کھنڈن ہے تو ٹھیک۔ مگر آپ جیو کے کاسن چھوڑ نہیں سکتے۔

یہاں ہی نراین پرشاد مدرس سوال کر کے اتر پاتا رہا۔ وہ کہتا تھا۔ کہ آج تک میرے جو شنکا کسی سے نوارن نہ ہوئے تھے۔ وہ سوامی جی نے کر دیئے۔

۱۶۔ رام گھاٹ کے بھیرو ناتھ سوامی جی کی ازحد تعریف کرتے تھے کہتے تھے۔ ان کی وِدیا میں کوئی کسر نہیں۔ وشو نانند بھی بے شک فاضل ہیں۔ مگر سوامی جی کی بات ہی اور ہے۔ وہ تو وید وِدیا میں لاثانی فاضل ہیں۔

۱۷- پاٹھک چھنو شنکر نے کہا - کہ تلسی پوجن سے آپ منع کرتے ہیں - پھر کھانا کھانے کے بعد اسے کھاتے کیوں ہیں -
سوامی جی نے کہا - دھرم سمجھ کر نہیں کھاتا - بلکہ منہ صاف کرنے کو - جیسے پان کھایا جاتا ہے -
۱۸- کئی جگہ پرشن ہوتا - آپ بدن پر مٹی کیوں لگاتے ہیں - سوامی جی کہتے - اس سے مچھر جونگ مارتا ہے - اثر نہیں کرتا -
۱۹- ایک شخص نے سوامی جی کو کہا - کہ میرا ہاتھ دیکھئے - سوامی جی نے کہا دکھاؤ اس نے ہاتھ آگے کیا اور پوچھا - اس میں کیا ہے - سوامی جی نے کہا اس میں ہاڈ ہے - چام ہے - رُدر ہے اور کچھ نہیں - ایک شخص نے جنم پتر دکھایا - تو سوامی جی نے کہا - جنم پتر کا کیا پر پوجن - کرم پتر سرشٹ ہوتا ہے -
۲۰- سادھو بابا رام نے سوامی جی کی بہت نندا سن کر انہیں کہا - مورتی کھنڈن سے آپ کو کیا حاصل ہے - آنند سے ہماری طرح بھوجن پا کر ستگن رہا کرو - اور آرام کیا کرو - کیوں دشمنی ڈالتے ہو - سوامی جی بولے - برہما نند رستے - ہم تو برہم آنند میں رہتے ہیں - وید کے پرچار میں جو آنند آتا ہے - وہ اور کہاں مل سکتا ہے -
۲۱- سوامی جی ایک دفعہ کیلاش پربت کے پاس باغ والی کٹیا میں آگئے - گفتگو ہوتے ہوئے سوامی جی نے لطیفہ کہا - کہ کیلاش پربت کٹیا میں کیسے سما گیا - اس پر سب ہنس پڑے -
۲۲- سوامی جی جہاں جاتے بارتالاپ شنکا سمادان و یاکھیان شاستر ارتھ کے علاوہ سندھیا گایتری کی بابت اپدیش دیتے - لوگوں کو سکھاتے سوراں مدریا میں قریباً دو سو آدمی سندھیا کرنے لگے - نارائن نامی ایک شخص نے اس حال کو اس رونا کی نظم میں بیان کیا -

سوامی دیانند سرسوتی با! آئے ایسے شاستری۔ بسو تیرے لٹھ کہ پڑہ ڈولیں

پڑہاویں ان کو گاتیری۔

۲۳۔ ککوڑا کے میلے پر قایم گنج کے پنڈت رومادت سے بحث ہوئی۔
جب اس سے جواب نہ بن آیا۔ تو مہابھارت کا شلوک بولنے لگا۔ کہ دیکھو
اکلو بھیلیا نے درونا چارج کی مورتی بنا کر پوجی تھی۔ سوامی جی نے کہا۔ وہ
بھیلیا تھا۔ کسی لایق آدمی کا پرمان دو۔ اس نے دریودہن کا پرمان دیا۔
سوامی جی بولے مُوڑہ دریودہن کا واک اپرمان ہے۔

۲۴۔ ککوڑا میں ایک بیراگی سوامی جی کو ملا۔ جو برہمنوں کے بیٹیوں کو جھوٹھ
کھلاتا تھا۔ اور ان سے سیوا کراتا۔ وہ ودیارتھیوں کو جن کے ہاتھ کو ٹھیل
ہیں تھے۔ یہ جاپ کراتا تھا۔ کہ ہری بھجو سب چھوڑو دھندا۔ سوامی جی
نے اعتراض کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سب ستیہ کام بیسے چھوڑ اتنے ہو۔ کس
کس کو چھوڑ کر ہری نام بھجیں۔ بہو جن کو یا ناک یا زبان یا اور کس کو۔ بے چارہ
لاجواب رہا۔

۲۵۔ سوامی جی نے قایم گنج آتے ہی سوال کیا۔ کہ یہ کیا ہے۔ جواب ملا شوالہ
فرمایا۔ تم لوگ تو کہتے ہو۔ شوالہ کیلاس ہے۔ شیو وہیں رہتے ہیں۔ اس لئے
یہہ تو مرا سے ہے۔

۲۶۔ جو ہون میں جو ڈالتے ان کو سوامی جی کہتے۔ جو تو پشوؤں کی خوراک ہے
آپ کھائیں پوری۔ اور دیوتوں کو کھائیں۔ جو جو امرت پینے والے ہیں۔

۲۷۔ ایک شخص نے کہا۔ ستیہ نارائن کی کتھا کے واسطے روپیہ کی منت
مانتے ہیں۔ کام سدھ ہو جاتا ہے۔ سوامی بولے۔ ہم ۵ روپیہ ستنارائن
کی کتھا کے دکہا دیتے ہیں۔ کہ لاکھ پتی ہو جاویں۔ کیا ہو جائینگے۔ اس پر وہ
خاموش ہو گیا۔

۲۸ - جنم اشٹمی کی بابت سوامی جی کہتے تھے۔ کہ اس دن کھیرے سے بچہ نکالتے ہیں۔ اور کھیرے کو دیوکی کا اُدر ٹھہراتے اور پھر اسے کھا ہی جاتے ہیں۔ گویا ٹھاکر کی ماتا کا پیٹ چیر کر کھا جاتے ہیں۔ کیسا اندھیر۔

۲۹ - فرخ آباد میں شکھہ باسی لال سادھ کڑھی اور بھات لایا۔ اور سوامی جی نے اسے کھا لیا۔ برہمن کہنے لگے۔ کہ تم بھرشٹ ہو گئے۔ کہ سادھ کی روٹی کھائی سوامی جی بولے۔ روٹی بھرشٹ دو طرح ہو سکتی ہے (۱) دکھہ دے کر حاصل کئے گئے مال سے جو ان لایا جاوے (۲) کوئی ملین چیز اس پر یا اس میں پڑنے سے ان کا محنت کا پیسہ ہے اور اتم پدارتھ ہے۔ اس میں دوش نہیں۔

۳۰ - ایک پنڈت نے کہا۔ آپ لوگوں کو یگیوپویت کیسے دھارن کراتے ہیں کیونکہ شکہ است ہو گیا ہے۔ سوامی جی بولے۔ ہمیں شکہ کے است سے کیا۔ ہمارا است نہیں ہوا۔

۳۱ - فرخ آباد میں گڑھی کے نواب صاحب نے سوال کیا۔ کہ کیا کوئی ایسی ودیا ہے۔ جس سے اور جگہ کی بات معلوم ہو جاوے۔
سوامی جی نے کہا۔ یوگی گپت باتوں کی اچھیا نہیں کرتے۔ سب سے گپت برہم ستتا ہے۔ اس کو جاننا یوگی کا لکھیہ اودیش ہے۔ اور وہ یوگ ودیا ہے۔

۳۲ - ایک دفعہ سوامی جی گھاٹ پر پانی میں پاؤں لٹکائے پڑے تھے ملاحوں نے دیکھ کر کہا۔ کہ یہ موٹا آدمی کیا پڑا ہے۔ اس کو مارو۔ چنانچہ وہ ریت کے گولے ان کی طرف پھینکنے لگے۔ وہ خاموش گولے کھاتے رہے مگر جب کچھ ریت ان کی آنکھ میں پڑی۔ تو اٹھ کر چلے گئے۔

۳۳ - لوگ مخالفت کا ذکر کرتے۔ تو سوامی جی کہتے میں نے استیہ کھنڈن کا کام شروع کرنے سے پہلے ہی بچار لیا تھا۔ کہ ورودھ اوشیہ ہو گا۔

گرلیں نے اپشٹوا سٹر سے یہ پوچھ اٹھا یا ہے۔ دوسرے انگریزی راج کی بڑی مدد ہے۔ یہ راج نہ ہوتا تو برہمن مجھے مروا ڈالتے۔

۴ ۳۔ قنوج میں مخالفوں نے سوامی جی کو بارہا کہلا بھیجا کہ مورتی کھنڈن نہ کریں۔ ورنہ ہم ماردیں گے۔
چنانچہ ایک بار ہری شنکر جی نے ایکانت میں انہیں یہ پیغام سنایا۔ تب سوامی جی بولے۔ ہمارے مارنے سے مت ڈرو۔ دو آدمیوں کا مونڈ توڑنے کو تو ہم کافی ہیں۔ زیادہ آدمی اکٹھے ہوں تو سرکار میں اطلاع دے کر پکڑوا دیں گے۔ اسی لئے ہم میدان میں پڑے رہتے ہیں۔ اوٹ میں نہیں رہتے۔ اگر کوئی اوپر سے پتھر نہ ڈال دے۔

۵ ۳۔ سوامی جی کسی بھکھاری کے مستک پر شری نانک دیکھتے تو کہتے۔ کہ مستک پر تو شری (دولت) ہے۔ اور مانگتا ہے بھیک۔

۶ ۳۔ ایک دفعہ پنڈت لوگ مہادیو کی مورتی پر بل پتر چڑھا کر آئے۔ سوامی جی نے پوچھا۔ کہاں گئے تھے۔ جواب ملا۔ بل پتر چڑھانے۔ سوامی جی بولے اس سے تو اونٹ کو کھلایا ہوتا۔ تاکہ اس کا چارہ ہو جاتا۔ پتھر پر چڑھانے سے کیا فائدہ۔

۷ ۳۔ ایک برہمن بھیروں پر پھول پتی چڑھانے آیا۔ سوامی نے کہا۔ واہ آپ کھاؤ کھیر لڈو اور بھیروں کو دو پھول پتے۔ اس کے پاس کیلاش پر تو جاؤ۔ یہاں تو پاشان ہے۔ برہمن خفا ہوا۔ کہ تم بھیروں کی نندا کرتے ہو۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے رات کو بھیروں کی سواری نکلی۔ سنتری نے میگزین کے برج پر سے ٹوکا۔ بھیروں نے کوپ کر سپاہی کو الٹا دریا میں دے مارا۔ حاکم نے اطلاع پا کر حکم دیا۔ کہ اس طرف کا پردہ اٹھا دو۔ اس کی ضرورت نہیں یہاں بھیرو خود محافظ ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ بھیروں نے نہ پٹکا ہو گا نیند کی غنودگی

سے او نگھ کر گرا ہو گا- اور اگر وہ واقعی جاگتی جوت ہے - تو ہمیں اٹھا کر پھینک دے- ہم تو روز اس کا کھنڈن کرتے ہیں حقیقت میں یہ بات بیہودہ ہے تھوڑے دن بعد وہ مورتی خود بخود مع مندر اور پشتے یعنی تہڑے کے گنگا کی لہر سے گری اور کٹ کر در با برد ہو گئی- تب لوگوں نے اور مورتی وہاں رکھدی
۳۸- کئی جگہ ایسا ہوتا- کہ لوگ مخالفت کرتے- شاستر ارتھ میں پنڈت لوگ اُن کی باتوں کا کھنڈن بھی کرتے رہتے- لیکن جب بعد میں آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے- تو کہتے- کہ کہنا تو سنیاسی درست ہے- لیکن اس سے سب کی جیو کا ماری جاتی ہے- اگر یہ مورتی پوجا کھنڈن نہ کرتے ہوتے- تو آج کل انہیں برہما کا اوتار کہنا بجا ہوتا- اور اگر یہ کسی ایک مت کا کھنڈن کرتے تو کوئی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکتا جسے چاہتے نیست کر دیتے- مگر یہ تو سب کا کھنڈن کرتے ہیں- یہ بات بڑی ہے-
۳۹- بھسم لگانے والوں کو سوامی جی کہتے تھے- کہ اگر اس سے موکھش ہوتی ہے- تو گدہا رات دن بھسم میں لوٹا کرتا ہے سکیا اس کی موکھش ہو گئی- چکرا نگدوں کی بابت کہتے تھے- کہ یہ کہتے ہیں ہم مانس نہیں کھاتے مگر چھاپ گرم کر کے آدمی کے جسم پر لگاتے- اور اسی پانی کو بطور چرنامرت پیتے ہیں- پس وہ منوں مانس کھاتے ہیں-
۴۰- کانپور کے شاستر ارتھ کے بعد ایک شخص نے سوامی جی سے پوچھا کہ مہاراج ۲۰۰ سو برہمن اکٹھے ہوئے- کیا ان میں سے آپ نے کسی کو ودوان نہیں پایا- بولے ایک لچھمن شاستری وِدوان ہے مگر مدرا کے لالچ میں آیا ہوا ہے-
۴۱- سوامی جی نے کیلاش پربت کو کانپور میں پیغام بھیجا کہ آ کر سمجھ لو- بولا- ہم شودر کے مکان میں نہیں جاتے- کیونکہ سوامی جی کا ئستھ کے ہاں

اترتے ہوئے تھے۔ سوامی جی نے کہا۔ ایسا ہو۔ تو ملیچھ کے راج میں رہتے کیوں ہو۔

۴۲ سکا پور میں پنڈت ہردے نرائن جی سوامی جی کے بڑے شردھالو اور پریمی بھگت تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ کہ آپ کب جاویں گے۔ فرمایا ہم نہیں بتا سکتے۔ منشی گنگا سہائے نے ایک دن کہا۔ مہاراج جب جانے لگیں مجھے بتلا دینا۔ فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ورنہ ہم گھر والوں سے کیوں جدا ہوتے۔ ہمارا کام ایسا نہیں جیسا لوگ کہتے ہیں کہ فلانے راضی رہنا اور ہم کو ملتے رہنا۔ یہ کام موہ کے ہیں۔ ہم نہیں کریں گے۔ چنانچہ جب جانے لگے۔ بلا اطلاع پرانے لنگوٹ کے ساتھ غائب ہو گئے چل پڑے نئے لنگوٹ لوٹا وغیرہ سب کچھ وہیں چھوڑ گئے۔

۴۳ سکا لنشی نریش نے جب سنا۔ کہ ایک مہاتما آئے ہیں جو مورتی پوجا کا کھنڈن کرتے ہیں۔ تو انہوں نے سوامی جی کو بلایا مگر انہوں نے کہا۔ ہم نہیں جاویں گے۔ اگر راجہ صاحب کی اچھیا ہو۔ تو یہاں آ دین۔ اور تسلی کر لیں۔ راجہ صاحب جانا چاہتے تھے۔ مگر خوشامدی لوگ اس میل کے خلاف تھے۔ انہوں نے کہا۔ آپ راجہ وہ ست فقر۔ میل نہیں ہوگا تاہم راجہ صاحب نے ایک عمدہ مالیدہ سوامی جی کے لئے بھجوایا۔ اور بھوجن آدمی کے وشے میں خیال رکھا۔ پھر راجہ صاحب نے سوامی نرنجنا نند سے پوچھا۔ کہ دیانند کہتا ہے۔ وید میں مورتی پوجا اور رام لیلا نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ وید میں تو سچ مچ نہیں۔ لوک ریت ہے۔ راجہ صاحب کو تعجب ہوا اور چوبے کو حکم دیا۔ کہ ۸ روز سوامی جی کے پاس لے جا کر اور جو بھوجن وہ چاہیں۔ کرا دیا کرو۔ وہ یہ کہتے تھے۔ کہ اگر دیانند مورتی کے خلاف نہ ہوتا۔ تو ہم اسے گورو مان لیتے اور اپنے ہاتھ

سے اُن پر چھینٹ چڑھانے۔

۴۴۔ سوامی جی کی شیریں کلامی اور اُس کے اثر کے کئی واقعات بہت دلچسپ ہیں۔ کاشی میں رام مشر سوامی مہامہوپادھیائے دکھنی پنڈت تھے انہیں بڑا ابھیمان تھا۔ کہ ایک دفعہ ہی سوامی جی کو ملوں۔ تو ان کے خیالات درست کر دوں۔ لیکن اُسے منظور نہ تھا کہ سوامی کا منہ بھی دیکھے۔ اس لئے کہ وہ مورتی کی نندا کرتے اور برہمنوں کو سخت سست کہتے ہیں۔ آخر طے کیا کہ رات کو ملونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جاتے ہی جوش سے بولا کہ ہمت شاستر ارتھ کی ہے۔ تو میری شرطیں منظور کرو۔ مگر میں ایسے پتت آدمی سے دیو بھاشا میں بات نہ کرونگا۔

سوامی۔ آپ بیٹھ تو جائیے۔ پہلی شرط تو میں سمجھ گیا۔ کہ آپ مجھے سنسکرت بولنے کی اجازت نہ دیں گے۔ لیکن سنسکرت شبد تو بولنے دیں گے خیر اور شرطیں کہیے۔

پنڈت۔ اٹھ کر جوش سے۔ ایک چھری بیچ میں رکھی جاوے۔ جو ہارے اس سے اس کا ناک کاٹ دیا جاوے

سوامی۔ ہنس کر یہ منظور۔ مگر ناک بیچارہ تو بحث کرے گا نہیں۔ بلکہ بحث تو کرے گی زبان۔ اس لئے میری بھی ایک بات مانئے وہ یہ کہ دوسری چھری بھی رکھی جاوے جس سے ہارنے والے کی زبان کاٹی جاوے۔ اور اگر تم کو منظور ہوگا تو ناک بھی کاٹ لی جاویگی۔ سب بات ہنس کر اور نرمی سے سوامی جی نے کی۔ حتےٰ کہ دس پندرہ منٹ میں ہی رام مشر جی سوامی جی کے مترجن گئے اور ہمیشہ آتے جاتے رہے۔

۴۵۔ سنسکرت کے ایک نامی گرامی ودوان سوامی رام نرنجن جی کو کسی نے

خبر دی - کہ ایک مہاتما دیانند نام آئے ہیں جو مورتی پوجا کا کھنڈن کرتے ہیں - انھوں نے آگے پیچھے دیکھ کر کہ کوئی خبر تو نہیں سنتا - فرمایا - کہ جو کہتا تو سچ ہے مگر کم سن اور ناتجربہ کار ہے "

۷۶ - الہ آباد کنبھ پرچار میں سوامی جی آچاریوں سے کہتے تھے - کہ مستک سنگھار کی نسبت مہاپسنا دوارا آتم سنگھار کیا کرو - آڈمبر رچنا مہاتماؤں کا کام نہیں - تلک وغیرہ کی مایا تم نے کیسی رچ رکھی ہے - وہ جواب نہ دے سکے تو بولے - شوک مہاشوک - تلک آدمی بناتے ہیں لوگوں کی رچی ہے - یوگابھیاس میں نہیں - سویرے جتنی دیر تلک لگاتا رہا - اتنا کال گائتری جپ کیوں نہ کیا - ایک آچاریہ بولا - اگر آپ ہمارے ملک میں چلیں - تو زمین میں گاڑ کر مار دیں - سوامی جی ہنس پڑے اور بار بار سمجھا کر انہیں یوگابھیاس کی ہدایت دیتے رہے -

۷۷ - سوامی جی جب مرزا پور میں تھے - نو رات کے ۲ بجے ہی گنگا گھاٹ پر جا کر شوچ سنان سے فارغ ہو تین بجے ڈیرے پر سمادھی لگا ایشور دھیان میں بیٹھ جاتے - ایک رات ۲ بجے جاتے تھے - کہ مسٹر بولڈ صاحب کے کارخانہ والا سپاہی ایسے لمبے شریر والے کو دیکھ کر بہت ڈرا - اور صاحب کو جا کر خبر دی - وہ لالٹین لے کر آئے اور سوامی جی کو دیکھ کر سنتری کو کہا - کہ یہ جس وقت آویں آنے دو - کوئی روک ٹوک نہ ہو

۷۸ - ایک آدمی نے سوال کیا - کہ یہ جیو آتما پرمیشور ہے یا نہیں - سوامی جی نے کہا - یہ بات سوکھشم ہے - تم اسے سمجھ نہیں سکتے - اس پر ایک پنڈت نے شلوک پڑھ کر کہا کہ جل ہی وشنو ستھل ہی وشنو - اتیادی - سوامی جی بولے یہی ارتھ ہے - کہ جل تھل سب وشنو ہی وشنو ہے - تو آپ لوگ پاخانہ بھی اس پر جاتے اور پیشاب بھی اسی پر کرتے ہیں -

جس سے بڑا دوش لگتا ہوگا۔ اس پر وہ خاموش ہوگیا۔

۴۹۔ سوامی جی انوپ شہر میں ایک صبح شوچ سنان کے لیے گنگا تٹ پر تھے۔ کہ بہت آدمی پورنماشی کا روز ہونے سے پتروں کو جل دینے آئے سوامی جی نے اوتار و مورتی کھنڈن کا اپدیش دیا اور کہا۔ "ارے موڑھو۔ جل میں جل مت ڈالو۔ سابکہ ڈالتے ہو تو کسی درخت کی جڑ میں ڈالو۔ تاکہ فایدہ ہو"۔

۵۰۔ پٹنہ میں ایک دن سوامی جی وشا جنگل کو باہر گئے تھے پیچھے رسوئیہ بہن کا چچا چوکے کے پاس آکر اس سے پوچھنے لگا۔ کہ آپ لوگ تو سوامی جی کے کھانے کے بعد ہی بھوجن پاتے ہونگے۔ وہ بولا۔ ہاں۔ اس پر اس نے کہا۔ کہ چوکا تو پھر جھوٹھا ہو جاتا ہوگا لکیر وغیرہ کا نیم کر لیا کرو۔ سوامی جی آکر کار اسنان۔ دھیان آدمی سے نپٹ کر رسوئی پانے لگے۔ تو خلاف دستور چوکے کے باہر ہی بیٹھ گئے۔ رسوئیہ بولا۔ مہاراج یہہ کیوں۔ فرمایا ہمیں یہیں دیدو۔ ہمیں یہہ ڈر تو نہیں۔ کہ کوئی برادری سے نکال دے گا۔

۵۱۔ راجہ ناتھ شرما تواڑی کو سوامی جی کا ودیا بل اور سنبہ کا پرچار دیکھ کر شوق ہوا۔ کہ میں بھی ایسے مہاتما کی سنگت میں رہوں۔ اور جنم سپھل کروں۔ اس نے پرارتھنا کی۔ تو سوامی جی نے کہا۔ کہ گھروالوں سے صلاح کر لو۔ وہ بولا مہاراج وہ کب اجازت دیں گے۔ بلکہ کہیں گے۔ کہ سوامی تمہیں بس کا فقیر بنا لیگا۔

بات چیت ہوکر اور اس کی پربل اچھیا وشردھا کو دیکھ کر سوامی جی نے سویکار کیا۔ اور اسے پہلے دن کھانا بنانے پر لگایا۔ جس کے پیچھے وہ سکول سے نام کٹوانے اور اپنی چیزیں لینے گیا۔ سکول میں ماسٹروں سے جب ذکر کیا کہ میں سوامی جی سے ودیا پڑھونگا۔ تو انہوں نے بھی اس کو بہت اتساہ دیا

کہ تیرا بڑا بھاگ ہے۔ جو سوامی جی نے تمہیں پڑھانا منظور کر لیا۔ شام کو ڈپٹی صاحب نے اس سے پوچھا۔ کہ کب سوامی جی کے پاس جاؤ گے۔ بولا کل صبح۔ انہوں نے کہا۔ ابھی جاؤ۔ اور دودھ و مصری ساتھ لے جاؤ۔ وہ کہنے لگا کہ رات کا وقت۔ گہرا اندھیرا۔ فاصلہ دو ڈھائی کوس۔ راستے کے کنارے پانی۔ اکیلا کیسے جاؤں۔ ڈپٹی صاحب نے کہا ایسے ڈرپوک ہو تو سوامی جی کے ساتھ کیسے رہ سکو گے۔ الغرض وہ دودھ مصری لے کر چلا۔ راستے میں بوندیں پڑنے لگیں۔ اندھیرا بھی بہت تھا۔ اس لئے ڈرنے لگا۔ پھر آگے جا کر اور ہی آفت سامنے آئی۔ کہ ایک بڑا سانپ پانی سے نکل کر سڑک پر آیا۔ خوف زدہ ہو کر پیچھے دوڑا۔ مگر ادھر ایک اور سانپ معلوم ہوا۔ سخت گھبرایا۔ کہ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔ دیر تک کھڑا رہا۔ آخر نشچے کر کے سوامی جی کی طرف چل دیا اور سانپ کے پاس جا کر آنکھ بند کر چھلانگ مار اس پر سے کود گیا۔ جب بہ مشکل باغ میں پہنچا۔ تو سوامی جی نے پوچھا۔ راستہ میں خوف تو نہیں لگا۔ بولا مہاراج بہت خوف لگا۔ سوامی جی نے کہا کیا سانپ دیکھا۔ کہا ہاں رت ہے۔

۵۲۔ سوامی جی کے پاس کومدی کا ذکر ہوتا۔ تو وہ اسے کومتی کہتے۔ درگا پاٹھ کو مرغا پاٹ۔ پوجاری کا ارتھ کرتے تھے پکو جاری۔ یعنی پوجا کے شترو۔

۵۳۔ مونگیر میں ایک روز کہار نے گنگا پر جا کر ایک ٹال والے سے خشک لکڑی مانگی کہ سوامی جی کی رسوئی کرنی ہے۔ وہ بولا۔ ہم نہیں جانتے۔ کون سوامی ہیں۔ واپس آیا۔ تو سوامی جی نے معلوم کر کے راجناتھ کو کہا کہ اس کہار کو جوتے لگاؤ یہ لکڑی کے لئے بھکشا مانگنے گیا تھا۔ راجناتھ نے آہستہ آہستہ جوتے لگائے۔ تب سوامی جی نے دونوں کو سمجھایا۔ کہ کبھی بھکشا مانگو گے تو وہ نوکر کو نکال دیں گے۔ اس کے بعد وہ ٹال والا خود بخود لکڑی کا بھار اٹھا لایا۔

اور پرنام کیا۔ سوامی جی نے کہا تم سے کس نے مانگا ہے۔ ہم نہیں لیتے۔ وہ تمہارا رنج ہم سے قصور بھیا ہے۔ ہم اس کہار کو نہ جانتے تھے۔ اس کے آنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا۔ کہ آپ ہر روز سے بیمار رہتے ہیں۔ چنانچہ اس کے اصرار سے سوامی جی نے لکڑی لینا سویکار کیا۔

۵۴۔ بھاگلپور میں ایک بنیا دو تین روز دودھ اور آن آدک بھجواتا رہا اس کی اچھیا تھی۔ کہ میرے گھر پتر ہو۔ سوامی جی اس کے کہے بغیر اس کے طرز عمل سے ہی جان گئے۔ اور تیسرے روز اس کا ان لوٹا دیا۔ کہ ہم غرض والی بھکشا نہیں لیتے ہیں۔

۵۵۔ بھاگلپور میں ایک دن ۳۰-۴۰ دیسی و انگریز پادریوں اور مولوی صاحبان سے گفتگو ہوتی رہی۔ سوامی جی کا اپدیش سن کر ایک بنگالی برہمن۔ عیسائی شدہ بہت رونے لگا۔ کہ افسوس آپ جیسے پنڈت ہمیں پہلے نہ ملے۔ ورنہ ہم عیسائی کیوں ہوتے۔ ہم سکول میں پڑھتے تھے۔ اور عیسائیوں کے اعتراضوں کے جواب اگر پوچھتے۔ تو جواب خاطر خواہ نہ ملتا تھا۔

۵۶۔ پہلی دفعہ سوامی جی جب بابو کیشب چندر سین سے ملے۔ تو ایک لطیفہ ہوا بابو جی سوامی جی سے باتیں کرتے تھا ں ملاہون سجواب ملا۔ وہ تو باہر گئے ہوئے تھے۔ آپ کب ملے۔ فرمایا میں مل چکا۔ دو تین دفعہ رد و بدل کے بعد کہہ دیا۔ تم ہی تو کیشب چندر سین ہو۔ سوال ہوا۔ آپ نے کیسے پہچانا۔ سوامی جی نے کہا یہ گفتگو دوسرے کی ہو ہی نہیں سکتی۔

۵۷۔ ایک بار کیشب چندر سین جی نے کہا۔ میں افسوس کرتا ہوں۔ کہ وہ ویدوں کے فاضل انگریزی نہیں جانتے۔ ورنہ انگلستان جانے کے لئے میرے دلپسند ساتھی ہوتے۔ لیکن پورانی فلاسفی کے فاضل کی طبیعت میں عزورت تھا۔ اس لئے اس نے انگریزی کے ہندوستانی فصیح لکچرار کو جواب دیا۔ کہ میں ہی

ے ہے۔ اپنا نام بتایا نہیں تھا۔ پوچھا۔ آپ کیشب بابو سے ملے ہو ا۔ سوامی جی نے کہا

برہمو سماج کے لیڈر کی سنسکرت نہ جاننے پر ویسا ہی افسوس ظاہر کرتا ہوں۔ جو ہندوستان والوں کو اس زبان کے ذریعے ایک شائستہ مذہب سکھانا چاہتا ہے جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔

۵۸۔ کانپور میں ایک روز پنڈت ہیم چندر نے پوچھا۔ کہ اتنے بڑے بڑے پنڈت وچار نے آتے ہیں۔ کیا سب کی بھول ہے۔ کوئی کچھ نہیں جانتا ایک آپ ہی ٹھیک کہتے ہیں۔ سوامی ہنس کر بولے۔ کہ ست تو سب لوگ جانتے ہیں۔ مگر روٹی بند ہو جانے کے خیال سے صاف صاف نہیں کہتے۔

۵۹۔ علیگڑھ کا پنڈت جیرچند لوگوں کو کہا کرتا تھا۔ کہ سوامی دیانند علیگڑھ آویں۔ تو میں شاستراتھ میں دو منٹ میں اسے چپ کرا دوں۔ مگر جب وہ آئے۔ تو سامنے نہیں آیا۔ سوامی جی نے بار ہا بلایا۔ مگر اس نے بہانہ بنایا۔ کہ ہم پرتما کھنڈن کرنے والے کا منہ تک نہیں دیکھنا چاہتے سوامی جی نے کہا ایسا ہے۔ تو پردہ بیچ میں ڈال دو۔ یہ نہ کرو۔ تو کسی دیوار کی اوٹ میں دونوں طرف ہم بیٹھ سکتے ہیں۔ لیکن مانے کون۔

۶۰۔ علی گڑھ میں سوامی جی مہادیو کے مندر کے پاس فرش پر بیٹھے تھے۔ گول بکا ایک شیکھر بودھی پنڈت آیا۔ اور چبوترہ مندر کے اوپر بیٹھ کر مباحثہ کرنے لگا۔ لوگوں نے کہا۔ نیچے تو بیٹھا ہے۔ مگر اس نے نہیں مانا۔
سوامی جی نے کہا۔ مضائقہ نہیں بیٹھنے دو۔ اوپر نیچے سے بزرگی نہیں۔ دیکھو وہ کوا برکھشن پر بیٹھا ہے۔ وہ پنڈت جی سے بھی اونچا ہے۔ سو اس سے کیا ہوتا ہے۔

۶۱۔ سوامی ورجانند کے ودیارتھی پنڈت ہری کشن بندرابن میں ملے۔ تو سوامی جی نے پوچھا۔ وہ گٹھلی والا (رودراکھش دھاری) کرشنانند دیکھا ہے۔ وہ بولے سوامی جی آپ کہتے تو سچ ہیں۔ مگر ساٹھ برس کا رام نکلتا ہی نکلیگا۔ جو لوگ

آودیا میں پھنسے ہیں۔ اتنی جلدی نکل نہیں سکتے۔

۶۲۔ بندرابن میں سوامی جی بڑا افسوس کرتے تھے۔ کہ سیٹھ لچھمی نراین نے اتنا بہت پیسہ اس مندر پر لگایا۔ جس سے نہ دین کا فائدہ نہ دنیا کا۔ کیا ہی اچھا ہوتا۔ کہ پاٹھ شالا پر اتنا روپیہ لگتا اور وید و سنسکرت کا پرچار رہتا۔

۶۳۔ بندرابن میں سوامی جی کے ساتھ شاستر ارتھ تو کسی نے نہیں کیا۔ ہاں پنڈت لوگ بہت سوال بنا بنا کر لاتے تھے۔ مگر سامنے آکر سوائے خاموشی کے چارہ نہ تھا۔ سوامی جی بارہا کہتے۔ جو تمہیں سندیہ ہو نورت کر لو۔ مگر جواب ملتا تھا۔ مہاراج آپ سب سچ کہتے ہیں۔ مگر ہم سیٹھ کے سامنے کہہ نہیں سکتے۔

۶۴۔ بنارس میں لالہ مادھوداس کے باغ سے ٹوکری پھولوں کی روزانہ ان کے گھر جاتی تھی۔ ایک دن سوامی جی نے کہا۔ یہ ٹوکری کہاں جاتی ہے۔ بولے۔ گھر ٹھاکروں کے لیے۔ فرمایا۔ افسوس! آپ نے اب تک مورتی پوجا نہیں چھوڑی۔ اگر یہ پھول بوٹوں سے لگے رہتے۔ تو خوشبو زیادہ دیتے۔ دوم پنکھڑیاں کھاد کا کام دیتیں۔ اگر گلدستہ بنا کر مکان میں رکھتے۔ تو بھی مفید ہوتا۔ مگر وہاں تو بالکل نشپھل ہے۔ لالہ جی نے کہا ہمارے ہاں سبھی پوجا چکے ہیں۔ نہ بھیجیں تو وہ روز نئے بازار سے خریدیں۔ پھر فرمائیے ہم کیا کریں۔ ایسے ایسی صورت میں تو مشکل ہے۔

۶۵۔ لالہ مادھوداس کے ہاں سوامی جی بنارس میں اترے۔ تو پنڈت تارا چرن ترک رتن نے جب لالہ جی راجہ سے ملے انہیں کہا کہ آپ نے اپنے دونوں لوک برباد کر لیے۔ کہ دیانند کو ٹھہرایا۔ تمہارا تو منہ دیکھنا پاپ ہے۔ بہتر ہو۔ کہ ابھی جاکر انہیں نکال دو۔ یہی تمہارا پرایشچت ہے۔ لالہ جی نے کہا۔ میں آپ سے شاستر ارتھ کے لیے نہیں آیا۔ پنڈتی کرتا ہو۔ تو میرے مکان میں آؤ۔ ورنہ مجھے تم سے غرض نہیں

مگر ایسا اتفاق ہوا۔ کہ جب اخیر جون ۱۸۷۹ء کو سوامی جی بنارس آ گئے۔ تو راجہ صاحب۔ بھی بھیجکر سوامی جی کو بلایا۔ ان سے گلے لگ کر ملے۔ اور بہت خاطر تواضع کی۔ تاراچرن جی موجود تھے۔ وہیں لالہ مادھو داس نے کہا۔ ایشور کا دھن باد ہے۔ آج میرے دونوں لڑکے بن گئے۔ کہ مہاراجہ اور آپ دونوں اس کے پیرو ہو گئے۔ جن سے مجھے منع کرتے تھے۔

۹۶۔ سوامی جی احمدآباد (گجرات) گئے۔ تو ایک بڑے سیٹھ سٹیشن پر آپ کو لینے آئے۔ اونہوں نے دو تین لاکھ روپیہ لگوا کر مندر بنوایا تھا۔ رستے میں لگے اس کی تعریف کرنے جسے سن کر سوامی جی نے افسوس ظاہر کیا۔ اور گاڑی میں ہاتھ مار کر کہا اتنا روپیہ تم نے ایک پتھر پر گنوایا۔ اگر ودیا پرچار میں لگاتا۔ تو وید پڑھنے برہمن جگت کو فائدہ پہنچاتے۔ ابھی ہی مور کہتا ہے ہمارے وید جرمن سے منگائے جاتے ہیں۔ تب پڑھنے نصیب ہوتے ہیں۔

۹۷۔ بمبئی میں پنڈت رام لال نے سوامی جی سے شاستراتھ کیا۔ جس میں سبھا پتی نے آخر صاف اعلان کیا۔ کہ پنڈت رام لال مورتی کو وید وکت سدھ نہیں کر سکے۔ لیکن پریاگ میں جب یہی پنڈت جی ویدک ینترالیہ کے مینجر سے ملے۔ تو اس سے ان کی بات چیت اس پرکار ہوئی۔ آپ سنسکرت کے ودوان ہیں۔ اور بھی ہیں۔ اسی طرح سوامی وِشدھانند بھی۔ وہ بھی چاروں ویدوں کو مانتے ہیں۔ پھر وجہ کیا کہ آپ کی رائے نہیں ملتی۔ یا تو سوامی جی کا کہا مانو یا انکار کر کہا ہو۔

پنڈت۔ سوامی جی سنیاسی اور بے پرواہ ہیں۔ وید شاستر کا انہوں نے بہت اودھین کیا ہے۔ ان کی بدھی پربل ہے۔ وہ سامرتھ ہیں۔ اور ست کہتے ہیں مگر ہمیں سو بندھن ہیں۔ ستیہ کہیں۔ تو ابھی چرچا ہو جاوے۔ ہمارے کہنے سے فائدہ کچھ ہو نہیں سکتا۔ ہاں ہماری آجیوکا ماری جاتی ہے۔

مینجر - کیا سوامی جی ست کہنے سے مان نہیں پا گئے - پھر آپ کیوں ادھرم کی جیوکا کرتے ہیں۔

پنڈت - سنسار کی ایسی ہی پربرتی ہے - اس طرح سوامی جی کا ہی نرواہ ہو سکتا ہے - ہم گرہستیوں کا نہیں -

۶۸ - بمبئی میں ایک دفعہ بہت سی استریاں اولاد کی خواہش سے آئیں کئی سیٹھ ساہوکار بیٹھے تھے - سوامی جی نے کہا - لڑکا سوائے بیراگیوں کے اور کوئی نہیں دے سکتا - میرے پاس نہیں - سیٹھ سب شرمندہ ہوئے - اور وہ استریاں چلی گئیں -

۶۹ - کہنڈن سے ناراض ہوئے لوگ گالیاں دیتے - تو سوامی جی کہتے کہ ایشور بھگتی کا پرچار کرتے ہوئے دہرم ورودھیوں کی گالیوں سے میں خوش ہوتا ہوں - نہ کہ ناراض -

فرخ آباد میں عیسائیوں سے مباحثہ ہوا - وہ لاجواب ہو گئے - تو پرنام کر کے کہنے لگے - کہ ہمیں یقین ہے کہ آپ جلد ہمارے مت انو یائی ہو جاوینگے سوامی جی نے کہا - یہ تو پرم اسنبھو ہے - ہاں آپ دیکھینگے - کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے عیسائی ویدک دہرم کی پرشنسا کرتے ہوئے وید انو یائی ہونگے

۷۰ - متھرا کا ایک چوبہ سوامی جی کو دتی ملا - اور سوامی جی کو مٹی دینے لگا انہوں نے پوچھا یہ کیسی ہے - کہا کرشن جی نے بالک پن میں یہ کھائی تھی -

سوامی - انہوں نے بالک پن میں ایسا کیا ہوگا - مگر ہوش والوں کو لوگ نہیں تھوڑی دیر بعد سوامی جی نے کہا - ہم نے سنا ہے - کہ تمہاری استری خوبصورت ہے - اور چتر ہے - اس پر وہ کرودہ کرنے لگا - (سوامی) ارے تمہاری تھوڑی حیثیت پر بھی تم نے برا مانا - تو خیال کرو - کرشن جی کے سامنے ان کو برائی استری سے بدنام کرتے یا ان کی استری کا سروپ بیان کرتے - تو وہ تم سے کیسا سلوک

کرنے :-

۱ ے - لدھیانہ میں پادری ویری صاحب نے کہا - کہ کرشن جی کے ایسے کام
تن کرم تھیں مہاتما کہنا عقل گوارا نہیں کرتی - سوامی جی نے کہا یہہ الزام غلط
ہیں انہوں نے ایسا کیا ہی نہیں - لیکن جب عقل یہہ گوارا کر لیتی ہے - کہ خدا کی
روح کبوتر کی شکل میں ایک آدمی پر اتری تو اس کے ماننے میں دقت ہی کیا
ہے :-

۲ ے - ایک پنڈت نے اپنے ساتھی کو کہا - کہ دشٹ ہے اس کا منہ دیکھنا دھرم
نہیں - چلو - سوامی جی بولے - میرے منہ میں تو کوئی خاص بات نہیں جسے دیکھو -
اگر نفرت ہے تو میرے پیچھے کھڑے ہو جاؤ - میری صرف بات سُنو -

۳ ے - لدھیانہ میں آپ نے بہوت کا کھنڈن کیا - اور ایک تماشہ دکھایا - جس
مکان میں رہتے تھے اُس کے دونوں طرف جلتا چراغ رکھوایا - اور پھر کہا -
اس کو بجھا دو - وہ بجھ گیا - تو کہا دوسرا بھی گل کر دو جب اُسے بجھایا - تو پہلا
جل اٹھا اور جب پہلے کو بجھایا - تو دوسرا جل اٹھا - فاصلہ دونوں میں ۱۱ - ۱۲ گز
تھا - کئی مرتبہ دکھا کر کہا - کہ یہہ علم کی بات ہے - بہوت کوئی نہیں -

۴ ے - بھائی دت سنگھ جی کی سوامی جی سے گفتگو ہوتی تھی - اگنی ہوتری
بیچ میں بول اٹھے - کہ سوامی جی سے جواب نہیں آیا - اس پر سوامی جی نے کہا -
بھلا بتلایئے - کہ ہم نے کیا کہا - اگنی ہوتری نے کچھ کہا - تب

(سوامی جی) کیوں بھائی جی ہم نے یہی کہا -

(بھائی جی) - نہیں - یہ نہیں کہا - پنڈت جی نے سنا نہیں -

(سوامی جی) پھر شیو نراین اگنی ہوتری سے - اب بتلایئے - بھائی جی نے کیا کہا تھا -
شیو نراین جی نے پھر کچھ بتایا - مگر بھائی جی بولے - میں نے یہہ نہیں کہا تب سوامی
جی نے اگنی ہوتری کو سمجھایا - کہ بغیر سوچے سمجھے رائے نہ دیا [illegible]

ایک روز اگنی ہوتری بولے۔ سوامی جی سام وید میں اگو کی کہانی ہے۔ سوامی جی نے کہا ہرگز نہیں۔ جواب میں اصرار ہوا کہ آپ یوں ہی کہتے ہیں کوئی کہانی نہیں۔ سوامی جی نے شام وید۔ ہاتھ میں دیا اور کہا۔ نکالئے کہاں ہے اگنی ہوتری کچھ دیر تلاش کرکے بولا۔ اس میں تو نہیں ملتی۔ حاضرین نے کہا شرم!

۵۔ ایک روز لاہور میں سوامی جی نے ویاکھیان میں کہا ''ہم جانتے ہیں۔ ویدک دھرم پرچار کا یہ بڑا بھاری کام ہماری اس زندگی میں پورا نہ ہوگا۔ لیکن اگر اس میں نہیں۔ تو دوسرے جنم میں ہم اسے پورا کریں گے

۶۔ ایک شخص نے کہا آپ سنیاسی ہوکر سنیاس کے خلاف کام کرتے ہیں پوچھا۔ کون۔ تو بولا کہ شیو کی نندا۔ سوامی جی نے کہا میں نندا نہیں کرتا۔ بلکہ حقیقی شیو کی عزت جتنی میرے دل میں ہے۔ کسی میں کیا ہوگی۔ ہاں تمہارا پتھر کا شیو جو مندر میں ہے۔ عزت کے لائق نہیں۔ اور نہ میں اس کی عزت کرتا ہوں۔

۷۔ امرتسر میں پادری کلارک صاحب نے کہا آؤ ہم اور آپ ایک میز پر کھانا کھائیں سوامی جی ''فائدہ کیا ہوگا'' (پ) ''محبت بڑھیگی۔ (س) شیعہ اور سنی مسلمان آپس میں ورودھی ہیں۔ تم اور رومن کیتھولک والے ایک میز پر کھاتے۔ مگر دل سے ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ پادری صاحب لاجواب ہو گئے

۸۔ سوامی جی کہتے تھے۔ کہ ہندو تو چھوٹی سی چیز کو پوجتے ہیں۔ مگر مسلمان ان سے بڑے بت پرست ہیں۔ جو بلی کو پوجتے ہیں۔ ان کی مراد سالگرام کی مورتی اور مکہ کے بت سے تھی۔

۹۔ سمرت شراوھ وشئے پر جالندھر میں پنڈتوں سے گفتگو ہوئی۔ سوامی جی نے سدھ کیا۔ کہ پتا پتا مہا پرپتا مہا ۲۴۔ ۳۶ اور ۴۸ برس کے برہمچاریوں کا نام ہے۔ مردوں کا نہیں۔ اور ساتھ ہی ایک منتر پڑھا۔ جو کہ پنڈ کی ہیڑی (؟) بنانے

ہوئے پڑھا جاتا ہے۔ پرلوجن اس کا یہ ہے۔ کہ بھوت پریت اس کے نزدیک نہ آویں۔ یہ منتر پڑھ ایک پھیر دیتے ہیں۔ مگر خیال نہیں کرتے۔ کہ کبھی تو اس کے پڑھنے سے اثر نہیں سکتی۔ بھوت پریت کیسے ہٹیلے۔ یہ خیالات باطل ہیں۔

کیھا دیو نے پنڈت شیورام کو بات کے سمبندھ میں کہا۔ تو سوامی جی نے انہیں کہا۔ کہ کچھ شبہ ہو کرتا ہے۔ کہ میری شبہ جینے کے لئے آتا ہے۔ یا مرنے کے لئے۔ اس نے کہا۔ مہاراج دیاکرن کی رو سے تو جینے کے لئے آتا ہے پالنا اور رکھشا کرنا جینے کا ہی کام ہے۔ سوامی جی بولے۔ یہی تو میں کہتا ہوں۔ یہ نہیں کہتا۔ کہ جیتے کو تیرا درسے کو پھر۔

۷۹۔ جالندھر میں ایک کرامانی فقیر سے یاد مباحثہ ہوا۔ سردار بکرمان سنگھ کے دل سے اس کا فریب دور کرنے کو سوامی جی نے اس کی چالاکی ظاہر کی۔ وہ کہتا تھا۔ میرے پاس کچھ نہیں۔ آسمان یا جنات سے پدارتھ منگاتا ہوں۔ مگر سوامی جی نے اس کی تلاشی لے کر اس کے چوتڑوں سے قینچی نکال دی۔

۸۰۔ آریہ سماج لاہور کے اجلاس میں اپ نیموں پر بحث ہوتی تھی۔ کمیٹی کی طرف سے درخواست ہوئی۔ کہ آپ بھی رائے دیویں۔ سوامی جی بولے میں انترنگ سبھا کا ممبر نہیں ہوں۔ اس لئے یہ میرا حق نہیں۔ چنانچہ جب تک انہیں انترنگ سبھا کا ممبر نہ بنایا۔ انہوں نے رائے نہیں دی۔

۸۱۔ جموں سے ایک وکیل صاحب راولپنڈی آئے۔ جاتے ہی مسکا کر مٹھیاں بھرتے۔ اور ایک ایک اعضا پر ہاتھ لگا کر نام پوچھتے رہے۔ اخیر میں کہا۔ کہ جب ان کا ہاتھ۔ پاؤں ناک کان وغیرہ نام ہے۔ تو دیانند کس کا نام ہے۔ فرمایا۔ کہ جیسے ایک ایک جوڑ کا نام پہیہ دھرا وغیرہ اور کل کا نام گاڑی ہے۔ اسی طرح انگ ہاتھ وغیرہ ہیں۔ اور کل دیانند۔

۸۲۔ جہلم میں مسٹر بوکین سیڈ ماسٹر مسلول نے ایک لکچر کے بعد کھڑے ہو کر کہا

او باوا! او باوا! نوجوان اندھوں (برہمنوں) کی ڈنگوری چھینتا ہے۔ اس کے بدلے ان کو کیا دیتا ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ مَیں وید دیتا ہوں اور یوگابھیاس۔

۸۳۔ جہلم میں کچھ ہندؤں نے باہمی صلاح کر کے سوال کیا۔ کہ سوامی جی آپ گیانی ہیں یا اگیانی۔ مطلب یہ تھا۔ کہ گیانی کہیں گے تو ابھیمان کا دوش دینگے اور اگیانی کہیں گے تو جواب ہوگا۔ کہ جو خود اگیانی ہے۔ وہ دوسروں کو کیا سکھا سکتا ہے مگر سوامی جی نے وہ جواب دیا کہ سب حیران رہ گئے۔

فرمایا میں کئی باتوں میں گیانی ہوں۔ کئی باتوں میں اگیانی۔ مثلاً دوکانداری بیوپاری انگریزی فارسی وغیرہ میں اگیانی اور سنسکرت ودھرم کی باتوں میں گیانی

۸۴۔ ملتان میں برہمنوں کے متعلق لکچر دیتے ہوئے سوامی جی نے کہا۔ ہم یہ نہیں کہتے۔ برہمن کو نہ مانو۔ بلکہ کہتے ہیں۔ کہ جو برہمن کرم دہرم کرتا ہو۔ اس کو ماننا چاہیئے۔ ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ برہمن کو گئو مت دو۔ بلکہ یہ کہتے ہیں۔ کہ گئو ویترنی سے پار نہیں اُتار سکتی یہ بات مَتھیا ہے۔ ہاں ایشور بھگت برہمن کو گئودان دینا پُن اور جدا بات ہے۔ ویدی میں سات برس یہاں رہوں۔ چاروں ویدوں کی ٹیکا کروں۔ برہمنوں کے بچوں کو ایک پاٹھ شالہ میں پڑھاؤں۔ وہ بھیک مانگنا چھوڑ دیویں۔ پھر دیکھیں وہ کیا بن جاتے ہیں۔

۸۵۔ شراب کی بابت سوامی جی کہتے تھے۔ شراب پینے والا ایسا ہوتا ہے جیسے پنچھی پنجرے میں رکھ کر نیچے آگ لگا دی جاوے۔ ماس کی بابت کہتے تھے۔ میں ماس نہیں کھاتا۔ جس کا جی چاہے مقابلہ کرے۔ سواد مصالحہ کا ہے ماس کا نہیں۔ نہ ماس کچھ طاقت دیتا ہے۔ لڑکیوں کے ٹکے لینے والوں کی بابت کہتے تھے۔ کہ یہ ایسے ہیں جیسے کوئی طوائف کے ٹکے لیتا ہو۔ وہ تو تھوڑے لیتے ہیں۔ مگر یہ برابر گن کر لیتے ہیں

۸۶۔ ملتان میں آریہ سماج قائم ہونے پر برہمانند جی نے ہنسی سے کہا۔ کہ

سات ہی ممبر ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ مسلمانوں کے پیغمبر کی تو صرف ایک عورت مددگار تھی۔ اور اس نے اتنی ترقی کی۔ ہمارے دھرم کے تو سات مددگار ہیں۔

۸۷۔ ایک برہمن ریشمی چھاتہ لایا اور سوامی جی کے پاس رکھ دیا۔ پوچھنے پر کہا۔ آپ کے لئے لایا ہوں۔ سوامی جی نے کہا۔ سنو بھائی۔ ہم فقیر ہیں۔ ہمیں نہ سردی ستاوے نہ دھوپ۔ یہ جا کر کسی نٹوے کو دو۔ جو لاہوری چوٹا پہنکر گلیوں میں گھوما کرے۔ ہمیں ایسی چیز نہیں چاہیئے۔

۸۸۔ کسی نے سوال کیا۔ آپ کے نزدیک سید مولوی صاحب کی لیاقت کیسی ہے۔ فرمایا۔ وہ علم وید میں ایک لڑکا ہے جب تک کوئی گورو اُسے تعلیم نہ دیوے وہ سائنس اور بھید سر کی پیروی کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اس کو اس وقت تک وید کے صوری معنے معلوم نہیں ہوئے۔ معنوی معنے تو اس عمر میں وہ جان ہی نہیں سکتا۔ یہ تو سینہ بسینہ چلے آتے ہیں۔

۸۹۔ امرتسر میں گورداسپور سکول کے ماسٹر مرلیدھر ملتے رہے۔ ایک دن انہوں نے کہا۔ کہ مہاراج مجھے گورمنتر دیجیئے۔ سوامی جی نے کہا۔ ہمارا یہی گورمنتر ہے۔ کہ جو ست ہو اُس کو مانو اور جو اَست ہو اُس کو چھوڑ دو۔

۹۰۔ ایک شخص نے پوچھا۔ سوامی جی بات کیا ہے۔ رنڈیوں کے ناچ گانا تماشا میں تو رات بھر جاگیں۔ نیند مطلق نہیں آوے۔ لیکن الپدیش یا کتھا میں تھوڑی دیر بعد ہی نیند آنے لگتی ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ ہری کتھا مانند مخمل کے نرم بچھونوں کے ہے۔ اس پر نیند نہ آوے۔ تو اور کہاں آوے۔ اور رنڈی ناچ وغیرہ مانند کانٹوں والی زمین کے ہے اس پر نیند کہاں۔

۹۱۔ لاہور میں سوامی جی نے ذکر کیا۔ کہ تم لوگ تو مجھے بڑا موٹا اور مضبوط خیال کرتے ہو۔ لیکن میں پہلے سے بہت کمزور ہوں۔ تمہارے قاری نے

مجھے بہت مدہوش کر دیا ہے ۔ ایک ساد ہو ان کے ساتھ آیا ہوا تھا ۔ اس نے کہا ۔ واقعی جن دنوں سوامی جی کلکتہ کے تارے ہیں پڑے رہتے وہ اس سے بہت زیادہ موٹے تازے تھے ۔ افسوس اب ان کے شریر کی وہ اوستھا نہیں ہے

۹۲ ۔ سوامی جی کے پاس بانکے بہاری لال کلرک تھا ۔ وہ سڑیل مزاج اور کرخت بولی والا تھا مگر سوامی جی ہمیشہ اس سے بھی آوارتا اور خندہ پیشانی سے برتاؤ کرتے تھے ۔ جب وہ نوکری چھوڑ کر جانے لگا ۔ تو بقایا تنخواہ کی بابت سوامی جی نے اسے ایک نوٹ دیا ۔ وہ تب بڑے گستاخانہ لہجہ میں جیسا کہ تاؤ تف کو معلوم ہو سکتا تھا چلایا کہ " اس پر دستخط کر دو " سوامی جی نے اس پر ٹریا نند لکھ دیا ۔ وہ پھر اسی طرح بولا ۔ یہ تو آپ نے لکھا ہی نہیں کس کو دیا ۔ تب سوامی جی نے لکھا " بہاری لال کو دیا " وہ کہنے لگا ۔ بہاری لال تو ان کا نام ہے ۔ میں تو بانکے بہاری لال ہوں ۔ سوامی جی ہنس پڑے اور کہا ۔

اے بھائی ناراض نہ ہو ۔ اگر تمہیں ٹیڑھا پنے بغیر شانتی نہیں آتی ۔ تو لے ساتھ بانکے (ٹیڑھا) کا لفظ بھی لکھ دیتے ہیں ۔

۹۳ ۔ رڑکی میں سوامی جی نے کرنل الکاٹ کی چٹھی سنائی ۔ جو امریکہ سے آئی تھی اس میں ویدک دھرم کی طرف ان کا رجحان بڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا ۔ ۵۰ کے قریب آدمی موجود تھے ۔ سوامی جی نے کہا ۔ افسوس غیر ملک اور غیر مذہب والوں کو ہمارے دھرم کی تحقیقات کا یہ شوق ہو ۔ اور ہم یہاں کے باسی اور اپنے آپ کو آریہ سنتان کہنے والے اس طرح کانوں میں روئی ڈالے بیٹھے ہیں ۔

۹۴ ۔ اس چٹھی کو ایک مذہبی سکھ بھی شوق سے سن رہا تھا ۔ یہ سفر مینا کی پلٹن کا آدمی تھا سفید کپڑے پہنے تھے ۔ کمپو کا چٹھی رساں آیا ۔ تو اسے دیکھ کر غل مچانے اور مارنے کو تیار ہونے لگا ۔ اور چلا کر بولا ۔ اے منحوس ناپاک

تو اس بڑے بزرگ شخص نے پاس اس بے ادبی سے بیٹھا جیسا کہ زمانے میں مشہور ہو رہا ہے تب معلوم ہوا کہ وہ مذہبی ہے۔ وہ اسی وقت نہایت شرمندہ ہو کر علیحدہ جا بیٹھا۔ اس چیٹی رساں نے کوشش کی کہ اسے نکال دیا جاوے۔ مگر سوامی جی نے نہایت نرمی اور اخلاق سے فرمایا۔ کہ اس سے تھوڑی سی غلطی ہوئی۔ لیکن سزا کافی ہو چکی ہے اب اسے کچھ نہ کہنا چاہیئے۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔ کہ میں کسی کا نقصان نہیں کرتا سب سے نیچے جوتیوں میں علیحدہ بیٹھا ہوں۔ سوامی جی نے چیٹی رساں کو کہا۔ ایسا جبر تم کو مناسب نہیں۔ ایشور کی سرشٹی میں سب یکساں ہیں۔ تم مسلمان ہو۔ لیکن روزانہ آکر اپدیش سنتے ہو تمہیں کوئی نظر حقارت سے نہیں دیکھتا پس اس کے پیچھے کیوں پڑا ہے۔

۹۵۔ میرٹھ میں سوامی جی علی الصباح ننگے بدن بڑا ڈنڈا لئے دریا جاتے تھے ایک دن پہرے والا سپاہی سڑک پر کھڑا تھا۔ ایک گرانڈیل لمبے آدمی کو آتا دیکھکر سپاہی ڈر گیا۔ حواس باختہ ہو کر سمجھا۔ کہ کوئی جن یا دیو ہے۔ وہ ایک طرف ہونے لگا تھا۔ کہ وہ دیو سڑک پر آنے لگا۔ بس پھر کیا تھا۔ دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ سوامی جی دیا کر کے اٹھانے بڑھے۔ مگر وہ اور گھبرا گیا۔ آخر کچھ آدمی آ سے چارپائی پر لٹا لے گئے۔ ہوش آنے پر اسے معلوم ہوا۔ کہ جن کو دیکھ کر ڈرا وہ تو بڑے مہاتما ہیں۔ تب درشنوں کو آیا۔ اور آگے سے نتیہ صبح انہیں پرنام کرتا

۹۶۔ ایک شخص نے ہنومان کے درشن کئے۔ اور ڈنڈوت کرہاتھ جوڑے استتی کی۔ سوامی جی نے کہا۔ ارے اتنی دیر سے تو نے یہ کارروائی کی اور شاکی بھی پڑھا۔ پر شوک وہ تم سے کچھ نہیں بولا۔ ارے ہم سے تو بولا ہی نہیں سکتا ہم بغیر بلائے تجھ سے بولتے ہیں۔ اس نے کہا۔ ہنومان کا بولنا اور لوگ نہیں سمجھتے ہم سمجھتے ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ کیا ہم لوگوں سے ہنومان ڈرتے ہیں۔ جو تم سے گپت بولتے ہیں۔

۹۷- سوامی جی ہردوار کنبھ پر آئے ہوئے پنڈت اور سادھوؤں میں سے تین کو لائق سمجھا- اس لئے تینوں کو ہی پریم بھرا پتر بھیجا- کہ "میں جو بات کر رہا ہوں- اُس کو آپ سب لوگ جانتے ہیں- کہ بالکل ٹھیک ہے- مگر آپ لوگ پردہ ہو کر باوجود ودوان ہونے کے کیوں ظاہر نہیں کرتے" ان میں سے سکھدیو گری جی تو خط لانے والے پر ناراض ہوئے- کہ ہمارے پاس اس کا پتر لایا کرو- ساری دنیا اس پر ناراض ہے- دوسرے دونوں اشخاص یعنی وشودھانند جی اور سکھدیو گری جی نے ہی جواب نہ بھیجا-

۹۸- ایک مسلمان نے ایک ہندو کو کہا- کہ تم بُت پرست ہو- سوامی جی بول پڑے- کہ یہ چھوٹا بت پرست ہے- مگر تم بڑے بت پرست ہو- جو کوہ طور اور قدم آدم والے پہاڑ کو پوجتے ہو سنگ اسود کو پوجتے تعزیئے کو مانتے- قبروں سے مراد مانگتے ہو

۹۹- ہردوار میں ایک ڈپٹی صاحب نے کہا- کہ ہردوار اور ہر کی پوڑی کیا ہے- سوامی جی نے جواب دیا- کہ ہر کی پوڑی نہیں ہاڑ کی پوڑی ہے- کیونکہ ہزاروں من ہڈیاں یہاں پڑتی ہیں-

ڈپٹی صاحب بولے- کہ ہر کی پوڑی پر ہی اشنان اور دان کی کیا خصوصیت ہے- جواب میں فرمایا- کہ یہ بات پنڈوں نے قائم کی ہے- لوگ ہر جگہ سنان کر لیں- تو پنڈے دکشنا کہاں سے لیں- آپ کے اجمیر میں بھی مجاور کہتے ہیں- کہ نہ ادھر چڑھاؤ نہ اُدھر- بلکہ ان اینٹوں میں چڑھاؤ- کیونکہ خواجہ صاحب یہیں گھسے ہیں-

۱۰۰- ہردوار کنبھ پر ایک دن صبح کو صاحب کمشنر و ڈپٹی جنگلات کمشنر میرٹھ کلکٹر سہارنپور اور بہت سے اور بڑے بڑے آدمی اس خیمے کے نیچے کھڑے ہوئے جس میں سوامی جی ویاکھیان دیتے تھے- اور پوچھا- کہ سوامی کہاں ہے

ایک شخص نے کہا - کہ وہ اس وقت الشورودھیان میں ہے - کہا گیا - کہ کیا ان کو اطلاع دے سکتے ہو - جواب ملا کہ ہم ابھی نہیں کہہ سکتے - آپ کرسیوں پر تشریف رکھیں - چنانچہ ایسا ہی ہوا - جب سوامی جی فارغ ہو کر تشریف لائے تو بہت بات چیت ہوئی - سب انگریز لوگ بہت خوش ہوئے - سارے پولیس کا انتظام کر گئے - کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے - یہ بھی کہہ گئے کہ جس چیز کی ضرورت ہو اطلاع دیجئے - مہیا کر دیں گے
انہیں رخصت کرتے ہوئے سوامی جی نے فرمایا - کہ افسوس آپ لوگ پھوٹ کے وقت ہندوستان میں آئے اگر اُنتی کے وقت آتے تو دیکھتے - کہ یہاں کیسے کیسے شور بیر یودھا موجود تھے - اور پھر ان کی ودیا اور بل کی تعریف کرتے -

۱۰۱ - سوامی جی ہر وقت کام میں مصروف رہتے تھے - مگر ذرا بھی فرصت ملتی تو تنزل کی حالت اور گراوٹ کے خیال اُن کے دماغ میں چکر مارتے - ایک روز آپ بیٹھے بیٹھے لیٹ گئے - اور تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر اور سانس بھر کر کہا - کہ رانڈوں اور گائیوں کی آہ سے یہ ملک برباد ہوا -

۱۰۲ - مخالف لوگ ہمیشہ ہی دھوکا دے کر سوامی جی کی جان لینے کے درپے رہتے تھے - اور سوامی جی بھی اس بات کو جانتے - حتے الوسع محتاط رہتے تھے - ایک دن ہردوار میں دو سادھو تانگے سر پر جٹا جوٹ آئے اور سوامی جی کے پاس رہ کر پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا - سوامی جی نے کہا - کہ ہمارے ساتھ رہنا نہیں ہو سکتا - اور مثال دے کر سمجھایا - کہ سوامی شنکر اچاریہ کے ساتھ دو جینی شش ہو کر رہنے لگے انہوں نے موقع پا کر بھوجن میں زہر دے کر مار ڈالا -

۱۰۳ - ہردوار کنبھ کی سماپتی سے تیس چار دن پہلے سوامی جی نے ایک لیکچر

انہوں نے اس میں کہا - کہ پربھی کے روز وبا پھیلے گی - اور اس کی وجوہات اچھے طریقے پر بیان کیں - کہ تمام عالم اور ڈاکٹر لوگ بھی تعجب کرتے تھے - اس کے آخیر میں آپ نے کپتانوں کو مخاطب ہو کر کہا - کہ آپ کے ڈاکٹر لوگ ویدک سے بالکل ناواقف ہیں - وہ آدھ غفلت کا ناش کر رہے ہیں ۱½ - ۱½ میل پر چوکیاں بنوائی نہیں - اسی سے مسافر خواہ مخواہ بیمار رہتے ہیں - پیشاب اور پاخانے کی جسے حاجت ہو اسے اتنی دور جانے کے لئے ویسے ہی ضبط کرنا پڑتا ہے اور اس کی گرمی دماغ میں چڑھتی ہے - اور جب اندر کی حالت یہ ہو تو خراب وایو بہت جلد اس پر اثر کر جاتی ہے - اور اس طرح آپ کے قانون کے صدقے کئی ایک جانیں جا رہی ہیں - کرپا کر کے مسافروں پر رحم کھاؤ سڑک سے کچھ فاصلے پر کھنڈ بان لگا دو - یہاں مسافر حاجت رفع کر لیں اور یہ جو گنگا کے میدان میں کھیتے لگا کر پاخانہ جلاتے ہیں اس سے بھی وایو اشدھ ہوتی ہے - اس سے وبا بہت پھیلے گی -

۱۰۴ - کچھ سادھو بھنڈارے کو چندہ کرتے تھے - سوامی جی نے کہا - تم لکڑ بیٹھی ہو - اس اودیا کے جال میں مت پھنسو - اگر تمہارے میں کوئی بڑھا ہو تو اس کی سیوا کرو -

۱۰۵ - ایک دن لیکچر میں ایک بڈھا برہمن بول پڑا - کہ سوامی تمہارا گلا کاٹ لیتا - اور اپنا بھی - تو نے ہمارا بڑا نقصان کیا - اور رزق مار دیا - پولیس وغیرہ موجود تھی - مگر سوامی جی نے صرف اتنا کہا - کہ اسے کچھ نہ کہو - صرف اتنا کرو - کہ یہ ویاکھیان میں خلل نہ ڈالے -

۱۰۶ - ہردوار کنبھ پر منشی رام جی اور ان کے گرو بھٹ اچھال سے پہنچ کر بولے - کہ سوامی جی آپ اونچے چبوترے لگا کے بیٹھے ہیں اور ہمارے لئے ٹھکانہ ہی نہیں ہے - اس وقت سوامی جی کے سر پہ ایک مکھی بیٹھی تھی -

بڑے کرپھائی ہیں نے تو کسی کو بھی اپنے سر پہ بٹھا رکھا ہے۔ یدی آپ کے
لیے سنگھان ہوتا۔ تو یہاں بٹھا لیتا۔

۱۰۷۔ میرٹھ میں ایک دن سکاٹ صاحب نے کہا۔ مہاراج سنا جاتا ہے
کہ سوامی شنکراچارج اپنی روح کو اپنے جسم سے نکال کر دوسرے کے
جسم میں داخل کر دیتے تھے۔ سوامی جی بولے۔ اتنا تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔
کہ تمام جسم سے ساری جیون شکتی کو کھینچ کر جسم کے ایک حصے میں جمع کر دیں
ایسا کہ باقی حصہ جسم مردہ معلوم دے۔ ابھیاس چھوڑے دیر ہوئی۔ تاہم جب
کہو یہ عمل دکھا سکتا ہوں۔ یہ بھی کہا کہ اپنے بچاؤ کے لیئے یوگ کرنا ہیں نے
سوارتھ جانا ہے۔ اور اس لئے اسے چھوڑ کر ست کا پرچار کر رہا ہوں۔ اور
ابھیاس کو چھوڑ رہا ہے۔ لیکن جب میں اوسط درجے کا ابھیاسی بھی اس
قدر کر سکتا ہوں۔ تو ایک قدم آگے بڑھانے پر دوسرے شریر میں آتما
کو داخل کر سکنا۔ اسنبھو نہیں پرتیت ہوتا۔ باقی رہا یہ۔ کہ شنکراچاریہ
نے ایسا کیا ہے یا کہ نہیں۔ یہ تاریخی واقعہ ہے۔ میرا ذاتی علم اس بارے
میں کچھ نہیں ہو سکتا۔

۱۰۸۔ مراد آباد میں سوامی جی نے ویدوں کے مہتو پر ویاکھیان دیا اور علاوہ
کئی اعلے اپدیشوں کے راجہ اور پرجا کے فرائض کا بیان کیا۔ کلکٹر صاحب لیکچر
سن رہے تھے۔ سوامی جی کو معلوم تھا۔ کہ ان کو شکار کا زیادہ شوق ہے۔
اس لیئے شکار وغیرہ ویسنوں کی بڑی اچھی طرح تردید کی۔
لیکچر ختم ہوا۔ تو کلکٹر صاحب نے سوامی جی کی بڑی تعریف کی۔ اور کہا
کہ جیسا سوامی جی نے فرمایا ہے۔ اگر رعیت اور راجا کا یہی برتاؤ ہوتا۔ تو
غدر والی تکلیف راجہ اور پرجا کو نہ اٹھانی پڑتی۔ جو کچھ انہوں نے کہا
ہے بے شک سب سچ ہے۔

۱۰۹۔ مراد آباد میں جس دن سماج قائم ہوئی بہت سامگری منگوائی گئی اور موہن بھوگ بھی زیادہ تیار کیا گیا۔ ویدی کھلی جگہ میں تھی۔ بارش ہو جانے سے ہون نہ ہوا۔ بہت دیر ہو گئی۔ تو سوامی جی نے کہا۔ کہ اب ہون تو تھوڑی سی سامگری کا بند مکان میں کر دو۔ اور موہن بھوگ سب لوگوں کو تھوڑا تھوڑا دے دو اور کچھ پوری کچوری بازار سے منگا دو۔ کیونکہ سب کو بھوک لگ رہی ہے۔ ایسا ہی عمل ہوا۔ مگر بازاری لوگوں نے سارے شہر میں مشہور کر دیا کہ سوامی جی نے حلوے میں تھوک دیا ہے۔ اور سب نے کھایا ہے۔ سوامی جی اور آریہ پرش یہہ سن کر ہنسے۔ کہ مورکھوں میں ایسی ہی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ مگر دوسرے لوگ پنچائتیں اور برادریاں کر کے آریوں کو الگ کرتے پھرے۔

۱۱۰۔ مراد آباد میں سوامی جی سلونو کے دن بڈھے بڈھے لوگوں کو رکھشا بندھوائے دیکھ کر ہنسے۔ کہ تم بردہ لوگوں نے کیوں رکھشا بندھن باندھا ہے تم کو معلوم نہیں۔ کہ آج کے دن اس دیش میں کیا ہوتا تھا۔
پھر ان کے پوچھنے پر کہا۔ کہ آج کے دن راجہ بڑا ایگ کرتے تھے۔ اور پاٹ شالاؤں کے سب ودیارتھیوں کے ہاتھ میں راجہ صاحب کی طرف سے رکھشا بندھن باندھا جاتا تھا۔ کہ راج پرش اور پرجا سب ان کی رکھشا کریں۔ افسوس کہ اب پیٹ بھرنے کے لیے تم دھاگے بندھواتے پھرتے ہو

۱۱۱۔ میرٹھ میں پادری سکاٹ صاحب سے سوامی جی کا مباحثہ ہوا۔ بیچ میں زندہ دلی کے ریمارک بھی ہوتے تھے۔ ایک بار پادری صاحب نے کہا۔ کہ میں یہ بات واضح تو کر دیتا ہوں۔ مگر لکھی نہ جاوے۔ سوامی جی نے کہا۔ جو کہو گے لکھا جاوے گا۔ پادری صاحب کا کلرک بولا۔ سوامی جی آپ پادری صاحب کی بات مان جائیے۔ جواب ملا۔ تمہارا کام لکھنا ہے۔ رائے دینا نہیں پادری صاحب

بولے - سوامی جی! آپ کی سی بات تو سب کہتے ہیں - ہماری سی ایک ہی کہتا، تو آپ روک لیتے ہیں - سوامی جی نے فرمایا - نیائی کی سی سب کہتے ہیں - انیائی کی سی کوئی نہیں کہتا :-

۲ ۱۱ - فرخ آباد میں ایک دن لیکچر کے لیے سوامی جی گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کر آریہ سماج کی طرف آ رہے تھے - ایک کتا بھونکتا ہوا خوب زور سے گھوڑے کے پیچھے دوڑا - اور تھوڑی دور جا کر رہ گیا - سوامی جی نے فرمایا - اس میں اتنا ہی سامرتھ ہے گھوڑے کے برابر کس طرح آ سکتا - اسی پر کار کیول کلپت گرنتھ ماننے والوں کا سامرتھ ہے - وے بھی پراچین مت ماننے والوں کے سمکھ کس طرح شاستر ارتھ کر سکتے ہیں -

۳ ۱۱ - ایک دن فرخ آباد کے رئیس و آنریری مجسٹریٹ بابو درگا پرشاد جی سے سوامی جی کی گفتگو ہوئی - میونسپلٹی اور اس کے ممبروں کے ذکر میں آپ نے رئیس صاحب سے پوچھا - کہ آپ مقدمہ میں نیائے کرتے ہیں - بابو صاحب نے کہا - ہاں مہاراج (سوامی جی) راجہ کا کام ہے کہ پکشپات لیش مات ہی نہ کرے اور انیائے کبھی نہ کرے -

بابو صاحب - مہاراج مجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہے - تحقیقات کر لیتا ہوں - مگر دل کی بات کیونکر جان سکتا ہوں -

(سوامی جی) جب تک پورن ودیا اور دگیان اور دوسرے کے دل کی بات جاننے کی سامرتھ نہ ہو - نیائے کرنا کسی کو اچت نہیں - اگر اتنی سامرتھ نہیں ہے - تو نیائے کیوں کرتے ہو - بابو صاحب چپ رہے -

۴ ۱۱ - دانا پور میں ایک بابو صاحب نے کہا - سوامی جی! اگرچہ آپ کا کہنا ٹھیک ہے - مگر لوگ ہٹ سے نہ مانیں گے - تو آپ کیا کریں گے - سوامی جی بولے - ہمارا کام اتنا ہی ہے - کہ ہمارے کتھن کو لوگ کان میں جگہ دیں - اور

جب ان کو پورے طور پر سُن لیں گے۔ تو وہ سوئی کی طرح اندر چبھ جائے گا۔ اور نکلنے سے نہ نکلیگا۔ اگر ان کو دوست یا پیارا ایکانت میں پوچھے گا۔ تو صاف کہیں گے "ٹھیک ہے"

۱۱۵۔ دانا پور میں ٹھاکر پرشاد سنار نے ایک استری کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرلی تھی۔ ایک روز سوامی جی نے اس سے سوال کیا۔ کہ مجھکو یوگ کا طریقہ بتلائیے۔ سوامی جی نے کہا۔ ایک شادی اور کرلو پس پورنگ تیرا ابھیاس ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی چپ رہ گیا۔

۱۱۶۔ ایک شخص نے پھول توڑا۔ سوامی جی نے کہا۔ بہت برا کیا۔ اس نے کہا۔ کہ آپ کے ہاتھ کی مورچھل سے کیا مکھی کو تکلیف نہیں ہوتی۔ تو کہا موذیوں کے روکنے میں تمہارے جیسے آدمیوں نے خرابی کی۔ تم جیسے کمزور اور بزدل میدان جنگ میں کیا کریں گے۔

۱۱۷۔ دانا پور میں ایک بار جونس صاحب سوداگر معہ کئی پادری و میم صاحبان کے سوامی جی سے ملے اور سوامی جی سے عرض کیا۔ کہ آپ کچھ فرماویں۔ جواب ملا۔ کہ ہم تو روز کہیں آج آپ ہی کچھ کہیں۔ لیکن فیصلہ آخر یہی ہوا۔ کہ سوامی جی بولیں۔ تب سوامی جی نے قدرتی چیزوں کا سب آدمیوں کے لئے یکساں ہونا۔ اور اسی طرح دہرم سب کے لئے ایک ہونا منوا لیا۔ اور پھر دہرم کے متلاشی کی بات سُنائی۔ کہ کس طرح سب مت والے اپنی اپنی طرف جگیاسو کو کھینچتے ہیں۔ اور ایک ایک مت کے خلاف ۹۹۹ شہادتیں ملتی ہیں۔ مگر جو اصل دھرم ہے۔ ستیہ کا بولنا چوری نہ کرنا وغیرہ اس پر سب متفق ہوتے ہیں۔ پس اصلی دہرم سب کا وہی ہے۔ جس کے خلاف کوئی شہادت نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد جونس صاحب نے کہا۔ آپ ایسے طور پر ان باتوں کو کہتے ہیں۔ کہ ان کے خلاف کچھ بھی

گزران گذرتا ہے۔ مگر یہ آپ چھوت چھات کیوں کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ کھانا کیوں نہیں لیتے سوامی جی نے فرمایا۔ ہم کھانے نہ کھانے میں دھرم ادھرم نہیں مانتے یہ تو رواج کی بات ہے۔ کہا آپ اپنی لڑکی کا وواہ دیسی عیسائی سے کر سکتے ہیں اور کریں تو کیا خوش ہوں گے۔ پادری صاحب نے کہا نہیں۔ تب سوال ہوا کہ دھرم کے خیال سے یا رواج کی وجہ سے۔

(پادری صاحب) اپنی ذات کے رواج سے

(سوامی جی) لیکن ہم بھی کھانے کا پرہیز رواج سے کرتے ہیں۔ دھرم مان کر نہیں۔ پادری صاحب اس پر خاموش ہو گئے۔

۱۱۸۔ داناپور میں ایک شخص درگا اوستھی برادری کے خوف سے لکچر میں نہ جاتا تھا۔ اگر جاتا تو چوروں کی طرح باہر کھڑا رہ کر سنتا اور پھر چلا جاتا۔ اس کی زبردست خواہش تھی۔ کہ سوامی جی کے مکھ سے کچھ سنوں۔ آخر اسے معلوم ہوا۔ سوامی جی پرات کال ہی نکل جایا کرتے ہیں۔ ایک رات پہلے ہی رستے میں بیٹھ رہا جب سوامی جی سیر کو لوٹ آ رہے تھے۔ یہ پیچھے پیچھے ہو لیا رستے میں سوامی جی نے پوچھا تم کون ہو۔ اور کیا چاہتے ہو۔ اس نے اپنی ساری حالت سنائی۔ کہ میں برادری کے خوف سے لکچر میں نہیں آتا۔ آپ سے بات چیت کرنی چاہتا ہوں۔ انہی باتوں میں بنگلہ پر پہنچ گئے۔ اور فرمایا تمہارا مطلب کیا ہے۔ بولا۔ مہاراج میری یہی شردھا ہے کہ آپ اپنے چرن کو میرے مستک پر لگا دیجیے۔ سوامی جی نے کہا۔ اس کا کیا پھل ہوگا اور بات ہو تو کہو ورنہ ہم جاتے ہیں کسی وقت آن کر پوچھ لینا۔ اس نے کہا ضرور کسی وقت حاضر ہوں گا۔ مگر اس وقت میری یہی شردھا ہے۔ سوامی جی نے اس کا اصرار دیکھ کر کہا۔ اس سے ہوگا تو کچھ نہیں۔ لیکن اگر تو یہی چاہتا ہے۔ تو لے اور اپنے پاؤں کا انگوٹھا اس کے مستک پر لگا دیا۔

۱۱۹۔ بنارس میں ایک روز فاضلہ باجی ٹنڈ نگری نے کرنیل الکاٹ، میڈم بلیوٹسکی

بگوا انگریز پوش استریوں کے سامنے کہا۔ کہ مہاراج مخالفت سے لوگ آپ کو برا کہتے ہیں۔ سوامی جی نے فرمایا۔ ہم کو اس سے تحمل آتا ہے۔ ان کے برا کہنے سے ہم چار تھوڑے ہی ہو گئے۔ ہمارا کام اپدیش کرنا ہے۔ سنسار کا اپکار کرنا۔ نہ کہ ان کے کہنے کا خیال کرنا۔

۱۲۰۔ بنارس میں بابو پربھو سنگھ جی اور سوامی وشودھا نند جی کی گفتگو ہوئی تو سوامی جی نے مانا۔ کہ واقعی پنڈت دیانند سرسوتی جی کا دیکھا پرمان ودیا اور سمتی کے لحاظ سے ماننے کے لائق ہے۔ لیکن لوگوں کے سامنے ایسا نہیں کہہ سکتا اگر کہوں تو ابھی ساری عزت خاک میں مل جاوے اور نفتے پانی میں غرق ہو جائے اسی طرح سوامی وشودھا نند اور بال شاستری جب تنہائی میں بات ہوئی۔ تو کہتے جو کچھ دیانند کہتا ہے۔ وہ سب سچ ہے۔ لیکن کیا کریں۔ اگر ہم بھی ایسی کہیں تو لوگ ہم کو چھوڑ کر ہم سے ویر و دشمنی رکھیں۔ پھر ہماری روزی کیسے چلے۔

۱۲۱۔ کاشی کے ایک ودوان پنڈت کو ایک دن ایک ہزار روپے کا نوٹ دکشنا میں ملا۔ اسی دن اس کی منشی بختاور سنگھ اڈیٹر آریہ درپن سے بات چیت ہوئی۔ منشی جی نے ان سے سوامی جی کے بارے میں پوچھا۔ تو پنڈت جی نے کہا۔ سوامی جی کہتے تو ہیں سچ۔ لیکن ہم کیا کریں اس کو پیٹ کھول کر اور اس کی طرف اشارہ کر کے) دیکھو ابھی ایک ہزار کا دان لیا ہے چین کرتے ہیں۔ سوامی جی کی طرح ہم بھی کہنے لگیں۔ تو پھوٹی کوڑی بھی نہ ملے پھر گھر بیٹھے جیو کا کیسے چلے۔ بھائی ہم کو پیٹ سچ نہیں کہنے دیتا۔

۱۲۲۔ ڈاکٹر سٹن جائنٹ مجسٹریٹ فرخ آباد نے کیمپ فتح گڑھ میں یوگ کی بابت سوال کیا۔ سوامی جی نے یوگ کی تشریح کی اور فرمایا۔ کہ آپ لوگ یوگ نہیں کر سکتے۔ جو ماس شراب کے سیون کرنے والے ہیں

اگر یوگ کرنا چاہو۔ تو روٹی اور مونگ کی دال کھانی چاہیئے۔

۱۲۳- مین پوری میں سوامی جی نے اپنے لیکچروں میں بھارت ورش کے پراچین کال کا اچھی طرح فوٹو کھینچا۔ کلکٹر اور جج وغیرہ بہت انگریز بھی آئے تھے جب لیکچر ختم ہوئے تو ایک مسلمان مرزا عابد علی بیگ نے بہت دھنیاد دیا اور کہا کہ یہ جو کہتے ہیں۔ کہ دور دیشوں سے لوگ یہاں پڑھنے آتے تھے۔ یہ تب ہی تھا جب مہاراج کی طرح مہاتما لوگ تھے۔ اب کون ... سکتا ہے۔

۱۲۴- مرزا عابد علی بیگ مشہور منطقی تھے۔ وہ سوامی جی سے بارہا تنہائی میں ملتے رہے۔ پہلی دفعہ آدھ گھنٹہ بعد یہ قابل شخص یہ کہتا ہوا باہر نکلا۔ کہ بس منطق کی سوامی جی نے حد کردی۔ ایک مہاشے نے کہا۔ کچھ فرمایئے۔ تو بولے مجھے خوشی اور خدا آج کی گفتگو میں آیا ہے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ میں تو ان سے کچھ گفتگو نہیں کر سکتا۔ جو پوچھتا ہوں مدلل جواب دیتے ہیں۔

۱۲۵- فیروز آباد کے سٹیشن پر سوامی جی سیکنڈ کلاس میں بیٹھا دیکھ کر سٹیشن ماسٹر سمجھا۔ کہ یہ فقیر غلطی سے یہاں چڑھا ہے۔ آگے پکڑا جائیگا اس نے ایک بابو سے کہلوایا۔ کہ وہ گاڑی سے نکل جاویں۔ سوامی جی اس پر ہنس پڑے۔ سٹیشن ماسٹر ناراض ہو کر بولا۔ ہنستا کیوں ہے۔ گاڑی سے باہر جا۔ یہ کہکر جھڑپ دیا۔ سوامی جی نے پرواہ نہ کی۔ وہیں سٹیشن ماسٹر کو کسی نے کہا اس گاڑی پر بڑے مہاتما پنڈت جاتے ہیں۔ جب پوچھا کہاں ہیں۔ سوامی جی کی طرف اشارہ ہوا۔ وہیں سٹیشن ماسٹر سوامی جی کے پاس آکر معافی مانگنے لگا۔ مگر سوامی جی نے کہا تم نے ہم سے کچھ نہیں کہا۔ ہم ایسی باتوں سے ناراض نہیں ہوتے۔

۱۲۶- ڈیرہ دون جاتے ہوئے سہارنپور سٹیشن پر سوامی جی کو کچھ ...

ایک جوتشی نے کہا میں پرشنوں کے اتر دیتا ہوں۔ سوامی جی نے فرمایا۔ کیا تم کیا دیتا ہے۔ اتفاق سے کوئی بات تو سچی ہو ہی سکتی ہے۔ جوتش تمہارا سچا ہو۔ کہ سو سوالوں کا ایک ساتھ جواب دو اور وہ سب سچے ہوں۔ اگر کچھ صحیح اور کچھ غلط ہوں تو جیوتش تو اڑ گیا۔ کیونکہ حساب کے قواعد ہمیشہ سچے ہوتے ہیں۔

۱۲۷۔ آگرہ میں سوامی جی ایک بڑا گرجہ دیکھنے گئے۔ ایک شخص نے کہا پگڑی اتار لیجئے۔ سوامی جی نے کہا۔ ہمارے قاعدہ کے رو سے پگڑی کا پہننا داخل تعظیم ہے۔ اگر چاہو تو جوتی اتار کر جاویں۔ جواب ملا۔ جوتا اور پگڑی دونوں اتار کر جائیے۔ سوامی جی نے کہا خیر ہم باہر سے نظر مار لیتے ہیں۔ چنانچہ برآمدے سے ہی مورتیاں دیکھ چلے آئے۔

۱۲۸۔ ایک دفعہ انگریزی کے کسی دیسی ودوان نے یوگ اور اس کی بدھیوں کے متعلق سوال کیا۔ اور کہا۔ میں اس کو بالکل نہیں مانتا۔ سوامی جی نے فرمایا۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ ہم اتنا بھاری کام بنا یوگ کے ہی کر رہے ہیں ان الفاظ سے اس کے شکوک دور ہو گئے اور وہ آریہ سماج کا پریمی بن گیا۔

۱۲۹۔ سوامی جی ریاست رائے پور میں تھے۔ کہ ان کے میزبان راجہ صاحب کی رانی کا دیہانت ہو گیا۔ ایک معزز شخص نے سوامی جی سے کہا۔ کہ آپ مہاراج کی ماتم پرسی کے واسطے جاویں۔ فرمایا۔ کہ بھائی میں نے تو سب سنسار سے تعلق چھوڑ دیا ہے۔ کسی کا مرنا اور جینا میرے واسطے ایک سا ہے۔ میں شوک کرتا ہوں نہ پرسنتا۔ میرا تعلق کیول دھرم اور اپدیش سے ہے۔ اور بس۔

۱۳۰۔ اودے پور میں سوامی جی نے مہاراج کو منوسمرتی پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ مالک نے دھرم کے متعلق حکم دیا ہے تو تعمیل کرنی چاہیئے۔ ورنہ نہیں۔ ایک

رئیس بولے۔ یہ ہمارے حاکم ہیں۔ اگر حکم دیویں اور ہم ادہرم سمجھ کر نہ مانیں۔ تو یہ ہماری جاگیر ضبط کر لیں۔ سوامی جی نے فرمایا۔ کچھ پرواہ نہیں۔ دھرم کی خاطر دولت یا جاگیر چلی جائے۔ تو بھی ہری کے کھانے اور ادہرم کرنے سے مانگ کر کھانا اچھا ہے۔

۱۳۱۔ اودے پور میں سوامی جی بات کرتے تھے۔ کہ ایک عیسائی قطع کلام کر کے بار بار کہتا۔ میرا سوال سنو۔ سوامی جی نے کہا بات ختم ہو تب بولنا۔ مگر وہ اپنی ہی ہانکے گیا۔ تب سوامی جی نے حاضرین کو کہا آپ ذرا صبر کریں۔ اور اسے کہا بول تیرا کیا سوال ہے۔ اس نے کہا۔ ہم کہاں سے آئے ہیں کہاں ہیں اور کہاں جائیں گے۔ سوامی جی بولے۔ تم انتم پول سے آئے ہو۔ پول میں ہو۔ اور پول میں جاؤ گے۔

وہ کہنے لگا۔ ہیں ہیں! سوامی جی نے کہا۔ کنارے بیٹھ کر سوچ۔ تیرا جواب مل گیا۔

۱۳۲۔ اودے پور میں سوامی جی نے بڑا اہاری یگیہ کئی روز تک کرایا۔ اور آگیا دی۔ کہ روز ہون ہو۔ چنانچہ ممبران دربار نے سجز شی اس کی تعمیل کی اور ہون ہو کر کنندہ تمام محلوں میں گھما یا جاتا تھا۔ جب تک مہاراج سجن سنگھ جیتے رہے جاری رہا۔ جب ان کا دیہانت ہو گیا۔ اور مہاراج فتح سنگھ گدی نشین ہوئے۔ تب لوگوں نے شک ڈالا۔ کہ وہ ہون کرتے تھے۔ اس سے مر گئے۔ تب سے بند رہا۔

۱۳۳۔ ایک وکیل صاحب باغ میں سوامی جی سے باتیں کرتے تھے۔ بیچ میں ہی کہنے لگے۔ کہ یہ جو اچھے اچھے گھرانوں کی اچھی اچھی خوبصورت عورتیں رنڈی بن جاتی ہیں۔ اس کا کیا کارن ہے۔

سوامی جی نے کہا۔ ہمیں ایسے بہڑوے پن کی باتیں پسند نہیں کسی اور سے پوچھنا

۱۳۴- مورتی پوجکوں کو سوامی جی کہتے تھے۔ کہ تم لوگ نسکتی بان ایشور کی طرف پیٹھ کرکے مورتی کو پوجتے ہو۔ اصل میں تم ایشور کو کچھ نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کی نندا کرتے ہو۔

۱۳۵- جودھپور میں بھیا فیض اللہ خاں صاحب اعلیٰ نے کہا۔ کہ سوامی جی اگر مسلمانوں کا راج ہوتا۔ تو آپ کو لوگ زندہ نہ چھوڑتے۔ اور آپ ایسی تقریر نہ کرسکتے۔ جواب فرمایا۔ کہ میں بھی اس وقت ایسی ہی کارروائی کرتا یعنی دو راجپوتوں کی گردن دبا دیتا اور وہ تمہاری اچھی طرح خبر لیتے۔

۱۳۶- یہ دیکھ کر کہ راجہ لوگ ویشیا رکھتے ہیں۔ سوامی جی نے ایک آریہ مہاشے سے کہا۔ کہ ہندو ریاستوں کے راجوں کے دُراچار سے ایسی خراب حالت ہے۔ کہ وہ کب کی تباہ ہو جاتی جس قدر باقی ہے صرف ان کی رانیوں کی پتی ورتا دھرم کی ستا ہے۔ ورنہ اگر راجوں کے کرم پر ہوتا۔ تو سب کا بیڑا ڈوب جاتا۔

۱۳۷- ایکدفعہ ایک شخص نے کہا۔ سوامی جی آپ تو رشی ہیں۔ فرمایا۔ رشیوں کے ابھاو میں مجھے رشی کہہ رہے ہو۔ ورنہ اگر میں کنادرشی کے زمانے میں ہوتا۔ تو اوس وقت کے ودوانوں میں بھی یہ مشکل گنا جاتا۔

۱۳۸- ایک دوبار کسی نے کہا۔ مہاراج ایک پنڈت مجھ سے الجھ کر آپ کی نندا کرنے لگا تب میں نے بھی اس کو ویسے ہی اُتر دیئے۔ سوامی جی کرودھ ہو کر بولے۔ تیرا یہ کام تو کبھی پرشنسا کے یوگ نہیں ہو سکتا جب یہ جگت پرماتما تو آدمی کی نندا سے نہیں چوکتا۔ تو میں کیا چیز ہوں جس کی نندا تو سن نہ سکا نیز ایسے پرش سے کبھی جگت بھلائی کی آشا نہیں ہو سکتی۔

۱۳۹- سوامی جی جب کبھی سنتے۔ کہ ہمارا فلاں پنڈت گیا ہیں مونچھ منڈوا کر پنڈ پردان کر آیا۔ وہیں سماجوں کو اطلاع دیتے۔ کہ یہ پورا پوپ ہے۔

اس کا اپدیش نہ سنتا - اثر نہیں کرے گا -

۱۴۰ - سوامی جی کا ارادہ تھا - کہ بھارت کے تمام علاقوں میں پرچار کر کے ولایت میں دھرم کا ڈنکا بجاویں - انہوں نے انگریزی پڑھنا بھی شروع کیا تھا - اور ستیہ خلاف تھے - مگر افسوس موت نے سارے ارادوں کو بیچ میں ہی رکھا -

۱۴۱ - الہ آباد میں مخالفوں نے اینٹیں پھینکیں - تو ایک سوامی جی کے ہاتھ پہنچی - اور کچھ خون نکلا - لیکن انہوں نے مطلق خیال نہ کیا - کسی کی طرف توجہ کرنے کی بجائے رومال سے خون کو پونچھا اور اپنے کام کو بدستور جاری کیا -

۱۴۲ - بمبئی میں ایک سنیاسی سے مورتی پوجا پر شاستر ارتھ ہوا - سنیاسی اپنے پکش کو ہار جاتا تھا - اور اس کے خلاف مانتا نہیں تھا - لیکن سوامی جی نے یہ کہہ کر چپ کرا دیا - کہ میں جیسا کہتا ہوں ویسے ہی عمل کرتا بھی ہوں - تم مورتی پوجا سدھ کرتے ہو - کیوں نہیں مورتی پوجا کرتے -

۱۴۳ - سوامی جی استری شکشا کا پرچار کرتے تو کہتے لوگ اس پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں - مگر ان کی وجہ سے رکتی ہے جو بات ان میں ایک دفعہ چل جائے - پھر اس کا روکنا محال - اسی پرکار ایک بار استری شکشا کا کام جاری ہوگیا - تو پھر کوئی روک نہ ہوگی -

۱۴۴ - سوامی جی نے پرچار کا کام شروع کرنے سے پہلے اپنے دل کو ایسی طرح تیار کیا - کہ ساری آپتیوں اور مخالفتوں کو سہارنے کے لئے کٹیا کے سامنے برکھش تھا - اسے پورب پکشی اور اپنے آپ کو اتر پکشی بنایا اور وید کے دھرم کے پرتی پاکھنڈ میں جو آپتیاں دشمن ہو سکتے ہیں - ان کا نوارن کیا - درخت ایک ایک سوال قائم کرتا تھا - اور سوامی جی اس کا کھنڈن کرتے تھے - اسی طرح دل کو پکا کر کے دھرم کے میدان میں آئے تھے -

دوسرا کھنڈ

دیواسر سنگرام

پہلا سرگ

بگھیہ بیں بگھن

امتحان سخت ہے پر ملتا ہے آخر انعام
گرچہ محنت ہے کٹھن ہوتا ہے اچھا انجام

جگت یدھ کھشیتر ہے۔ یہاں کا ہر ایک باسی بڑا یودھا ہے۔ دیوا اور اسر دو دل ہر دیش، ہر کال میں ہر منش کو ورشٹی کو چھیڑتے ہیں۔ ویدیں اس کا کثیف نظارہ سورج اور بادل کے یدھ میں دکھایا ہے۔ جو انترکش میں جاری ہی رہتا ہے۔ بادل سورج کے پرکاش کو چھپا تا، گھیرا ڈال باندھ باندھ کر کرنوں کو پرتھوی پر پہنچنے سے ہٹاتا اور اندھکار پھیلاتا ہے۔ سورج تیکھشن کرنوں کے بان سے اسے بیندھتا اور چھن بھن کر بانی کے روپ میں گرا کر پرتھوی پر تسلط جماتا ہے۔

راجیہ کے پربندھ میں انیائی اور دشٹ لوگ اور نہیک لشو بادھا ڈالتے ہیں۔ ان سے پرجا کو بچانے کے لیے راجہ اپنے نیائے نیم تتھا سینا آدی سے انہیں ڈنڈ دے ان کا ناش کرتا ہے۔

گلے سڑے انہوا در گندھ یکت پدارتھ اور مل آدی شریر کی آروگیتا اور بل پر آکرمن کر رہے ہیں پستی کہشن وہ ان مل آدی کو لنگاڑ دیتے ہیں بچے ہیں۔ اپنی اپنی پدبوت واڑوں سے انہیں چھین بھن کرکے استر لہش میں کہیں کا کہیں پھینکا کر پہنچا رہی ہے۔ اور انکی جگہ سگندھی یکت۔ روگ ناشک اور بلدایک پدارتھوں کے پرمانو ہر جگہ ستھاپن کر رہی ہے۔

گورو ستیہ ایدیش سے استیہ کے بندھن توڑنے میں لگا ہے۔ اُستاد ودیا پڑھا کر اودیا کا ناش کر رہا ہے۔ غرضیکہ نیک اور بد کا۔ بڑے اور چھوٹے کا سنگرام جہاں چاہو دیکھ لو۔

باہر ہی نہیں غرضیکہ انسان کے اندر دو دل ہر وقت کام کر رہے ہیں۔ جنم جنمانتروں میں جو اچھے سنسکار دھرم کرم کے جمع ہوئے۔ گورو اور اوروں کے ست سنگ سے جو پراپت کیا۔ برہمچریہ آدی تپ سے جو سرشیشٹ کرم کا ابھیاس کیا۔ یہ سب اچھی برتیوں کا دل ایک طرف ہے۔ مگر باہر کے وشیہ روپ رس آدی آنکھ ناک آدی اندریوں کے دروازوں سے اندر آکرمن کرتے ہیں۔ ان کے قابو آیا من یا نفس امارہ کام کرودھ آدی کے سنسکاروں کی سینا لیے دوسری طرف ہے۔ یہ آسری سینا منش کو بہت گرا دینے میں بھی کامیاب ہوتی ہے۔ لیکن آخر گیان کے کھڑگ سے آتما ان کا دمن کرتا ہے۔

کوئی بھی وچار درپیش ہو۔ ایک خیال اٹھتا ہے۔ دوسرا اس کی تردید کرتا ہے۔ پھر اور دلیل پہلے کے حق میں سوجھتی ہے۔ یہ سب سنگرام ہی تو ہے۔

کوئی منش جدوجہد سے بچ نہیں سکتا۔ سخت غلطی پر ہیں۔ جو آرام طلبی کی خواہش لیے رہتے ہیں۔ یہ آلس یہ تھماین محض آسری دل کو حوصلہ دیتا ہے۔ کہ وہ بے کھٹکے ہمارے سکھ سمپت کا ناش کرے۔

پس ہوشیار رہنا میں ہونا چاہو تو ۔ اور بدیہ میں کمر ہمت باندھ کر ڈٹ جاؤ۔ سنگرام سے بچنا نہ تو ممکن ہے نہ مناسب ۔ ہاں فرض یہ ہے ۔ کہ دلیل ہیں داخل ہو اور آسری ذائے کا تارن اپنا کرتویہ بنائے یہی کلہیہ شکھشا رشی دیانند نے اپنے جیون میں آپ کے سامنے رکھی ۔ اُس نے ویدا پدیش روپی پرکاش کو روکنے کے لیے ہمت والوں نے کتنے کٹھن ڈالے۔

رشی نے ہر چند سمجھایا ۔ کہ ستیہ کو سُن کر

حوصلہ دل میں رکھو سہنے کا کیوں ڈراتے ہو کہنے کا

صاف ہی اہل صفا کہتے ہیں

مگر کون سنتا تھا ۔ لوگوں نے غلط افواہیں اُڑائیں ۔ بڑوں چھوٹوں کو اُسے ملنے سے روکا ۔ اُس کی سننے سے روکا ۔ اس کی سبھا تیار کرنے سے روکا ۔ اُس کو ٹھہرانے سے روکا ۔ کام کرنے سے روکا ۔ اس کے سوانگ بنائے اسے گالیاں دیں اُس پر اینٹیں پھینکیں ۔ اسے پتھر مارے ۔ لیکن کیا کسی بھی حرکت نے ستیہ کا پرچار بند ہوا ۔ ہرگز نہیں ۔ ذرا غور سے واقعات کی پڑتال کرو ۔ اس کے بعد رشی کی کامیابی سامنے رکھو ۔ اور پھر سوچو کہ یہ بل کیا چیز ہے۔

۱۔ مہاراج رام سنگھ کو ملنے نہ دیا

جے پور آدھیش شیومت کے انویائی تھے ۔ اور ویشنو سمپردائے کی تردید میں مباحثہ کر رہے تھے ۔ ان کے کارکن بخشی رام دیاس آدی نے چاہا کہ سوامی جیسے ودوان ہماری طرف ہو جاویں ۔ تو بڑی کامیابی ہو ۔ چنانچہ دیاس جی خود پہنچے ۔ جب سوامی جی نہ مانے ۔ تو کچھ بڑے آدمیوں کی معرفت کوشش کی ۔ آخر مہاراج کی ملاقات کے لئے سوامی جی کو لائے اور انہیں راج

راجپوتوں کے مندر میں بیٹھ رہا سوامی جی نے مورتی کو نمسکار کرنا ہی نہ تھا۔ نہ کیا۔
جب مہاراج کو اطلاع دینے ویاس جی گئے۔ تو آپ نے کہدیا۔ کہ ان کا دخل کرایا
تو ہمارا سارا کارخانہ بگڑ جائیگا۔ یہ تو ہر طرح کی مورتی کو اکھیڑنا چاہتے ہیں۔ ویاس جی
نے پجاریوں کے مورتی کو نمسکار نہ کرنے سے ایسا ہی نشچے کر لیا۔ بس یہ کیا تھا بغیر
اطلاع دیئے لوٹ آ کر کہدیا۔ کہ مہاراج باہر گئے ہیں۔ پھر پدہاریئے۔ سوامی جی
حقیقت تاڑ گئے اور یہ کہہ کر چلے آئے۔ کہ ہماری مہاراج سے کیا غرض ہے۔
اس کے بعد ایجنٹ گورنر جنرل سوامی جی سے ملے۔ تو ان پر بڑا اچھا اثر
پڑا اور مہاراج رام سنگھ والا واقعہ سن کر انہیں سخت افسوس ہوا۔ چنانچہ ایجنٹ
صاحب نے مہاراج کو لکھا کہ افسوس ہے ایسے فاضل وید وکتا سے آپ نے بات نہ کی
مہاراج کو اس خط سے بہت پشچاتاپ ہوا اور انہوں نے ٹھاکر رنجیت سنگھ
اچھرول والے سے تاکیدی نویدن کیا۔ کہ جیسے ہو سوامی جی سے ملاقات کراؤ۔
مجھے پہلے ان کا گیان نہ تھا۔ چنانچہ دوبارہ اجمیر آنے پر مہاراج کو انہوں نے اطلاع
دی۔ مہاراج کے بھیجے بیاس بخشی رام نے آ کر نویدن کیا۔ کہ سوامی جی آپ محلوں
میں پدہاریے۔ مہاراج درشن کرنا چاہتے ہیں۔

(سوامی) بیاس جی آپ جانتے ہیں۔ میں محلوں میں جانے کو کچھ بھی اچھا نہیں
سمجھتا۔ یدی سمبھاشن کرنا ہو تو کسی وقت مہاراج یہیں پدہاریں۔ یہ جواب
سن کر مہاراج نے پھر ٹھاکر جی پر زور دیا اور انہوں نے بہت معزز آدمیوں کے
ساتھ سوامی جی سے بزور التجا کی۔ تب سوامی جی نے سویکار کیا۔ اور محلوں میں
پدہارے۔ مگر ایک چیلے نے آ کر کہا۔ کہ مہاراج زنانہ میں پدہار گئے ہیں۔
ابھی آنا نہیں ہوگا۔ سوامی جی حقیقت تاڑ گئے۔ اور سب لوگ فوراً لوٹ آئے
راجوں پر سوار نفسی لوگوں نے جو قابو پا رکھا تھا۔ اور جس طرح ستیہ کی آواز
روکی جاتی تھی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے:-

۲۔ کوتوال کی گستاخی

کانپور میں پریٹ کے میدان میں بابو لھیشتر ناتھ وکیل نے شامیانہ لگوا دیا اور سوامی جی کے لکچر کی ڈونڈی پٹوادی۔ کوتوال نے جو مخالفوں سے مل رہا تھا۔ پہلے ہی آکر کہا۔ کہ بغیر اطلاع مجسٹریٹ کے آپ نے ڈونڈی کیسے پٹوائی سیلوہ ہوا تو کون انتظام کریگا گھشیتر ناتھ نے کہا۔ آپ۔ کوتوال صاحب نے کہا۔ میں انتظام تو پیچھے کرونگا پہلے صاحب کو اطلاع دوں گھوڑا دوڑا صاحب کی طرف گیا بابو جی بھی پیچھے گئے۔ اور یہ ان دنوں فوجداری کے سررشتہ دار تھے۔ اس لئے صاحب پہلے انہیں ہی ملا۔ جب انگریزی میں سب کچھ بتایا گیا۔ تو صاحب نے کہا۔ ہم نے سنا ہوا ہے دیانند بڑا فاضل ہے۔ اطلاع کی کچھ بات نہیں۔ ضرور ان کا لکچر کراؤ۔ صرف یہ کہدینا کہ سخت نہ بولیں۔ ساتھ ہی کوتوال کو حکم دیا۔ کہ جلد جاؤ اور انتظام کرو۔ ادہر سے مخالفوں نے نزدیک ہی شامیانہ گاڑ کر موہن گر سے گالیاں دلوائیں۔ کہ سوامی جھوٹا ہے۔ انگریزوں نے بھیجا ہے۔ کرانی کرنے آیا ہے وغیرہ۔ اس کے علاوہ مخالفوں نے اینٹیں پھینکیں۔ ایک پتھر تو سوامی جی کے نزدیک پڑا۔ تب معززین سوامی جی کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور کوتوال کی شرارت جان کر لکچر بند کر دیا۔

۳۔ سوانگ بنا کر توہین کی

پونا میں سوامی جی ۱۵ زبردست لکچر دیئے۔ خیالات میں عجب کشمکش شروع ہو کر آخر ویدک دہرم کی طرف بہتوں کو رچی ہوئی۔ سوامی جی کی بہت ہی عزت یہاں کی گئی تھی کہ ایک دن انہیں ہاتھی پر بٹھا کر شہر میں پھرایا گیا۔ یہ نظارہ سوارتھیوں کے دلوں کو تیر کی طرح بیندھ رہا تھا۔ بیچارے آپے سے باہر ہو گئے

اور منصوبہ گانٹھ کر دو تین غریب آدمیوں کو آگے کر کے گدھے کا سوانگ بنا
اسے بازار میں پھرایا۔ اپنے خیال میں انہوں نے سوامی کی عزت مٹانی چاہی
مگر حاصل کی خود بڑی ذلت۔ مقدمہ ہو گیا۔ اور جو دو جاہل آگے ہوئے تھے۔
انہیں چھ اور ۹ ماہ قید کی سزا ہوئی۔ اور باقی لوگ منت کر کے اور سفارشیں
کرا کے معافی مانگتے پھرے۔

۴۔ پہلے مندروں کو گرا دیجئے گا

دہلی دربار کے موقعہ پر مہاراجہ کشمیر کے مصاحب بابو نیلامبر جی اور دیوان اننت رام جی
سوامی جی سے ملے اور انہوں نے صلاح کی۔ کہ مہاراج سے سوامی جی کی ملاقات ہو
جسے سوامی جی نے منظور کیا۔ اصل میں انہیں بھیجا ہی مہاراج نے تھا۔ مگر
بعد میں پنڈتوں کے بہکانے سے انہوں نے ارادہ فسخ کر دیا۔ پھر جب سوامی جی پنجاب آئے تو مہاراج
نے انکو بلانے کی تجویز کی مگر پنڈتوں نے کہا انکو بلانا ہی ہے تو پہلے مندروں کو گرا دیجئے گا۔ پنڈت
گنیش دت شاستری دھرم شاستر جموں کے خیالات بعد میں پلٹ گئے تو آپ فرماتے
تھے۔ افسوس ہم لوگوں نے دو نو بار مہاراجہ کو روک دیا۔

۵۔ افسوس! ایک مت نہ ہوئے

جہاں ان پڑھ اور سوارتھی لوگ سوامی دیانند کے عالمگیر مشن میں رکاوٹ ڈالتے
تھے۔ وہاں تعلیم یافتہ اور مشہور پروپکاری لوگ بھی کسی کارنوں سے نوع
انسان میں حقیقی سچائی پھیلنے میں روک بن رہے تھے۔ دہلی دربار کے موقعہ
پر سوامی جی نے تمام مشہور مذہبی لیڈروں کا ایک جلسہ کرایا۔ منشی
کنہیا لال الکھ دھاری۔ بابو نوین چندر رائے۔ بابو کیشب چندر سین
منشی اندرمن۔ آنریبل سید احمد خان۔ بابو ہریش چندر چنتامنی اور

سوامی جی شامل تھے۔ سوامی جی نے کہا۔ کہ ہم لوگ سب ایک مت ہو جاویں اور ایک ہی ریتی سے دیش کا سدھار کریں۔ تو آشا ہے کہ دیش سدھر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ویدوں کا تمام جگت کے لئے مشترکہ اور سب سے سچا و معقول ہونا بھلے پرکار واضح کیا اور بہت کوشش کی۔ مگر افسوس بہت بات چیت ہونے اور قریباً سب باتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود سب کا اتفاق نہ ہو سکا۔

۱۶۔ ڈیرے و لیکچروں کے لئے مکان نہ لینے دیئے

بہیتوں جگہ مخالف لوگ اس درجہ تک چھوٹے ہتھیاروں پر اتر آتے۔ کہ سوامی جہاں رہتے و لیکچر دیتے۔ وہاں کے مالکوں کو انہیں نکال دینے و بند کرنے کے لئے مجبور کرتے۔ سہارنپور میں پہلے چترگپت کے مندر سے جواب دلا دیا گیا۔ پھر چھیدا رائے کنہیا لال کے شوالے میں لیکچر ہوئے۔ تو یہاں بھی برہمنوں اور پجاریوں نے مالک مکان سے شکایت کی۔ کہ اس مکان میں سوامی کا ٹھہرنا مناسب نہیں۔ اول تو اس نے شکایت نہ سنی۔ ایک دن جو مسمات مثلاں زوجہ کنہیا لال جی وہاں آئیں۔ تو سوامی جی نے اپنی عادت کے موافق اس استری کی طرف توجہ نہ کی۔ اس سے وہ ناراض ہو گئی۔ آخر برہمنوں نے اسے بہت ہی تنگ کیا۔ تو اس نے مہیت رائے برہمن کو بھیجا۔ کہ سوامی کو چلے جانے کو کہے۔ اس نے بڑے اخلاق سے سوامی جی سے یہ عرض کی۔ کہ مجھے لوگ بہت دق کرتے ہیں۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو۔ تو کسی اور جگہ تشریف لے جاویں۔ یہ مندر ہے اور آپ مورتی کا کھنڈن کرتے ہیں اس سے سب مجھے ستاتے ہیں۔ سوامی جی نے الفونسا صاحب رشید اکرام باغ آ رہے۔

لاہور میں بھی سوامی جی دیوان رتن چند کے باغ میں فروکش تھے۔ تو اول تو برہمن لوگ اور ان کے دام افتادہ لوگوں کو لیکچر سننے سے روکتے رہے۔ جو دعلیحدہ جگہ اپدیش شروع کر کے حاضری گھٹانے کی کوشش کرتے رہے۔ پیش نہ گئی۔ تو دیوان بھگوانداس خلف دیوان رتن چند کو اکسایا۔ کہ سوامی جی مورتی کا کھنڈن اور برہمن دیوتاؤں کی نندا کرتا ہے اس لیے اسے نکال دو۔ انہوں نے مان لیا۔ اور سوامی جی کے معاون صلاح کر کے انہیں ڈاکٹر رحیم خاں صاحب کی کوٹھی میں لے گئے۔

۷۔ وزیر آباد میں جوش مخالفت

وزیر آباد میں انبوہ کثیر میں سوامی جی لیکچر دیتے تھے۔ خوب سماں بندھ رہا تھا۔ کہ ایک شخص جھنجلا کر اٹھا اور چیخ مار کر بولا۔ کہ جو لیکچر سنے گا۔ اس کا تخم نہ ہوگا۔ برہمن اور ان کے پیرو چلے گئے۔ مگر پھر بھی بھیڑ بڑی تھی۔ یہاں کے نامی برہمن تو سوامی جی کی آمد کا ذکر سن کر ہی شہر چھوڑ گئے تھے۔ تاہم لوگوں نے ایک واسدیو پنڈت کو سو روپیہ پر منایا۔ وہ سر پہ بال رکھے مخبوط الحواس سا معلوم ہوتا تھا۔ اور گداگری کرتا تھا۔ مباحثہ کے وقت ہجوم بہت زیادہ تھا۔ اور باوجود خیال کرنے کے پولیس کا انتظام نہ ہو سکا نتیجہ یہ ہوا کہ جب واسدیو رہ گیا یعنی اصل منتر مطلوبہ بار بار کہنے پر بھی پیش نہ کر سکا۔ تو مخالف لوگ موقعہ فساد ڈھونڈنے لگے۔ اتنے میں ایک دس بارہ سالہ لڑکا شی شی کرتا سنائی دیا۔ سوامی جی نے کہا بے جا حرکت کرتا ہے۔ اسے چپ کرا دو۔ لالہ بدھا رام ساہنی انجنیر نے اسے ایک دو چھڑی ماریں یا چھڑی اسے خاموش کرنے کو دکھائی۔ بس یہی کیا تھا موقعہ مخالفوں کو ملا۔ جھٹ سوامی جی اور انجنیر صاحب پر ٹوٹ پڑے لیکن وزیر آباد

اور جب ہم کے آریہ سماجیوں نے ان کے حملوں کو روکا - اور دونوں کو بچا لیا ڈیرا نزدیک تھا - اس لئے پتک سنبھال سب صحیح وسلامت وہاں پہنچ گئے لوگوں نے اینٹیں پھینکیں - پتھر مارے - مگر یہ دروازہ بند کئے بیٹھے رہے سوامی جی کا کلرک بہاری لال انہیں سمجھانے گیا - تو لوگوں نے اسے بہت مارا - یہ معلوم ہونے پر سوامی جی لاٹھی لئے باہر نکلے - اور پھر زور آواز سے للکار ماری - جس پر سب بھاگ گئے -

۸ - ایک دن اینٹوں کی جگہ پھول برسینگے

امرتسر میں لالہ گاکرل رئیس کے بھائی سے بات ہوتی تھی سوامی جی نے ایک معاملہ میں کہدیا - تمہیں کیا خبر ہے اس پر وہ ناراض ہو گئے اور آکر سندوں کی سبھا میں کہا میں سوامی کے پاس گیا تھا - اس کا کیا پرائشچت ہے - اس کے علاوہ شاستر ارتھ کے لئے تجویزیں ہوئیں - مگر جانچھ نہ - سوامی جی حسب معمول چیلنج دیتے رہے - کوئی سامنے نہ آیا - تو تیاری چلنے کی کی - وہیں مخالف کہنے لگے - کہ ہم شاستر ارتھ کریں گے - اس پر سماج نے پھر چیلنج دے دیا - کہ جو آتا ہے آئے - اور ریم طے کرائے گر بجائے اس کے مخالفوں نے خود ہی جگہ مقرر کرکے اشتہار دیدیا - اور مختلف شرطیں کیں - جگہ ایسی بتائی جہاں کوئی جانے نہ دے - اور پھر خود تجویز کرکے انتظام کی ذمہ داری سماج کی لکھ ماری - اس کے علاوہ اگرچہ ظاہر نوٹس دیا - مگر کہتے یہہ پھرے - کہ مباحثہ کریں گے ہی نہیں - اور لوگوں کو دکھائی بھی دیں گے تیار - یہہ سب عمل نرا ٹول تھا - اس لئے سماج نے خود ایک مناسب موقعہ کی اطلاع دی - جہاں انہیں اعتراض نہیں ہو سکتا تھا تیاری ہر طرح سے معقول ہوئی - چاروں وید پبلک کو دکھائے گئے اور

سوامی جی نے دیا کھیان دیا۔ آخر پنڈت صاحبان آ گئے۔ مگر جیکارے اور شور و غل سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ چار پنڈت کرسیوں پر بیٹھے شاستر ارتھ کے قواعد ان کے ہاتھ میں دیئے گئے۔ پنڈت پڑھ کر بولے اچھا ہم ہی آپ کو لکھ کر بھیجیں گے۔ اور آپ کے منگوائیں گے۔ یہ بات ہو ہی رہی تھی۔ کہ پنڈتوں کے معاون اینٹ روڑے مارنے لگے۔ ہر ایک روڑا سوامی جی کی طرف پھینکا جاتا تھا۔ مگر ارد گرد اور لوگ ہوتے تھے وہ بچ جاتے تھے۔ معزز لوگوں کو روڑے لگے کئیوں کے خون بہا۔ کئیوں کے چوٹ لگی۔ حالت بلوہ و فساد ہوئی۔ لوگ جان سے تنگ آ گئے۔ بڑی مشکل سے معاملہ فرو ہوا۔ تمام لوگ اس عجیب نظارے پر حیران تھے۔ مگر سوامی جی اطمینان سے کہتے تھے۔ وقت آئیگا جب ان روڑوں کی جگہ پھول برسیں گے۔

۹- تم نے یوں ہی تکلیف کی

لاہور میں بھی مٹھ کے پنڈتوں نے اکٹھا کر کے کچھ گنڈے مقرر کیئے۔ کہ سوامی کو جا کر بے عزت کرو۔ ایک بہشتی کو پتہ لگ گیا۔ وہ رات کے نو دس بجے سوامی جی کو بتانے آیا۔ سوامی جی پلنگ پر بیٹھے تھے۔ اس کی ساری بات سن کر بولے۔ تم نے یوں ہی تکلیف کی ہے مجھے ایسے آدمیوں سے مطلق خوف نہیں۔ میرے پاس ایک موٹا لٹھ رہتا ہے۔ اسی وقت بستر کے نیچے سے نکال کر دکھایا اور کہا دس بیس آدمیوں کے لیے یہ اکیلا کافی [illegible] سوامی جی کو کچھ چنتا [illegible]

---

۱۰ ۔ میرٹھ میں مذہبی سنگرام

مخالف لوگ ہر جگہ جا و بے جا طور پر تکلیف دیتے ۔ اور سوامی جی تن تنہا سارے گھنوں کو دور کرتے رہے میرٹھ میں ایک سعید الغنی اور مولوی عبداللہ صاحب نے علیحدہ علیحدہ خط و کتابت مباحثہ کے لئے کی ۔ دوسری طرف عیسائیوں نے چرچا کیا ۔ تیسری طرف دھرم رکھشنی سبھا نے شور مچایا ۔ چوتھی طرف شہر کے رئیسا و پنڈتوں نے مخالفت کا بیڑا اٹھایا ۔ مگر سوامی جی نے کسی ہی مخالفت کو وچار میں نہ لاکر مہینہ بھر لگاتار پرچار کیا لکچر دیئے ۔ سوالوں کے جواب دیئے ۔ مباحثوں کے لئے طویل خط و کتابت کی اور دور اندیشی سے ستیہ کی اور لوگوں کو کھینچا ۔ خط و کتابت میں ہی وقت گنوا کر پنڈتوں نے شاستر ارتھ نہ کیا ۔ لیکن ان کے خط و کتابت کے طریق سے اور نیموں سے جو سوامی جی وانہوں نے لکھے ساری حقیقت کھل گئی ۔ سوائے زبانی جمع خرچ بھاگتا نے یا دور رہ کر باتیں بنانے کے سامنے ہونا کسی کو منظور نہ تھا ۔ اور جب شاستر ارتھ اور اور طرح سے کام ہوئے ۔ تو چند آدمیوں نے عجیب جھوٹھی رپورٹیں سرکار تک پہنچانی شروع کیں ۔ اور کہا کہ سوامی جی کو میرٹھ سے نکال دیا جاوے ۔ یہاں اس کے لکچر نہ ہوں ۔ مگر سرکار مذہبی امور میں کب دخل دیتی تھی ۔ لاچار اس طرف سے بھی سب کو مایوس ہونا پڑا ۔ اور سوامی جی کی کوشش اور سچائی کا یہ نتیجہ ہوا ۔ کہ یہاں بڑی رونق اور شان سے آریہ سماج قایم ہوا جس کے سو تک ممبر ہو گئے

۱۱- جعلی خط لکھ کر روکنا چاہا

اجمیر کے چند بھدر پرشوں کی پریرنا پر سوامی جی نے وہاں جانا سویکار کیا اور ان کے آنے کی افواہ سارے شہر میں گرم ہو گئی۔ سوارتھی پرشوں کو بھے لگا۔ کہ اب بھانڈا پھوٹا۔ اور تو کوئی اپاؤ نہ سوجھا۔ ایک جعلی خط سوامی جی کو لکھ دیا۔ کہ مہاراج سمرتھ دان جی نے آپ کو بلایا تھا۔ پرنتو یہاں چندہ جو لکھا گیا تھا وصول ہونے کی امید نہیں۔ لوگ سمرتھ دان جی سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اب پکا بندوبست کر کے آپ کو پھر لکھیں گے۔ ابھی نہ آئیے۔ سمرتھ دان جی آپ کو روکنے کا خط خود نہیں لکھنا چاہتے۔

سوامی جی نے اس پر دلی سے جواب سمرتھ دان جی کو لکھا۔ کہ آپ چنتا نہ کریں ہمیں آپ کا پریم اچھی طرح معلوم ہے۔ کچھ دنوں بعد آ جاویں گے۔ مضائقہ نہیں۔ یہ خط آتے ہی قلعی کھل گئی۔ اور سوامی جی کو اطلاع دی گئی۔ کہ اس کا لکھنے والا جگل کشور شرما محض جعلی نام ہے۔ یہاں سب تیاری کام کی پہلے پرکار ہو چکی ہے۔ آپ اوشیہ شیگھر پدھاریئے۔ چنانچہ سوامی جی گئے۔ اور اجمیر میں دھرم کا ناد بجا۔

۱۲- سوامی کے متعلق افواہیں

رڑکی کے پنڈت امراؤ سنگھ جی سے ایک پنڈت جی نے ایک دفعہ پوچھا کہ سوامی جی کہاں ہیں۔ انہوں نے بتایا۔ اجمیر میں۔ اس نے پوچھا۔ جے پور نہیں گئے۔ پنڈت جی نے کہا اسی وقت اس برہمن کو بلوایا اور بات پوچھی۔ اس نے بتایا۔ کہ جے پور سے ایک برہمن میرٹھ آیا تھا وہ چشم دید بات بتاتا تھا۔ کہ سوامی جی نے جے پور آ کر شہزادہ وغیرہ سے

۵ جہاں تک مجھ کو خبر ہے نہیں ہوئے مگر پنڈت نے بار بار کہا ہو گئے ہوں۔ تب امراؤ سنگھ جی نے

پوچھا کہا آپ کو کیا خبر ملی ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ میرٹھ سے ایک برہمن آیا اس نے بتایا کہ سوامی جی جے پور قید ہو گئے ہیں۔ تب پنڈت جی نے اسی وقت

خلاف لکھ دیئے۔ صاحب کا بھائی انہی دنوں انتقال کر چکا تھا۔ اس لئے اسے بڑا شک ہوا۔ اور اس نے سوامی کو معہ تمام ساتھیوں کے قید کر دیا۔ لوگوں نے کوشش بہت کی۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ یہ سنتے ہی امراؤ سنگھ جی کو کمال تشویش ہوئی۔ انہوں نے اجمیر تار دیا۔ مگر جواب نہ آیا۔ اس سے اور فکر بڑھا۔ شام کو دوسرا تار دیا۔ مگر پتہ نہ ملا۔ اگلی صبح واپسی تار دیا۔ تو جواب ملا۔ کہ سوامی جی جے پور گئے۔ اس نے تو فوراً اس برہمن کی بات کی صداقت کا نتیجہ ہی کرا دیا اور اسی وقت سوامی جی کو تار دیا۔ اس کا جواب شام کو آیا۔ کہ یہاں جے پور میں بخیریت ہوں۔ تب نتیجہ ہوا۔ کہ مخالف لوگ کیا کیا غلط افواہیں اڑاتے ہیں۔ اسی پرکار ریواڑی ایک آدمی کا خط آیا۔ کہ میں نے سنا تھا آپ مر گئے ہیں۔ اس لئے بڑا افسوس تھا۔ اور اب آپ کے زندہ ہونے کا پتہ لگنے سے از حد خوشی ہوئی۔ جب اس کے بعد سوامی جی ہردوار گئے۔ تو مہاراج جموں وکشمیر کا خط لیکر ایک شخص آیا اور اس نے کہا۔ کہ مہاراج کو کسی نے لکھ دیا تھا۔ کہ سوامی جی کا دیہانت ہو گیا۔

۱۴۳ شہرت کے بھوکے کیا کیا کرتے رہتے ہیں

ہردوار سے جب شردھا رام نے کسی طرح دال گلتی نہ دیکھی۔ تو عجیب چال سے کام لیا۔ گوپال شاستری آدمی کو ساتھ ملایا۔ اور چند سادھوؤں کو سکھلایا۔ کہ تم سبھا میں آکر بیان کرو۔ کہ ہم سوامی دیانند کے اپدیش سن کر بگڑ گئے تھے۔ اب ہمارا پرائشچت کرائیے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا انہوں نے ہزاروں لوگوں کے مجمع میں ظاہر کیا۔ الغرض سارے میلے میں یہ بات مشہور کی گئی۔ مگر جب ساری کارروائی ہو چکی تو گوپال شاستری کو

بڑا پشچاتاپ ہوا - کہ میں بڑا نالائق ہوں جو ایسے پاکھنڈیوں کے ساتھ مل کر
اتیاچار کر رہا ہوں - وہ اسی وقت جدا ہو گیا - اور اس نے ودیا پرکاشک
رسالے میں خط چھپوا کر سارا بھانڈا پھوڑ دیا - اس نے یہ بھی لکھا - کہ وہ
سادھو اور براہمن جو سبھا کے سامنے کیے گئے تھے - سوامی جی کو ملے بھی کبھی
نہیں - اور تھے بھی بناوٹی سادھو - یدی کوئی مقدمہ آ جاتا تو عجیب بھید کھلتے
غرضیکہ شرسبھا والے لوگوں کو دھوکا دے کر اپنی شہرت حاصل کرتا رہا - اور خود ہی
اخباروں میں اپنے کام مشتہر کرتا تھا - مگر ایسے شخص کی مخالفت سے سوامی جیسے
مہان پرش کے کام میں کیا ہرج ہو سکتا تھا - ایک شخص پنڈت چتر بھج
کئی جگہ جا کر سوامی جی کے برخلاف واہی تباہی کہتا تھا - کئی جگہ سے
اسے بوجہ اس کی خراب بول چال کے سوامی جی کے مخالفوں نے بھی
اسے نکال دیا تھا - ایک دو جگہ اس نے مسلمانوں کو ساتھ ملا کر بھی
مخالفت کی اور ایک جگہ ایک مکان میں بہت سے لوگوں کو اکٹھا کر کے
شرفا کی معرفت سوامی جی کو بلایا - اور فساد کھڑا کرنا چاہا - مگر وہ ہر ایک
موقعہ پر ناکامیاب ہوا - بنارس میں اس نے پنڈت جگل کشور کو اپنے ساتھ
ملا کر تجویز کی کہ ایسی عجیب و غریب بات اٹھائیں جس سے سبھا بھی
خوش ہو جاوے - اور ہمارا نام دنیا تمام میں روشن ہو جائے - اس کے
مطابق اس نے ایک اشتہار چھپوا کر شہر میں لگوایا - اور سبھا میں
پڑھا - یہ اشتہار چار شخصوں کی طرف سے تھا - مطلب یہ تھا - کہ ہم
بدنصیبی سے دیانند سرسوتی کے پاس ویدارتھ جاننے کو گئے - پرنتو ان
سے ہم نے نانا پرکار کی وید ورودھ باتیں سنیں - تب ہم نے کاشی کی برہم
امرت ورشنی سبھا کے سب ودوانوں سے اپنے سندیہ دور کیے - اور
اپنے ویدک گرو پنڈت جگل کشور جی کے اپدیش سے سچا بدھی

پرایسچت کرائی اور بشیشر آدمی ادیوں کا درشن کر کے ہم ویدا بھیاسو
کی امپیتا پر گھٹ کرتے ہیں - اور پرتگیا کرتے ہیں - کہ سچ گورو نرد شٹ
مارگ سے دور نہ ہونگے -
اشتہار سبھا میں پڑھا گیا - تو بہت سے لوگوں نے خوش ہو کر چاہا - کہ
ان چار شخصوں کے درشن بھی تو کریں - چنانچہ بابو نرائن سنگھ نے پوچھا
کہ وہ شخص کہاں ہیں - پنڈت جی غصے سے لال ہو کر کہنے لگے - کہ ہم
ان کو اگلی سبھا میں لینے آوینگے -
مگر اشتہار تو محض بناوٹی بطور مشغلہ اور دل لگی تھا - چاروں کو لائیں
تو کہاں سے - لگے ادھر ادھر لڑکوں کو سکھلانے - کہ ہمارے ساتھ چل کر
ایسا ایسا کہہ دینا لیکن مانے کون اور کون لوگوں میں اپنی حقارت کرائے
اور بدنام ہو - آخر پنڈت جی ایک شخص کو دوسری سبھا میں لائے
اس کا نام پوچھا گیا - تو وہ بولا رام کرشن دوبے مگر اشتہار میں
لکھا تھا - کہ رام پرشاد دوبے بناوٹی نام یاد نہ رہا اس واسطے بھول
گیا - پھر اس سے سوال ہوا - کہ تم سوامی جی کے پاس گئے تھے - اس
نے جواب دیا کبھی نہیں - اس پر اشتہار دینے والے پنڈت جگل کشور
کی اچھی قلعی کھلی - لوگوں نے کہا - کہ آپ نے جھوٹ موٹ اشتہار
کیوں چھپوایا - تب وہ کرودھ میں کچھ کا کچھ کہنے لگا یہ فقرہ بھی اس کے
منہ سے نکلا " کہ جس نے دیانند کا منہ تک دیکھا ہو وہ ہندو کا بیج نہیں
بابو نرائن سنگھ نے کہا - کہ شاستراتھ میں مہاراج کاشی - نریش -
وشودہانند - بال شاستری آدی ہزاروں ہندو موجود تھے - آپ گویا یہ
نکال انہیں دیتے ہیں - آخر سبھا نے تجویز کر کے پنڈت جگل کشور کو سبھا
سے نکال دیا -

نکلتے وقت اس نے بہت واویلا مچایا۔ مار پیٹ تک نوبت پہنچنے والی تھی مگر ایشور کرپا سے خیریت گذری اور اس طرح سے پنڈت چیتر بھج کی عقلمندی نے جنگل کشور کو یہ دن دکھایا۔

اسی پرکار آگرہ میں چیتر بھج نے جہاں تہاں دھوک ڈالا۔ ویاکھیان میں ہر وقت کہہ دیتا۔ کہ کوئی آریہ ہو تو اٹھ جاوے۔ ہم نہ انہیں لکچر سنانا نہ ان کا منہ دیکھنا نہ اپنا منہ ان کو دکھانا چاہتے ہیں۔ معززمنوں سے ذلیل ہی ہوتا۔ مگر سوامی جی کہتے تھے۔ وہ ایسی کرتوت سے باز نہیں رہ سکتا اپنی آجیوکا کے لئے سب یتن کر رہا ہے۔ یہاں اس نے ایک شخص کو باجے کے ساتھ شہر میں پھروایا۔ کہ اس نے پہلے سوامی جی کا ویاکھیان سن کر کنٹھی توڑ ڈالی تھی۔ اور اب پرائشچت کرایا ہے۔

ایک اور ہردیال نامی برہمن ایک ممبر آریہ سماج کے پاس ہندی پڑھانے پر چھ سات روپے پر نوکر تھا۔ اس سے اشتہار جاری کرایا۔ کہ میں آریہ سماج کا پنڈت ہوں۔ مگر شاستری جی کے اپدیش سے پرائشچت کرا کے آریہ لوگوں سے الگ ہوتا ہوں۔ سب لوگ دیانند کے جال سے بچیں۔ مگر لوگ جانتے تھے۔ کہ ہردیال نہ سماج کا ممبر تھا نہ اپدیشک۔ اس فقرے جھوٹ کا پردہ فاش ہوا۔ اور چیتر بھج کو مارے شرم کے ذلیل ہو کر بھاگنا پڑا۔

۱۴۔ مارے حسد کے آگ بگولا ہو گیا

سوامی جی چتوڑ گڑھ میں تھے۔ کہ ایک سوامی جیون گری جی بھی آئے پہلے شاستر ارتھ کی تجویز ہوئی۔ مگر راج کوی نے یہ تجویز رکوا دی۔ اس لئے کہ دونوں انہی کی معرفت آئے تھے۔ اس پر جیون گری جی بہت خوش ہوئے کہ چلو مفت میں مان رکھ لیا۔ مگر جب دیکھا۔ کہ رانا صاحب سوامی کی بڑی

عزت کرتے ہیں۔ تو بہت آزردہ ہوا۔ بعد دو ماہ کے جب سوامی جی جانے لگے۔ تو مہاراج نے بھی بھیجکر سوامی جی کو بڑی عزت سے قلعہ میں بلوایا اور جلد یہاں آنے کو پرارتھنا کی۔ تو اس کو اور بھی حسد ہوا مگر جب مہاراج نے ۵۰۰ روپیہ اور دیگر اہل دربار نے دو سو روپیہ بھینٹ کیا۔ اور بڑی تعظیم و تکریم سے تمام اہل دربار سٹیشن تک پہنچانے گئے۔ تب وہ آتش حسد میں بالکل ہی جل بھن گیا۔ اور جو منہہ میں آیا کہتا رہا پھر جسونت چلنے کی تیاری کر دی۔

رانا صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی۔ تو باوجود نہ ملنے کے انہوں نے اسے بھی پانچسو روپیہ بھجوائے مگر وہ گرو دہ سے چلا ہوا تھا۔ روپیہ نہ لیا اور کہا کہ تم نے دیانند کا انیہ کیا ہے۔ ہم نہیں لیتے۔ اسی غصے میں مبلت کر طعت وہاں سے چلا گیا۔

۱۵۔ سچے وید بہاشیہ کی مخالفت

ان پڑھ یا مذہبی متعصبوں نے ہی مخالفت نہیں کی۔ پڑھے ہوئے عام لوگ بھی ستیہ کے پرچار میں روکاوٹ ہی ڈالتے رہے۔ وید میدہ اور سابن آدی کے بھاشیہ جو آجکل ملتے ہیں۔ کسی طرح کے کلنک وید پر لگواتے ہیں۔ ان میں یتھارتھ ارتھ ہے نہیں۔ ہاں غیر معقول طور پر لفظی ترجمہ ہے۔ جو کسی بھی ملک کے لایق لوگوں کو کھینچ نہیں سکتا۔ سوامی جی نے ویدوں کی پوری معقولیت ظاہر کرنے کو وید بہاشیہ کیا اور باوجودیکہ سرکاری افسر اور ملازم سب ان سے مخالف خیال رکھتے تھے اور سوامی جی کا ہر کام ترلا اور انوکھا سمجھا جاتا تھا۔ تاہم آپ نے اپنے کرتویہ کو پالن کیا اور گورنمنٹ سے درخواست کی۔ کہ میرا بھاشیہ کالجوں میں

رائج ہو۔ وید کے دھرم کو تو گورنمنٹ جانتی ہی نہ تھی محض ضابطہ کا کام کرنے کو بھی
اس نے سینٹ کے ممبروں سے رائے دریافت کی۔ وہ بیچارے ویدارتھ کی
اصلی ودیا کو جانتے ہی نہ تھے۔ سائنس وید سے مختلف پاکر انہوں نے برخلاف
رپورٹ دیدی۔ سوامی جی نے بہت ہمت کی۔ درخواست۔ جوابات بھیجے۔
اخباروں میں چرچا ہوا۔ مگر بنگال۔ ممالک مغربی شمالی۔ بنارس۔ مدراس۔
ہر کہیں سے خلاف رائے ملی۔ شاستر ارتھ یا ٹھیک تحقیقات کا طریق گورنمنٹ کے
خیال میں ہی نہ آیا۔ اور اس لئے سرکار ایک واقعی مفید تحریک کی عظمت کو نہ جان
سکی۔ اس طرح یہہ مفید تحریک رہ ہی گئی۔ لیکن سوامی جی نے برابر بھاشیہ
چھپوایا اور ایشور کی کرپا سے سب رکاوٹوں کے باوجود وہ روز بروز زیادہ سے [illegible]
مقبول ہوتے جاتے ہیں۔

شکشا ۱۔ کامیابی کا راز انسان کے اپنے علم اور عمل میں ہے۔ باہر کی دنیا
مخالف ہو یا موافق۔ اس سے تعلق نہیں۔ اگر حالات ناموافق ہیں۔ تو
کامیابی دیر سے ہوگی۔ لیکن ہوگی ضرور اور بڑھیا جتنی مشکل سے فتح نصیب ہوتی ہے
اتنی ہی وہ فتح بڑی ہے۔ جو کام آسانی سے ہوتے ہیں۔ وہ انسانی بڑائی کا بھی
موجب نہیں ہوتا۔ چھوٹا آدمی سے مہان پرش کوئی نہیں کہلایا۔ اس لئے گھٹنوں
یا مشکلات کا خیال ہم جیسے لوگ نہیں کر سکتے انہیں وہ سمجھتا ہے۔ تو اپنا کرتویہ
پالن کرنے کی سکھیں ان کی نظروں میں پرچھائیں کی مانند ہیں جو گذر جانے والے
ہیں۔ مشکلات سے ڈول جانے والے حقیقت میں اپنے کرتویہ کو ٹھیک نہیں
سمجھتے۔ کسان قرض لے کر بھی ان اناج کسی ہانی پرواہ نہ کر کے بکھیر آتا ہے
ہل چلانا۔ تلائی کرنا۔ پانی دینا اور مہینوں انتظار کرنا وہ تپ ہیں۔ جو آخر
کچی ریکائی فصلیں دیتے ہیں۔ خود روئیدگیاں بگھن ڈالتی ہیں۔ پالے اور اولے
فصلیں مار دیتے ہیں۔ بے وقت بارشیں غضب ڈھاتی ہیں۔ لیکن سارے

جگت کو پالن کرنے کے لیے ان ملتا ہی رہا ہے - دہرم کا پہلا لکشن دہرتی ہے استقلال اور حوصلہ ہی ہر کام کی کامیابی میں علم اور عمل کا سچا معاون ہوتا ہے تپسوی دیانند نے ودیا - سداچار اور دہرتی تینوں کو اپنے جیون میں پرتیکھش کر دکھایا - اسی سے اس کی زندگی میں آریہ سماج کی قایمی اور ترقی ہوئی - اور اسی سے اس کے بعد بھی سماج کا دایرہ اثر بڑھ رہا ہے - گہن تب بھی رہے اور اب بھی ہیں - سورج جب سے ہے تب سے ہی بادل گہن کا رنگ رہے ہیں - لیکن اس کی عارضی اور معمولی رکاوٹ سے سورج کا ناش تھوڑا ہی ہو سکتا ہے - پس شکوہ شکایت باہر کا چھوڑ کر اپنا بل بڑہا کر اور دہرم رکھشا روپ کرتویہ میں مودت ہو جاؤ -

دوسرا سرگ

آسُری آکرمن

۵

جیسے ہے فکر بہ ہم کی جسے قاتل سمجھتے ہیں الٰہی خیر ہو یہ زخم اچھا ہو نہیں سکتا - ڈاکٹر مریض کا علاج چاہتا ہے کہ پھوڑے - چیر مواد نکال - مرہم لگا صحت کو بحال کرنا مقصود ہے - مگر حیف ہے اس مریض پر جو بدی ہی ہے - جو دل میں سہن شکتی نہیں رکھتا - نشتر سامنے آتے ہی ڈاکٹر کو قاتل سمجھ علاج سے گریز کرتا ہے - ایسا شخص بچے کو کیونکر - یہ صحیح ہے کہ نشتر چبھنے سے درد ہوتا ہے - مریض چلاتا ہے - دکھ کے مارے ڈاکٹر کو کوستا ہے تم سے ظالم

اور تھپیا رکھتا ہے۔ ہاتھ پاؤں مارتا۔ بعض وقت ڈاکٹر کو ہی لات رسید کرتا ہے لیکن جو ڈاکٹر کی زد میں آیا اور جس نے علاج کرایا نشچے ہے صحت کے بعد ڈاکٹر کا مشکور ہو گا۔ اور نہ ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ ڈاکٹر کا دھرم پورا ہو جاتا ہے وہ بیمار کا سچا ہتیشی ہے۔ اس کے لات مارنے یا سخت سست کہنے کو برا نہیں مانتا یہی حال رشی دیانند کا ہے۔ مت متانتروں سے پہلی ہوئی غلطیوں کا مواد اس نے نکالا۔ استیہ کھنڈن کی تیز نشتر دیکھتے ہی مریض پہلے بھاگے۔ جو اس کے نزدیک ہوئے۔ اسے ہر طرح ستاتے رہے اس کی جان تک لینے کے اپاؤ سوچتے رہے جیسا کہ ذیل کے واقعات سے ظاہر ہے۔ لیکن ایشور کے بندوں کو سچا پیار کرنے والے رشی کا عمل اسی شعر کے مصداق تھا۔

یہ مسلم کہ جفا کار رہے تم میں کروں کیا مرے دلدار رہے تم

میں قید کرانے نہیں قید سے چھڑانے آیا ہوں

انوپ شہر میں سید محمد تحصیلدار تھے۔ سوامی جی کے ست سنگ سے آپ نے بے تعصب ہو کر فائدہ پایا۔ باوجود مسلمان ہونے کے آپ پر سچائی کا اتنا اثر ہوا کہ آپ وہاں سوامی کے بھاری معاون سمجھے جاتے تھے۔ یہاں کے برہمن لوگ مورتی پوجا کے کھنڈن سے تنگ آ گئے۔ ایک برہمن نے سوامی جی کو پان میں زہر دیدیا۔ سوامی جی تاڑ گئے اور جا کر نیولی کرم کرتے رہے۔ مگر اسے کچھ نہیں کہا۔ بڑی مشکل سے بچے۔ تحصیلدار صاحب نے اسے قید کروایا۔ اور خوش تھے۔ کہ سوامی جی کے شترو کا بدلا لیا۔ مگر جب سوامی جی کے پاس آئے۔ تو وہ ان سے بولے ہی نہیں۔ بمشکل تمام سبب پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں دنیا کو قید کرانے نہیں آیا۔ بلکہ قید سے چھڑانے آیا ہوں۔ وہ اگر اپنی دشٹتا کو نہیں چھوڑتا۔ تو ہم اپنی شریشٹتا کو کیوں چھوڑیں!!

اس پر اپیل کرکے تحصیلدار صاحب نے اُسے چھڑا دیا۔

۲- دھوکا لگ گیا

۱- گرسہیا میں ایک بڑے زمیندار کہتری کے ہاں سوامی جی اُترے تھے اُس نے ستیہ اپدیش سن کر کنٹھی مالا اور مورتی کا تیاگن کر دیا۔ بیراگیوں نے اس کی تبدیلی سے بڑا نقصان سمجھا۔ وہ ناراض ہو گئے اور درپے انتقام ہوئے کانپور کے نزدیک ایک بیراگیوں کی گدی تھی۔ وہاں کے بیراگیوں نے ایک سادھو کو دیکھا جس کا نام برجانند تھا۔ بکر یہ سمجھے دیانند ہے اُسے سنان کے بہانے گنگا میں لے جا کر ڈبانے لگے۔ لیکن وہ تیراک تھا۔ غوطہ لگا کر پار ہو گیا۔

۲- اسی طرح سورون میں مخالفوں نے یہ منصوبہ باندھا۔ کہ سوتے ہوئے سوامی جی کو گنگا میں پھینک دیں۔ یا زہر دیدیں۔ چنانچہ ایک رات انہوں نے سوامی جی کے شک میں ایک اور فقیر کو چارپائی سمیت اُٹھا کر گنگا میں پھینکا جب گنگا میں پڑتے ہی اُس نے چیخ ماری۔ تب آواز پہچان کر انہوں نے افسوس کیا۔ کہ بہت دھوکا ہوا۔ اور اُسے نکال لیا۔

۳- ہم اس گپا سنگھ کو مار دین گے

جب سوامی جی شہباز پور تھے۔ تو گنگا پار سے دو بیراگی سادھو انہیں مارنے کو پہنچے۔ ایک نے ٹھاکر گوگل سنگھ نمبردار کو اپنا متر سمجھ کر کہا۔ کہ تم اپنی تلوار مجھے دو۔ ہم اس گپا سنگھ کو مار دین گے۔

ٹھاکر نے کہا۔ میں نے ان کی بارتا سنی ہے۔ وہ بڑے مہاتما ہیں۔ تو تشتو اگر پھر یہ بات نکالی۔ تو تم کو مار دوں گا۔ جاؤ میرے سامنے سے دور ہو۔ پھر وہ

ٹھاکر دو چار آدمی ساتھ لے کر سوامی جی کے پاس پونچا۔ مہیش ہتھیار بند تھے سوامی جی کو ماجرا سنایا۔ تو وہ بولے۔ ان کی کیا سامرتھ ہے۔ کہ ہم کو ماریں۔ تو بھی احتیاطاً وہ رات بھر پہرہ دیتا رہا۔

۴۔ پرم آتما سروتر میرا رکھشک ہے

سری گوپال داس کے ساتھی تمام منصوبوں میں ناکام ہوئے۔ تو بعد میں لعل کو جوالا پرشاد جی نے سوامی جی کی نکر توہین کی۔ مگر سوامی جی کے روکتے روکتے کئی آدمیوں نے غصے سے پیٹا۔ پھر پیپری والے بابا نامی سادھو ہوؤں اور گنگا پنڈوں کی صلاح سے کچھ بدمعاش ساتھ لے کر سوامی جی کے یہاں ہر غمے آئے مگر ناکام رہے۔ پھر جوالا پرشاد کا سمدھی ٹھاکر داس ۲۰-۲۵ آدمی لے کر سوامی جی کو مارنے آیا۔ لیکن سوامی جی کی شہزوری اور پکڑے جانے کے خوف سے بھاگ گیا۔ لالہ جگن ناتھ آدمی دو تین سپاہی لے کر پہنچے۔ مگر وہ پہلے ہی بھاگ گئے تھے۔ لالہ جی نے سارا ماجرا سنا۔ کہ سوامی جی سے کہا کہ آپ اندر کے مکان میں ہی رہیے۔ مگر سوامی جی نے کہا۔ یہاں میری رکھشا تم کروگے تو اور جگہ کون کرے گا۔ وہ پرماتما سروتر میری رکھشا کرنے والا ہے مجھے کسی کا خوف نہیں

۵۔ غیبی امداد

ایک جگہ سوامی جی نے اتھر ویدیوں کے مت کا کھنڈن کیا۔ تو ان کے مرید ٹھاکر لوگ دو پہر کو انہیں مارنے آئے۔ اتفاقاً جہاں وہ بیٹھے تھے۔ اس درخت کے نیچے کالا نیچی لوگ آرام کر رہے تھے۔ جو پہاڑ سے گنگوتری کا جل بھر لاتے ہیں یہ لوگ بہت مضبوط سادھو ہوتے ہیں۔ انہوں نے ٹھاکروں کی نسبت

دیکھ کر ان کے ان کے پیچھے چھوڑ دیئے۔ اور لاٹھیوں سے ان کا مقابلہ کیا جس پر وہ بھاگ گئے۔

۶۔ کاشی میں مارنے کے منصوبے

پہلے ہی حملے میں سوامی دیانند نے کاشی کے تمام رعب کو اٹھا دیا تو اور مخالفت کے علاوہ چند بازاری گنڈوں نے ایکا کیا۔ کہ سوامی کو کسی طرح مار دیں۔ سادھو جواہر داس کو یہ معلوم ہوا اور انہوں نے سوامی جی کو اطلاع دی مگر سوامی جی نے کہا۔ گھبرائیے نہیں۔ ایسے واقعات میرے ساتھ شروع سے ہی ہوتے آئے ہیں۔ ہم بالک ہی تھے۔ کہ کسی زمیندار نے ہمارے کھیت پر قبضہ کر لیا۔ تب ہم تلوار لے کر گئے۔ اور جب نکال کر ان کے پیچھے دوڑے تو سب کو بھگا دیا۔ اسی طرح اب بھی موقعہ ہو تو دس پندرہ کو تو میں اکیلا کافی ہوں۔ اس وقت سے ایک لٹھ سوامی جی نے اپنے پاس رکھ لیا۔

ایک بار ایک شخص سوامی جی کے لئے بھوجن لایا۔ مگر وہ پہلے کھا چکے تھے۔ اس لئے انکار کر دیا۔ تب وہ بولا۔ اچھا پان کا بیڑا ہی لے لیجیے۔ سوامی جی نے ہاتھ میں لیا اور اسے کھولا۔ جس پر وہ اٹھا اور بھاگا۔ کیونکہ اس میں زہر تھی۔ چنانچہ شفاخانہ میں بھیجنے پر اس سے زہر برآمد ہوئی۔

۷۔ ان کو تو ہانسی پاپ ہو چکا

مرزا پور میں ایک دن سوامی جی کے سنان کرتے سمے چند صاحبان سے بہت لوگ ڈونگے پر آتے تھے۔ وہ گفتگو کرتے تھے۔ کہ سوامی نوناستک ہے۔ اس کے پاس نہ جانا چاہیئے۔ اگر کوئی جائے تو اس کا سر کاٹ لے۔ سوامی جی یہ سن کر رنج ستھان پر آئے اور کہا۔ کہ مرزا پور کے لوگ اس طرح کی باتیں کرتے

آ رہے تھے۔ اگرچہ جب تک یہ شریر نہ مارے مجھے کوئی مار نہیں سکتا۔ لیکن ان کو نوانسی پاپ ہو چکا۔ اگر ان کا اختیار ہوتا۔ تو ضرور مار دیتے۔

۸۔ سوامی جی! آپ باہر نہ جایا کریں

میدان میں مباحثہ کے لئے تو ان کا چارج تیار ہی نہ ہوا۔ ہاں اُس کے شریر چیلوں نے کئی دفعہ سوامی جی کو مار دینے کی صلاح کی۔ مگر کامیاب نہ ہی ہو سکے۔ ایک دفعہ جب انہوں نے شور و شر کا ارادہ کیا۔ تو بلدیو سنگھ وغیرہ نے کہا۔ سوامی جی آپ باہر جایا نہ کریں۔

سوامی جی نے کہا۔ کل کو آپ شاید یہ کہیں گے۔ کہ کسی کے اندر چھپ کر بیٹھا کرو۔ جس پر کسی نے کچھ نہ کہا۔

۹۔ چوبے گالی دیتے اور لاٹھیاں لیے پہنچے

متھرا میں جب شاستر ارتھ کو کوئی شخص نہ آیا۔ تو سوامی جی چلنے کو تیار ہوئے مگر ڈپٹی دیوی پرشاد صاحب نے کہا۔ آج ضرور رہیے۔ شاستر ارتھ ہوگا۔ سوامی جی ٹھہر گئے۔ مگر شاستر ارتھ کہاں۔ چوبے ایک دم چار پانچ سو کمینوں کا گروہ بنا کر گالیاں دیتے اور آمادہ جنگ و جدل پہنچے۔ سوامی جی کے پاس جو آدمی تھے۔ انہوں نے شور سنتے ہی پھاٹک بند کر دیا۔ پھر کئی گھبرانے لگے۔ مگر سوامی جی شانت تھے۔ عین وقت پر سوامی جی کے بھگت دو شخص کرنواس سے پہنچ گئے۔ اور دروازہ کھول دیا گیا۔ پھر دیوی پرشاد جی ڈپٹی کلکٹر اور دیگر رئیسان متھرا بھی آ گئے۔ اور پنڈتوں کو شاستر ارتھ کے لئے بلانے لگے۔ مگر بالمقابل بولنے کا حوصلہ کسے ہوتا۔ یہ چوبے۔ وہ کیوں لاٹھی کا شاستر اور گالی کا پرمان رکھتے تھے۔ اس لئے ڈپٹی صاحب نے انہیں منتشر کر دیا۔

۱۰-الہ آباد میں زہر دینے کی کوشش

ایک دن سوامی جی سماوہی سے اوٹھ کر آ گئے - اور رائے بہادر پنڈت
سندر لال سپرنٹنڈنٹ ورکشاپ دھم اپنے متروں سمیت آئے بیٹھے
تھے ایک طرف دیکھ کر ہنسے - وجہ پوچھی گئی - تو بولے - ایک آدمی میری طرف
آرہا ہے - ذرا ٹھہرو - تماشہ کی بات ہے ایک آدھ گھنٹہ بعد انہوں نے کہا
مہاراج آیا تو کوئی نہیں - سوامی جی نے کہا - اب نزدیک ہے شرت آوے گا
پانچ سات منٹ بعد ایک شخص شیرینی لئے ہوئے آیا - اور سوامی جی کے آگے
رکھ کر نمسکار کر کہا - آپ کے لئے یہ بھینٹ لایا ہوں - سوامی جی نے کہا
اس میں سے تھوڑا سا کھاؤ - اس نے انکار کیا - سوامی جی نے زور سے کہا اٹھا - کر
ضرور کھاؤ - وہ جھجکا - سوامی جی نے پاس والوں سے کہا - دیکھو یہ شخص ہمارے
لئے زہریلی مٹھائی لایا ہے - رائے بہادر نے ایک آدمی کو کہا - کہ جا پولس کو
لے آ - سوامی جی نے روکا اور اس برہمن کی طرف مسکرا کر کہا کہ دیکھو اس کی
صورت کیسی ہو گئی - سارے خوف کے اس کے پران آدھے نکل گئے -
پس اس کو ڈنڈ ہو چکا - پولس نہ لاؤ - اس برہمن کو بہت پرکار سے سمجھا کر
سوامی جی نے الگ کر دیا - پنڈت سندر لال نے کچھ مٹھائی کتے کو ڈالی - جو
جلد بے چین ہو کر مر گیا:

۱۱-سوامی کو مار دو - تو ایک ہزار روپیہ دونگا

بمبئی میں جب سوامی جی کی آمد سے مذہبی ہلچل زور شور سے ہونے لگی اور جیون
جی گوسائیں کا بہت نقصان ہونے لگا - تو اس نے سوامی جی کے ملازم
بلدیو سنگھ کو بلا کر کہا - کہ میں تم کو ایک ہزار روپیہ دونگا اگر سوامی کو مار دو

ﷲ روپیہ نقد اور پانچ سیر مٹھائی بطور پرشاد کے دی - اور ایک ہزار کا رقعہ لکھ دیا کسی نے سوامی جی کو آکر کہا - کہ آپ کا رسویہ جیون جی کے پاس کھڑا ہے - پس اس کے آنے پر سوامی جی نے پوچھا - کہ تم جیون جی کے ملے - وہ بولا ہاں مہاراج

(س) کیا ٹھہرا - (ب) ﷲ نقد اور پانچ سیر مٹھائی اور یہ رقعہ کر مار دو تو ایک ہزار -

(س) مجھے کئی دفعہ زہر دیا گیا - مگر میں مرا نہیں - اور اب بھی نہیں مرونگا -

(ب) مہاراج میرے خاندان کا کام زہر دینا نہیں - اور پھر ایسے کو جس سے تمام جہان کو فیض پہنچ رہا ہے - سوامی جی نے مٹھائی پھینکوا دی - رقعہ پھاڑ دیا اور کہا خبردار - آئندہ ان کے ہاں مت جانا -

ا - جب مذکورہ طریق سے گوسائیں جی کامیاب نہ ہوئے - تو چار آدمی مقرر کیے - کہ سوامی سمندر کنارے ٹہلنے جاتے ہیں - آتے جاتے موقعہ پاکر کام تمام کر دو - جس سڑک پر سوامی جی روز جاتے تھے - اسی پر وہ بھی گھات میں رہتے - چنانچہ ایک دن سڑک پر مقابلہ ہوا - مگر سوامی جی کی صورت دیکھکر مارنا تو کجا بول بھی نہ سکے - تب سوامی جی نے کہا - ہمارے مارنے کے واسطے تم ہی آتے ہو - ان کے چہرے کا کھوٹ صاف ظاہر ہو گیا - اور وہ پھر نہیں ملے - سوامی جی ادھر ہی جاتے تھے اور جیون جی گوسائیں ہر طرح ناکام ہوکر مدراس بھاگ گیا -

۱۲ - ان پاگلوں پر کھشما کر کے جانے دو

[illegible] میں بے سمجھ لوگ کئی طرح سے تکلیفیں دیتے رہے ڈھیلے اور اینٹیں تمام طور پر پھینکے جاتے تھے - مسمی رام کرشن نے اینٹ چلائی مگر لگی نہیں

اُس سے ایک بنگالی بابو نے پولیس کے آدمی کو بھیجکر پکڑوا دیا۔ مگر سوامی جی نے اُسے معاف کر دیا۔ اسی طرح اور شریر لوگوں کو شائستہ لوگ دھمکا اور پکڑ لیتے۔ مگر سوامی جی ہنس کر ٹال دیتے اور کہتے بھائی آپ دانا ہیں ان پاگلوں پر کھشما کر کے جانے دو۔ ان کا یہی علاج ہے۔ کہ ان کو ستیہ اپدیش دیا جاوے۔

ایک دفعہ برہمنوں نے ایکا کیا۔ کہ رات کو جا کر سوامی کو ماریں۔ جیتہ گیانجیہ کو بات معلوم ہو گئی۔ مگر سوامی جی نے اُس کے ذکر کرنے پر کہا۔ کہ تم کچھ مت کرو۔ سات آٹھ آدمیوں کے واسطے میں اکیلا کافی ہوں۔

۱۳۔ ہم کسی آدمی کے آشرے نہیں ہیں

امرتسر میں سوامی جی نے ہر کی پوڑھی اور امرتسر کے متعلق لکھ دیا۔ اس پر کسی نے بطور خیرخواہی سوامی جی کو اطلاع دی۔ کہ کچھ نہنگ آپ کو مارنے کے درپے ہیں۔ کہتے تھے کہ رات کو سوامی جی کے پاس آدمی سوتے ہیں اکیلے ہوں تو ضرور مار ڈالیں گے۔ سوامی جی نے ابھری پریم کے جوش میں آ کر سب کو کہہ دیا کہ رات کو یہاں کوئی نہ سوئے۔ ہم کو ایشور نے ہدایت کی ہے کہ جگت کا اپکار کرو۔ اُسی کے آشرے ہم رہتے ہیں۔ کسی آدمی کے آشرے نہیں۔ وہ ہمیں کوئی نہنگ وہنگ کیا کر سکتا ہے۔ مگر اس اکھنڈ برہمچاری کے سامنے کس کی مجال تھی۔ کہ کوئی آوے۔ یہ سب گیدڑ بھبکیاں تھیں۔

شکھشا دھرماتما پرش ایشور کو ہی اپنا سچا رکھشک جانتے ہیں انسانی حملوں سے وہ بھے بھیت نہیں ہوتے۔ وہ آتما کو امر جانتے ہیں اور شریر کے تعلق کو چند روزہ۔ ایشور ہی ستیہ ودیا سے یکت اور سدا جاگرتی آتما کا کلیان کرتا ہے اور اس میں آنند اور خوشی کو

باس دیتا ہے۔ سنسار یک سکھ دکھ سنیوگ وبوگ ان کے لئے معمولی بات ہوتی ہے۔ اور وہ بہتری کے الفاظ کے مطابق پرواہ نہیں کرتے کہ لوگ نندا کرتے ہیں۔ یا استتی تیک پر نیت جیویں گے یا ابھی کال کے منہ میں جائیں گے۔ انہیں پرواہ ہوتی ہے تو اس بات کی۔ کہ سچائی اور کرتویہ کے مارگ سے وہ گمراہ نہ ہوں۔ رشی دیانند نے عملی طور پر اس کے کاربند تھے۔ انہوں نے کبھی فکر اور غم اس قسم کے حملوں پر نہیں کیا ہمیشہ اسے تچھ سمجھا ہے۔ ایسے ہی حملے سے آخر وہ پران تک دے گئے مگر کشٹ نہیں منایا جیت کی شانتی بدستور مرتے دم تک قایم رہی اور اس کے جیون سے سکھشا پانے والے کچھ بھی اثر اپنے دل میں ان واقعات سے حاصل کریں گے۔ تو ان سے یہی سرل پرارتھنا نکلیگی۔

مجھے دہرم دیپ ایشور سدا اس طرح کا پیار دے
کہ نہ موڑوں منہ کبھی اس سے چاہے کوئی سر بھی اتار دے

۱۴۸۔ سنئیہ کہنے ہوئے سر ہی کٹتا ہے تو کاٹ لو

سوامی جی کرنواس میں تھے۔ کہ گنگا سنان کے میلے پر قرولی کے رئیس راؤ کرن سنگھ آئے ان کے کرنواس میں سسرال تھے۔ رات کو انہوں نے راس منڈل کرایا اور سوامی جی کو پنڈت بلانے آئے۔ مگر اتر ملا ہم ایسے نندنیہ کام میں کدا پی شامل نہیں ہو سکتے افسوس آپ لوگ اپنے مہان پرشوں کے سوانگ بناتے اور انہیں نچاتے ہیں۔ منوجی تو کہتے ہیں۔ کہ مرد کو عورت اور عورت کو مرد کے لباس میں دیکھنے کا بڑا پاپ ہے۔

جب راؤ صاحب کو معلوم ہوا۔ کہ یہ تو کھنڈن کرتے ہیں اور تیرتھ اوتار تلک سب کو منع کرتے ہیں۔ تو اگلے دن شام کو پنڈتوں اور نوکروں کو

ساتھ لیئے آئے۔ سوامی جی اپدیش کرتے تھے ان لوگوں کے تلک دیا
سوامی جی ہنس پڑے اور راؤ درشنکار سے کہا۔ کہ آپ یہے بیٹھئے۔
رئیس کہاں بیٹھیں۔ (س) جہاں اچھا ہو (ر) جہاں تم بیٹھے ہو
وہیں بیٹھیں گے (س) آیئے یہیں بیٹھئے (ر) آپ سارس میں نہیں
آئے۔ رام لیلا میں سب پنڈت اور سادھو آتے ہیں۔ برہمن سنیاسی
ہوکر ایسا کرنا بہت برا ہے۔
(س) تم لوگ کیسے کشتری ہو۔ تمہارے سامنے تمہارے مہاپرشوں کو
نچایا جاوے اور تمہیں غیرت نہ آوے۔ کسی کی بہو بیٹی کی کوئی نقل اُتار
یا انہیں نچاوے۔ تو وہ کیسا برا مانے۔
(ر) آپ گنگا آدی کی نندا کرتے ہیں ہمارے سامنے کھنڈن کیا تو بری
طرح پیش آئیں گے۔
(س) ہم کھنڈن نہیں کرتے۔ جو چیز جیسی ہے ویسی کہتے ہیں ستیہ کہنے
میں ہمیں کسی کا بھے نہیں۔ گنگا میں گن یہ ہے کہ اس کا جل شدھ ہے۔ اور خوب
کی نندی و پیاس بجھانے کا کام دیتا ہے۔
(ر) گنگا گنگیتی والا شلوک پڑھ کر دیکھو گنگا کی کتنی مہما ہے نام لینے و درشن
ماتر سے کئی جنموں کے پاپ کٹیں۔
(س) یہ گپ ہے جل سے موکش نہیں ہوتی۔ بلکہ ویدانوکول کرموں سے
ہوتی ہے۔ مگر اس کا نام لے کر تم کو پوپوں نے بہکا لیا ہے۔ اسی پر کا یکچھ
تم کشتری۔ مگر بیراگیوں کے لمبے لمبے تلک لگا انہوں نے چانڈال کی سی
آکرتی کر دی ہے (ر) بات ہوش سے کرو یہ تم نے کیا کہا۔ جھر یار تلوار
اٹھا کر ایک پاؤں کے بل بیٹھا جوش سے بات کرتا تھا) دس بارہ ہتھیار
بند ساتھ سے لئے۔ ٹیکا رام ڈرنے لگے۔ مگر سوامی جی نے کہا مجھے کیوں کر تے

ہو جو کچھ کہا ستیہ کہا ہے
رشیکا رام ۔ راؤ صاحب کہ وہ کیوں کرتے ہو سوامی جی کا مطلب یہ ہے کہ
اپنے کمشنری ہو کر اجکاریوں کا چھنہ کیوں دھاس کیا ۔ رئیس اسی لئے ہی کرودت
ہو کر سوامی جی کو گالی دینے لگا ۔ مگر سوامی جی ہنسے ۔ اور کہا دیکھو بھائی
شاستر ارتھ سے بات کرتا ہے ۔ تو بہتا ہے ۔ یا بولو یا اپنے گرو کو بلا لو ۔
ہمارا ان کا پیر نکیا پیتر لکھا جائے ۔ جو ہارے اپنا مت چھوڑ دے اس
کے بنا گالی آدمی کا دنیا مور کہنا اور بالک پن ہے ۔ اس پر رئیس راکشش
کی صورت میں اترنے لگا اور بولا ہاتے گو ہو گئے تو تم سے بات بھی نہ ہو سکیگی
تم اس کے سامنے کیڑے کے تل ہو ۔ ہمارا ۔ اس کے آگے جوتیاں
اٹھاتے ہیں ۔
(سوامی) سانڈ اچاریوں کا گتا مم بھیجی ۔ ایکا آگت ۔ سہسر آگتا ۔ اپنے شیہ آگیا
شاستر ارتھ کرو ۔
رئیس ایک ہاتھ تلوار کی مٹھ پہ اور دوسرا کبھی مٹھ پر رکھے کبھی سوامی جی
کی طرف کرکے گالیاں دیئے جاتا تھا ۔ اور سوامی جی بیٹھ آسن پہ بیٹھے ہنس
رہے تھے ۔ آخر
(سوامی) اس زیادہ بولنے سے کیا فائدہ ۔ لڑنا ہے تو چوپ آدمی کے
ساتھ اس سے لڑو اور شاستر ارتھ کرو ۔ اور شاستر ارتھ کرنا ہے تو اپنے
گورو کو بلا کر دیکھ لو ۔
ٹھاکر کشن سنگھ آدی نے لٹھ لیکر راؤ صاحب کو للکارا ۔ کہ خبردار اگر جاتا تو کچھ
کہا تو مارے لٹھوں کے ایسی ساری شیخی نکال دیں گے پہلے آدمیوں کو
سبھا میں یوگ بولنا چاہیے اگر آگے کچھ بکے تو خیر نہیں ۔ جو ہم ایسی منمانی کی باتیں
نہیں سن سکتے تو چلے جائیے ۔

راؤ صاحب تلوار کھینچ۔ بلدیو پرشاد پہلوان بولا کہ میں اسے درست کرتا ہوں
مگر سوامی جی پہ ہاتھ ڈالتے ہی لگا تھا کہ انہوں نے اسے بہوت کہتے ہوئے
اسے ایک دھکا دیا اور وہ پیچھے جا پڑا۔ راؤ صاحب تلوار نکال آگے بڑھے تب
سوامی جی نے زور سے للکار کر کہا ستیہ کہتے مجھے سر ہی لگتا ہے تو کاٹ لو۔
مگر اس پہ کچھ ایسا رعب چھایا کہ ہاتھ نہیں چلا کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔
(سپ) نے اب مار سکھشتری یا تو شستر نکالے نہیں یا نکالے تو ارادہ پورا کرے
وہ کھشتری نہیں اس پر اس نے وار کرنا چاہا۔ مگر سوامی جی نے گرج کر تلوار
اس کے ہاتھ سے چھین لی اور ایک ہاتھ سے زمین کی ٹیک دیکر اسے توڑ ڈالا"
اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ کہ کب تو چاہتا ہے کہ ابھی یہ تلوار تیرے ہی سینے میں
گھسیڑ دوں۔ راؤ صاحب اوسان باختہ ہو گئے سوامی جی نے اسے چھوڑ دیا اور
تلوار کو پھینک دیا۔ راؤ صاحب شرمندہ ہو اپنے آدمیوں سمیت دم دبا کر
بھاگ گئے۔

۱۵۔ کون کہتا ہے کہ ظالم کو سزا ملتی نہیں

ستمبر ۱۹۲۵ کو جب مکیس کرن سنگھ کا سوامی جی سے مقابلہ ہوا تھا وہ اسوج سمت ۱۹۲۵ میں پھر
کرنواس میں آیا۔ سامان آتش بازی رنڈی۔ گویے ساتھ لائے سب سامان ساتھ تھا
وہ سوامی جی کی کوٹھی کے نزدیک ہی بارہ دری میں ٹھہرا پہلی دفعہ کی ہو رگتی سے وہ کینہ ور
دل میں کتنا ہی تھا۔ موجودہ عیاشی میں وہ سوامی جی کو جان سے مار ڈالنے کی سوچنے لگا
اس نے بیراگیوں کو کہا کہ سوامی جی کا سر کاٹ لاؤ میں روپیہ لگا کر بچا لونگا اور ایک تو وہ
مر ہی گیا تو تمہاری کونسی لگائی ہوئی ہے۔ مگر کسی کی ہمت نہ پڑی آخر ایک نے کر دیا
کے تین آدمی تلوار دیکر بھیجے کہ سوامی کا مونڈ کاٹ لاؤ وہ آئے تو سوامی جی کھٹکا
سن کر بیٹھ گئے۔ مگر وہ واپس جا کر کہنے لگے کہ ہماری ہمت نہیں پڑتی راؤ صاحب

تیسرا سرگ۔ دیوی شکتی کا پرکاش

رات جب جاتی رہی دن کا اجالا ہو گیا
ستیہ کا شبھہ۔ جگت میں بول بالا ہو گیا

بادل کتنا گھمسان ٹوپ گھر آئے۔ آخر چھن بھن ہوتا ہے۔ رات کی کتنی ہی اندھیری ہو چراغوں اور ستاروں کی روشنی کو اپنے پھیلے ہوئے راجیہ کے سامنے کتنا ہی چھمہ سدہ کرے۔ پرنتو سورج کے اودے ہوتے ہی بوریا بندھنا اٹھاتی ہے۔ یہی حال ستیہ کے مقابلے پر استیہ کا ہے۔ مت متانتر دھرم مارگ میں کتنا ہی اندھکار پھیلائیں اور ستیہ مدن پرشو کتنا ہی چھپائیں دید کے پرکاش کے سامنے انکے اگیان کا تو ترت ہی ناش ہوتا ہے۔ اسی سے کہا ہے کہ ستیہ کی ہی جے ہوتی ہے۔ جھوٹھ کی نہیں۔ اور یہی موٹو تھا۔ جو ہر وقت رشی دیانند کے دیدہ دل کے سامنے تھا۔ اور اسی کی صداقت کی مہر لگ گئی۔ جب تمام مخالفتوں اور حملوں کے باوجود رشی دھرم کا جھنڈا کامیابی سے گاڑا گیا۔ محمود نے بہتیرے حملے کیے۔ مورتیوں کو توڑا۔ مندروں کو گرایا۔ پجاریوں کو لوٹ مار اور ظلم سے خوف زدہ بنایا۔ مگر مورتی پوجا دلوں میں زیادہ ہی گھر کر گئی۔ یہ رشی دیانند کی صداقت تھی۔ جن کے پرچار نے پجاریوں کے دلوں سے بتوں کو نکال اور توڑ دیا۔ اور انہیں مجبور کیا۔ کہ اپنے ہاتھوں سے مورتیوں کو دریا میں پھینک کر پرسن ہوں۔ اسی پرکار بڑے سے بڑے ودوانوں۔ امیروں۔ راجوں اور مخالفوں کو اپنی ودیا اور سچائی کا قایل کر سکتا اور استیہ کو نیچا دکھانا محض اسی دیوی شکتی کا پرکاش تھا۔ جو ہر سمے آسری دل کا ناش کرتی آئی اور کرے گی :-

۱- ہنبکٹ شاستری سے مباحثہ

میلہ پشکر میں سوامی جی نے مورتی پوجا کا کھنڈن کیا تو برہمن جھگڑے کرنے لگے لیکن ودیا میں کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ آخر ہنبکٹ شاستری کے پاس پہنچے۔ پہلے شاستری نے سوامی جی کو بلایا۔ پھر کہا۔ میں خود برہما مندر میں آ کر شاستر ارتھ کروں گا۔ مگر جب نہ آیا۔ تو سوامی جی خود پہنچے۔ وہیں تین سو برہمن تھے۔ بھاگوت و شنو پر بحث ہوئی۔ بہت وچار کے بعد شاستری جی نے اپنی غلطی کا اقبال کیا اور کہا کہ سوامی جی کی ودیا بڑی پربل ہے۔ اس کے بعد شاستری نے اپنے گورو سے سوامی جی کو ملایا۔ اور گفتگو ہونے پر گورو اور شش دونوں نے لوگوں کو کہدیا۔ کہ جو کچھ سوامی جی کہتے ہیں ستیہ ہے۔ بے فائدہ ہٹ نہ کرو۔ ہنبکٹ جی پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے اقرار کیا۔ کہ آئندہ مباحثوں میں میں سوامی جی کے پاس پہنچا کروں گا۔

۲- مہنت شہر چھوڑ بھاگا

اجمیر میں دروازہ کے باہر رام سنیہیوں کا گورو رہتا تھا۔ سوامی جی نے سنا کہ وہ پڑھا ہے۔ اسے شاستر ارتھ کا پیغام بھیجا۔ مگر جواب ملا کہ ہم نہیں کر سکتے۔ وجہ پوچھی تو کہا ہم کسی کے مکان پر نہیں جاتے اور یہاں آویں۔ تو ہم گدی سے اٹھ کر ان کی تعظیم نہیں دیتے۔ سوامی جی نے کہا ہم نہ عزت مانگیں نہ گدی۔ ہمیں شاستر ارتھ چاہئے۔ اس نے کہلا بھیجا۔ بابا ہم تو رام رام کرتے ہیں۔ کچھ شاستر ارتھ نہیں جانتے۔ یہ سنکر سوامی جی نے بھاگوت اور رام نام پر اعتراضوں کی بھری چٹھی لکھی اور جواب مانگا۔ گورو جی نے چٹھی رکھ لی۔ اور کہا کل جواب دیں گے۔ مگر جواب تو کہا دینا تھا۔ دل ہی دل میں بوریا بند سنبھالا اور شہر سے بھاگ گئے۔ یہ شاہپورہ کی گدی

کے سب سے بڑے مہنت تھے۔

۳۔ ٹیکارام نے مندر کی پوجا چھوڑ دی

سوامی جی رام گھاٹ آئے۔ تو انہیں کرنواس کے پنڈت ٹیکارام سوامی ملے۔ سوامی جی کے سوال پر بتایا کہ میں سناڈھ برہمن ہوں۔ پھر سوال ہوا تو کہا کہ سندھیا گایتری جاننے سے برہمن ہوتا ہے۔ سوامی جی نے پوچھا۔ تو کیا تو سندھیا آدی پڑھا ہے۔ بولا نہیں۔ ہاں گایتری یاد ہے۔ جب سنانے کو کہا تو جواب دیا۔ گورو نے منع کیا ہے۔ میں سنا نہیں سکتا۔ سوامی جی بولے۔ سنیاسی برہمن کا بھی گورو ہوتا ہے۔ ہمارے سامنے بلا جھجک کہہ دو۔ چنانچہ ٹیکارام نے گایتری سنائی۔ سوامی جی اس کے اچارن سے بڑے خوش ہوئے اور اُسے سندھیا کے لئے اُستاد دلایا۔ بلکہ سندھیا لکھ دی۔ سمد ہات کو مدی پر بات کر کے جب ٹیکارام ویاکرن میں بالکل رہ گیا۔ تو سوامی جی کا شش بن گیا۔ اور سب سنشے نوارن کر کے کرنواس آیا۔ اور سب ٹھاکروں کو اکٹھا کر کے کہہ دیا کہ ہمیں رام گھاٹ میں ایک بڑے مہاتما وداں ملے ہیں۔ جن سے نتیجہ ہو گیا۔ کہ مورتی پوجا نہ یا شاستر میں نہیں۔ اور پُران کنٹی تانک آدی متھیا اور پاکھنڈ ہے۔ اور تینوں ورنوں کی ایک ہی گایتری ہے۔ اس لئے ہم آپ کے مندر کی پوجا چھوڑتے ہیں۔ آپ لوگ بھی اسے چھوڑ یگیوپویت کرا ویدک دھرم سویکار کریں تو بہتر ورنہ آپ کی مرضی۔ مندر میں اور پوجاری رکھ لیجئے۔

۴۔ ستیہ گرہن کر لینا ہی پنڈتائی ہے

انوپ شہر میں شاستر ارتھ کے لئے مشہور پنڈت انبادت کو لوگوں نے تیار کیا۔ شاستر ارتھ مورتی پوجا پر ہوا۔ بروھ پنڈت ہو نکنے لگا۔ سانس چڑھ گیا۔ سوامی

جی نے کہا۔ خاموش ہو جا۔ میں نے جان لیا۔ آپ شہر میں تیرے جیسا پنڈت کوئی نہیں۔ مگر مجھے ابھیاس ہے ورنہ تو بدھ ہے۔ اور مورتی سے بیں کہا کہ مہا دیوا بنی کھنڈ تو کرتے نہیں۔ پھر اُن کی پُوجا سے کیا لابھ۔ اس طرح باتیں سنسکرت میں ہوئیں آخر انا دت نے سویکار کیا کہ مورتی پُوجا آدی وید وسدھ ہی ہیں۔ ستیہ گرہن کی یہ رُچی دیکھکر سوامی جی نے اس کی تعریف کی کہ واقعی یہ پنڈت ہے ٭

۵۔ ہماری تو سوامی جی نے اَوِدّیا کاٹی

رام گھاٹ پر کھیم کرن جی برہمچاری کا سوامی جی سے میل ہوا۔ یہ کٹر مورتی پوجک تھے۔ اور ایک ساتھ کتنے ہی دیوتاؤں کی مورتیاں رکھتے و پوجتے تھے۔ باہر جاتے تو ساری پُوجا گھوڑے پر لاد لے جاتے۔ زبد یشر وزنی ۱۵ سیر اور سالگ رام کی ۴۔ گنیش۔ گومتی چکر۔ ٹیڑھی ٹانگ والے کی۔ ایک ایک بیسی گری ۸ مورتی جب لیا سے ۴۲ سال کی عمر تک یعنی ۲۷ سال خُوب پُوجا کی۔ لیکن اب ست سنگ سے آندھ وشواس جاتا رہا گلے میں تک اور ہاتھ پر رودر کش کی مالا پہنتے تھے۔ سوامی جی کہتے سانپ ہے۔ کھیم کرن نہیں مہاراج مالا۔ سوامی جی فرماتے۔ ارے دھورت یہ جھوٹ اور مِتھیا ہے۔ اس طرح ڈانواں ڈول ہو گیا۔ کبھی پہنتا کبھی اُتار دیتا۔ اتنے میں کرشن انند اُسے کہنے لگا۔ تو ناستک ہے۔ جو مُورتی پُوجا چھوڑتا ہے۔ وہ کرشن انند کا سوامی جی کے ساتھ مباحثہ دیکھ چکا تھا جس میں کرشن انند حواس باختہ سا ہو گیا تھا۔ اس لئے اُس کی بات پر کھیم کرن کی طبیعت میں جوش آ گیا۔ اور سب ہی تمام پُوجا و مالا قطعاً تیاگ دی۔ اور ہمیشہ ہی سوامی جی کو دھنیاواد دیتا۔ کہ ہماری تو انہوں نے اوِدّیا کاٹی ٭

۶- سوامی سے مورتی کو بھوگ لگوا کر ہی اُٹھونگا

کرنواس ہیں کئی جگہوں کے لوگ انوپ شہر کے ہیرا ولبھ پنڈت کو شاستر ارتھ کے کے لئے لائے۔ اُس پنڈت نے سبھا میں ایک سُندر سنگھاسن بنا دیا۔ اور اُس پر بال مکند۔ گومتی چکر۔ سالگرام آدی کی مورتیاں رکھ کر پڑ گیا کہ یہاں سے تب اُٹھونگا جب سوامی کے ہاتھ سے انہیں بھوگ لگوا دونگا۔ پہلا دن دھارا پرواہ سنسکرت بولنے میں گذرا۔ چھ دن تک مباحثہ رہا۔ کسی دن ۹ گھنٹے تک بحث لگاتار رہی۔ ہیرا ولبھ کو رگ وید اور یجر وید دونو سنگھتا نوک زبان تھیں۔ ویاکرن کا بڑا فاضل تھا۔ پنڈت بل کیشر آدی دور دور کے وددان پنڈت اُسے مدد دینے والے تھے۔ ہفتہ بھر ایڑی سے چوٹی تک سب نے زور لگایا۔ ایک بھی نہ گئی۔ تب پنڈت ہیرا ولبھ شاستری جی نے کھڑے ہو کر سنسکرت میں سوامی جی کی ودیا کی بڑی تعریف کی۔ اور آواز بلند سنایا۔ کہ در حقیقت سوامی جی کا کہنا ستیہ اور پرمانک ہے۔ اور مورتی پوجا وید ورودھ ہے۔ نہ صرف یہی وہ سنگھاسن جس پر سب اترا پتر رکھا ہوا تھا۔ اُٹھا کر سب مورتیاں گنگا میں پھینک دیں اور اُسی سنگھاسن پر وید بھگوان کو پرتشٹھت کیا۔

سوامی جی نے اس کے ستیہ گرہن اور استیہ تیاگ کی بڑی تعریف کی۔ اثر اتنا ہوا کہ پہلے ہی کئی پنڈتوں نے مورتیاں گنگا میں پھینک دیں۔ جب انبادت سے نند کشور نے سوامی جی کی ودیا کی بابت پوچھا تو اس نے جوش میں آکر دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور کہا کہ بھائی کیا کہوں۔ وہ تو مانو برہسپتی کا اوتار ہیں۔

۷- سالگرام کی مورتیاں گنگا میں

سوروں کے نرائن پنڈت جی سوامی جی کے ورُدھ تھے۔ مگر پھر ویدک دھرمی بن

گئے۔ اور جا کر اپنے گورو پنڈت انگدرام سے سوامی جی کی تعریف کرنے لگے۔ کہ کوئی اُن سے کلام نہیں کر سکتا۔ انگدرام اُن دنوں مسلمہ طور پر بیاکرن کا بے نظیر پنڈت تھا اُس کے نام سے ہی پنڈتوں کے اوسان باختہ ہونے لگتے۔ وہ پہلے کسی وقت سوامی ورجانند جی سے بھی بیاکرن پڑھتا رہا تھا۔ اس لئے وہ بڑے ابھیمان سے آیا۔ اور سنسکرت میں مورتی پوجا پر وچار کرنے لگا۔ جتنا ہو سکتا تھا۔ اُس نے زور لگایا مگر پرمان اور یکتیاں جو سوامی جی نے دیں۔ اُن سے بڑا اثر ہوگیا۔ پھر بھاگوت کے وشے میں وچار ہوا۔ سوامی جی نے اُس میں جو عالمانہ طور پر اشدھیاں دکھائیں۔ تو انگدرام بہت پرسن ہوا۔ سوامی جی کی ودیا پر وہ تو مانو موہت ہی ہوگیا۔ اور کہا مہاراج آپ کی باتوں کو کہاں تک کھنڈن کروں۔ سب ست ہیں۔ آخر پوری تسلی کر کے پنڈت انگد جی نے سالگ رام کی مورتی تمام کے روبرو گنگا میں پھینک دی اور بھاگوت آدی کی کتھا قطعاً تیاگ دی۔ بلکہ بھاگوت کا بہت ہی تر سکار کیا۔ اس کے علاوہ پنڈت بلدیو گرجی اور انگد جی کے اور رشتہ داروں نے بھی پوجا کی مورتیاں پرواہ دیں۔

۸۔ جھوٹ نے تمہارے منہ پر مہر لگادی

سورون میں سنسکرت بولنے والے سوامی چد گھنا نند جی مورتی پوجا سدھ کرنے کیلئے آئے۔ اُن کا یہ دعویٰ سنتے ہی سوامی جی نے انہیں لکھا کہ یا تو تم آؤ۔ یا ہم آتے ہیں۔ مگر نہ خود آیا۔ نہ انہیں بلایا۔ دور سے ہی باتیں بناتا رہا چار گھڑی دن رہے وہ بڑی وہار گنگا کی طرف گیا۔ سوامی جی کو معلوم ہوا تو وہ بھی چل دیئے۔ اور ایک مبل دور اُسے مرگھٹ کے نزدیک جا پکڑا۔ دونوں بیٹھ گئے۔ سوامی جی نے پوچھا بولو وہ مورتی پوجا کی سدھی کا منتر کونسا ہے۔ وہ مون ہوگیا۔ گھنٹہ بھر بیٹھے رہے۔ پھر سوامی جی بولے جھوٹ نے تمہارے منہ پر مہر لگا دی۔ یدی تمہارا پکش سچا ہے تو پھر بولنے

کیوں نہیں۔ پھر کہا اب تو مون ہو کر بیٹھ گیا۔ مورتی پوجا کا سمادھان کرو۔

۹۔ سوامی جی نے بسرانت کیا دی ہے

فرخ آباد میں کئی شاستر ارتھ ہوئے مقامی پنڈت سب رہ گئے تو بیرٹھ سے پنڈت سری گوپال کو لائے۔ جو آیا تو بڑے دم خم میں۔ مگر تھوڑی ہی دیر کی بات ہیں اس کے منصوبے رہ ہی رہے۔ آخر وہ ایک چال چلا۔ بنارس پہنچا۔ مورتی پوجا کے دشنے میں ایک پہلا لکھا ہوا ویوستھا پتر لیا اور روپیہ خرچ کر پنڈتوں سے دستخط کروا لے۔ واپس آکر بڑی ڈینگیں مارنے لگا۔ چوالا پرشاد ڈاک منشی جو شاکت مت کا اور اول درجہ کا شرابی تھا۔ ساتھ ملا یا۔ اس نے شاستر ارتھ کے اشتہار لگوا دیئے۔ ویوستھا پتر کی نقل سوامی جی کو پنڈت گوپال راؤ نے کر کے لا دی۔ جسے پڑھ کر سوامی جی ہنس پڑے۔ کہ میں نے دیکھی کاشی والوں کی لیاقت۔ ایسا ہی وہاں شاستر ارتھ بھی ہوگا۔

سری گوپال نے سوامی جی کے ڈیرے کے نزدیک ٹوکا گھاٹ کے میدان میں اس ویوستھا پتر کو گاڑ دیا اور ایک بانس کا جھنڈا گاڑا۔ اس پر دھرم دھجا کا شبد لکھ دیا۔ ہزاروں آدمیوں کا میلہ ہوا۔ اور سوامی جی کو وہ پیغام بھیجنے لگا کہ شاستر ارتھ کو آیئے۔ پہلی گفتگو کا حوالہ دے کر سوامی جی نے کہا کہ پلنگ استری لنگ کا تو اسے گیان نہیں۔ وہ شاستر ارتھ کیا کرے گا۔ ہاں اچھا اس کی کھول بکھیڑا کرنے کی ہے۔ سری گوپال نے ریت میں ایک اور بانس گاڑ دیا اور کہا اس پر سب وگ جل چڑھاؤ۔ لوگ اندھا دھند لٹیا بھر بھر ڈالا کئے۔ اور سوامی جی اوپر کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ ایک دو رئیسوں نے سوامی جی کو کہا آپ بکھیڑے سے نہ ڈریں ہم انتظام کر دینگے۔ سوامی جی نے کہا اول تو ایسے مجمع میں انتظام مشکل ہے اور ہو تو بھی واستو

میں شاستراتھ کرنا ہے تو پنڈت لوگ اوپر کیوں نہ آجاویں۔ اسی پر کار ایک چوبا پیغام لایا۔ مگر جب سوامی جی نے اس سے ایک دو باتیں کہیں۔ تو وہ حیران ہو کر وہیں کھڑا رہ گیا۔ آخر سری گوپال کو لوگوں نے کہا کہ اوپر چل کر شاستر ارتھ کرو۔ نیچے کیوں شور کر رہے ہو۔ بولا سوامی جی نے بسرانت (جہاں ڈیرا تھا) کیل دی ہے۔ ہم اوپر گئے تو وہ جیت لیں گے اور وہ نیچے آویں۔ تو ہم جیت لیں گے۔ غرضیکہ وہ نہ ہی آیا۔ شہر کا کوئی معزز آدمی اس کے ساتھ نہ تھا۔ سوامی جی بھی ۴ بجے بارہ دری میں آبیٹھے۔ اتنے میں کلکٹر صاحب نے اس ہنگامہ کی اطلاع پاکر کوتوال کو بھیجا۔ جس نے آکر چپڑاسی کی معرفت سوامی جی کو باہر بلایا۔ مگر وہ نہ آئے لالہ جگن ناتھ جی رئیس نے کہا یہ کسی کے نوکر نہیں۔ نہ کسی کے پاس جاتے ہیں۔ تب کوتوال نے اندر آکر کہا بابا جی یہ کیا بکھیڑا ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ تم راج اگیا سے ایسا کہتے ہو۔ یا ویسے ہی ہم اپنے ستھان پر ہیں۔ کوئی کچھ کو آکہہ کہے تو بھی سہارتے ہیں۔ ہاں بُرا کہنے سے کسی کو روک نہیں سکتے۔ اور معززین نے بھی اُسے بات اصلی بتلائی۔ تو وہ بولا بدمعاش لوگ یوں ہی شرارت کرتے ہیں۔ بابا جی کو چاہیئے۔ کسی کو نہ آنے دیں۔ سوامی جی نے کہا۔ آپ کا دھرم ہے کہ انتظام اور سب کی رکھشا کرے۔ اور اس پر دو سپاہی پہرے کے لئے مقرر ہو گئے۔ پھر کوتوال نے سری گوپال کو بلایا۔ وہ بڑا ڈر گیا۔ اور منشی لال جی رئیس کے پاس پہنچا۔ اور کہا میرے پر کوئی بات بنی تو جان دے دونگا۔ اس پر لالہ جگن ناتھ جی نے کوتوال کو سمجھا کر معاملہ شانت کرا دیا۔ اور سری گوپال شہر سے چلا گیا ۰

۱۰- ہلدھر اوجھا سے شاستر ارتھ

سری گوپال اور اس کی پوستھا عاظ ثابت ہوئی تو کچھ آدمی ہلدھر اوجھا کو کانپور سے بلالائے۔ یہ میتھل برہمن سنسکرت کا بڑا عالم و فاضل تھا۔ اور بنارس سے کانپور مندر کی پرتشٹھا کرانے آیا تھا۔ لوگوں نے مشہور کیا۔ کہ کوئی شرط باندھے۔ تو سوامی سے

ہلدھر کا شاستر ارتھ کرائیں۔ لالہ جگن ناتھ نے لالہ دیوی داس کو اڑھائی ہزار روپیہ بھیجا۔ کہ آتنا ہی اور ملا کر شاستر ارتھ میں جو جیتے اُسے دے دو۔ مگر انہوں نے کہا روپیہ کی کچھ بات نہیں۔ میں نے تو محض بات چیت کے لئے ہلدھر کو بلایا ہے۔ وہ کان پور تو آئے ہی نہ تھے ✦

اس کے بعد ایک دن کئی آدمی ہلدھر کو ساتھ لے سوامی جی کے پاس آئے۔ بحث مورتی پر شروع ہوئی مگر ہلدھر تا نترک مت کا اور انس شراب سیون کرتا تھا۔ اس لئے وہ اُسے ہی سدھ کرنے لگ گیا۔ سوامی جی نے بڑے زور سے بار بار اُسے کہا کہ پرکرن سے باہر نہ جاؤ۔ تب وہ پرکرن شبد کی بحث لے بیٹھا۔ پھر بحث چلی کہ سمرتھ کس کو کہتے ہیں اور اسمرتھ کس کو۔ سوامی جی نے مہا بھاشیہ کا واکیہ بول کر اس کا اُتر دیا۔ ہلدھر نے کہا۔ یہ مہا بھاشیہ میں ہی نہیں۔ سوامی جی نے فوراً کتاب منگا کر شلوک دکھا دیا۔ تب لاجواب ہو کر کہنے لگا۔ مہا بھاشیہ کار بھی پنڈت ہے اور میں بھی پنڈت ہوں۔ میں کیا اُس سے کم ہوں۔ سوامی جی نے کہا۔ تم اُس کے بال برابر بھی نہیں۔ اگر ہو تو کہو نلم سنگیا کس کی ہے۔ ہلدھر جواب نہ دے سکا۔ ہلدھر کی ودیا کا تو سب کو پتہ لگ گیا اور ایک نو بجے رات تک دیا کرن پر بات ہوتی رہی۔ آخر قرار پایا۔ کہ سمرتھا پدودھی والا سوتر اگر سروتر لگے۔ تو ہلدھر ہارا اور ایک جگہ لگے تو سوامی۔ اگلے دن صبح ہی سوامی جی کے خیر خواہ آکر اُن کو کہنے لگے۔ کہ رات کو سب پنڈت کہتے جاتے تھے۔ کہ سوامی نے بڑا ہٹ کیا ہے۔ یہ سوتر سروتر نہیں لگتا اس لئے آپ یہاں تک ہی رہنے دیں۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ سوامی منی لال کو مخاطب ہو کر۔ گو بدھ کی ہتیا سمجھتے ہے اگر اُسے نہ لا دے۔ اور گو بدھ کی ہتیا اُسے ہے اگر وہ نہ آوے دوسرے روز رات کے وقت بڑی اچھی طرح مباحثہ ہوا۔ سوامی جی نے کل والا اقرار تسلیم کرا لیا۔ اور مہا بھاشیہ کھول کر اس سوتر کو سروتر لگا کر دکھایا۔ پنڈت لوگ اور بات کرنے لگے۔ مگر سوامی جی نے کہا۔ پہلے جس بات پر مباحثہ ہے۔ اس کا فیصلہ کر دو۔ کہ کون

اہا۔ سب چپ رہے۔ مگر لالہ جگن ناتھ نے کہا جو بات ہو سچ سچ کہہ دیجئے۔ تب سب نے
مہاکرل کے فیصلے کے مطابق تو آج ہلدھر کی بات غلط ثابت ہوئی۔ یہ سنتے ہی ہلدھر
پر سکتے کی سی حالت ہو گئی۔ اور وہ دھم سے گرنے لگا۔ اور ساتھیوں نے اُسے سنبھالا۔
اور اُسے اٹھا کر مکان پہ لے گئے۔

۱۱۔ شیولنگ ستھاپن کی بجائے پاٹھشالہ قائم

فرخ آباد میں لالہ جنسی لال جی رئیس ایک مندر بنوا کر اس میں شیولنگ ستھاپن کرنا چاہتے تھے۔ مگر سوامی جی کا کھنڈن سنکر اور سری گوپال او۔ ہاہرا دجبا کی حالت دیکھکر دوبدھے میں پڑ گئے۔ پھر جب کاشی والے بوستھا کا سوامی جی نے جواب دیا۔ تب تو وہ گرداب سے بچ ہی گئے اور اپنے گورو پتیمبر داس کو اس امر کے قطعی فیصلہ کے لئے بنارس بھیجا۔ بعد پوری تحقیقات کے اُنہوں نے آکر یہ سنایا سب کہتے ہیں کہ مورتی پوجا لوکاچار ہے وید میں نہیں۔ تب لالہ جی گورو سمیت سوامی جی کے پاس پہنچے اور اپنے شنکا نوارن کر جب پوری تسلی ہو گئی۔ تو مورتی پوجا تیاگ دی۔ چنانچہ ایک دن پوجاری نے آکر کہا۔ کہ ٹھاکر جی کے کپڑے نہیں ہیں سیٹھ جی بولے چلے جاؤ۔ ہمارے ٹھاکر جی کو جاڑا نہیں لگتا۔ اس کے علاوہ جہاں شیولنگ ستھاپن کرنا تھا۔ وہاں سوامی کی آگیا انوسار ویدک پاٹھشالہ دہوم دہام سے قائم کی۔

۱۲۔ لوگو! مورتیاں گنگا میں بے ادبی سے نہ پھینکو

کان پور میں برہمانند سرسوتی بہت مخالفت کرتا رہا۔ یہ لوگوں کو اُپدیش سننے سے روکتا۔ کہ دیانند ناستک ہے عیسائی ہے کرسچن بنانے کے لئے انگریزوں نے اُسے مقرر کیا ہے اور پنڈتوں کو ساتھ لے کر سوامی جی کے پاس گیا۔ مگر گالی اور بکواس کے سوا شاستر

دیکھا۔ سوامی جی نے کہا تو مُورکھ ہے۔ وِدوان ہوتا تو شاستر ارتھ ہو جاتا۔ پھر پرانا کان پور کے برہمنوں جنہوں نے اُپدیش سُنا اُن کو کہنے لگا۔ پراشچت کرو۔ ۲۰-۲۰ شخصوں کو گنگا میں سنان کرا کر اور اگر کچھ پوبت بدلائے۔ ٹکا تیری جیب کرائے تو بیچ گوا پلایا اور کہا کہ تم لوگوں نے وِدیا کی نند اسُنی ہے۔ اِس کا پراشچت ہے۔ آگے کو اُپدیش سُننے نہ جانا۔ جو وِدیا نند کے نزدیک جائیگا۔ وہ تیاگنے کے لائق ہوگا۔ مگر سوامی جی نے کہا ان نفنول باتوں سے کیا سِدھی ہوگی۔ وِدّیا بل ہے۔ تو سامنے آ۔ مگر کون آتا . ہاں وہ کئی اور دل کو مباحثے کے لئے ترغیب دیتا رہا۔ مگر کوئی تیار نہ ہوا۔ آخر یُوں ہوا کہ مہاراجہ کے رئیس پراگ نرائن نند گور پرشاد جی سوامی جی کو ملے۔ جنہیں سوامی جی نے یہ نصیحت کی۔ کہ آپ نے کیلاش اور بیکنٹھ کے جو دو مندر بنوائے۔ اُن پر لاکھوں روپیہ کیوں ضائع کیا۔ وِدّیا پر چار میں لگاتے اور اناتھوں کو بچاتے تو اچھا ہوتا۔ یہ رئیس خوشامدیوں کی باتیں سُننے کے عادی تھے۔ اس لئے اِس نصیحت پر ناراض ہو گئے۔ اور دونوں نے لچھمی شاستری کو بُوڑھے بلایا۔ ادھر سے برہمانند وغیرہ نے ہلدھر اوجھا کو تیار کیا۔ سب نے متفقہ تیاری شاستر ارتھ کے لئے کی۔ مسٹر تھین اسسٹنٹ کلکٹر مدھیست ہوئے جو سنسکرت کے وِدوان تھے تمام معزز افسران و رؤسا مقامی شامل ہوئے۔ اور عام لوگوں کا پچیس ہزار تک کا ہجوم ہوا درختوں کشتیوں چھتوں۔ گھاٹ کی تنبیلی منزلوں اور فرش پر آدمی ہی آدمی تھے پولیس کا انتظام بڑا معقول تھا۔ یُوں کوئی چار سو برہمن موجود ہونگے۔ مگر بولنے والے ہلدھر تھے۔ پہلے اُس نے سوامی جی کے اشتہار کے متعلق ذکر چھیڑ دیا کہ اس میں اشدھی ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ ایسی باتیں پاٹھ شالاؤں کی ہیں۔ اس کے لئے کل میرے پاس آنا۔ تسلّی کر دونگا۔ اب تو مُورتی پوجا کی بات کرو۔ جس کے لئے یہ سارا مجمع ہوا ہے ❊

ہلدھر نے مہابھارت کا شلوک پڑھا۔ کہ دیکھو۔ بھیل نے درونا چاریہ کی مُورتی سامنے رکھکر دھنش وِدّیا سیکھی۔ سوامی جی نے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس نے مُورتی کا

نشانہ تیر اندازی کے ابھیاس کے لئے لیا جیسا آج کل چاند ماری کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی
اگیانی آدمی ایسی پوجا بھی کرے تو وہ پرمان تھوڑا ہے۔ نہ وہ رشی منی تھا۔ نہ اس سے
شکشا ہوئی۔ آپ وید سے آگیا بتائیں۔ اس پر اوجھا خاموش ہو گیا۔ دوسرا پرشن
کیا۔ کہ وید میں آگیا نہیں تو نشیدھ کہاں ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ اگر کوئی مالک نوکر کو کہے۔ کہ
پچھم کو چلا جا تو باقی تینوں دشاؤں کا کھنڈن ہو ہی گیا۔ بس جو سب تھا وید نے
آگیا دی اور جس کی آگیا نہیں دی وہ نشیدھ ہے۔

بعد اس کے ہتین صاحب نے سوامی جی سے ایک دو باتیں پوچھیں اور پورے اطمینان
کے بعد چھڑی اور ٹوپی اُٹھائی اور کہا ٹھیک بات ہے۔ اچھا سلام،،
اس پر پراگ نرائن نے ۸ رٹکے پیسے ہلدھر کے سر سے لٹائے اور غل مچایا کہ ہلدھر
جیتے۔ سب نے سری گنگا کی جے بلائی۔ اور ہلدھر کو گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔ اس
طرح لوگوں پر جو سچائی کا پربھاو پڑا تھا اُسے روکنے کے لئے بڑی بھاری کوشش ہوئی
گوڑ پنڈت جی نے تو اپنے کرایہ دار اخبار شعلہ طور کے ایڈیٹر کو کہا تھا اور جھوٹ لکھنے
کے لئے جو بھی جرمانہ ہو خود ادا کرنے کا ذمّہ لے کر بڑا طویل مضمون لکھوایا اور خلاف
واقعہ بیان لکھکر ہلدھر کی جیت چھپوائی۔ مخالفوں کا خیال تھا کہ ایسی چالاکی سے وہ
کامیاب ہونگے۔ لیکن ستیہ کے پریمیوں کو ایسی جھوٹی تحریر پر بڑا جوش آیا۔ اُنہوں
نے وہ پرچہ سوامی جی کو سُنایا کہ دیکھئے کیسا جھوٹ لکھا ہے۔ سوامی جی نے کہا
لکھنے دو۔ ہمیں اس سے ہرش شوک نہیں۔ شاستراتھ میں ہار جیت ماننا مورکھتا کا کام
ہے۔ مگر وہ لوگ بولے۔ ہم تو سہار نہیں سکتے۔ لوگ کہتے ہیں۔ تمہارے گورو ہار گئے
سوامی جی بولے جو ہو سکے کرو۔ مگر ایسا نہ کرنا۔ کہ مجھے کہیں جانا آنا پڑے۔ اس پر وہ
لوگ پنڈت کاشی نرائن جی منصف کے پاس آئے۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ میری رائے
میں ہم سب صدر اعلےٰ کے پاس چلیں۔ مگر صدر اعلےٰ صاحب نے کہا۔ مسٹر ہتین

صاحب کے پاس چلئے جو وہ کہیں وہی ٹھیک ہے۔ چنانچہ وہ سب وہیں گئے۔ جس وقت ہنلین صاحب کو اخبار سنایا۔ فوراً وہ بولے "نہیں نہیں اس روز کو فقیر جیتا" یہ بولے کہ دیکھئے اخبار میں یہ جھوٹی خبر لکھی ہے۔ صاحب نے کہا۔ تم کیا مانگتا ہے ہردے نرائن جی نے کہا جو آپ نے دیکھا وہ صحیح سمجھا اس کی تحریر ہم کو دیجئے۔ صاحب نے اُسی وقت ایک چٹھی لکھدی۔ جس کا آشا یہ تھا۔ کہ بحث میں سوامی دیانند سرستی فقیر جیتا تھا۔ اُس کی دلائل وید کے مطابق تھیں اور میں نے اُسی کے حق میں اُس دن فیصلہ دیا تھا۔

یہ چٹھی معہ اصل واقعات کے اُسی اخبار شعلہ طور میں چھپی۔ ساری غلط فہمی دُور ہوگئی۔ اگرچہ ہزاروں لوگ ادھر اُدھر سے جھوٹی باتیں اُڑا رہے تھے۔ لیکن دلوں میں سچائی گھر کر چکی تھی۔ اس کا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا تھا۔ کہ شعلہ طور میں صاحب کی چٹھی اور اصل واقعات والا مضمون چھپا بھی نہ تھا۔ کہ لوگوں نے شیولنگ کی مورتیاں اُٹھا اُٹھا کر گنگا میں پھینکنی شروع کیں۔ شہر میں ہاؤ کہرام سا مچ گیا۔ ستے کر ہلدھر اوجھا اور اُس کے ساتھی اشتہار دیواروں پر لگانے لگے۔ کہ لوگو! مورتیاں گنگا میں بے ادبی سے نہ پھینکو۔ پاپ لگیگا۔ جسے مورتی کو پھینکنا ہی ہو وہ پراگ نرائن جی کے مندر میں ہی پہنچا دیویں۔ اور یہ بھی نہ کر سکیں۔ تو ہمیں محض اطلاع دے دیویں۔ ہم خود اُٹھوا لایا کریں گے۔

یہ اشتہار دیواروں پر بھی لگے۔ اخباروں میں بھی چھپے۔ اور پھر وہ مضمون جو شعلہ طور میں نکلا سب نے سوامی دیانند کی غیر معمولی کامیابی کا سکہ تمام دلوں میں بٹھا دیا۔ یہاں بڑے بڑے کٹر مورتی پوجکوں کے دل ہل گئے جنہوں نے عمریں مورتی پوجا میں گذاری تھیں۔ اور سوامی جی کو جو پہلے اینٹیں چلاتے تھے۔ وہ بھی اس مباحثے کے بعد سرد تھا ایسی پوجا کو تیاگ بیٹھے۔

۱۳- جو اندر چھپا ہے اُسکو بلا دو

پریاگ میں شیو سہائے برہمن رہتا تھا۔ اُسنے ابھیمان سے پوتھی بنائی تھی۔ جس کے ارتھوں کا دوش سوامی جی نے بتلایا۔ تو وہ شاستر ارتھ کرنے لگا۔ مگر پراست ہو کر اُٹھا اور گنگا کے بیتر نیز کاشی کو چل دیا سوامی جی بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ حتیٰ کہ وہ تو رام نگر جا پہنچے شیو سہائے تو کاشی نریش کے مکان میں چلا گیا سا اور سوامی جی راجہ کے باغیچہ کے پاس ریت میں ایک مٹی کا ڈلہ سرہانے رکھ کر سو گئے۔ صبح جو لوگ درشن کو آئے اُن کے سامنے شیو سہائے کے ٹیکا کا کھنڈن کیا۔ بلکہ اس مکان کے باہر کھڑے ہو کر جو پوچھتا اُسے بھی کہتے۔ کہ جو اندر چھپا ہے اُس کو بلا دو یعنی شیو سہائے کو نکالو۔ وہ بیچارہ شرمندہ ہوا اور راجہ سے اجازت لے کر گھر چلا گیا۔

۱۴- پورانک گڑھ کی بُنیاد ہل گئی

بھارت کا مذہبی دار السلطنت کاشی ہے۔ سنسکرت کا یہی کیندر ہے۔ ہندو لوگ اس کی عجیب ہی مہاورنن کرتے ہیں۔ کاشی میں مرنے میں مکتی مانتے ہیں۔ اسی لئے وکرمادتیہ کے سمے سے لاکھوں ہی انسان کاشی کروت پر اپنی گردنیں چڑھاتے رہے شاہ جہان نے اس وحشیانہ اعتقاد سے لوگوں کو ہٹایا۔ مگر اس کی ایک پشت بعد ہی یہ کروت انسانی لہو چاٹنے لگ گیا۔ مگر آخر کار سرکار انگریزی نے قانون پاس کر کے اس انسانی گردن کاٹنے والے کروت کو بالکل بند کر دیا۔ باوجود اس کے ہندوؤں کے دلوں میں کاشی کی عزت بدستور ہے۔ بتوں کی کثرت۔ مندروں کی بہتات کا یہاں ٹھکانا نہیں۔ ہر گلی کوچہ کیا نالیوں میں بھی شیولنگ و شوالے بن رہے ہیں

جیتنے کنکر تیتنے شنکر کی ضرب المثل یہاں مشہور ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ خود مہادیو کاشی کا راجا اور ڈھونڈی راج گنیش اس کا کوتوال اور لعلہ بھیرو اس کا نگہبان ہے۔ ان سب سے بڑھکر دھرم کے ہر ایک وشئے میں بیوستھا کاشی سے لی جاتی ہے۔ اس اوستھا میں مورتی پوجا کو جڑھ سے اکھاڑنا تبھی ممکن تھا کہ اس پورانک گڑھ کو پہلے سر کیا جاوے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ سوامی جی مدتوں سے اس وچار میں تھے کہ بنارس جاکر استیہ کھنڈن کریں۔ چنانچہ اسی اودیش سے ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو سوامی جی یہاں پہنچے۔ اور پہلے ہی زبردست حملہ میں اس پورانک گڑھ میں ایک بڑا زلزلہ سا پیدا کر دیا +

راجہ صاحب دل سے سوامی جی کی ودیا کے قائل تھے۔ لیکن ان کا بھائی بیراگی تھا۔ رام لیلا بنواتا تھا۔ پنڈتوں کو اس نے کہا چلیے۔ مورتی پوجا کو ستھاپن کرو۔ کہا ادھر سے سوامی جی نے راجہ صاحب کو کہلا بھیجا۔ کہ مورتی پوجا کے وشئے میں اپنی تسلی کر لو۔ پنڈت لوگ خود بھی مورتی پوجا کھنڈن سے تنگ آرہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کاشی میں بڑے شاستراتھ کی تیاری شروع ہو گئی۔ پنڈتوں نے کہا اور گرنتھ تو ہم نے دیکھے ہیں۔ البتہ نیائے اب کھوجنا ہے۔ اس پر وچار ہو کر پندرہ روز کا وقت پنڈتوں کو دیا گیا اور تمام لگے کھوج کرنے۔ تیرہ روز کے بعد راجارام وغیرہ پنڈتوں نے ۴ پنڈتوں کو دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ کہ سوامی جی کن گرنتھوں کو پرمانک مانتے ہیں۔ سوامی جی نے کہا ایسی باتیں مباحثہ کے وقت کہدی جائینگی۔ مگر راجہ صاحب کی معرفت دوبارہ پوچھوایا گیا۔ تب سوامی جی نے ۲۱ گرنتھوں کے نام لکھائے۔ اس طرح کاشی کے تمام پنڈت دو ہفتہ تک لگاتار تیاری کرتے رہے۔ تمام کا ہر طرح کا خرچ راجہ صاحب دیتے تھے۔ وہ یہ تو سمجھتے تھے کہ ممکن ہے وید سے پرمان نہ ملے۔ لیکن پنڈتوں کی ہر وقت کی مجلس انہیں مجبور کرتی تھی۔ سوامی جی کے خلاف وہ متفقہ آواز اٹھاتے تھے۔

اور مندروں پر لاکھوں روپیہ راجاؤں کی طرف سے لگتا۔ اور ہزارہا کا روزگار بھی سلسلہ اس سے چل رہا تھا۔ اس لئے راجا ایک طرح مورتی پوجا کی ستھی کا ذمہ دار بن گیا تھا۔ اور اس لئے انہوں نے اس شاستراتھ کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔

سوامی جی اپنے دیا بل پر پورا بھروسہ رکھتے تھے۔ اور ستیہ پر پکا وشواش۔ اس لئے وہ نشچنت تھے۔ لیکن کبھی کبھی یہ اندیشہ بھی ہوتا تھا۔ کہ کوئی شرارت نہ ہو جاوے یدی ان پڑھ لوگوں نے ہو ہا کر دی۔ تو کام بگڑ جائیگا۔ اس کے لئے انہوں نے بعض وِدوانوں کو کہا۔ کہ جرأت سے کام کرنا ضروری ہے۔ وہ جانتے تھے کہ کئی ودوان دل سے میرے پکھش کے ہیں۔ اس لئے ان سے کہا کہ آپ کو اول تو مورتی پوجا کا کھنڈن کرنا چاہئے لیکن اگر نہ کریں۔ تو بھی جو بیچارے پنگتیوں کو نہ ملنے اسے سمجھا دیویں۔ جیوتش سروپ وغیرہ ودوانوں نے اقرار کیا۔ کہ جو کچھ ہو سکیگا سہائتا کرینگے۔ سادھو جواہر داس نے سوامی جی کو کہا کہ یہ لوگ کھٹ شاستروں کے گیاتا بڑے ودوان ہیں۔ آپ سب سے کیسے شاستراتھ کرینگے۔ مانا کہ آپ ایک کو جیت لیں گے۔ مگر سب کو کیسے پراست کرینگے۔ سوامی جی نے کہا یہاں صرف بال شاستری کچھ بات کر سکیگا۔ باقی کوئی دیدہ ودیا میں کشل نہیں۔ سب کی لیاقت مجھے فرخ آباد میں ہی اس پروہت سے مل گئی تھی جو سری گوپال یہاں سے لے گیا تھا۔

جس دن مباحثہ ہونا تھا۔ ایک شخص نے آکر کہا۔ کہ پنڈت بڑا شور کر رہے ہیں کہ وشوناتھ نے چاہا تو آج دیانند کا منہ بند کر دینگے۔ سوامی جی کاشی شنکروں کا شہر ہے اس لئے ہمیں بڑا اسند ہے ہے۔ سوامی جی نے ہنسکر کہا۔ یوگیوں کا نشچت سدھانت ہے۔ کہ ستیہ کا سورج اکیلا ہی اندھکار کے بادلوں پر وجے پاتا ہے۔ جو پکھش پات چھوڑ کر ایشور آگیا انوکول ستیہ کا پالن کرتا ہے۔ اس کو بھے کہاں۔ ستیہ پرش ڈر کر ستیہ کو نہیں چھپاتے۔ جان جائے تو جائے پر ایشور کی آگیا نہ جائے۔ سارے بلدیو چنتا

جو ارتھ ہے۔ وہی دھرم ہے۔ سوامی۔ یہ آپ کی سنسکرت ہے۔ شرتی سمرتی کہئے ٹھیک جواب نہ آنے تو دھرم کے لکھشن پوچھے گئے۔ کہا کہ ایک ہی لکھشن ہے۔ مگر سوامی جی نے منو سمرتی سے دس لکھشن بتائے۔ اس پر بال شاستری آگے بڑھے۔ کہ ہم نے سب دھرم شاستر دیکھا ہے۔

سوامی جی نے کہا اچھا آپ ادھرم کا لکھشن کہئے۔ اس پر کوئی جواب نہ ملا۔ اور پنڈت لوگ ہلا کرنے لگے۔ سب بولنے لگ گئے۔ مگر سوامی جی کی تقریر پر پھر بول چال سلیقے سے ہوئی۔ مادھو آچارج۔ بال شاستری۔ نرائن آچاریہ۔ وشودھانند سب سوامی جی کے پرشنوں سے عاجز آ گئے۔ تمام کو خطرہ پڑ رہا تھا کہ بس اب ساری کاشی کی ناک کٹی۔ بچاؤ کے لئے اپاؤ سوچا جا رہا تھا۔ مادھو آچاریہ نے دو پترے وید کے نام سے پیش کرکے کہا۔ کہ یگیہ سماپت ہونے پر یجمان دسویں دن پرانوں کا پاٹھ سنے۔ ایسا لکھا ہے۔ اس میں پران شبد کا ارتھ پرانی ودیا ارتھات برہم ودیا لینے تھا۔ جو آپ نشر دوید میں ہے۔ اور سوامی جی نے کہا اسے پڑھکر سناؤ۔ تو وچار ہو جاوے۔ مگر وشودھانند نے سوامی جی کو ہی پڑھنے کو کہا۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ لالٹین منگوائی گئی۔ مگر اس کی روشنی خراب تھی۔ کچھ لالٹین دکھانے والے سے بھی چالاکی کروائی گئی۔ اُس نے ہلا کر ایک طرح پکڑی ہی نہیں۔ تو بھی سوامی جی پترے کو دیکھنے لگے اور ابھی وہ شلوک متعلقہ کی ویاکھیا کرنے ہی لگے تھے۔ کہ وشودھانند نے چالاکی سے کہا۔ اب سندھیا کا سمے ہے۔ بہت کال ہو گیا ہے۔ انہیں ادھک تکلیف نہیں دینی چاہئے۔ یہ کہکر ہاس کے طور پر سوامی جی کی پیٹھ پر تھاپی مار کر کہا۔ اب نیٹھئے جو ہوا تھا ہو چکا۔ مادھو راجہ کو اشارہ کیا۔ اور تالی بجا دی گئی۔ تمام لوگوں نے شور برپا کیا۔

تمام پنڈتوں کو ایک ایک کرکے لاجواب کرنے والے دیانند جیسے ودوان کے دل پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ جب ان لوگوں کی یہ اوستھا دیکھی۔ جن کی بھلائی کے لئے دھر رہا تھا۔ ردلا یا شور ہی تو نہیں۔ اینٹیں کنکر۔ گوبر۔ پرانے جوتے جو جس کے ہاتھ میں

آیا۔ بھنیکنے لگے اور معلوم کیا کچھ واقعہ ہوتا اگر تھانیدار اور کوتوال انتظام نہ کرتے۔ ان پولیس افسروں نے راجہ صاحب کو کہا۔ کہ آپ نے جو تالی بجائی۔ یہ بہت بڑا کام کیا اور سوامی جی کو ایک کوٹھری میں محفوظ بٹھا کر پولیس نے بدمعاشوں کو ڈنڈوں سے پیٹا اور مجمع کو منتشر کیا۔ اس طرح اپنے خیال میں اپنی کمزوری پر برہمن لوگ پردہ ڈال سکے۔ لیکن سچ کو کون چھپا سکتا ہے۔ سوامی جی برابر دڑھتا سے کام کرتے رہے۔ اخبار نے راجہ صاحب اور پنڈتوں کے عمل پر افسوس کرتے ہوئے صاف لکھا۔ کہ کچھ ہی ہو۔ کاشی میں دیانند جیسے فاضل کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور گو اتنا عرصہ سارے پنڈت تیاری کرتے رہے۔ مباحثہ میں بھی زور مارا۔ مگر حاشا کہ ایک بھی منتر وید میں سے کوئی پنڈت دکھلا سکا ہو۔ جس سے مورتی پوجا کا ودھان ہو +

۱۵۔ ہرجس رائے جائے تو جائے ہم نہ جائینگے

الہ آباد کنبھ پر چار کے موقعہ پر ندیا شانتی کے مشہور نیایک ہرجس رائے جی آئے اُن کے شنشوں نے سوامی جی کو کہا کہ ہمارے پنڈت جی کہتے ہیں۔ کہ دیانند آگ بجھا ہی کھنڈن کر رہا ہے۔ ہمارے سامنے ہو تو واک بھی نہ نکلے۔ سوامی وشودھانند اُس کے گورو بھائی بھی آئے ہوئے تھے۔ سوامی جی نے ودیارتھیوں کو کہا کہ ایسی سدھی تو ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ واک نہ نکلے۔ اس سے ضرور بھینٹ کراؤ۔ مگر وشودھانند جی بھی ساتھ ہوں۔ ودیارتھیوں نے پنڈت کو جا سنایا۔ مگر اُس نے قبول نہ کیا۔ کہا کہ ہم اس کے پاس نہیں جاوینگے۔ سوامی جی نے کہا۔ کیا ہرج ہے۔ ہم چلے چلیں گے مگر وہ دونوں گوربھائی اکٹھے رہیں۔ پنڈت نے یہ بھی نہ مانا۔ صرف یہ کہا جب موقعہ ہوگا دیکھ لیں گے۔ اس کے بعد پنڈت موتی رام نے دونوں کو کہا کہ سوامی جی سے بات ضرور کیجئے۔ مگر وشودھانند بولے۔ وہ ودرکت ہے۔ اس سے کون لگے۔ (موتی رام) آپ بھی سنیاسی ہیں۔ (وشودھانند) اس سے کیا ہرجس رائے جائے تو جائے ہم نہ جائیں گے +

۱۶- گاؤں سے نکل جانا منظور۔ مباحثہ نہیں کرونگا

سوامی جی بھرمن کرتے ہوئے ایک گاؤں میں پہنچے۔ لوگ درشن کو دوڑے۔ اور عرض کی کہ رنگا چارج مت کا ایک ویشنو پنڈت مندر میں رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ شاستر ارتھ کرنے کو کہتا ہے۔ سوامی جی نے کہا اچھا ہے آج اُسے بلالو۔ سوامی جی چھت میں بیٹھ گئے۔ چالیس پچاس آدمی بھی پاس بیٹھے رہے۔ مگر پنڈت نہ آیا۔ آدمی بار بار گئے وہ نہ مانا۔ آخر نمبردار چلا کہ میں ابھی لاتا ہوں۔ وہ میرے ہی مندر کا پوجاری ہے مگر جب انکار پایا تو دھمکایا۔ کہ مندر سے نکال دونگا۔ اُس نے کہا نکل جانا منظور ہے مباحثہ نہیں کرونگا۔ وہ اتنا خوف زدہ ہوا کہ گاؤں سے باہر نہ نکلا۔

۱۷- بھتر بھتر کانپتا ہوا باہر نکلا

پنڈت رام اوتار پٹنہ میں کوٹھی کے ایک شالک پر شاستر ارتھ کرنے لگے شبد اُس کے منہ سے بہت اشدھ نکلتے تھے۔ ساتھی اُسے ٹوکنے لگے۔ جب شدھ بول ہی نہیں سکتے۔ تو شاستر ارتھ کیا خاک کروگے۔ پنڈت رام لال آدی نے تو اُسے خوب ہی ڈانٹا۔ اور منع کیا کہ کیوں یوں ہی اپنی پرتشٹھا کھوتے ہو۔ چپ رہو۔ سوامی جی اس پر تھوڑی دیر بعد ہنس پڑے۔ اور بھی سب کی ہنسی نکل گئی۔ رام اوتار نہایت خفیف ہوا حتی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بھتر بھتر کانپتا ہوا باہر نکلا۔ اور ادھر اُدھر دیکھکر گھر کو چل دیا۔

۱۸- رنگا چارج کو حوصلہ سامنے ہونیکا نہیں ہوا

کاشی سے اُتر کر متھرا برندابن ہوتی پہنچا کا ارادہ ہے۔ بھارت ورش کے ہر حصے سے ہزاروں مرد عورت یہاں آکر برج باسی بنے رہتے ہیں۔ اور کئی میلے یہاں ہوتے

ہیں۔ رنگا چارج کی سوامی درجانند جی سے چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ دیانند جہاں بینظیر بُت شکن تھا۔ رنگا چارج وہاں سب سے زیادہ مورتی پوجا کا حامی تھا۔ اس لئے سوامی جی یہاں رہائش اور حفاظت کا خود بھی معقول انتظام کرکے پہنچے۔ اور رنگا چارج کے باغ کے پچھواڑی راداہا باغ میں خیمہ نصب کرادیا۔ اور رنگا چارج کو تحریری نوٹس دیا۔ کہ تم کہتے تھے۔ کہ برہما وچن کنٹھی تلک وید سے ستھ ہے سو دکھلاؤ" اس چیلنج کی نقل رنگا چارج کے دروازہ پر بھی چسپاں کی گئی۔ جواب ملا شاستراتھ میلے کے بعد ہوگا۔ لیکن جب گیتی اور پرمان سے مورتی کنٹھی تلک چھاپ ویشنومت وغیرہ کا کھنڈن شروع ہوا۔ اور ہر امر کی اطلاع اُسے پہنچنے لگی۔ ادھر سے تاریخ مباحثہ بھی قریب آنے لگی۔ اور یہ اُسے نشچے تھا کہ سوامی بغیر شاستراتھ کے چھوڑینگا نہیں۔ تو چارہ یہی سوجھا کہ بیمار بن بیٹھے۔ پھر جوں جوں وقت قریب آتا گیا اور مباحثہ کا تقاضا بڑھتا گیا۔ بیماری بھی بڑھتی گئی۔ بخشی محبوب مسیح سپرنٹنڈنٹ چونگی ایک بزرگ۔ نیک سیرت اور راستی پسند اور آزاد شخص تھے۔ اُنہوں نے سوامی جی کو آکر کہا۔ کہ صاحب بیماری تو کیا ہوئی ہے حقیقت میں وہ مباحثہ سے ڈرتے ہیں۔ اور بہانہ بناتے ہیں۔ یہی امر سوامی جی نے آخری لیکچر میں واضح کردیا۔ کہ وہ بخوبی جانتا ہے۔ کہ برسوں کی کمائی ہاتھ سے جاتی ہے۔ رنگا چارج نے خود اپنے اوتار چیلہ سیٹھ گوبند داس کو کہدیا کہ سوامی درجانند کا شش سوامی دیانند بڑا ودوان ہے۔ اس کے نیلے نین ہونے سا مجھکو پورا حال معلوم ہے۔ اگر دیو یوگ سے میں ہار گیا۔ تو اپنے مندر سے مورتیاں جتنا ہیں پرواہ دینے کو تیار رہو۔

راجہ اودت ناراین کو ایک دوست نے کہا۔ کہ رنگا چارج تو کہتا ہے کہ دیانند ہار جاوے۔ تو اس کا کیا جاتے۔ وہ سادھو فقیر ہے۔ لیکن میں ہار تو جاؤں سب عزت برباد ہوئی راجہ صاحب خود رنگا چاریہ کو مل کر آئے تو یقین لاتے تھے کہ وہ مطلق بیمار نہیں۔ اس کے علاوہ آخر اُس نے خود کہلا بھیجا کہ ہم شاستراتھ نہیں کرتے۔ ہمیں اس سے کیا فائدہ۔ اسی طرح اور پنڈت بھی دور سے ہی گیدڑ بھبکیاں دکھاتے ہے۔ سامنے ہوتے

یا مورتی پوجا سدھ کرنے کی کسی کو جرات نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے آدمیوں کی شردھا مورتی پوجا سے ہٹ گئی ٭

۱۹۔ آچارج جی بن بولے ہی چل دیے

سوامی جی بمبئی سے احمد آباد گئے۔ تو کئی لوگ شیخی بگھارنے لگے۔ کہ سوامی جی چلے گئے۔ ورنہ ہم تو مباحثہ کرتے۔ کئیوں نے اشتہار بھی دیا۔ اس لئے منتری سماج نے تار دے کر سوامی جی کو بلا لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سب لگے بغلیں جھانکنے۔ مگر سماج نے ولبھ مت کے پنڈت کمل نین آچارج کو وکیل کی معرفت نوٹس دیا۔ تب ۱۲ جون ۱۸۷۵ء کو اُن سے مباحثہ ہوا ٭

سٹیج پر ڈیڑھ دو سو دھرم گرنتھ رکھے گئے۔ اور ہر کی دونوں طرف دو کرسیاں بچھائی گئیں۔ اول سوامی جی آئے۔ تو اُن کو دائیں بازو کی کرسی پر بٹھایا گیا جو بڑی ہمانت تھی اور پکش پات۔ تاہم سوامی جی بیٹھ گئے اور لگے آچارج کا انتظار کرنے لوگوں میں عجیب گپیں چل رہی تھیں۔ کوئی تو کہتے جگ یوں کی ہے۔ آچارج جی کیسے آویں گے۔ کوئی کہتے آویں گے۔ تو مدھیست کا جھگڑا ڈال کر بیرنگ لوٹیں گے۔ عزت بھی ہو جائیگی۔ اور مباحثے سے بھی بچ جائیں گے۔ خیر خدا خدا کر کے آپ ساڑھے تین بجے اپنے سمپردائے کے برہمنوں اور بھاٹیہ و مارواڑی سیوکوں کے ہمراہ آئے۔ گرہست جو پہلے آئے تھے۔ انہوں نے بڑی اچھی طرح آپ کا استقبال کیا۔ اور بڑی عزت سے دائیں بازو کی کرسی پر بٹھلایا۔ اُن کے ہمراہی سب سٹیج پر ادھر اُدھر بیٹھ گئے۔ راؤ بہادر سیٹھ بیچر داس امبائی داس سبھاپتی بنے۔ آپ نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ اور ہم سب مورتی پوجک ہیں۔ مگر دیانند جی ستھ کرتے ہیں کہ یہ ویدوں کے ویرودھ ہے۔ سو آج جو وہ کہیں سب شانتی سے سنیں اور سمجھیں۔ ہم کو اس سے بڑا لابھ ہوگا۔ اسی پرکار کمل نین جی مورتی پوجا سدھ کرینگے۔ سو بھی شانتی سے سنیں۔ اور سچا

سنارلستش جانیں۔ اس کے بعد سبھاپتی جی نے سُنایا۔ کہ اس مباحثہ کی بنیاد یہ دستاویز ہے۔ جو ٹھکر جیون دیال بشو نراین۔ ہبنی چند کے دستخطوں سے لکھی ہوئی ہے۔ اس میں دونوں فریقوں نے اقرار کیا ہے۔ کہ سارا خرچ ہم دونوں آدھا آدھا دینگے۔ بلاکھپشات کے شاستری لوگوں کو بلاکر نرنے کرایا جاویگا۔ وہ لوگ جو ابھپرائے ظاہر کرینگے۔ اس پر دونوں کے دستخط ہونگے۔ اور وہ شائع کیا جاوے گا +

دیانند جیتے تو شیو نراین ہبنی چند اُن کا چیلہ ہو جاوے اپنے تلک کو مٹا دیوے اور کمل نین جی جیتیں۔ تو جیون لال اُن کا چیلہ ہو کر رامانندی ٹیکہ لگا دے۔ سو اگرچہ دونوں آدمیوں کا دستاویز ہے۔ مگر موقعہ سب کو اچھا ملا ہے۔ کہ سنئیہ اور اُستھیہ کو جانیں +

دستاویز والوں کا اس کے بعد کچھ بیباک ذکر ہوا۔ اور پھر کمل نین جی بولے۔ یہ جو پنڈت لوگ بیٹھے ہیں کس سمپردائے کے ہیں۔ کیونکہ سمپردائے والے نہ ہونے چاہئیں ورنہ حاضرین چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ کہ آچارج جی نے یہ کیا کہا۔ کیونکہ کسی سمپردائے میں نہ ہو ایسا برہمن کہاں۔ اس کے علاوہ کہا۔ کہ مدھیست وہ ہو جو کسی سمپردائے کا نہ ہو۔ اور پہلے وہ مجھے امتحان دیوے۔ تب اس اُچیہ پد پر مفخر ہو +

بعد میں ایک پنڈت کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا۔ اور دوسرے پنڈتوں کو کہا کہ سالگ رام اور گنگا کی قسم لے کر کہو کہ سچا ابھپرائے ظاہر کروگے۔ پھر ایک شاستری سے پوچھا اس نے کہا جو درست ہوگا وہی کہیں گے۔ آپ دونوں کی تقریر لفظ بلفظ لکھیں گے۔ اور اپنی مناسب رائے بھی دینگے۔ آچارج جی نے پھر کہا تم کو کس شاستر کا ادھیین ہے وہ بولا یہ سوال غیر ضروری ہے۔ اس طرح میں پوچھونگا۔ تم کو کیا آتا ہے۔ آچارج جی نے کہا ہم کہتے ہیں...... اتنا کہکر آگے اُتر نہ دیا۔ تب شاستری نے کھڑے ہو کر کہا فضول وقت نہیں جانا چاہیئے۔ آچاریہ جی کا بڑا بھاری فرض یہ ہے۔ کہ مورتی پوجا وید سے سادھ کریں۔ سوامی دیانند نے بڑی نمرتا سے کہا۔ کہ آج آنند کا دن ہے کہ یہ سماگم ہوا۔ میں صاف کہتا ہوں۔ مورتی پوجا وید ورودھ ہے۔ یہی ہر جگہ میں لیکچر

دیتا ہوں بس آپ سدھ کریں۔ کہ پران پرتشٹھا۔ آواہن۔ وسرجن اور پوجن کس وید میں ہے۔ بھاشیہ کاروں کا حوالہ دیجئے۔ برہمن گرنتھوں میں سے بتائیے۔ جس سے ہم سب کو اچھی سنتوش ہو۔ رہا مدھیست۔ سو وید اور وید کے برہمن میز پر موجود ہیں۔ وہ کسی کا پکش پات نہ کرینگے۔ جو آپ کے مت کی پشٹی کرے۔ وہی پرمان اُن میں سے پیش کرو۔ پھر جو کچھ ہم بولیں گے وہ لکھا جائیگا اور وہ دونوں مہاشے چھپوا دیئیگے جس سے دور دور تک کے لوگ کھرا کھوٹا سمجھ لیں گے۔ اس پر بھی آچاریہ جی نے کچھ خیال نہ کیا اور لگے ٹالمٹول کرنے۔ یہ دیکھ کر سیٹھ متھرا داس نوچی نے ایک بڑا لمبا بیان سنایا۔ کہ میں آچارج جی کے ہاں کئی لوگوں کے ساتھ گیا تھا۔ اور انہیں اچھی طرح سمجھایا تھا۔ کہ جب دیانند جی علانیہ طور پر مورتی پوجا کھنڈن کرتے ہیں۔ تو آپ کیوں نہیں اُن کے مقابلے پر آتے۔ اور آپ اور تمام آچارجوں کا فرض ہے۔ کہ جہاں بھی دیانند جاوے۔ وہیں پہنچکر اس کا منہ بند کریں۔ اگر آپ سچے ہیں۔ تو کیوں نہیں اپنے سمپردائے کو بچاتے۔ آپ ایسا نہ کرینگے۔ تو اور کسی کی ہمت نہیں ہو سکتی۔ ہم نے آچارج جی کو مباحثہ کے چھپنے وغیرہ کا بھی سارا سکیم بتایا تھا۔ اور انہوں نے کہا تھا۔ کہ چار وشا کے چار پنڈت چاہئیں۔ جن کی میں پریکشا بھی لونگا۔ میں نے کہا تھا۔ کہ کیا جب مباحثہ شائع ہوگا تو سارے پنڈت سمتی دے سکیں گے۔ آچارج جی پھر بھی ضد کرتے گئے۔ اور ایسے پنڈت کہتے گئے۔ جو خرگوش کے سینگ کی مانند مل ہی نہ سکیں۔ اور جب ہم نے پوچھا کہ خود کوئی بتائیے تو اپنے سمپردائے کا ایک شخص رنگ جیت ندیا شنتی میں بتایا۔

میں نے کہا وہاں ہمارا کوئی واقف نہیں۔ ہاں کاشی میں سب سے زیادہ وِدوان ہیں۔ وہاں بتائیے ہم بھی اپنے آڑھتی کو تار دیتے ہیں۔ تب آچارج جی نے کہا ہم نام نہیں بتائینگے۔ ہم تو صرف جو اشتہار چھپایا گیا ہے۔ اسی کے مطابق پنڈت ہونگے۔ تو دلینگے۔ اس پر اشتہار کی بحث ہوئی۔ تو انہوں نے کہا نہ مجھے دستاویز کی خبر ہے نہ مجھے بحث قبول ہے۔ میں نے تب کہا سمجھا جاویگا۔ آپ ٹالمٹول ہی کرتے ہیں اور دیانند جو کہتا ہے وہ سب سچ ہے اور آچارجوں پر جو الزام وہ لگاتا ہے وہ بھی صحیح

ہیں۔ باوجود میرے اتنا کہنے واصرار کے بھی کمل نین جی ہمت نہ کر سکے اور اب بھی جو کچھ وہ بیاں کہہ رہے ہیں۔ اُس سے بھی ظاہر ہے کہ اُن میں مُورتی پوجا ویدسے سدھ کرنیکی طاقت نہیں ہے۔

اتنا جوش دلانے پر بھی کمل نین نے بحث نہ کی۔ ہاں بغیر بولے ہی چپ چاپ اٹھکر چل دیئے۔ پریزیڈنٹ نے تب عرض کی کہ مہاراج آپ کا بغیر بولے چلا جانا ٹھیک نہیں۔ اس سے سب لوگ جانیں گے۔ کہ مُورتی پُوجا کا ودھان ویدمیں نہیں ہے۔ پھر سوامی جی نے کہا آپ کا فرض ہے۔ کہ مُورتی پوجا سدھ کریں۔ نہیں کرتے۔ تو مجبوراً میں مُورتی پُوجا کا ابھی کھنڈن کرتا ہوں۔ اور سدھ کرتا ہوں۔ کہ ویدمیں نہیں ہے۔ اس کے باوجود کمل نین جی ٹال کر چلتے ہی بنے۔ اور عوام کی شردھا اُدھر سے ہٹ گئی ایک سیٹھ نے تب سوال کیا۔ کہ ستیہ یُگ میں یہ مُورتی پُوجا تھی یا نہیں۔ سوامی جی نے کہا بالکل نہیں۔ یہ تو جینن اور بدھ دھرم کے بعد سوارتھی لوگوں نے ہمارے میں گھسیڑدی تھی۔ سوامی جی نے اس کی اچھی طرح تشریح کی۔ تب سیٹھ چھبلیداس للوبھائی نے بھی آچارج کی چال پر تقریر کرکے اس کی کمزوری ظاہر کی۔ اور اخیر میں سوامی جی نے یہ افسوس کیا۔ کہ اتنی شنکیں آئیں اور زور دیا گیا۔ مگر آچارج نے ودیا میں نربلتا کے کارن کچھ لابھ نہ ہونے دیا۔ اور پھر ویدمنتروں سے مُورتی پُوجا کے کھنڈن پر زبردست ویاکھیان دیا۔

۲۰۔ سوامی تو کوئی اوتار ہے

میاں اسم ضلع راولپنڈی کے سردار عطر سنگھ لاہور آئے۔ تو اُنہوں نے شردھارام پھلوری ور لوگوں سے بڑی نندا سوامی جی کی سُنی۔ کہ سب دھرم کرم بھرشٹ کر رہا ہے۔ عیسائیوں کا لڑکا ہے۔ مگر امرتسر میں ایک واقف ویراگی ملے۔ تو اُنہوں نے کہا وہ تو کوئی ولی پُرش ہیں۔ اُس بیراگی نے کہا میں تمہیں اُن کے سامنے کرتا ہوں مگر ساتھ نہ جاؤنگا۔ کہ کوئی بات چھڑے اور مشکل پڑے۔ چنانچہ یہ سوامی جی تک پہنچے

اور وہاں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد راجا صاحب بال رئیس کشن کوٹ اور سردار بھگوان سنگھ آنریری مجسٹریٹ اور کچھ بڑے لوگ آئے۔ وہاں کھبان آ نبہ ہوا۔ سوال کرنے والوں کے لئے کرسی سامنے رکھدی۔ ایک برہمن آیا۔ اور صاحب زبالی جی نے کہا۔ پنڈت جی آگے آئیے۔ وہ بولا۔ ایسی سبھا میں کیا آئیں۔ جو ایسے ورودھ ارتھ بچن کہتے ہیں۔ کہ برہمن لوگوں کو گودان کا ادھیکار نہیں۔ اور نہ ان کو کوئی شلوک یاد ہے۔ تو ہم اگر گودان نہ لیں۔ تو کیا خاک کھائیں۔ سوامی جی نے کہا۔ ہم نے ایسا نہیں کہا بلکہ یہ کہا ہے۔ کہ تم چونکہ ودوان نہیں ہو۔ اس لئے تمہارا ادھیکار نہیں۔ تم دان لیتے ہو۔ اور کھاکر برباد کر دیتے ہو۔ تم خاک نہ کھاؤ۔ گھاس کھاؤ۔ راجہ صاحب بول اُٹھے۔ مہاراج آپ نے کیا کہا گھاس تو گدھے کھاتے ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ تمہاری ان کی مذاق ہوئی۔ ہم نے تو سادھارن بات کی ہے۔

الغرض لیکچر وید شاستر انوکول ہوا اور عطر سنگھ بڑا متاثر ہوا۔ جب اُس نے دیکھا کہ وہی لوگ جو اُسے بتاتے تھے۔ کہ سوامی ناستک ہے۔ اب کہتے ہیں۔ کہ یہ تو کوئی اوتار ہے۔ ساکشات ایشور پوجا کا اُپدیش دیتا ہے۔

۲۱۔ پنڈت تاراچرن پاؤں پر گر پڑا

ہُگلی کے اُس پار پاڑاگرام کے پنڈت تاراچرن ترک رتن بھٹاچاریہ۔ راجہ جوتندر موہن ٹھاکور کے پاس جاتے اور بارہا کہتے تھے۔ کہ آج سوامی دیانند سے شاستر ارتھ کو چلونگا۔ مگر چونکہ گئے نہیں۔ اس واسطے اُن کی یہ ڈینگ فضول سمجھی گئی کہ سوامی کا واک ہمارے سامنے بند ہو جاویگا۔ آخر سوامی جی نے زور دیکر اُنہیں بلایا تو آتے ہی انہوں نے ستر سوال کر دیئے۔ جنہیں وہ بہت مشکل اور لاجواب سمجھے تھے۔ مگر سوامی جی نے ۲۲-۲۳ جوابوں میں ہی سب کو نپٹا دیا۔ ایسے معقول اور قاطع جواب سنکر پنڈت جی سوامی جی کے پاؤں پر گر پڑے۔ دوسری دفعہ جب سوامی جی کلکتہ آئے۔ تو

مرزا پور کے فاضل پنڈت موتی رام جی بھی یہاں تھے۔ اور اتفاق سے تاراچرن جی بھی یہاں اُترے۔ انہوں نے پنڈت موتی رام کو اثنائے گفتگو میں یہ لفظ کہے کہ آشچرج ہے۔ ہم نے جب پرشن کہے تھے تب خیال تھا۔ کہ ان کا جواب دینے والا پرتھوی بھر میں کوئی نہیں۔ مگر انہوں نے دم بھر میں سب کے اُتر دیدیئے۔

۲۲۔ میں آپ کی طرح ستیہ ستیہ نہیں کہہ سکتا

ہگلی میں رُوسائے شہر نے سوامی جی کا ویاکھیان ایک سبھا میں کرایا۔ بھٹ پلی کے تاراچرن اُستاد بھی کلچہ میں آئے اور شرفاء کے کہنے پر بھی سبھا میں تو نہ آئے۔ لیکن مکان کے اوپر چڑھ کر گرجنے لگے۔ لوگوں کی رائے اس سے اُن کے بہت برخلاف ہوگئی۔ سوامی جی نے اگلے دن ان کی نسبت معلوم ہونے پر کہا کہ غرور کرنا اتھوا اپنے منہ میاں مٹھو بننا پنڈتوں کا کام نہیں مورکھوں کا ہے۔ اگر وہ ایسے ہی غرور کے سمندر میں ڈوبے جاتے ہیں۔ تو انہیں ایک بار میرے پاس لاؤ۔ شاید ڈوبنے سے بچ جائیں۔ غرض ۸۔ اپریل سنہ ۱۸۷۳ء کو شاستر ارتھ ہوا جو بہت دیر تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ تاراچرن کا کہنا خود ہی مورتی پوجا کو رد کرنے لگا۔ اس پر کچھ آدمی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ افسوس! کہ پنڈت جی آئے تو تھے یہ گھمنڈ اور دعوے کر کے۔ کہ مورتی پوجا سدھ کرینگے۔ مگر یہاں لگے اُس کو رد کرنے۔ یہی سوامی جی نے کہا۔ تو پنڈت چپ چاپ اوپر کے مکان میں چلا گیا۔ سوامی جی نے سیڑھیوں میں پہنچ کر پنڈت جی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اوپر چلے آئے اور پنڈت سے کہا آپ ایسا بکھیڑا کیوں کرتے پھرتے ہیں۔ پنڈت نے جواب دیا دَیں میں تو لوک بھاشا کا کھنڈن کرتا ہوا ست شاستر پڑھنے پڑھانے کا اُپدیش دیتا ہوں۔ اور پاشان آدی مورتی پوجن کو بھی مِتھیا ہی جانتا ہوں۔ پرنتو کیا کروں۔ ستیہ کہوں تو جیو کا چلی جاوے۔ یہ کاشی راج مہاراج نہیں تو سب مجھے نکال کر باہر کردیں۔ اس لئے میں آپ کی طرح ستیہ ستیہ نہیں کہہ سکتا۔

۲۳- میرے آگے پردہ ڈالدو مگر شاستر ارتھ ضرور کراؤ

چھپرہ (بہار) میں سوامی جی ایک معزز زمیندار شیو غلام شاہ کے ہاں اُترے۔ اور جُوں جُوں سوامی جی کی ودیا آدی کے کارن اُس کا شردھا اور محبت بڑھی۔ نزل تُوں مخالفوں کو حسد زیادہ بڑھا۔ اور وہ سوامی جی کو ناستک اور کرانی وغیرہ نام دینے لگے اور منصوبہ باندھا کہ دلیل سے نہ ہو تو لاٹھیوں سے سوامی جی کو لاجواب کردو۔ اِدھر سے سوامی جی نے عام نوٹس مباحثے کے لئے دیا۔ آخر ایک ہردلعزیز پروہت پنڈت جگن ناتھ کے پاس سب مخالف پہنچے۔ مگر اُس نے انکار کیا کہ میں اُس ناستک کا مُنہ نہ دیکھونگا۔ سوامی جی نے کہا کہ اگر وہ کسی طرح اپنے مت کو سدھ کر سکتا ہے۔ تو اُسے ضرور لایئے میرے مُنہ کے آگے پردہ ڈال دو۔ اس طرح وہ بات بھی کریگا۔ اور اُسے پاپ بھی نہ لگیگا آخر پردہ واقعی ڈالا گیا۔ مگر جب اس کی تقریر میں ہر طرح کی غلطیاں سوامی جی نے دکھلائیں تو وہ بالکل لاجواب ہوگیا۔ بلکہ سب کو یقین ہوگیا۔ کہ وہ جاہل مطلق اور بڑا گھمنڈی ہے بعد میں سوامی جی ۴ گھنٹے ویاکھیان دیتے رہے۔ مخالفوں کو جب اپنی ہار کا نتیجہ ہوا تو بول اُٹھے۔ کہ ویدوں کے انرتھ ہو رہے ہیں۔ سوامی جی ویدوں کی بے عزتی کر رہے ہیں۔ جو زیادہ شریر تھے۔ وہ یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے۔ کہ سوامی جی رستے میں مل گئے۔ تو پتھروں سے ہلاک کر دینگے۔ مگر باوجود ساری باتوں کے شیو غلام کو نتیجہ ہوگیا۔ کہ سوامی ستیہ پر ہیں۔ اور براہمن یوں ہی گول مال کرتے ہیں ۔

۲۴- راستی کا جادو

متھرا میں پانڈے مدن دت جی تمام بدن پر چھاپ لگائے تلک چڑھائے گوزہی اور ٹھے ملنے آئے۔ آپ کی عمر ۸۰ سال تھی۔ گرد دھوج اُن کا پوتا اور ایک شِشّ ساتھ تھا

یہ بڑے بھگت اور چالیس سال تک دودھ آہاری رہے تھے۔ دوران گفتگو میں سوامی جی اُن کے پوتے سے پڑھائی کا حال پوچھا۔ وہ بولا ویاکرن پڑھتا ہوں۔ سوامی جی نے ایک سوتر پوچھا تو اس سے جواب نہ بن آیا۔ تب مدن دت کے شِشیہ پنڈت بال کرشن نے اُتر دیا۔ سوامی جی مدن دت پر ناراض ہوئے۔ کہ آپ نے اپنے پوتے کو بگاڑ دیا ہے ایسا ہی رہا۔ تو مہا مورکھ ہو جائیگا۔ تب بال کرشن سے پُوچھا تم کیا پڑھتے ہو؟ وہ بولا کومدی۔ سوامی جی نے کہا کومدی بُدھی کو بگاڑ دیتی ہے۔ اشٹادھیائی پڑھا کرو۔ چنانچہ اُسی دن سے اُس نے اشٹادھیائی کا پڑھنا آرنبھ کیا۔ مدن دت جی پر سوامی جی کی صداقت کا اتنا اثر پڑا کہ جو وہ مورتی سدھ کرنے گھر سے آئے تھے۔ سوامی جی کے روبرو مورتی اور تمام وید ورودھ سمپردائیوں کا کھنڈن کرنے لگے۔ اور دیر تک کرتے رہے۔ سب لوگ تعجب کرکے کہنے لگے کہ نہ جانے سوامی جی کے پاس کیا جادو ہے +

۲۵- کاشی نریش کا پشچاتاپ

راجہ صاحب کاشی نے گو پہلی مرتبہ سوامی جی کی مخالفت کی تھی لیکن یہ محض عارضی بات تھی۔ اُنہیں بعد میں پشچاتاپ ہوا۔ چنانچہ جب جون ۱۸۷۴ء میں سوامی جی کاشی گئے۔ تو راجہ صاحب نے اُنہیں بلانے کے لئے بگھی بھیجی۔ مگر سوامی جی پہلے دن نہیں گئے۔ دوسرے دن بگھی پھر آئی۔ اور چوبدار وغیرہ بھی آئے۔ سوامی جی ایک دو پُرشوں کے منع کرنے کے باوجود بھی ہیج سبھا سے چلے گئے۔ راجہ صاحب نے بڑی خاطر کی۔ سونے کی کرسی پر سوامی جی کو بٹھلایا۔ اور کہا کہ آپ جو چاہیں۔ کھنڈن کریں میں اپنے قصور کی معافی چاہتا ہوں +

تھوڑی دیر بعد بڑی عزت سے اُنہیں رخصت کیا۔ اور پھر ایک من مٹھائی اُن کے ڈیرے پر بھجوائی۔ جو سوامی جی نے لوگوں میں بانٹ دی +

❖

۲۶۔ گوجرانوالہ میں عیسائیوں سے مباحثہ

اس شہر میں مشن سکول سوامی جی کے آنے پر رونق میں تھا۔ پادری صاحبان نے برہمنوں کو تحریک کی۔ کہ وہ اُن سے مباحثہ کریں۔ شہر کے لوگوں نے بھی زور دیا۔ مگر کوئی تیار نہ ہوا۔ اکثر رؤسا نے پنڈت جوالا دت کو جوش دلایا۔ مگر وہ بولا۔ آپ تو شنا سنزارتھ کو کہتے ہیں مگر ہم سوامی جی کے درشن بھی کریں۔ تو بستر دل سہت سنان کریں۔ تب شدھ ہوں۔ ہم اس کے پاس نہیں جاوینگے۔ لاچار اور پنڈتوں کو تلاش کیا۔ مگر وہ شہر سے ہی غائب ہو گئے تھے آخر پنڈت وِدیا دھاری جی کے پاس پہنچے۔ جو یہاں کے خاص بھجند پُرش نامی گرامی دودان اور پاٹھ شالہ کے ادھیاپک تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر ہمارا کوئی اختلاف ہے۔ تو وہ گھر کا معاملہ ہے۔ جس پر کسی وقت بطور خود ہم ان سے بارتالاپ کر سکتے ہیں۔ اب عیسائیوں کے کہنے پر اپنے گھر جھگڑا ڈالنا ٹھیک نہیں۔ یہی جواب اُنھوں نے عیسائیوں کو بھیجا۔ لاچار پادری صاحبان کو خود ہی مباحثہ کرنا پڑا۔

۱۹ جنوری ۱۸۷۸ء کو چار بجے شام کے سوامی جی گرجا گھر میں پدھارے۔ کتنے ہی انگریز مشنری۔ دیسی پادری۔ تمام انگریز اور دیسی افسران و معزز رؤسائے شامل ہوئے۔ داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا۔ مگر عیسائیوں نے بے انصافی سے کام لیا۔ اپنے آدمی زیادہ داخل کئے۔ مباحثہ میں انجیل کی خوب دھجیاں اُڑیں۔ اور تمام لوگوں پر اثر پڑا مگر جگہ گرجا میں تنگ تھی۔ اکثر لوگ واپس ہوئے ساتھ ہی یہ مکان ایک فریق کا تھا۔ اس لئے کشادہ اور پبلک جگہ کے لئے عیسائی صاحبان کو کہا گیا مگر انھوں نے عجیب چالاکی کی۔ اگلے دن ۱۲ بجے ہی گرجا میں پادریوں اور لڑکوں کو بلا لیا اور سوامی جی کو اطلاع دی۔ وہ اس وقت وید بھاشیہ کا کام کرتے تھے۔ اطلاع پاکر بہت متعجب ہوئے اور کہا کہ یہاں تو جگہ کے لئے کہا ہوا ہے۔ کہ بدلو۔ مگر عیسائیوں نے وقت ہی چار بجے کی بجائے ۱۲ بجے کا کر دیا۔ یہ وقت ہمارا وید بھاشیہ کے سب سے ضروری کام کا ہے

اس لئے انہیں کہدو۔ کہ ہم چار بجے وقت مقررہ پر ہی آوینگے۔ یہی سب کو اطلاع ہے۔ پادری صاحبان نے یہ کہکر کہ سوامی جی ہار گئے۔ کیونکہ آئے نہیں۔ کارروائی بند کی۔ وقت مقررہ پر گرجا کے نزدیک باغ مہاں سنگھ میں بڑی اچھی طرح تیاری کرکے بار بار عیسائیوں کو بلایا گیا۔ مگر کوئی نہ آیا۔ پون گھنٹہ انتظار کرکے سوامی جی نے انجیلی تعلیم پر لکچر دیا۔ عیسائی مذہب کی عالمانہ اور دلچسپ طور پر تردید ہوئی۔ حاضری سب دنوں سے زیادہ ہوئی۔

۲۷۔ مہاتما منشی رام جی ناستک سے آستک بنے۔

سوامی جی جن دنوں بریلی گئے۔ مہاتما منشی رام جی کالج کی تعطیلوں کے باعث اپنے پتا جی کے پاس گئے۔ جو بریلی شہر کے کوتوال تھے۔ خیالات آپ کے ناستک پن کے تھے۔ وید کا نام تک نہ سنا تھا۔ یہ رائے آپ کی پختہ تھی۔ کہ سنسکرت میں بیہودہ پن بھر رہا ہے۔ اس میں عقل کی بات نہیں۔ اسی لئے وہ سنسکرت کی تعلیم کی طرف برائے نام خیال کرتے تھے۔ پتا آپ کے پورانک خیال کے تھے روز تین تین گھنٹے پوجا کرتے تھے سوامی جی کا جو پہلا لکچر ہوا اس میں آپ بھی شامل تھے۔ آتے ہی کہنے لگے۔ منشی رام ایک ڈنڈی سادھو بڑے ودوان یوگی پرش آئے ہیں۔ سارے سننے انکی دکھتا سننے سے دور ہونگے۔ پتا جی چاہتے تھے۔ کہ وہ ناستک پن کی غار سے نکل آویں۔ چنانچہ اگلے دن وہ پیشتر سہت پہنچے۔ اول تو درشن کرتے ہی کسقدر شردھا پیدا ہوئی۔ پھر جب دیکھا کہ پادری سکاٹ اور اور انگریز آپ کے ویاکھیان سننے کے بڑے مشتاق ہیں تو اور بھی شردھا بڑھی۔ ابھی دس منٹ تقریر نہ سنی ہوگی۔ کہ دل میں وچار نے لگے کہ میں سمجھتا تھا سنسکرت جاننے والا کیا عقل کی بات کریگا۔ مگر یہ عجیب شخص ہے۔ صرف سنسکرت دان ہوکر ایسی معقول باتیں کہتا ہے۔ کہ عالم لوگ دنگ ہو جائیں۔ یہ ویاکھیان ایشور کے نج نام اوم پر تھا۔ جو بہت روحانی لطف دینے والا تھا۔ بعد میں سوامی جی کا کھنڈن ہوا جس سے پیشتر بہت پرسن ہوا۔ مگر پتا جی جانے سے ہچکچانے لگے۔ آپ نے کہا:

یوگی راج ڈنڈی سنیاسی ہیں۔ سب کچھ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہم گرہستھیوں کو تو اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ چوپائی

ہری ہر نند سُنئے جو کانا ہوئے پاپ گو گھات سما نا

مہاتماجی برابر لیکچر سنتے رہے یہاں پادری سکاٹ صاحب سے مباحثہ بھی نہایت اعلےٰ ہوا۔ اس میں بھی آپ شامل رہے۔ علاوہ ان کے سوامی جی کی صبح کی دوڑ اور ویایام آدی کو بھی دلچسپی سے دیکھتے۔ بلکہ خود ویسا کرنے کا یتن کرتے رہے۔ ہر امر سے بہت پربھاو دل پر پڑ رہا تھا۔ لیکن ناستک پن کا ابھیمان دُور نہیں ہوتا تھا۔ اور کہتے تھے اور تو سب اچھا ہے۔ مگر سوامی جی ایشور اور وید کا ماننا چھوڑ دیں۔ تو پھر تو کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اسی ابھیمان میں آپ نے ایک دفعہ ایشور وشئے میں سوامی جی سے بحث کی اور پانچ ہی منٹ میں لاجواب ہو کر کہنے لگے "مہاراج آپ کی بدھی بڑی تیکھشن ہے۔ آپ نے میری زبان بند کر دی۔ لیکن مجھے وشواس نہیں دلایا۔ کہ پرمیشور کوئی ہے" دوسری تیسری مرتبہ آپ پھر لاجواب ہوئے۔ اور یہی الفاظ کہنے لگے۔ تب سوامی جی پہلے تو ہنسے پھر فرمایا۔ "دیکھو تم نے پرشن کئے اور میں نے اُتر دیئے۔ یہ یُکتی کی بات تھی۔ میں نے کب اقرار کیا تھا کہ میں تمہارا وشواس ایشور پر کرا دونگا۔ وشواس آپ کا نہیں ہوگا۔ جب ایشور خود اپنے اوپر وشواس کرائیں گے۔ ایک اُپنشد واکیہ بھی آپ نے اس وشئے میں سنایا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گو اس سمئے مہاتماجی ناستک رہے۔ لیکن پرماتما کی دیا ہوئی۔ اور آخر ایشور پر ان کا وشواس ہوا۔ تب انہوں نے رشی کے کتھن کو یاد کیا۔ اور سر سے ناستک پن کا غرور نکال بڑی شردھا سے سوامی جی کے کتھن کے آگے سر جھکایا۔

۲۸۔ شاستری جی کا بدن پسینہ پسینہ ہو گیا

فرخ آباد میں ایک دفعہ بہت مخالفت ہوئی۔ سوامی جی بات کچھ کہیں اور آن پڑھ سوار تھی مشہور کچھ کر دیں۔ ایک لیکچر میں آپ نے گائے کی رکھشا کے فوائد اور اس کو مارنے

کے نقصانات سُنائے۔ مگر مخالفوں نے اڑا دیا کہ یہ گوڑ ناک کو پشو کہتے ہیں۔ اور
اُس کے مارنے میں دوش نہیں بتاتے ہیں۔ لیکن ایسے وسائل سے لائق آدمی کب
گمراہ ہو سکتے ہیں۔ آخر سوامی جی چلنے کو تیار ہوئے۔ تو ایک سبھا لگائی گئی۔ جس میں
نشچے ہوا کہ سوامی جی کو ۲۵ سوال بنا کر بھیجدو۔ نہ چلنے کو تیار ہیں۔ جواب کا موقعہ ملے گا
نہیں۔ پس سارے شہر میں مشہور کرا دیں گے۔ کہ سوامی جی جواب نہیں دے سکے آخر
پنڈت بالی رام شاستری بارہ اور آدمیوں سمیت سوال لے کر پہنچے۔ سوامی جی نے ان
سب کو بڑے سنسکار سے بٹھایا خیر و عافیت پوچھی۔ آخر ایک آدمی نے شاستری جی کو آہستہ
سے کہدیا کہ آپ کچھ چھیڑئیے۔ سوامی جی نے یہ سُن لیا۔ اور فرمایا بھائی دھرم بارتا میں
دیر نہ کرو۔ جو کہنا ہو جو پوچھنا ہو پوچھو۔ بس یہ کہنا تھا کہ شاستری جی کے بدن میں پسینہ
آگیا حتّی کہ کپڑے تر بتر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد اُن کے ساتھی انہیں باہر لے گئے اور
انہیں ہوا میں بٹھایا۔ ان کے بدن کو انگوچھے سے پونچھا۔ ساتھیوں نے حال پوچھا
تو کہا بھائی میں آج کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرا سر چکرا رہا ہے۔

آخر سوالات بعد میں سب کی طرف سے آئے۔ اور سوامی جی نے اُن کا فوراً جواب
لکھوا دیا۔

۲۹۔ کون گنگا کا پرواہ پورب پچھم کو کر دے

بنارس میں سوامی جی نے پنڈت موتی رام کو کہا۔ کہ آپ وشودہانند کو کیوں ستیہ پر
درڑھ نہیں کرتے؟ آپ اور وہ ایک ہی گورو کے ودیارتھی ہیں۔ وہ سامنے ہو کر شاستر
ارتھ کر لے یا ہم چھوڑ دیں۔ یا وہ چھوڑ دے۔ مگر وشودہانند جی پہلے ہی جواب دے چکے
تھے۔ کہ ہم سوامی ہیں۔ ہم کو شاستر ارتھ کرنے کا ادھیکار نہیں۔ تو بھی سوامی جی کے کہنے پر
پنڈت مذکور وشودہانند جی کے پاس گئے۔ اور کہا کہ کاشی میں اتنے ودوان ہیں۔ مگر ایک
آدمی نے آکر سب کو مغلوب کر ڈالا۔ کوئی جواب نہیں دیتا۔ اس لئے انھوبال شاستری

کو لیکر مقابلہ کرو۔ سب کاشی تمہارے ہاتھ میں ہے (وشودہانند) تم بھی اُن کے سنگ میں ویسے ہی ہو گئے ہو۔ (پنڈت) ہمارا سنگ پہلے تمہارے سے اور تعلق بھی بہت پرانا ہے۔ مگر جو وہ کہتے ہیں سُنکر ہمارے چت میں کھٹکتا ہے۔ کہ وہ سچ کہتے ہیں۔ (وشودہانند) تم کیسے کہتے ہو کہ وہ سچ کہتے ہیں۔ (پنڈت) دیدادکوں کے پرمان سے وہ تو پرمان دیتے ہیں۔ مگر کسی آرش گرنتھ میں مورتی پوجا کا پرمان نہیں۔ (وشودہانند) یہی تو نسر ہے۔ دیانند کو تو دید ارتھ لگتا ہے۔ مگر یہاں کے ودوانوں سے کسی سے نہیں لگتا۔ صرف گنیش سٹروتری دید ارتھ جاننے والا ہے۔ تو وہ بھی اُن سے ملا ہوا ہے۔ دوسرے شاستر ارتھ بھی دید ونتے پہ کرتے ہیں۔ اس کے ارتھ لگانا یہاں کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے کون اُس کے مقابلے کو سامرتھ ہو۔ (پنڈت) آپ بھی سرسوتی ہیں۔ اور وہ بھی۔ دونوں ایک ہو جاؤ۔ اور ست دھرم کے اوپر درڑھ ہو جاؤ۔ (وشودہانند) ستیہ پراندھ تو ہو جائیں۔ مگر گنگا جی کا پرواہ بہہ رہا ہے پورب کو۔ ایسا کون ہے جو اس کو پچھم یا اُتر کو کر دے۔ یہ جو پرواہ چل گیا ہے۔ اب رک نہیں سکتا۔ اگر آج ہم اس کے آدیر کھینچتی کریں۔ تو سب ورودھ کرنے لگ جائیں (پنڈت) آپ کو ورودھ اور ہت سے کیا فائدہ ہے۔ (وشودہانند) بھکشا جو دیتے ہیں۔ وہ بھی سانے نہ دیں گے۔ اور الزام دینگے۔ کہ سوامی جی کے انویائی ہو گئے۔

سوامی جی نے جب یہ باتیں سُنیں۔ تو فرمایا کہ ناحق بھیجے کھاتے ہیں۔ سنسار ورودھ ہو کر کیا کرے گا۔ اگر اُن کو ڈر ہی ہے۔ تو ہم اُن کو ایک جگہ سمبھاپن کر دینگے وہ کاشی میں بیٹھے جاویں اور دیش بھرمن ہم کرینگے۔ وہ کیوں نہیں ست پر درڑھ ہوتا۔ مگر باوجود ساری باتوں کے وشودہانند نے یہی کہلا بھیجا۔ کہ وہ تو ابھدوت ہے۔ شنسنگ کھنڈن کرتا ہے۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

۳۰۔ مرتک شرادھ کھنڈن پر ایک دلیل

مظفر نگر میں سوامی جی کنا گرتوں کے دنوں میں گئے۔ اس لئے شرادھ وشے پر دلچسپی عام تھی۔ ایک دن بہت لوگوں کی حاضری میں لالہ بھگوانداس جی وکیل نے بات چھیڑی کہ مردہ بزرگوں کے نمت جو سنکلپ کیا جاوے وہ کیوں نہیں پہنچتا۔ سوامی جی: اپُن کا سنکلپ پہنچتا ہے۔ تو باپ کا سنکلپ بھی پہنچا سکیں گے۔ وکیل بھی سنے معہ یہ سرکار سے لینا ہو۔ تو جس کے نام چاہے منتقل کر دے۔ مجھے مختار نامہ دے تو میں لے جا سکتا ہوں۔ لیکن جسمانی سزا مجرم ہی بھگتتا ہے۔ یہی مقابلہ پر میشور کے ہاں ہونا چاہئے۔ (سوامی جی) نیائے کے دو جز ہیں۔ برے فعلوں کی سزا۔ نیک فعلوں کی جزا۔ ایشور کی بھگتی یا لوگوں کا بھلا کرنیوالے کو جزا ملنی چاہیئے۔ ورنہ انیائے ہوگا۔ اسی طرح دیوونت سے پاپ کئے بلنی چاہیئے اُسے سزا۔ مگر اس کے بیٹے نے پُن کر کے اس کے نام منتقل کر دیا۔ تو نتیجہ کیا ہوا کہ بیٹا جس نے پُن کیا۔ پھل سے محروم رہا۔ اور باپ جسے سزا ملنی تھی۔ وہ سزا سے بچ گیا۔ گویا انصاف کے دونوں جز زائل ہو گئے۔ جو ایشور ہرگز نہیں کر سکتا۔ پس بزرگوں کو پُن پہنچانا ناممکن ہے۔ تب آنریبل لالہ نہالچند بولے۔ کہ چونکہ باپ کی کمائی کو ہی اولاد نیک کام میں صرف کرتی ہے۔ اس لئے متوفی کو پھل ملنا چاہیئے۔ (سوامی جی) مرتک کا جمع کردہ دھن بیٹا خواہ نیکی میں لگا دے خواہ بدی میں۔ نتیجہ بیٹے کو ہی ملیگا کیونکہ اگر نیکی میں خرچ کرنے سے مرتک کو فائدہ ہو تو بدی میں خرچ کرنے سے اُسے نقصان پہنچیگا۔ اور چونکہ عموماً باپ کی جمع کردہ دولت سے اولاد بد چلن ہوتی ہے۔ اس لئے بزرگوں کی اس اصول سے شامت ہی شامت ہے۔

۳۱۔ نائب بشپ صاحب لاجواب ہو گئے

آگرہ میں سوامی جی کی تشریف آوری سمیت رومن کیتھولک چرچ کے نائب بشپ صاحب

کو ملے۔ اور اُنہوں نے کہا کہ ہم سب لوگ جو خدا کو مانتے ہیں۔ مل کر کام کریں۔ تو بہت نیک نتیجہ برآمد ہو۔ اول ہم سب سچی باتوں کا وچار کریں۔ اور ایک مت ہو جاویں۔ پھر صرف ناستک لوگوں سے مقابلہ رہیگا۔ جنہیں ہم دلائل سے قائل کر دینگے +

بشپ صاحب بولے۔ ایسا ہو نہیں سکتا ہے۔ نہ مسلمان حلال کرنا چھوڑینگے۔ نہ عیسائی گوشت کھانا۔ خدا ہے تو ضرور۔ مگر نہ اس کی صورت دکھائی دے۔ وہ بولے۔ اس لئے دنیا میں اُس کی عوضی ضرور آنا چاہیئے۔ جیسا ملکہ کی طرف سے والسرائے ہندوستان میں۔ سو خدا و مسیح کے بغیر انتظام نہیں ہو سکتا +

سوامی جی نے اُن کی مثال کو غلط ثابت کیا۔ اور ایشور کی صفات واضح کر کے جتایا۔ کہ اُسے کسی عوضی کی یا سفارش سننے کی ضرورت نہیں۔ وہ سارے بندوبست بلا احتیاج غیرے آسانی سے محدود کر سکتا ہے۔ بشپ صاحب نے فرمایا۔ کس طرح ؟ سوامی جی نے کہا اپنے قانون وید دوارا + اس پر وید وشے میں بات چیت ہو کر بشپ صاحب ارجن اگنی۔ وایو۔ آدتیہ۔ انگرا پر وید ظاہر ہوئے۔ اب اُن کا جانشین کون ہے ؟ (سوامی جی) ہزاروں لاکھوں رشی ہر زمانے میں اُن کے جانشین ہوتے۔ اور جو بھی رشیوں کے مقررہ قاعدے پر چلے جانشین ہو سکتا ہے۔ مگر آپکے مسیح صاحب کا جانشین کون ہے ؟ (بشپ صاحب) پوپ روم جانشین ہے۔ جو غلطی ہم لوگوں سے ہو۔ وہی پوپ اصلاح کرتے ہیں۔ (سوامی جی) اور جو غلطی پوپ سے ہو اس کی اصلاح ؟ آپ کو اُن خرابیوں کا علم ہی ہوگا۔ جو لوتھر سے پہلے یا لوتھر کے وقت تیز، اور اُس کے بعد پوپوں سے لیں اور مذہبی جہاد و قتل کا بھی آپ کو پتہ ہوگا۔ جب پوپ خود اُن کا مبداء ہے۔ تو وہ خود کیسے اصلاح کر سکتا تھا سو یہ بات ہمارے پوپوں کی طرح ہے۔ بشپ صاحب اس کا اُتر نہ دے سکے +

۳۲۔ جین مت کی جڑ ہل گئی۔

سوامی جی ریاست مسودہ میں گئے۔ تو وہاں کے راؤ صاحب نے معزز جینیوں کو بلایا

کو اکسا کیا کہ آپ لوگ اپنے کسی ودوان کو بلائیں۔ تاکہ سوامی جی سے شاستراتھ ہو کر ست اسَت کا نرنے ہو۔ جینیوں نے سادھو سدھ کرن جی کو بلانے کی تجویز کی۔ جو چترماسہ کے سبب خود ہی وہاں آنے والا تھا۔ چنانچہ وہ آیا اور جب سوامی جی بھرمن کو باہر گئے۔ تو سادھو سے ان کا میل ہو گیا۔ معمولی بات چیت میں سادھو نے ایک آدھ بات مذاق کی کر دی مگر سوامی جی نے اس کا اتر نہ دے کر مکھ پر پٹی باندھنے کی وجہ پوچھی۔ راؤ صاحب دوربین لگا کر سوامی جی کو بھرمن کرتے دیکھا کرتے تھے۔ آج بھی اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور کسی سے بات کرتا دیکھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں پہنچے۔ سادھو اُن کو دیکھ کر چلنے لگا۔ راؤ صاحب نے روکا۔ مگر وہ چلے ہی گئے۔ آخر تحریری سوال سادھو کے پاس بھیجے گئے۔ اُن میں جینیوں کی بعض باتوں کا بڑا مدلل اور صحیح کھنڈن تھا۔ راؤ صاحب کا منتری یہ پتر لے کر گیا۔ مگر سادھو نے کہا کہ ہم اُتر تب دینگے۔ جب تم مُنہ پر پٹی باندھ لوگے۔ اس نے کہا ہم تو اسے پاپ سمجھتے ہیں۔ آپ سوالوں کا جواب دیں۔ جب آپ سدھ کر دینگے۔ تو ہم بخوشی باندھ لیں گے۔ اور بھی جو بات آپ کہیں گے سویکار کرینگے۔ پرنتو سادھو بولا میں اتر نہیں دے سکتا اور اُٹھ کر اندر چلا گیا۔ مگر تیسرے دن اُس نے جواب لکھ بھیجے جو بالکل غیر معقول تھے۔ سوامی جی نے اس پر جو یکتی پوروک مفصل اعتراض لکھے۔ وہ کئی لوگ لیکر اس کے پاس گئے اور پتر سنا کر اُتر مانگا۔ تو سادھو جی کے چھکے چھوٹے بہت کہنے پر اس نے اتنا کہا "وہ ہمارے سے تو اُتر کوئی نہیں بن آتا۔ آہا! وہ تو سادھو ہیں"۔ اس پر زیادہ کہنا انوچت سمجھکر یہ لوگ چلے آئے۔

سوامی جی کے ان لیکھوں اور لیکچروں کا چرچا جینیوں میں بہت ہوا۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں نے کھلم کھلا ویدک دھرم کو سویکار کیا۔ اُن کی درخواست پر بڑا بھاری یگیہ ہوا اور اُن کو برہمن اور کھشتریوں کے ساتھ یگیوپوِت دیا گیا۔ کل ۳۵ جینیوں نے ویدک دھرم سویکار کیا۔ اسی پرکار بھرت پور نواسیوں نے یگیوپوِت کی درخواست کی۔ اور اُنہیں بھی راجپوتوں برہمنوں کے ساتھ جنیو پہنایا گیا۔ اور بہت بڑا یگیہ ہوا۔

۲۴۔ سچے وِدّوان کی پُوجا

سوامی جی کو مسعودہ میں کئی بلاوے راؤ پور سے آئے۔ سوامی جی نے راؤ صاحب سے کہا کہ ہمیں جانا چاہئے۔ راؤ صاحب بولے مجھے آپ کا جانا اچھا نہیں لگتا۔ یہیں براجئے۔ میں کبھی آپ کی آگیا کا اولنگھن نہیں کرونگا۔ اور وید بھاشیہ کرنے کا اچھا پربندھ کر دونگا۔ سوامی جی نے فرمایا۔ آپ کی پریتی اور دھرم کی تو میں تعریف کرتا ہوں۔ لیکن ہم سادھوؤں کو ایک جگہ میں زیادہ رہنا اُتّم نہیں دیش دیش میں جا کر اپدیش کرنا چاہئے۔ آخر جانے کی تیاری ہوئی۔ مقررہ دن کو دوپہر کے بعد راج منتری اور اور معزز لوگوں کو راؤ صاحب نے بخشی کے ہمراہ بھیجا کہ سوامی جی قلعے میں پدھاریں تاکہ ست اپدیش اُن کے مکھ سے سنکر وداع کریں۔ چنانچہ بخشی پر سوار ہوکر بازار سے گذر کر سوامی جی قلعے کے دروازے پر پہنچے۔ جہاں راؤ صاحب نے بڑی شردھا سے استقبال کیا۔ اور خاص محلوں و ڈیوڑھی سے گذار کر سوامی جی کو سبھا منڈپ میں آسن پر لا بٹھایا اور سوامی جی نے راج دھرم اور پرجا دھرم پر ویاکھیان دیا۔ بعد میں راؤ صاحب نے پتر پڑھا جس میں ایشور پرارتھنا کر کے سوامی جی کی یوگیتا پرگٹ کی تھی۔ سامعین خوشی سے جامے میں پھولے نہ سماتے تھے۔ اور ایشور کا دھنیاد دیتے تھے کہ اس زمانے میں ایسا ست سنگ ملا۔

روانگی پر مہاراج نے پانچ سو روپیہ وید بھاشیہ کی سہائتا میں بھینٹ کیا۔ اور پشپ مالا سوامی جی کے گلے میں ڈالی۔ چار سو آدمی آدھ میل تک وداع کرنے ساتھ گیا۔ جہاں سوامی جی نے بخشی کو روکا۔ اور سب کو دھرم کا اپدیش دے کر وداع کیا۔ راؤ صاحب خود پانچ میل تک سوامی جی کو وداع کرنے کے لئے گئے۔

٭

۳۴ - مسلمان واہی پتر ہیں

ریاست رائے پور کے ٹھاکر صاحب سے ذکر ہوتے ہوئے سوامی جی کہہ بیٹھے۔ کہ یہ لوگ واسی پتر ہیں۔ اس پر مسلمان جمع ہو کر وچار کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ ان پر فوجداری چلاؤ۔ کسی نے اور تجویز پیش کی۔ آخر ایک نے کہا ایسا کرو کہ رمضان گذرنے پر عید کے روز قاضی جی آویں۔ تو اُن کو ساتھ لے کر چلیں اور سوال جواب کریں۔ اگر جھوٹے ہوئے تو فوجداری چلائیں۔ آخر یہ موقعہ آ گیا اور قاضی جی نے پوچھا کہ آپ ہم کو داسی پتر کیسے بتلاتے ہیں؟ (سوامی جی) اپنے قرآن شریف میں دیکھو ابراہیم جس کو ابراہیم کہتے ہیں کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیاہتا جس کا نام سارہ تھا اور دوسری ہاجرہ جو داسی تھی۔ سارہ سے انگریز لوگ اور ہاجرہ سے آپ لوگ ہوئے۔ اس لئے آپ داسی پتر ہیں ٭

(قاضی) قرآن میں نہیں لکھا۔ سوامی جی نے پنڈت منگا کر قرآن سورہ عنکبوت دکھایا۔ جس میں یہ ذکر تھا۔ تب (قاضی) وہ داسی تھی مگر نکاح ہو گیا تھا۔ (سوامی جی) وواہ ہو گیا معاذ اللہ وہ تھی تو داسی۔ قاضی صاحب لاجواب رہے ٭

۳۵ - ایسی شردھا کا پاتر سنیاسی ہی ہے

اُودے پور کے مہارانا صاحب خود دھرم گرنتھ سوامی جی سے پڑھتے رہے درباری لوگ سب منو سمرتی کے ساتوں ادھیائے اور مہا بھارت کے خاص پربول کی کتھا سنتے رہے۔ یہاں گیہ ہوئے۔ لیکچر ہوئے۔ مباحثے ہوئے۔ سوامی جی نے یہاں ہی اپنی تصنیف اور پریس کے متعلق سویکار پتر لکھا اور پروپکارنی سبھا بنائی غرضیکہ ہر لحاظ سے کامیابی ہوئی۔ آخر روانہ ہونے لگے۔ تو دربار نے دو ہزار روپیہ بھینٹ کئے سوامی جی نے انکار کیا۔ تب دربار نے کہا ہم بھی واپس نہیں لے سکتے۔ اس لئے

ویدک ندھی میں جمع کرائے گئے۔ اور کہا کہ آپ چھپہ شاستر کا ٹیکا چھپوا دیں۔ تو میں پچیس ہزار تک خرچ کرونگا۔ سوامی جی نے کہا۔ پہلے وید بھاشیہ ہو لے۔ پھر ان کا ٹیکا کرونگا چلتے وقت مہاراج نے پرشنا پتر سوامی جی کے بھینٹ کیا۔ اور صاف طور پر رخصت کے وقت کہا کہ بموجب کہنے کے عمل کرنے والا آپ کے سوائے کوئی نہیں دیکھا۔ مجھے آپ کے سنبندھ اُپدیشوں سے بہت فائدہ پہنچا ہے +

راجا ڈونگ اس زمانے میں یہ شعر دھا دیکھ کر سنچپ ہوتا ہے کہ ویدی سنیاسی سچے ہوں تو دنیا اور دھرم پھیلا کر وہ ساری دنیا کو اپنا گرویدہ کر سکتے ہیں۔ راجا نے دس ہزار روپیہ سوامی جی کے ساتھیوں کو اور دو ہزار تک تحاصول میں دیا +

اسی پرکار مہاراج شاہ پور آدھا بش تک بھی سوامی جی سے پڑھتے رہے۔ شام کے تین گھنٹے سوامی جی کے ست سنگ میں رہتے اور صبح کی سیر میں بھی اکثر سوامی جی کے ساتھ رہتے +

جاتی دفعہ آپ نے ۲۵۰ روپیہ وید بھاشیہ کے لئے دیا۔ اور پانچ سو روپیہ داک ایک اُپدیشک کے لئے دیا گیا۔ روانگی پر بہت دور تک سوامی جی کے ساتھ گئے اور مان پتر دیا کہ اڑھائی ماہ آپ کی سنگت کی۔ مگر طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ مگر جودھ پور مہاراج کا اصرار ہے اور سوامی جی ارادہ جانے کا کر چکے ہیں۔ ساتھ ہی آپ کے وجود سے ہر جگہ کے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس لئے انہیں روک نہیں سکتا۔ ہاں آشا کرتا ہوں۔ کہ آپ جلد پھر تشریف لاکر ہمیں اعزاز بخشیں گے +

۳۶ - تحقیق حق کا شوق

سنبیہ استبہ نرنے کی دھن میں سوامی جی ہر وقت غلطاں رہتے تھے۔ کوئی مولوی۔ پنڈت۔ پادری جہاں ملا اُسے اپنے پاس بلا کر یا اُس کے پاس پہنچ کر اپنے مباحثہ ضرور کیا۔ حتیٰ کہ پروفیسر میکس مولر کو جرمنی میں چیلنج دیا۔ اُس نے مباحثہ

نہ کیا - یہ جُدا بات تھی - مگر سوامی جی نے کسر نہیں چھوڑی +

اسی پرکار لدھیانہ میں آپ کو معلوم ہوا کہ پٹیالہ میں پنڈت ہریش رائے سنسکرت کے ودوان ہیں - آپ یہ سُنتے ہی پٹیالہ چل دیئے - ریل اُن دنوں پٹیالہ نہیں جاتی تھی - اس لئے صاحب ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے کونسل آف ریجینسی پٹیالہ کے نام خط لکھا - کہ آپ سوامی جی کی سہاتا کریں - پنڈت ہریش رائے چونکہ تیرتھوں پر گئے ہوئے تھے - اس لئے اطلاع ملنے پر سوامی جی رُک گئے +

۴۷ - ایک پُر مذاق اور دلچسپ مباحثہ

ہردوار کنبھ میں سوامی جی بیمار ہو گئے - اور ایک دن ویاکھیان نہ ہوا - سادھو اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اُن کی طرف مباحثہ کے لئے چل دیئے - کہ وہ انکار کرینگے اور ہم اُن کی ہار مشہور کر دینگے - سوامی جی چارپائی پر لیٹے تھے - مگر انہیں آتا دیکھ کر اُٹھ بیٹھے اور نمسکار سے بٹھا کر آنے کا سبب پوچھا - ایک سادھو جو سب سے بڑا ودوان تھا بولا - آپ سے شاستر ارتھ کرنے آئے ہیں -

سوامی جی - بہت اچھا کسی وشئے پر بات کیجئے +

سادھو جی - ویدانت پر چرچا کرینگے +

سوامی جی - پہلے سمجھائیے - ویدانت سے آپ کی مراد کیا ہے ؟

سادھو جی - مراد یہ ہے کہ جگت متھیا ہے اور برہم ستیہ ہے +

سوامی جی - جگت سے کیا مطلب ہے - کون کون پدارتھ جگت کے اندر ہیں - اور متھیا کسے کہتے ہیں ؟

سادھو جی - پرمانو سے لے کر سورج تک جو کچھ ہے جگت ہے اور یہ سب متھیا یعنی جھوٹ ہے +

سوامی جی - متھیا ساشٹر - پڑھنا - بولنا - چالنا - اُپدیش - گرو و شِشک بھی اس کے اندر

ہیں یا نہیں ؟

سادھو جی - ہاں سب اسی کے اندر ہیں *

سوامی جی - اور آپ کا مت بھی اس کے اندر ہے یا باہر ؟

سادھو - ہاں وہ بھی جگت کے اندر ہے *

سوامی جی - جب تم خود ہی کہتے ہو - کہ ہم - ہمارا گورو - ہمارا مت - ہماری پستک - ہمارا اپدیش ہمارا بولنا سب متھیا ہی یعنی جھوٹا ہے - تو ہم تم کو کیا کہیں - خود مدعی کے کہنے سے ہی اس کا دعوٰے خارج ہے - گواہ وغیرہ کی ضرورت نہیں *

سادھو حیران و ششدر ہو کر لوٹ گئے پھر کبھی جھنڈا باندھکر شاستر ارتھ کرنے نہیں آئے *

۳۸ - ہم نہ آتے تو تم دھوکا کھا جاتے

اجمیر کے پاس ایک گاؤں میں کچھ سادھو رہتے تھے - جو وام مارگی تھے اور تنتر منتروں کے نام سے سدھ بنے ہوئے تھے اس گاؤں کے جو لڑکے اجمیر کالج میں پڑھتے تھے - انہوں نے کہا تمہارے منتر آدی سب جھوٹے ہیں - سادھو بولے ہم منتروں کی شکتی دکھلا سکتے ہیں (لڑکے) ابھی دکھاؤ (سادھو) تمہارا گورو کون ہے (لڑکے) دیانند سوامی (سادھو) بس ہم اسی کو دکھا دینگے - لڑکوں نے سادھوؤں سے اقرار پختہ لے لیا - اور ٹھاکروں کو گواہ ٹھہرا کر سوامی جی کو سب بات آ سنائی - انہوں نے کہا - ابھی بلا لاؤ - ہم تو ایسی باتوں کے نشچے کے لیے ہر وقت تیار ہیں - حاضرین نے کہا - آپ پریکشا کیسے کریں گے - تو فرمایا - ہوادار شیشے میں مکھی بند کر شیشے کو پاس رکھ ان سے کہوں گا - کہ تو اس مکھی کو منتروں سے مارو - اور اگر وہ کہیں گے - کہ منش پر ہی منتر چلتا ہے تو کہوں گا - میرے پر چلاؤ - الغرض ٹھاکر اور لڑکے سادھوؤں کے پاس پہنچے - کہ آؤ - سوامی جی کو شکتی دکھاؤ - اسی لیے انہوں نے آپ کو بلایا ہے - وہ کروده سے

بولے - چلو چلو یہاں کہاں منتر رکھے ہیں - کیا ایسے منتر دکھائے جاتے ہیں -

جب لوٹ کر سوامی جی کو انہوں نے یہ بات سنائی - تو وہ بولے - بھائی تم لوگوں کو بہکانے کے لئے یہ پرپنچ رچا تھا - ہمارا آنا ہو گیا - تو قلعی کھل گئی نہیں تو آپ دھوکا کھا جاتے - ہم نے بہتوں کو ایسے جال پھیلاتے دیکھا ہے -

۳۹ - نوین ویدانتی ودوان آریہ بن گیا

ہردوار کنبھ پر ایک دن صبح ہی آنند بن سنیاسی پرشکل پرہنس کفنی پہنے سر منڈائے آیا - دس دوبار تھی اس کے ساتھ تھے - سوامی جی نے بڑے چاؤ سے آگے آکر اس کا سواگت کیا - اور بڑے آدر سے اسے مسند پر بٹھایا - وہ سنیاسی ۸۰ سال کا تھا مگر بدن چست اور مضبوط تھا - بیٹھے ہوئے دونوں مسکراتے ہوئے شاستر ارتھ کرنے لگے - وہ سنسکرت بولتے تھے - مضمون جیو برہم کی ایکتا تھا - گفتگو جاری ہی ۱۱ بجے سوامی جی کو بھوجن کے لئے کہا گیا - مگر ساد ہو نے کہا جب تک یہ وشے طے نہ ہو - میں بھوجن نہیں کرنے دوں گا - تب سوامی جی نے چاروں وید اور دیگر ۶۰ - ۶۵ پستکیں منگائیں اور ۲ بجے تک بات چیت بڑی دلچسپ ہوئی - اس کے بعد وہ شششوں سے مخاطب ہو کر بولا - کہ دیانند کے مت کو میں نے سویکار کیا - تم بھی ایسا ہی مانو - سوامی جی نے اس کے جانے کے بعد بتایا کہ یہ سنسکرت کا بڑا ودوان ہے - پہلے برہم بنا پھرتا تھا - مگر اب ہماری طرح جیو برہم کا بھید مان گیا ہے -

۴۰ - مجھ پر کھشما کیجئے

جوت سنگھ نرملا فقیر ہردوار کنبھ پر سوامی جی سے ملا - ہر بات بڑی طنز سے کرتا تھا یہاں تک کہ سوامی جی کے ایک بھگت کو غصہ آگیا - جو بول اٹھا - کہ خاموش رہ

ہنہیں تو ابھی منہ درست کروں گا۔ سوامی جی نے سمجھایا۔ کہ تم کیوں غصہ کرتے ہو۔ وہ بات تو مجھ سے کرتا ہے۔ وہ اسی طرح دو روز تک بھی سوامی جی سے گفتگو کرتا رہا۔ اور سوامی جی بڑے پریم اور میٹھی بانی سے جواب دیتے رہے۔ تیسرے روز جب سوامی جی دیاکھیان سے اُٹھے۔ تو وہ اتنا متاثر ہوا۔ کہ ایک دم سے ہاتھ جوڑ کر رونے لگا۔ اور سوامی جی کے پاؤں پر گر کر کہنے لگا۔ مجھ پر دیا کیجئے۔ اور میری سخت کلامی کو معاف فرمائیے۔ سوامی جی نے اسے دلاسا دیا پاؤں چھڑا کے پاس بٹھلا لیا۔ اور سمجھاتے رہے۔ جتے اگر وہ دوڑھ آریہ بن گیا اسی پرکار دو ناگے اپنی سخت کلامی پر نادم ہوئے۔ سوامی جی آن سے برابر نرمی خندہ پیشانی اور ہنسی خوشی سے جواب دیتے رہتے۔

۱۴۔ محض نمائشی شور و شر

ایک دن ہردوار کے کل پنڈت اور سوامی جو ودوان سمجھے جاتے تھے اکٹھے ہوئے۔ اور اتفاق رائے سے انہوں نے سوامی وشودھانند کو چٹھی لکھی۔ کہ آپ مدبیت تھریں تو سوامی دیانند سے شاستراتھ کرتے ہیں۔ یہ خط جبنہ وشودھانند جی نے سوامی جی کو بھیج دیا۔ جنہوں نے جواب دیا۔ کہ تم لکھ کر بھیجئے۔ مگر کوئی خط بعد میں نہ آیا۔ نہ نیم۔ بلکہ شودھانند دونوں میں تکرار اور جھگڑا تم بیزار ہو گیا اسکے بعد پنڈت شردھارام پھلوری اور پنڈت چتربھج آدی جو علیحدہ علیحدہ ملے جا کر آریہ سماج کی خلاف پرچار کرتے تھے سب مل گئے کہ متفقہ زور لگا کر سوامی کا مقابلہ کریں انکی کوشش تھی کہ کہیں مجمع اپنی جگہ میں ہو اور ہو تا کہ اپنا نام کریں مگر سوامی جی نے کہا انتظام سرکاری ہو جاوے۔ جس میں احتمال فساد کا مجمع کثیر میں نہ رہے اور شاستراتھ واقعی ٹھیک طور پر ہو مگر شردھارام وغیرہ نے نہ مانا آخر سوامی جی نے یہ کہدیا کہ ان لوگوں کی نیت محض ہنگامہ کرنیکی ہے ورنہ شردھارام وغیرہ کیا اور شاستراتھ کیا یدی وشودھانند جی ہی کہدیویں۔ کہ یہ لوگ میرے مقابلے ہیں وید کو سمجھتے ہیں۔ تو میں راضی ہوں۔ اور وشودھانند جی کو ہی میں مدہت مانتا ہوں۔ ایک

چٹھی سوامی جی نے اسی مضمون کی وشودہانند جی کو لکھی جسے پڑھتے ہی انہوں نے شردھارام اور جیت رہیج کو اتنی گالیاں دیں اور ایسے فحش لفظ کہے کہ بیان کرتے شرم آتی ہے آخر انہوں نے شردھارام آدمی کو کہدیا۔ کہ تم دیانند کے سامنے ایک اکھشر نہیں جانتے ہیں۔ ہمارے سبھا حشہ میں مدہیت نہیں ہو سکتا۔ سوامی جی کو بھی انہوں نے لکھا۔ کہ بہت لوگ فساد کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کا آپ دھیان نہ کریں۔ اور ہمیں اس سبھا کا مدہیت نہیں ہو سکتا جس میں آپ جیسے ودوان بحث کریں۔ یہ چٹھی عام مجمع کے سامنے سنادی گئی۔ اور کسی نے شاستر ارتھ کو بہتر نہ کہا۔ ہاں ایک چال چلی گئی۔ کہ پہلے ہی سے تین دن پہلے سبھا لگا میز پر پتیک رکھ کہا گیا۔ کہ دیانند یہاں آکر شاستر ارتھ کرنے نہ آوے تو سمجھو ہارا۔ ایک چٹھی بہت دستخط کرا کے سوامی جی کو بھیجی۔ کہ آپ یہاں آکر وکھیا کریں۔ اس طرح سب کو ٹھیک نشچیت ہو جائے گا۔ کہ آپ کا متھن وید شاستر کے انوسار ہے یا نہیں یعنی ٹھیک نکلا۔ تو ہم سب آپ کے انویائی ہو جائینگے۔ اور آریہ ورت کو بڑا لابھ ہوگا۔

یہ چٹھی جب وقت بھیجی گئی ہے اس وقت آواز سنائی دیتی تھی اگر وہ یہاں آوے ... تو اس کو ایک پتھر مار دو کچھ پرواہ نہیں اگر اس کا سر پھوٹ جائے ایک پھانسی ہو جائیگا۔ سوامی جی نے جواب میں لکھا شاستر ارتھ سے مجھے کسی سمہ انکار نہیں ہر وقت تیار ہوں۔ پرنتو پربندھ کرتا کوئی راج پورش ہو اور پنڈتوں کے سوا شاستر ارتھ میں کوئی ان پڑھ براہمن نہ ہو۔ اور جگہ ایسی ہو۔ جو کسی فریق کی نہ ہو۔ آپ جو جگہ کہتے ہیں۔ وہاں پر آنے سے میں اپنی زندگی کی ہانی سمجھتا ہوں۔ مجھے شریر پات ہو جانے کا شوک نہیں۔ پرنتو اس بات کا شوک ہے۔ کہ جس پراوپکار کے واسطے اس شریر کی رکھشا کرتا ہوں۔ وہ اوپکار رہ جاوے گا۔ اس وجہ سے وہاں آنا میں ٹھیک نہیں سمجھتا۔ اس چٹھی کا کوئی جواب نہ آیا اور آنا بھی کیا۔ شاستر ارتھ کا مطلب تھوڑا تھا۔ پنڈت شری دھر نے شردھارام آدمی کو سمجھا دیا تھا۔ کہ بھائیو!

دیانند پردیس کا رہنے والا۔ وید کا جاننے والا۔ بڑا ہوشیار اور اچھا بولنے والا ہے
وید کا بھاشیہ بھی اُس نے کیا ہے۔ اور تم صرف دیا کرنی ہو۔ اس لئے وہاں مت
جاؤ۔ ناحق نیچا دیکھو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا صرف جگت دکھاوے اور لڑائی
دنگے کو ہی پیغام بھیج رہے تھے۔

۴۲۔ عیسائی گرجے میں مُردم پرستی کا کھنڈن

جب سوامی جی بریلی میں وہ مشہور لیکچر دے چکے جس میں اُنھوں نے نڈر رہ کر کلکٹر اور
کمشنر تک کو بتاڑ بتائی تب اُٹھتے ہی پوچھا بھاگت سکاٹ آج دکھائی نہیں دیتے۔
پادری سکاٹ صاحب بھی لیکچر میں غیر حاضر ہوتے تھے اور بڑے پریم کے سبب سوامی جی
اُنہیں بھگت کہتے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ آج اتوار کا دن ہے اس لئے وہ نہیں
آئے۔ کیونکہ اتوار کو وہ گرجے میں وعظ کرتے ہیں۔ نیچے اترتے ہی کہنے لگے۔ چلو بھگت
سکاٹ کا گرجہ دیکھ آویں۔ لوگ بہت چلے گئے تھے۔ پھر بھی تین چار سو آدمیوں سمیت
آپ گرجہ میں پہنچے۔ سکاٹ کا لیکچر ختم ہی ہوا تھا۔ سوامی جی کو دیکھتے ہی وہ نیچے اُترا
اور ویدی پر لے جا کر سوامی جی سے عرض کی کہ آپ کچھ اوپدیش کریں۔ سوامی جی نے
وہیں مردم پرستی کا کھنڈن کیا۔ جسے چُپ چاپ سب سُنتے رہے۔

شکشا }
پتھروں پر سر رگڑنے سے خدا ملتا نہیں
شیخ کیوں کعبے میں مصروف جبیں سائی ہُوا

مورتی پوجا سرتک شرادھ آدی کو ریتیاں جن کا رشی دیانند نے کھنڈن کیا
وید میں ان کا نام و نشان نہیں۔ بدقسمتی سے رواج چل گیا ہے۔ اور وید
وروده باتیں بہت عرصہ سے منشوں کی عادت میں داخل ہو گئی ہیں اس
لئے غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ یا سوارتھی لوگ کامیابی سے تھوڑی دیر کے
لئے بھولے بھالے لوگوں کو بہکا سکتے ہیں۔ ورنہ واستو میں رشی دیانند نے

اور بدک باتوں کو ہٹا کر پرانا یام۔ یوگا بھیاس کی سچی ریتی اور یگیہ سنسکار آدی کی اصلی سناتن مریادائیں قایم کرنے میں اپنی ساری شکتیاں لگائی ہیں اور یہی تمام سچے منشوں کا کرتویہ ہے۔ کہ منش ماتر کو گمراہی سے بچا دیں اور استیہ کا کھنڈن اور ستیہ کا منڈان کر جگت کو وید مارگ پر چلا دیں۔

چوتھا سرگ

مرتیو کا پرلے

اُسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا
اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا

ہر مشکل آسان ہوتی ہے۔ اور ہر آغاز انجام پاتا ہے۔ اسی پرکار ہر مرض کا علاج اور ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ سادھارن پرش منش کے جیون مرتیو کے پرشن بہلا چکے ہیں اسی لئے اُن کے حل کرنے کا نہ انہیں دھیان ہے۔ نہ پاس نہ انہیں زندگی کی حقیقت کا پتہ۔ نہ موت کے متعلق گیان ہے۔ اُن میں کچھ وشے سکھ کی اچھایئں گھر کئے رہتی ہیں۔ مگر مہان اور اُچ پرش وشے سکھ آدی ان مہان پرشنوں کے سمکھ تچھ سمجھتے اور انہیں لات مارے ہوتے ہیں۔ ان کے جیون میں اودیش اور اس کی پورتی کا پتہ چلتا ہے۔ سوال کے ساتھ جواب بھی ملتا ہے۔

الشور پرماتما جہاں سادھارن پرشوں کے لئے استہو ہے۔ وہاں لوگ مہاتما خودی کو گنوا کر شریر آدی سے بے سُدھ اس کی پریم بھری گود میں آنند لیتے ہیں۔ کیونکہ

جب سما جاتا ہے آنکھوں میں وجود واجب
دیکھتا کون ہے اس عالم امکان کی طرف

اسی پرکار جس موت کو لاعلاج کیا جاتا ہے۔ وہ ساد ہارن مہان آتماؤں کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی ہوتی ہے۔ رشی دیانند کے جیون کا آغاز مہادیو کو سالکشات دیکھنے تتھا مرتیو دکھ کی اوشدھی تلاش کرنے کے دو پرشنوں سے ہوا۔ اور اس کا انجام دونوں پرشنوں کو حل کرکے دکھا گیا۔ جیون بھر جتنے آکرمن ہوئے وہ اس تپسوی آتما کو اتنا بلوان کر گئے۔ کہ اس کے سامنے نہ روگ کی حقیقت رہی۔ نہ زہر اسے ڈلا سکی۔ نہ شریر کے روم روم کے دکھ اسے ڈرا سکے۔ نہ موت اس کی شانتی میں بادھا ڈال سکی۔ ایشور آنند میں جو آتما جیون برت رہا ہو۔ وہاں موت کا دکھ کیسے پاس پھٹک سکتا ہے۔ رشی دیانند کا انتم درشیہ سپشٹ شبدوں میں شہادت دیتا تھا۔ کہ وہ مرتیو پر وجے پانے کا نسخہ اپنے جیون میں درشا گئے

۱۔ دھرم رکھشک کو زہر مل گیا

جودھپور میں مہاراج نے بڑی شردھا سے سوامی جی کو بلایا۔ اور بغیر لاگ لپیٹ کے نربھے ہو کر سوامی جی ست کا منڈن اور اسَت کا کھنڈن کرتے رہے۔ کچھ دنوں بعد آپ کو معلوم ہوا۔ کہ مہاراج نے ایک ننھی جان طوائف رکھی ہوئی ہے۔ راج کا رخ اس کی صلاح سے ہوتا ہے۔ ایک دن سوامی جی مہاراج سے ملنے گئے۔ تو انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ کہ ان کے آنے پر مہاراج نے اس کا چوپان اٹھوا دیا۔ ایک طرف کا کندھا جھکا تو مہاراج نے اپنا کندھا یا ہاتھ لگا دیا۔ اپنے دیش کے راجاؤں کی یہ اوستھا دیکھ کر اس سچے ہتیشی کے دل پر بہت چوٹ لگی۔ اپدیش کے وقت آپ نے صاف کہہ دیا۔ کہ راج پرش سنگھ کے سمان ہیں۔ اور ویشیا کتیا کے سمان۔ سنگھوں کو کدا چت نہ چاہیئے۔ کہ وہ کتیا سے سماگم کریں۔ ایسی کتیوں پر آسکت ہونا کتوں کا ہی کام ہے نہ کہ اچھے منشوں کا اور لڑکیوں پر موہت ہونے والے کوے اور شوکر ہی ہوتے ہیں۔ ہزاروں دھتکار ہے۔ ایسے جیووں پر اس کے بعد سوامی جی نے بنے جلنے والوں سے بار بار کہا سکر زندہ رہنے کے بیچھے مرنے والے

بہت قابل نفرت ہیں۔ بھارت کے پراچین راجہ شور بیر اور جتیندری ہوتے تھے۔ نہ صرف یہی آپنے شری مہاراج پرتاپ سنگھ کو بتلایا تھا۔ کہ مجھے بہت شوک ہے کہ آپ اور باباصاحب آلس آدمی ہیں ورتمان اور ردگی مشرہ ولنے ہیں لاکھ سے زیادہ نشوں کی رکھشا اور کلیان کا بھار آپ لوگوں پر ہے۔ اور سدھار اور اُپکار بھی آپ ہی پہ نربھر ہے۔ پھر بھی آپ اپنی صحت حفاظت اور عمر بڑھانے کے کام پر بہت کم دھیان دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراج نے اس ویشیا سے کچھ نفرت کرنی شروع کردی لیکن وہ ویشیا بدلہ لینے کے درپے ہو گئی۔ وہ دھ جیسے سانپ کے اندر زہر بنتا ہے۔ ویسے ہی سوامی جی کا کٹھن تنگ خیال لوگوں کے دل میں بڑے اتیاچار کا بیج بنا۔ ننھی جان ویاکھیان کا حال سن کر آگ بگولا ہو گئی۔ پھر جب مہاراج کو اپنے سے متنفر پایا تو لگی کہنے۔ سوامی جی نے میرے پر غضب ڈھایا۔ جوں توں بدلا لینا چاہیے ویشیاؤں کے وسیع تعلقات اس اندھکار کے زمانے میں ظاہر ہی ہیں اس پر ویشیا بھی وہ جس نے مہاراج پر بھی قابو پا رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا سارا رعب اور رسوخ استعمال کیا۔ مہاراج ان پڑھ برہمنوں سے متنفر تھے۔ مگر ویشیا برہمنوں کو زیادہ مانتی اور بڑی مورتی پوجک تھی۔ حتےٰ کہ سنگھ چنڈرآنگد مت کے کھنڈن سے بہت ناراض تھے۔ بھیا فیض اللہ خاں صاحب تو مخالف تھے ہی۔ برہمن لوگ آگے ہی اپنی روزی کا نقصان سمجھ رہے تھے انہیں بھی ننھی جان کی ہمدردی کا سہارا غنیمت معلوم ہوا۔ بس پھر کیا تھا کٹھ پتلی بن گئے اور جو ناچ نچایا گیا ناچے۔ کئی طریقوں سے مہارشی کو کشٹ دیئے گئے پہلے تو جس کہار پر سوامی جی کا بڑا پریم اور بھروسہ تھا۔ اور جو بڑی پریتی سے خدمت کرتا تھا۔ وہ چھ سات سو روپے کا مال لے کر بھاگ گیا۔ جو برہم چاری دروازے پہ سوتا تھا۔ اسے اس رات وہاں نہ سونے دیا۔ پراتہ کال ہی چوری کا شور ہو گیا اور مہاراج نے حکم دیا کہ جیسے بھی بنے اس کہار کو جہاں ہو ڈھونڈھ کر لایا جائے

وہ خود اس راج کے کٹھن مارگ اور گھاٹیوں سے بالکل ناواقف تھا۔ تس پر بھی تعجب تھا کہ وہ بیچ ہی بیچ گم ہوگیا۔ اور پتہ نہ چلا۔ اسی طرح اس سازشی جتھے کی بدولت پہرے والے اور داروغہ آدی۔ دل سے مخالفت کرتے رہتے تھے۔ سوامی جی تاڑ گئے تو یہ ہاتھ جوڑ کر سامنے تو دھکم) ایسا کہہ دیتے اور پیچھا بس ہیں ہنستے اس لئے سوامی جی کا بھروسہ سب سے اٹھ گیا۔ جن لوگوں پر چوری کا شبہ تھا۔ اُن کے اظہار حکام کی معرفت لئے گئے۔ تین انہیں جیل میں نہ بھجوایا گیا۔ ایسے کل کارنوں سے ریاست کے آدمیوں پر سوامی جی کا اعتبار جاتا رہا اور وہ اس نگر سے چلنے کا بچار کرنے لگے کہ سو یاکے دو ارادہ دہ میں بار یک لیپا تھا کل بیچ ملا کر سوامی جی کو پلایا گیا اُسی راتری کو پیٹ درد اور پچیش کی سخت شکایت ہوئی۔ تین بار قے ہوئی۔ پرنتو سوامی جی نے کسی کو جگایا نہیں۔ آپ ہی جل سے قلا کر سو گئے بہت دن چڑھے اُٹھے۔ تو پھر قے ہوئی۔ اس پر سوامی جی کو کچھ سندیہہ ہُوا۔ پھر دوسری قے ہوئی تو کہنے لگے کہ ہمارا جیون لسا آتا ہے۔ جلدی اگنی کنڈ میں دھوپ ڈال سگندھ پھیلا کوٹھی سے دُر گندھ نکال دو اس کے پشچات پیٹ میں شول چلا تب سوامی جی نے جوشاندہ پیا جس سے دستوں کی چھیڑ چھاڑ ہو گئی مگر شول کو آرام نہ ہُوا۔ تب ڈاکٹر سورج مل جی کو بلایا گیا جنہوں نے قے بند کرنے کی اوشدھی دی اور جب سوامی جی نے کہا کہ شول اتنبت ہو رہا ہے اور پیاس بھی لگی ہے تب ڈاکٹر صاحب نے پیاس بند ہونے کی اوشدھی دی اور کہا کہ اس روگ کا کارن یہی ہے کہ اس بھیانک دیش کے جودھپور نگر میں ایسے مہاتما کا نواس ہُوا نہیں تو یہ شول کاہے کو چھتا۔

الغرض شول بڑھتا گیا شریر کے سب انگوں میں پرویش ہُوا۔ سانس کے ساتھ بڑے ویگ سے چلتا تھا۔ پرنتو ایسے دکھ میں بھی سوامی جی نے ایشور دھیان کے اپرانت کبھی ہائے تک نہ کی۔ شام کو مہاراج صاحب کو اطلاع ملی انہوں نے فوراً ڈاکٹر علی مردان خان کو علاج کے لئے بھجوایا۔ مگر ڈاکٹر صاحب کا علاج اُلٹا ہی پڑتا گیا۔ اور بقول مرض بڑھتا گیا جوں جوں

دوا کی - دن بدن سوامی جی کی تکلیفات میں ایزادی ہوتی گئی - ضعف بحد غایت
ہو گیا - منہ - حلق - زبان - تالو - سر - ماتھے پر آبلے پڑ گئے - بات چیت سے معذور
رہ گئے کروٹ لینا یا اُٹھنا دو چار آدمیوں کی مدد بغیر مشکل ہوا - ہچکی کی کثرت اور
دردشکم نے طاقت کو اور بھی سلب کیا - یہ نمو دہن ہے - سوامی جی کو جو سارے کشٹوں
کو بڑی شانتی سے سہن کر رہے تھے - ہچکی بہت ستاتی تو دو دو گھنٹے تک پرانا یام
چڑھا اُسے نوارن کرتے - لوگ بہت تعجب کرتے تھے کہ وہ شریر جو پورن برہمچریہ
سے پوری اصلاحوں اور احتیاطوں سے بنا تھا - کس طرح اُس کو ناش کیا جا رہا ہے
لیکن سپشٹ کہنا ذرا مشکل تھا - ہاں سوامی جی نے مہاراج پرتاپ سنگھ کو صاف
کہہ دیا تھا کہ زہر دیا گیا اور علاج اُلٹا ہوا -

آریہ پرشوں کو اطلاع دینے کا کوئی پربندھ نہ ہوا تیرہ دن بعد آریہ سماج اجمیر
کے ایک سبھاسد نے اخبار میں بیماری کی خبر پڑھ کر سب کو اطلاع دی - لیکن پرانے
تجربے کی بنا پر وہ سمجھے کہ دشمنوں نے خبر اڑا دی ہو گی اگر واقعی ایسا ہوتا تو اس وقت
تاروں کی بھرمار ہو جاتی - پھر بھی مناسب جان کر ایک سبھاسد سوامی جی کے پاس
بھیجا گیا - جو سوامی جی کو دیکھتے ہی حیران ہو کر بولا - بھگون یہ کیا ہوا -

اور اوپر شوک یہ کہ ہمیں اطلاع بھی نہیں ہوئی - سوامی جی بولے بیماری کا کیا لکھتے یہ
تو شریر کا دھرم ہی ہے اسکے علاوہ تم لوگوں کو کلیش ہوتا غرض اس سبھاسد کی طفیل اجمیر اور
وہاں سے تمام ملک میں خبر بھیجی تاروں پر تاریں آنے لگیں اور آریہ لوگ خود پہنچنے لگے اس
کے بعد تجویز ہوئی کہ سوامی جی کو آبو پربت پر لے چلو چنانچہ سوامی جی نے مہاراج کو پتر لکھا مگر
انہوں نے جواب دیا کہ اس حالت میں جانے سے میری بدنامی ہو گی مگر سوامی جی نے جانے کا ہی ارادہ
قائم رکھا اور اس اثنائے میں مہاراج نے سول سرجن صاحب کو علاج میں شریک کیا - سول سرجن
کی صلاح بھی آبو کی ہی ٹھہری - یہ افسوس کی بات ہے کہ دو ہفتہ تک مرض کو روز بروز بڑھتا
دیکھ کر بھی علاج بدلا گیا - اور پھر سول سرجن صاحب کے وقت بھی اس ڈاکٹر کو ساتھ

شریک کیا گیا۔ بات صرف یہ تھی کہ ہتھیشی رگ مارے شرم کے یہ بات تک نہ کر سکتے تھے۔ اور تیمار دار وہ تھے جو کہ بیمار کا مرنا خواہ سے چاہتے تھے۔ آخر آبو جانے کی تیاری ہوئی۔ مہاراج نے بہت شوک پرگٹ کیا اور شرم محسوس کی۔ پرنتو اب روکنا ٹھیک نہ تھا اس لئے ۲ ہزار روپیہ اور دو شالے بھینٹ کر کے بڑی تعظیم و تکریم سے سوامی جی کو روانہ کیا اور رستے میں آرام سے سفر ہونے کا سارا سامان کر دیا۔ جس سے یوں تو سوامی جی آبو پہنچ گئے مگر رستے میں اجمیر کسی ایک نامی حکیم سے جو دوائی منگوائی گئی اس سے پیاس وغیرہ کو آرام رہا اور آبو روڈ سٹیشن سے پہاڑ پر چڑھتے ہوئے ضلع جالندھر کے نواسی ڈاکٹر لچھمن داس مل گئے۔ اگرچہ یہ اس وقت اپنے افسر کے حکم سے اجمیر جا رہے تھے۔ تو بھی سوامی جی کو زیادہ بیمار دیکھ کر وہ سوامی جی کی سیوا کے لئے آبو آ گئے اور ان کے دو روز کے علاج سے ہچکی بند ہو گئی اور دست بھی بند ہو گئے مگر اُن کو افسر نے نہایت سختی کے ساتھ اجمیر بھیجدیا۔ انہوں نے عذر معذرت کی استعفا تک دیدیا۔ مگر پیش نہ گئی بیچارے بہت دُکھ مانتے ہوئے چلے۔ رستے میں سماجک پُرش ملے تو اُنہیں حال بتاتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسو بھر آئے اور وہ کہنے لگے کہ میں کیا کروں مجبور ہوں اب دو تین دن کے علاج کے متعلق تمام دوا و غذا تجویز کر آیا ہوں آپ لوگ اب سوامی جی کو جیسے بنے اجمیر لے آویں۔ علاج معالجہ آبو میں جاری رہا۔ مہاراجہ جودھپور ادھیش کی آگیا انوسار ڈاکٹر ایڈم صاحب سول سرجن اور بابو گور چرن داس سب اسسٹنٹ سرجن بار ہا آتے رہے اور چونکہ کچھ آرام آ رہا تھا اس لئے وہ اجمیر جانے کے برخلاف تھے سوامی جی کی بھی یہی مرضی تھی اس لئے وہ التوا کرتے جاتے تھے لیکن آریوں کے اصرار اور ڈاکٹر لچھمن داس کی تاکید اور جو بھروسہ ڈاکٹر جی پر تھا اس سے اجمیر جانا منظور کر لیا۔ ہاں یہ کہا کہ تمہاری مرضی سے جاتا ہوں ورنہ میرا دل نہیں چاہتا آخر ۲۶۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو اجمیر کی طرف روانہ ہوئے سٹیشن پر بہت لوگ درشن کے لئے پہنچے اور اُن کی اوستھا کو دیکھ کر گھبرا گئے مگر چند آدمیوں نے بڑی ساودھانی سے آپ کو گاڑی سے اُتارا تو اترتے ہی

سو رچھا آگئی۔ پھر انہیں پالکی میں لٹا یا گیا اور کہار دھیرے دھیرے پالکی کو کوٹھی پر لے آئے۔ ڈاکٹر لچھمن داس جی کا علاج شروع ہوا۔ مگر افسوس کہ اب کسی دوائی کا اثر نہ ہوا۔ تکلیف دم بدم بڑھ رہی تھی۔ اور ہاتھ پاؤں بلکہ سارے انگوں کے اوپر پھپھولے پڑ گئے تھے۔ سارے ابلوں کو گرم کپڑے سے ٹکور کی جاتی کئی جگہ سے پیپ اور کئی جگہ سے خون ٹپکنا لگے سے ناابھی تک چھالے پڑ گئے تھے ایک آپ نے گلا بیٹھ جانے کا کارن پوچھا تو آپ نے منہ کھول کر دکھا یا اور آہستہ آواز سے بتلایا کہ ناابھی تک چھالے پڑ گئے ہیں۔ سوانس جلد جلد چلتا تھا جسے سوامی جی روک روک کر پھر جلدی زور سے نکال دیتے تھے۔ اور کچھ ایشور کا دھیان بھی کرتے تھے مگر غضب کا ضبط تھا کوئی تکلیف کا اشارہ ظاہر نہ کرتے تھے۔ برابر بیٹھ کر ٹکور کرانے تاں کبھی اتنا پوچھتے۔ کہ جو کچھ کرنا تھا ہو چکا کہ نہیں

۲- ایشور تیری اچھا پورن ہو

تجھ پاتے ہیں وہ جاں سے گذر جاتے ہیں جو ابھی ‏ ‏ ‏ تیرا دیدار سودا ہے ازل سے جان پیاری کا

۳۰ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو اجمیر کے بڑے ڈاکٹر نیوٹن صاحب کو بلایا گیا۔ آپ دیکھتے ہی بولے۔ کہ یہ شخص بڑا اقد آور مضبوط دلیر اور روگ کو سہنے والا ہے۔ اتنا ناقابل برداشت روگ اور یہ اپنے آپ کو دکھی نہیں مانتا اور اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے اب تک زندہ ہے۔ ڈاکٹر لچھمن داس نے سوامی جی کا نام بتایا تو صاحب بہادر کا افسوس اور بھی بڑھ گیا پھر جو کچھ ان کی عقل میں آیا انہوں نے علاج کیا۔ مشہور حکیم پیر امام علی بھی آئے۔ مگر ناشواں شریر کب تک بچایا جا سکتا تھا جب بھی سخت سے سخت تکلیف میں سوامی جی سے حال پوچھا گیا۔ انہوں نے اچھا ہی اچھا کہا۔ لیکن آج ۱۱ بجے تو آپ کا گلا بھی کھل گیا۔ جب تک انت کا سنبھالا سمجھا گیا آرام سوامی جی نے خود کہا آج کہا نا بناؤ جو تمہارا جی چاہے چنانچہ قسم قسم کا کھانا بنا میز پر سامنے رکھا گیا جسے دیکھ کر سوامی جی

نے کہا کہ بس لے جاؤ۔ صرف ایک چمچہ چینے کا پانی لیا۔ لالہ جیون داس جی لاہور سے آگئے تھے۔ پوچھنے لگے۔ کہ مہاراج کیسے طبیعت کیسی ہے فرمایا کہ اچھی ہے۔ ایک ماس کے پشچات آج کا دن آرام کا ہے۔ ایک دفعہ خیال ہوا۔ کہ سوامی جی ہوش میں ہیں۔ امتحاناً پوچھا گیا۔ کہ سوامی جی اس وقت آپ کہاں ہیں۔ جواب ملا۔ برہم میں۔

درد کو سہارنے میں اتنا کمال تھا۔ کہ ماتھے پر جو آبلہ تھا اُسے آپ نے ہاتھ سے رگڑ ڈالا۔ حجام سے حجامت کروائی تو وہ چہرے پر استرا نہ پھیرتا تھا کہ پھوڑوں سے خون نکلیگا مگر سوامی جی نے کہا کچھ پرواہ نہیں۔ سب جگہ استرا پھیر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے بعد کپڑے سے سوامی جی نے سر کو پونچھا کیونکہ نہانے سے سب نے منع کیا۔

۴ بجے کے بعد سوامی جی نے آتما نند جی کو بلایا۔ جو آکر سامنے کھڑے ہو گئے۔ سوامی جی نے کہا پیچھے کی طرف آکر کھڑے ہو جاؤ یا بیٹھ جاؤ۔ آتما نند جی سرہانے آکر بیٹھ گئے۔ تب کہا آتما نند کیا چاہتے ہو (آتما نند) ایشور سے یہی چاہتے ہیں۔ کہ آپ اچھے ہو جائیں (سوامی جی) کچھ ٹھہر کر یہ دیہہ ہے اس کا کیا اچھا ہوگا۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ دھرا اور کہا آنند سے رہنا۔ یہی بات گوپال گری سنیاسی سے ہوئی۔ جو کانشی سے ملنے آئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر سب جگہ سے آئے ہوئے آریہ پُرش سوامی جی کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ سوامی جی نے ایسی کرپا درشٹی سے سب کی طرف نظر کی۔ کہ تحریر یا تقریر میں بیان مشکل ہے۔ وہ نظر زبان حال سے آریوں کو کہہ رہی تھی۔ کہ تم کیوں اداس ہو۔ دھیرج دھرنا چاہیئے۔" اس کے بعد دو صد روپیہ اور دو شالے آتما نند جی اور ڈاکٹر لچھمن داس جی کو دیئے۔ مگر انہوں نے واپس کر دیئے۔ اس وقت پانچ بج گئے تھے۔ طبیعت کا حال پوچھا گیا وہ بولے کہ اچھا ہے تیج اور اندھکار کا بھاؤ ہے فقرہ کا مطلب نہ سمجھے ساڑھے پانچ بجے سوامی جی نے پوچھا۔ کون سا پکھش۔ کیا تتھی اور کیا وار ہے۔ کسی نے کہا کرشن پکھش کا انت اور شکل پکھش آدی اماوس منگلوار ہے۔ تب آپ نے چھت اور دیواروں پر نظر کی۔ پھر وید منتر پڑھے۔ بعد میں سنسکرت میں ایشور اپاسنا کی

اس کے پشچات مہاشا ییں ایشور گن کیرتن کیے گئے۔ ور مہرش مہت گا تیری منتر کا پاٹھ کیا۔ اور تب مہرش اور مہاراج چت سے کچھ دیر سماددھی لگا رہ کر نیتر کھول لیے اور یوں کہا منہ سے دیا میئے! ہے سرب شکتیمان ایشور! تیری یہی اچھیا! تیری ہی اچھیا ہے تیری اچھیا پورن ہو۔ آہا! ایشور تو نے اچھی لیلا کی"۔ وہیں کروٹ بدلی۔ اور سوانس کو روک یکبارگی نکال دیا:-

شکھشا

رشی دیانند کی موت ثابت کرتی ہے۔ کہ امر ہونے کا نسخہ کیول ایشور کا ساکھشات اور اس کی آگیاؤں کا پالن کرنا ہے ستیہ کا گرہن۔ استیہ کا تیاگ۔ برہمچریہ آدی برت پالن اور تپسوی جیون کا انوشٹھان ایشوری گیان وید دوارا ہی پراپت ہوتا ہے۔ چلتے۔ پھرتے۔ اٹھتے بیٹھتے۔ کھاتے پیتے سوتے جاگتے آتما کا ایشور اپن رہنا۔ اور سو بھاؤ ہی اپنا ستیہ اور کیول ستیہ کے گرہن تتھا پرچار کا بنا دینا انسانی زندگی کا ٹھیک استعمال ہے کوئی کہتا ہے ؎

نہ خالی نفس کی گر آمد و شد ذکر حق سے ہو
تو بس منزل پہ پہونچا دے یہی گھوڑا سواری کا

ذکر حق کا مطلب ایشور کا نام سمرن ہی نہیں۔ کنتو سچائی کا چنتن اسی کا برتن۔ اسی کے انوکول چلن ہی ایشور کی یاد ہے۔ اسی آچرن سے رشیوں نے مرتیو کا خوشی سے استقبال کیا۔ اسی ستیہ کے آشرے سے رشی دیانند کو موت سے ہم آغوش ہونے میں یہی آنند ملا۔ آہ کاش کہ یہ موت بھارت باشی اور تمام کرۂ زمین کے تمام ان لوگوں کے دلوں کو اپنا مقناطیسی

اڈ دکھائے جو مغربی تہذیب پر اور موجودہ مت متانتروں کی گمراہ کرنیوالی سکھشا پر لٹو ہو رہے ہیں۔ اور انہیں اسی زور سے ویدک دھرم کی اور کھینچ لائے۔ جس زور سے پنڈت گورودت ایم اے جیسے لائق آزاد خیال ناستک کے من کو اس نے پلٹا دیا۔ زبانی اپدیش جہاں ناکام رہے۔ یکتی پرمان جہاں اس اعلےٰ دماغ کو کشش نہ دے سکے۔ وہاں رشی دیانند کی موت کے نظارہ نے اس کٹر ناستک کے دل میں وشواس کو مکمل بھی آستکتا کا جھنڈا گاڑ دیا۔

سچ یہ جسے لوگ موت کہتے ہیں۔ اس کے اندر ہی سچی زندگی ہے ضرورت یہ ہے۔ کہ رشی دیانند کی طرح سچی موت مرنا انسان سیکھیں وچارشیل اپدیشک کہتے ہیں۔ کہ دیوالی کی رات کو اس مہان آتما کا شریر سے ویوگ ہوا۔ ایسے وقت جبکہ دیپ مالا شروع ہوئی۔ اس سے شکشا ملتی ہے۔ کہ مت متانتر روپ چراغ تب ہی جلتے ہیں جب وید کا سورج لوپ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی گیات ہوتا ہے۔ کہ انسانی وچار کتنے ہی اکٹھے ہوں۔ ایشوری گیان کا کام نہیں دے سکتے۔ جیسے اننت لیمپ مل کر بھی سوریہ کا سا پرکاش نہیں دے سکتے۔ اسی سے یہ بھی ہدایت ملتی ہے۔ کہ جہاں ایک ایک چراغ معمولی سی روشنی دے سکتا ہے سو وہاں بہت سے چراغ مل جاویں تو سارا شہر جگمگ جگمگ کر سکتا ہے۔ اسی پرکار تھوڑی ودیا اور تھوڑے بل والے پرش بھی ایک ساتھ پریم کی لڑی میں پروئے جائیں۔ تو مشکلوں کو حل کر لیتے ہیں۔ ایسے انیک اپدیش رشی کی موت سے اپنی یوگیتا کے مطابق لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان باہر کے اپدیشوں کو چھوڑ اگر رشی کے اندر کی اوستھا کو کوئی شخص اپنے من کے آگے رکھ سکے۔ تو اس کے

تمام وچاروں اور سنسکاروں کا تار ایک ایشور اور اس کے وید گیان کی اور کھچا ہوا پائے گا۔ تو پورن بل سے اسے شکشا دے گا۔

اسے آواگون کے چکر میں پھنسے ہوئے۔ دکھوں میں بھٹکتے ہوئے آتماؤ! گیان کی پراپتی اور موت کو جیت کر مکتی نجات پانے کے لئے کیول ایشور اور وید کی ہی شرن لینی چاہیئے:۔

پرماتما سے پرارتھنا ہے۔ کہ وہ ہم سب کو وہی بل دیں۔ اور وہی بدھی۔ جس سے رشی دیانند ایسے سمے میں سفید کی پراپتی اور رکشا میں کامیاب ہوا۔ جبکہ مت متانتروں کے بادلوں نے وید سوریہ کو ڈھانپ کر رکھا تھا۔ اور گھور اندھکار پھیل رہا تھا۔

ایسی بدھی تپتا سے پورشارتھ کر کے اور آس جگدیشور کی سہائتا سے ہی ہمیں پاپ اور دکھ سے بچ کر سکھ اور شانتی کا مارگ دیکھنے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ پربھو کرپا کرو۔ ہمیں بھٹکنے سے بچاؤ۔ اور رشی جیون کو ورستو میں ہم اپنا پتھ پردرشک بنا سکیں۔ ایسی شکتی ہمیں پردان کرو۔ اوم شم